دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

ماہ شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۹۷ء

جلد نمبر ۸۲	شمارہ نمبر ۱	فی شمارہ۔ /۶	سالانہ۔ /۶۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند	استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یوپی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔ /۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم۔ /۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم۔ /۸۰ ہندوستان سے۔ /۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸، ۱۴۱۱ھ

دارالعلوم دیوبند میں جدید طلبہ کے لئے ضروری

قواعد داخلہ

ذمہ دارانِ مدارس عربیہ سے درخواست

حامداً و مصلیاً! حضور ﷺ نے طلبہ عزیز کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ رِجَالاً یَاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْراً۔(رواہ الترمذی)

بے شک بہت سے لوگ زمین کے گوشہ گوشہ سے علم دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے تمہارے پاس آئیں گے جب وہ آئیں تو تم ان کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت قبول کرو۔

اس لئے طلبہ عزیز کے ساتھ خیر خواہی تمام مدارس کے ذمہ داروں کا فرض اولیں ہے۔ طلبہ عزیز کے لئے بہتر تعلیم، عمدہ تربیت، اچھا انتظام اور حسب استطاعت راحت رسانی خیر خواہی کے ضمن میں آتی ہے اور الحمد للہ مدارس عربیہ کے ذمہ دار اس وصیت پر عمل پیرا ہیں، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی ترقی علم و فن کی ترقی، دین کی ترقی، اور مسلمانان عالم کی ترقی ہے ان ہی چیزوں کے پیش نظر ذمہ داران مدارس کی خدمت میں عرض کیا جاتا رہا ہے کہ وہ طلبہ کی استعداد سازی پر سب سے زیادہ توجہ فرمائیں

اور دارالعلوم میں جس جماعت میں داخلہ کا ارادہ ہے وہاں تک قابل اعتماد استعداد کا پیدا ہو جانا دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ضروری سمجھیں اور اسی لئے چند سالوں سے ماہ رجب المرجب ہی میں ضروری اصول و ضوابط کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

آپ حضرات سے مخلصانہ درخواست ہے کہ ان چیزوں پر عمل درآمد کے سلسلہ میں خدام دارالعلوم کا تعاون فرمائیں۔

عربی درجات میں جدید داخلے کے قواعد

(۱) دارالعلوم دیوبند کے تمام تعلیمی شعبوں کے طلبہ کی تعداد ڈھائی ہزار ہوگی، جن میں دارالافتاء، تکمیلات، کتابت دارالصنائع کے شعبے قدیم طلبہ کے لئے ہیں بقیہ شعبوں میں قدیم طلبہ کے بعد جو عدد باقی بچے گا اس کو جدید طلبہ سے مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ پر کر لیا جائے گا یعنی ہر جماعت کی مقررہ تعداد کو اونچے نمبرات سے شروع کر کے پورا کیا جائے گا۔

(۲) آنے والے جدید طلبہ سب سے پہلے فارم برائے شرکت امتحان داخلہ پُر کریں گے یہ فارم انہیں دفتر تعلیمات سے ۸ر شوال کی شام تک دیا جائے گا واپسی ۹ر شوال کی شام تک ضروری ہوگی۔

(۳) سال اول سال دوم کے لئے امتحان داخلہ تقریری ہوگا، تقریری امتحان سے پہلے اردو املاء کا تحریری امتحان ہوگا۔

(۴) سال سوم کے امیدوار جدید طلبہ کا نفحۃ الادب اور ہدایۃ النحو اور نورالایضاح کا تحریری امتحان لیا جائے گا

(۵) سال چہارم سال پنجم سال ششم سال ہفتم اور دورۂ حدیث کے امیدواروں کا امتحان داخلہ تحریری ہوگا، امتحان ۱۱ر شوال المکرم ۱۴۱۱ھ سے شروع ہوگا۔

(۶) شعبۂ دینیات کے قدیم طالب علم کے لئے سال اول عربی میں داخلے کے واسطے پرائمری درجہ پنجم کی سند ضروری ہوگی۔ نیز ان طلبہ کا فارسی حساب اور اردو املاء کا امتحان لیا جائے گا۔

اور داخلہ کے خواہشمند جدید طلبہ کے لئے پرائمری درجہ پنجم کے مضامین کی صلاحیت

ضروری ہوگی اور فارسی اردو، اردو رسم الخط اور صرف ونحو کی اصطلاحات کی جانچ ہوگی۔

سال چہارم، سال پنجم، سال ششم، سال ہفتم اور دورۂ حدیث کے لئے پچھلے درجات کی تمام کتابوں کا امتحان تحریری ہوگا۔

سال چہارم کے لئے قدوری (از کتاب البیوع تا ختم) ترجمۃ القرآن (سورہ بقرہ یا سورہ قٓ سے آخر تک) شرح تہذیب، نفحۃ العرب اور کافیہ یا شرح شذور الذہب، یا شرح جامی کا تحریری امتحان ہوگا۔

سال پنجم کے لئے کنزالدقائق مع شرح وقایہ ثانی یا شرح وقایہ اول، دوم اصول الشاشی تلخیص المفتاح یا دروس البلاغہ، ترجمۃ القرآن (آل عمران تا سورۂ مریم) یا (سورۂ یوسف سے سورۂ قٓ تک) اور قطبی کا تحریری امتحان ہوگا۔

سال ششم کے لئے ہدایہ اول، نورالانوار اور مختصر المعانی، سلم العلوم مقامات حریری کا تحریری امتحان ہوگا۔

سال ہفتم کے لئے جلالین ہدایہ ثانی، حسامی میبذی دیوان متنبی کا تحریری امتحان ہوگا دورۂ حدیث کے لئے ہدایہ آخرین مشکوٰۃ شریف بیضاوی شریف شرح عقائد نسفی نخبۃ الفکر اور سراجی کا تحریری امتحان ہوگا، نیز پارہ عم صحیح مخارج کے ساتھ حفظ ہونا ضروری ہوگا اس کا امتحان بروقت لیا جائے گا۔

نوٹ:۔ اپنی سابقہ تعلیم کی کوئی بھی سند کسے کے پاس اگر ہو تو داخلہ فارم کے ساتھ منسلک کردیں۔

(۷) سال اول ودوم میں نابالغ بیرونی بچوں کا داخلہ نہ ہوگا۔

(۸) جو طالب علم اپنے ساتھ صغیر السن بچوں کو لائے گا اس کا داخلہ ختم کردیا جائے گا۔

(۹) جن امیدواروں کی وضع قطع طالب علمانہ نہ ہوگی مثلاً غیر شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونا یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع ہو ان کو شریک امتحان نہ کیا جائے گا اور اس سلسلے میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

(۱۰) سرحدی صوبوں میں سے آسام وبنگال کے امیدواروں کو تصدیق نامہ وطنیت پیش کرنا ضروری ہوگا تصدیق نامہ کی اصل کاپی پیش کرنا ضروری ہوگا فوٹو اسٹیٹ کاپی قبول نہیں کی جائے گی اور یہ تصدیق نامہ وطنیت کسی بھی وقت واپس نہ ہوگا۔

(۱۱) جدید امیدواروں کو لازم ہوگا وہ دارالعلوم میں آتے وقت تاریخ پیدائش کا سرٹیفکیٹ لے کر آئیں یہ سرٹیفکیٹ کارپوریشن میونسپل بورڈ ٹاؤن ایریا یا گرام پنچایت کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۲) جدید امیدواروں کے لئے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی واخلاقی تصدیق نامہ، اور مارک شیٹ (نمبرات کتب) پیش کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۳) نجی تصدیقات یا سماعت وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱٤) غیر ملکی امیدوار تعلیمی ویزہ لے کر آئیں ٹورسٹ ویزا پر داخلہ نہیں ہوسکے گا فارم برائے شرکت امتحان کے ساتھ پاسپورٹ و ویزا کی فوٹو اسٹیٹ پیش کریں۔

(۱۵) بنگلہ دیشی امیدواران حسب ذیل علماء کرام سے تصدیق لے کر آئیں (۱) مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جامعہ حسینیہ ارض آباد میرپور ڈھاکہ (۲) مولانا حافظ عبدالکریم صاحب محلہ چوکی دیکھی سلہٹ، بنگلہ دیش۔

(۱٦) کیرالا کے امیدواران مندرجہ ذیل علماء کرام سے تصدیق لے کر آئیں (۱) مولانا نوح صاحب (۲) مولانا حسین مظاہری (۳) مولانا محمد کویا قاسمی۔

یہ تصدیقات درخواست برائے شرکت امتحان کے ساتھ فوٹو اسٹیٹ کی شکل میں پیش کرنی ہوں گی داخلہ فارم کے اجراء پر اصل تصدیقات پیش کرنا ضروری ہوں گی۔

تنبیہ :۔ طلبہ کو خاص طور پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ امتحان کی کاپیاں کوڈ نمبر ڈال کر ممتحن کو دی جاتی ہیں اس لئے امیدوار صرف انہیں درجات کا امتحان دیں جن کی وہ تیاری کرچکے ہیں۔

بوقت داخلہ جدید فارم میں جو پتہ لکھا جائے گا اس میں آئندہ کبھی بھی کسی طرح کی ترمیم نہ ہوگی۔

قدیم طلبہ کے لئے

(۱) تمام قدیم طلبہ کے لئے ۲۰؍ شوال تک حاضر ہونا ضروری ہے۔

(۲) جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوں گے ان کو ترقی دی جائے گی جو طلبہ دو کتابوں میں ناکام ہوں گے ان کا ضمنی امتحان داخلہ کے ساتھ لیا جائے گا بصورت کامیابی ترقی دی جائے گی ورنہ بلا لحاظ سال کا اعادہ کردیا جائے گا اعادہ سال کی رعایت صرف ایک سال

کے لئے ہوگی اور اگر دوسرے سال بھی اعادہ کی نوبت آئی تو داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) عربی سال اوّل میں مشق تجوید کے اور سال دوم میں جمال القرآن کے نمبرات بسلسلۂ ترقی درجہ اوسط میں شمار ہوں گے بقیہ سالوں میں تجوید وکتابت کے نمبرات بسلسلہ ترقی درجہ اوسط میں شمار نہ ہوں گے، البتہ فوائد مکیہ اور صف عربی کے نمبرات ترقی واجراء امداد کے سلسلہ میں شمار کئے جائیں گے۔

(۴) حسب تجویز مجلسِ تعلیمی وظیفہ تکمیل کے بقا کے لئے اوسط کامیابی ۳۲ ہونا شرط ہے اس سے کم پر وظیفہ تکمیل بند کر دیا جائے گا۔

(۵) تکمیل ادب میں صرف ان فضلاء کا داخلہ ہو سکے گا جن کا دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں اوسط کامیابی ۴۴ ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ ہوں۔

(۶) امیدواروں کے زیادہ ہونے کی صورت میں نمبرات اور انٹرویو کو وجہ ترجیح بنایا جائے گا۔

(۷) ایک تکمیل کے بعد دوسری تکمیل کے لئے ضروری ہوگا کہ امیدوار نے سابقہ تکمیل میں کم از کم ۴۵ اوسط حاصل کیا ہو اور وہ کسی کتاب میں ناکام نہ رہا ہو۔

(۸) ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہوں گے اِلّا یہ کہ ان کے درجہ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب انکا داخلہ نہ ہو سکا ہو۔

(۹) دارالافتاء کے فضلاء کا کسی شعبہ میں داخلہ نہ ہوگا۔

(۱۰) جس کی کوئی بھی شکایت دارالاقامہ، تعلیمات یا اہتمام میں کسی بھی وقت درج ہوئی ہو اس کو دورۂ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

(۱۱) کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلاء کو فراغت کے بعد ہی سند فضیلت دی جائے گی۔

(۱۲) کسی بھی تکمیل میں علاوہ افتاء کے داخلہ کی تعداد ۲۰ سے زائد نہ ہوگی اور وہ تعداد مقابلہ کے نمبرات کے ذریعہ پوری کی جائے گی۔

دیگر شعبوں کے بارے میں

دارالعلوم دیوبند کا بنیادی کام اگرچہ عربی دینیات کی تعلیم ہے، لیکن حضرات اکابر نے مختلف دینی اور دنیوی فوائد اور مصالح کے پیشِ نظر متعدد شعبے قائم فرمائے، شعبۂ تجوید حفص

اررد عربی، شعبۂ خوشنویسی، دارالصنائع وغیرہ، ان شعبوں میں داخلہ کے لئے درج ذیل قواعد پر عمل ہوگا۔

دارالافتاء

(۱) دارالافتاء میں داخلہ کے امیدواروں کے لئے وضع قطع کی درستگی کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔
(۲) دورۂ حدیث سے دارالافتاء کے لئے صرف وہ طلبہ امیدوار ہوں گے جن کا اوسط کامیابی ۴۵ ہوگا۔
(۳) کسی بھی تکمیل سے دارالافتاء میں داخلے کے امیدوار کے لئے سابقہ تکمیل میں اوسط ۴۶ر حاصل کرنا ضروری ہے۔
(۴) دارالافتاء میں داخلہ کی تعداد ۲۵ سے زائد نہ ہوگی اور کوشش کی جائے گی کہ معیار مذکور کو پورا کرنے والے ہر صوبہ کے طلبہ کو داخلہ دیا جائے لیکن اگر کسی صوبہ سے کوئی امیدوار مندرجہ بالا شرائط کا حامل نہ پایا گیا تو دوسرے صوبوں سے یہ تعداد پوری کرلی جائے گی، ان ۲۵ر طلبہ کی امداد جاری ہوسکے گی۔
(۵) دارالافتاء میں ممتاز نمبرات سے کامیاب ہونے والے دو طلبہ کا انتخاب تدریب الافتاء کے لئے کیا جائے گا یہ انتخاب دو سال کے لئے ہوگا اور ان کا وظیفہ ۸۰۰ روپے ماہوار ہوگا۔

شعبۂ دینیات، اردو، فارسی، شعبۂ حفظ قرآن

(۱) شعبۂ دینیات اردو، فارسی اور شعبۂ حفظ میں مقامی بچوں کو داخلہ دیا جائے گا۔
(۲) دینیات کے درجہ اطفال شعبۂ ناظرہ اور شعبۂ حفظ میں مقامی بچوں کا داخلہ ہر وقت ممکن ہوگا۔
(۳) دینیات کے بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک کیا جائے گا اس کے بعد داخلہ نہیں کیا جائے گا۔

شعبۂ تجوید، حفص اردو، عربی

(۱) حفص اردو میں وہ طلبہ داخل ہو سکیں گے جو حافظ ہوں قرآن کریم ان کو یاد ہو اور وہ اردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں، نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو، ان طلبہ میں ۹۰ کی امداد جاری ہو سکے گی۔

(۲) شعبۂ حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جائے گا جنہیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی میں شرح جامی یا سال سوم کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں ان طلبہ میں دس کی امداد جاری ہو سکے گی۔

(۳) ان طلبہ کی پورے اوقاتِ مدرسہ میں حاضری ضروری ہو گی۔

قرأت سبعہ عشرہ

(۱) اس درجہ میں داخلہ کے لئے حافظ ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ عربی کی سال چہارم تک کی جید استعداد رکھتے ہوں (۲) اس درجہ میں داخل طلبہ کے لئے حفص عربی سے فارغ ہونا ضروری ہے اور ان کی تعداد دس سے زائد نہ ہو گی اور ان دس کی امداد مع وظیفہ خصوصی جاری ہو سکے گی۔

شعبہ خوشنویسی

(۱) اس درجہ میں داخل طلبہ کی تعداد تیس ہو گی اور ان کی امداد جاری ہو سکے گی

(۲) داخلہ کے امیدوار میں فضلاء دارالعلوم کو ترجیح دی جائے گی۔

(۳) شعبہ میں مکمل داخلہ کے امیدواروں کو امتحان داخلہ دینا ضروری ہو گا اور صرف اس فن کی ضروری صلاحیت رکھنے والوں کو داخل کیا جائے گا۔

(۴) قدیم طلبہ اگر فن کی تکمیل نہیں کر سکے ہیں تو ناظم شعبہ کی تصدیق اور سفارش پر ان کا مزید ایک سال کے لئے غیر امدادی داخلہ کیا جائے گا بشرطیکہ کوئی شکایت نہ ہو۔

(۵) جو طلبہ مکمل امدادی یا غیر امدادی داخلہ لیں گے ان کو اوقات مدرسہ میں پورے چھ گھنٹے درسگاہ میں بیٹھ کر مشق کرنا ضروری ہو گا۔

(۶) جو طلبہ عربی تعلیم کے ساتھ کتابت کی مشق کر چکے ہوں اور ناظم شعبہ ان کی صلاحیت کی تصدیق کریں تو دورۂ حدیث کے بعد تکمیل داخلہ اور امداد میں ان کو ترجیح دی جائے گی۔
(۷) تمام طلبہ کے لئے طالب علمانہ وضع اختیار کرنا ضروری ہے۔
(۸) پہلے نصف سال میں مقررہ تمرینات کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔

دارالصنائع

(۱) طالب علمانہ وضع قطع کے بغیر داخلہ نہیں لیا جائے گا۔
(۲) معلم دارالصنائع جن کی صلاحیت کی تصدیق کریں گے ان کو داخل کیا جائے گا۔
(۳) پہلے تین ماہ میں کام کی تکمیل نہ کی گئی تو داخلہ ختم کر دیا جائے گا۔
(۴) اس شعبہ میں دس سے زائد کا داخلہ نہ ہو سکے گا اور ان سب کی صرف امداد و طعام جاری ہو سکے گی۔
(۵) اوقات مدرسہ میں پورے وقت حاضر رہ کر کام کرنا ضروری ہو گا۔
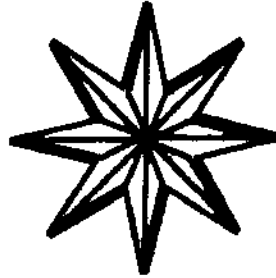
تفسیر آیات صیام

حبیب الرحمٰن قاسمی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين امابعد:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ

تفسیر:۔ صیام کے لفظی معنی رکنے کے ہیں اور شریعت اسلامی کی اصطلاح میں عبادت کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب شمس تک کھانے، پینے اور عورت سے مباشرت کرنے سے رکنے کو صوم کہتے ہیں۔ صوم یعنی روزہ ان عبادات میں سے ہے جن کو اسلام کے عمود و شعائر قرار دیا گیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بنى الاسلام علىٰ خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكاة والحج وصوم رمضان (رواہ ابن عمرؓ متفق علیہ)(۱)

اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے اول خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا، دوم۔ نماز قائم کرنا، سوم۔ زکوٰۃ دینا، چہارم۔ حج کرنا، پنجم۔ رمضان کے مہینہ کے روزے رکھنا۔

انسان کے اندر شہوت و غضب دو قوتیں ایسی ہیں جو گناہوں کا منبع و سرچشمہ ہیں۔ ظلم

---

(۱) مشکوٰۃ ج ۱

وفساد، قتل وغارت گری چوری ورہزنی، بے حیائی وبدکاری جیسے انسانیت سوز جرائم انہیں دونوں قوتوں کے بیجا غلبہ واستعمال سے ظہور میں آتے ہیں چوں کہ دعوتِ قرآن کا اہم وبنیادی مقصد نفسِ انسانی کی تہذیب واصلاح ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر نہ توانسانی نفوس کا تعلق ملاء اعلیٰ سے قائم ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی زمین میں عدل وانصاف، طہارت وپاکیزگی اور امن وامان کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔ روزہ قوت شہوت وغضب کو اعتدال میں رکھنے اور نفس کی تہذیب وتطہیر میں اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے مصلح انسانیت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم" (رواہ عبد اللہؓ بن مسعود متفق علیہ)(۱)

اے جوانو تم میں سے جو مصارف نکاح کی استطاعت وقدرت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نگاہوں کو خوب پست رکھنے والا اور شرم گاہ کی اچھی طرح سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جسے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو اس پر روزہ رکھنا ہے۔ کیونکہ روزہ قوتِ شہوت کو توڑ دیتا ہے۔

اس حکمت کے پیش نظر پیروانِ دعوت قرآن کو خدائے علیم ورحیم کی جانب سے حکم صادر فرمایا گیا کہ اے مسلمانو جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گذر گئے روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی وپرہیزگار بن جاؤ۔

(۲) اَیَّاماً مَعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ کَانَ مِنکُمْ مَرِیْضاً اَوْ عَلیٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَیَّامٍ اُخَرَ، وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ، فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْراً فَهُوَ خَیْرٌ لَهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

ترجمہ :۔ (یہ فرض روزے) چند روز ہیں گنتی کے۔ پھر جو کوئی تم سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی (اور اس طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھیں) ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا کھلانا۔ پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے۔ اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

تفسیر :۔ ایاماً معدودات۔ یعنی گنتی کے چند سے مراد بقول ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن

۱۔ مشکوٰۃ ج ۲، وتفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۳۔

عباس اور ابو مسلم وحسن اور امام شافعیؒ واکثر محققین کے ماہ رمضان ہے۔ پھر اس گنتی کے روزوں میں یہ آسانی دی گئی کہ تم میں جو شخص بیمار ہو کہ روزہ رکھنا اس کے لئے مشکل یا معتذر ہو۔ یا شرعی سفر میں ہو تو اسے ایام رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے البتہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر چھوٹے روزوں کی تعداد پوری کرلے۔ مریض و مسافر پر فوت شدہ روزوں کی یہ قضا واجب ہے "فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" کے جملہ سے اسی قضائے واجب کا بیان ہے۔

پھر ایک دوسری سہولت یہ دی گئی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر ابتداء میں عادت نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل ایک ماہ کا روزہ رکھنا ان پر دشوار اور نہایت شاق تھا تو ان کو اختیار تھا کہ چاہے تو روزہ رکھیں اور چاہے تو روزہ نہ رکھیں اور ہر ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں (۱) کیونکہ جب ایک دن کا کھانا دوسرے کو دے دیا تو گویا اپنے آپ کو ایک دن کے کھانے سے روک لیا تو اس طرح فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہو گئی پھر جب لوگ روزہ کے عادی ہو گئے تو یہ سہولت ختم کر دی گئی

تنبیہ :۔اس آیت کی ایک تفسیر اور ہے جس کی رو سے آیت منسوخ نہ ہو گی۔

مسئلہ : ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت ہے نصف صاع مروجہ سیر اسی (۸۰) تولہ کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر ہوتے ہیں۔ یہ فدیہ کسی معاوضہ کے طور پر دینا درست نہیں ہے بلکہ خالص اللہ کی رضاجوئی کے لئے مسکین کو دیا جائے۔ پھر ایک روزہ کے فدیہ کو دو مسکینوں میں تقسیم کرنا اگرچہ قول مفتی بہ کے اعتبار سے درست ہے مگر خلاف اولیٰ ہے اس لئے ایک فدیہ ایک ہی مسکین کو دیا جائے۔

مسئلہ : اگر کسی شخص کو اپنی تنگدستی کی بناء پر فدیہ ادا کرنے کی وسعت نہ ہو وہ فقط استغفار کرے اور دل میں نیت رکھے کہ جب وسعت ہو گی تو ادا کر دوں گا۔

آگے کار ثواب کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد ہے "فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً الخ" یعنی جو شخص اپنی خوشی سے ایک دن کے کھانے سے زیادہ ایک مسکین کو دیدے یا کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو سبحان اللہ بہت بہتر ہے۔ پھر رمضان کے روزوں کی فضیلت واہمیت کی جانب و ان تصوموا الخ سے متوجہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کو رمضان کے روزوں کی فضیلت ومنافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا فدیہ مذکورہ دینے سے بہتر ہے اور روزہ رکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۴

(۳)شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ، یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

ترجمہ :۔ (وہ ایام معدودات یعنی گنتی کے دن جن میں روزہ فرض کیا گیا ہے) مہینہ رمضان کا ہے۔ جس میں قرآن نازل ہوا(جوذریعہ) ہدایت ہے لوگوں کے واسطے اور روشن دلیلیں ہدایت پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو روزہ رکھے اس کے اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو تو(اس حالت میں اس کو روزہ نہ رکھنے کی سابقہ مذکورہ اجازت ہے) اور اس پر ان فوت شدہ روزوں کی تعداد اور دنوں میں (بطور قضا کے) پوری کرنی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔ اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو۔

تفسیر :۔ گذشتہ حکم میں روزوں کی تعیین نہیں تھی کہ وہ کتنے دنوں کے ہوں گے اس آیت کے ذریعہ ایام معدودہ کی تعداد متعین طور پر بیان کردی گئی ہے کہ ان سے پورے ماہ رمضان کے ایام مراد ہیں۔ اسی کے ساتھ روزہ کی ماہِ رمضان کے ساتھ تخصیص کی علت وحکمت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسی بابرکت مہینہ میں قرآن اتارا گیا ہے جو بنی نوع انسان کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ جس کی ہدایت اور حق وباطل کے درمیان امتیاز دینے کی صفت آفتاب نیم روز کی طرح روشن وآشکارا ہے۔ اس عظیم نعمت کی شکرگزاری کے طور پر روزوں کی یہ خاص عبادت جو کلام الٰہی کے ساتھ خصوصی ربط وتعلق رکھتی ہے مقرر کی گئی ہے۔ لہٰذا جو کوئی اس ماہِ مبارک میں حاضر یعنی مقیم ہو وہ ضرور روزہ رکھے اور جو مریض ہو کہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا یا روزہ اس کے لئے مضر ہو یا شرعی طور پر مسافر ہو اس کے لئے سہولت سابقہ بدستور باقی ہے اس حالت میں افطار کرسکتا ہے۔ البتہ دوسرے دنوں میں چھوٹے روزوں کی تعداد بذریعہ قضا پوری کرلے۔ پھر مرض وسفر میں افطار اور بعد میں قضا کے حکم کی علت بیان کی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت وآسانی کرنا چاہتا ہے دشواری نہیں اس لئے مرض وسفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی اور دوسرے دنوں میں قضا کا حکم اس

مصلحت سے دیا کہ تم روزہ کی تعداد پوری کر کے پورے اجر وثواب کے قابل بن جاؤ اور اس تکمیل فریضہ کے بعد تمہارا دل اللہ کی کبریائی و عظمت سے معمور ہو کر پکار اٹھے "اللہ اکبر" اس نے ہمیں قضا کا حکم دے کر ایک ایسا راستہ دکھادیا کہ جس سے رمضان المبارک کی فوت شدہ خیر وبرکت کی یک گونہ تلافی ہوگی۔ پھر تو پوری جمعیتِ خاطر اور بشاشت قلب کے ساتھ اس خدائے حکیم ورحیم کا شکر بجالاؤ کہ اس نے ایسی جامع وبابرکت عبادت کی توفیق بخشی جو ثواب آخرت قرب وحضور کے ساتھ تہذیب نفس کے لئے بھی ایک نسخہ کیمیااثر ہے۔

(۴) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ، اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْالِى وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ.

ترجمہ۔ جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق (کہ میں ان سے قریب ہو یادور ہوں انہیں بتادیجئے کہ) میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعامانگنے والے کی دعاکو تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

تفسیر :۔ رمضان المبارک قبولیت دعا کا مہینہ ہے بالخصوص افطار کے وقت کی دعارد نہیں کی جاتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **ثلاثة لا ترد دعوتهم، الامام العادل، والصائم حين يفطر، ودعوة المظلوم(رواه الامام احمد والترمذی وغیرهما)** تین لوگوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں، ایک عادل بادشاہ کی دوسرے بوقت افطار روزہ دار کی، تیسرے مظلوم کی اسی لئے رمضان المبارک کے احکام کے درمیان اس آیت کو لاکر اس بات کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ اس مہینہ میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں روزہ قرب خداوندی اور نفس میں فروتنی وعاجزی کا اہم ذریعہ ہے اور دعا کی بھی یہی خاصیت وصفت ہے، اس لئے فائدۂ مزید کی غرض سے احکام رمضان کے درمیان اس آیت پاک کو لاکر دعاء کا گراں قدر انعام عطا کیا گیا ہے۔ پھر دعاء سے پہلے تکبیر وثنا کے ذکر سے آداب دعا کی جانب بھی لطیف آشارہ ہو گیا۔ " وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرب و وصول طلب پر موقوف ہے بغیر طلب کے عادۃً یہ دولت بے بہا نصیب نہیں ہوتی۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزلی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

پھر قبولیت دعا کے انعام کا ذکر فرماکر اطاعتِ احکام کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ روزہ کی عبادت میں رخصتوں اور سہولتوں کے باوجود کسی قدر مشقت ہے اس کو سہل کرنے کے لئے اپنی خصوصی عنایت و توجہ کا ذکر فرمایا کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہوں اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا ہوں لہٰذا بندوں کو بھی چاہئے کہ میرے احکام کی تعمیل میں کچھ مشقت بھی ہو تو برداشت کریں۔

(۵) اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ○

ترجمہ:۔ حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے۔ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے۔ سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے۔ تو اب ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس چیز کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے۔ اور کھاؤ، پیو اس وقت تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک۔ اور نہ ملو عورتوں سے جس وقت کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ خدلوندی ضابطے ہیں سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنے احکام لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں۔

تفسیر:۔ صحیح بخاری وغیرہ میں بروایت براء ابن عازب مذکور ہے کہ فرضیت صوم کے آغاز میں افطار کھانے پینے اور بیوی سے ہمبستری کی اسی وقت تک اجازت تھی جب تک کہ آدمی سو نہ جائے۔ سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں ممنوع ہوجاتی تھیں۔ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ دن بھر کام میں مشغول رہ کر افطار کے وقت گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا بیوی نے کہا میں کہیں سے کچھ کھانے کی چیز لاتی ہوں۔ جب وہ واپس آئیں تو دن بھر کی تکان کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی تھی اب بیدار ہوئے تو کھانا ممنوع و حرام ہوچکا تھا۔ اگلے دن اسی طرح بھوکے پیاسے روزہ رکھا تو دوپہر کے وقت بھوک

وضعف کی شدت سے بے ہوش ہو گئے(۱) اسی طرح بعض اور صحابہؓ سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ونادم ہوئے ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس کی رو سے پوری رات کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہو گئی اور روزہ کے وقت کو پورے طور پر منضبط کردیا گیا کہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا وقت روزہ کا ہے اس کے سوا تمام رات افطار کا۔ بلکہ بذریعہ حدیث آخری شب میں سحری کھانے کو سنت قرار دیدیا گیا۔

"هُنَّ لِبَاسٌ لکم الخ" کے جملہ سے انتہائی نفاستِ اعجاز کے ساتھ اس حکم کی علت کی جانب اشارہ کردیا گیا کہ زوجین کا باہمی ارتباط واحتیاج نیز ہر ایک کا دوسرے کے ذریعہ تحفظ جیسی مجبوریاں اور مصلحتیں اس رعایت وسہولت کی داعی ہیں لہذا رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ ہمبستری کر سکتے ہو۔ ساتھ ہی اس لذت نفسانی کو عبادت ربانی بنادینے کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ اس اختلاط مباشرت کا مقصد لذت طلبی نہیں بلکہ طلب اولاد ہونا چاہئے کیونکہ قوم میں تعداد کی کثرت خاندان، معاشرے اور ملت کی سربلندی کا باعث ہے علاوہ ازیں صالح اولاد آخرت میں والدین کی بخشش اور ترقیٔ درجات کا ذریعہ بنیں گی۔ یہ اسلام ہی کے نظام تربیت کا اعجاز ہے کہ ایک خالص جنسی عمل کو اجر وثواب کا وسیلہ بنادیا۔

"حتی یتبینَ لکُمُ الخیط الابیض" اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط کی مثال سے بتلا کر کھانے پینے کے حرام ہو جانے کا صحیح وقت متعین فرمادیا اور اس میں افراط وتفریط کے احتمالات کو ختم کرنے کے لئے حتی یتبین کا لفظ بڑھادیا کہ نہ تو وہمی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ایسی بے فکری اختیار کرو کی صبح کی روشنی کا یقین ہو جانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو۔ بلکہ کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاصل صبح صادق کا تیقن ہے اس تیقن سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور تیقن کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہنا بھی حرام اور روزے کے لئے مفسد ہے اگرچہ ایک ہی منٹ کے لئے ہو سحری کھانے میں وسعت اور گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو جائے "ولاتباشروهن وانتم عاكفون في المساجد" ہاں بحالتِ اعتکاف رات میں بھی یہ مباشرت جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اجازت ہے اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح

۱۔ قرطبی ص ۳۱۴، ۳۱۵ ج ۲ وابن کثیر ص ۲۲۰ ج ۱

شریعت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے۔ "وفی المَسَاجِدِ" کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ حضرات فقہاء نے جو یہ شرط بیان کی ہے کہ اعتکاف صرف مسجد جماعت میں ہو سکتا ہے۔ غیر آباد مسجد جس میں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف درست نہیں یہ شرط در حقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ تعمیر مسجد کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔

"تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ الخ" اس آخری جملہ میں احکام شریعت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ روزہ کا مقصد حصول تقویٰ اور پرہیزگاری ہے یہ فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ بیان کردہ احکام پر مکمل طریقہ سے عمل کیا جائے۔ اس لئے ان احکام میں بے پروائی و سہل انگاری سے پورے طور پر احتیاط کی جائے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

از :- جناب محمد بدیع الزماں۔ ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

سورۃ العصر ا، ۳ میں، زمانے کی قسم کھا کر خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْبِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ۔

ترجمہ : زمانے کی قسم انسان در حقیقت بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس سورۃ میں زمانے کی قسم کھانے کا یہ مطلب نہیں کہ جس زمانہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی اُسی زمانے کے لوگ خسارے میں ہیں جو ان چار صفات یعنی ایمان، عمل، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین سے عاری ہیں اس لئے کہ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات ہر زمانہ میں ایک رہی ہیں جو آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں ثبت تھیں۔ اور جن کی تصدیق خود قرآن بھی کرتا ہے، اس لئے یہاں زمانے سے مراد گزرا ہوا زمانہ بھی مراد ہے اور گزرتا ہوا زمانہ بھی کیوں کہ یہاں مطلقاً زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے اور یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ صرف یہی نہیں کہ ابھی کے انسان جو ان صفات سے متصف نہیں خسارے میں ہیں بلکہ گزرے ہوئے زمانے کی بھی انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان چار صفات سے خالی تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑ کر رہے۔

اس سورۃ میں انسان کا لفظ گرچہ واحد ہے لیکن بعد کے فقرے میں اُن لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو ان چار صفات سے متصف ہوں۔ لہذا یہاں لفظ انسان اسم جنس کے طور پر استعمال کیا

گیا ہے اور اس کا اطلاق افراد، گروہوں اقوام اور پوری نوعِ انسانی پر یکساں ہوتا ہے۔

ان چار صفات میں پہلی صفت ایمان ہے جسے گرچہ قرآن مجید میں محض زبانی اقرار کے معنی میں بعض مقامات پر استعمال کیا گیا ہے مگر بہت سی سورتوں میں اس کا اصل استعمال سچے دل سے یقین کرنے کے معنی ہی میں کیا گیا ہے اور عربی زبان میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ قرآن دراصل جس ایمان کو حقیقی ایمان قرار دیتا ہے اس کو سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں، سورۃ حٰم السجدہ کی آیت ۳۰ میں، سورۃ البقرہ کی آیت ۱۶۵ اور سورۃ النساء کی آیات ۶۵ اور ۱۳۶ میں پوری طرح واضح کردیا گیا ہے۔ ان آیات کی رو سے ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت دونوں شامل ہیں اور موخرالذکر کی وجہ سے ملائکہ، انبیاء اور کتبِ الٰہیہ اور خود قرآن پر بھی ایمان لانا شامل ہے۔ اور پھر آخرت پر ایمان کے ساتھ یقین رکھنا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے۔ ایمان کی اصل روح اعتماد کرنا ہے۔ یہ اعتماد ایسی ہستی کے بارے میں ہے، جسے سورۃ البقرہ کی آیت ۳ میں "غیب" کہا گیا ہے یعنی جس کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے اس میں بھی یقین کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ یہ یقین خارج سے در آمد ہوئی کسی چیز کا نام نہیں بلکہ اس حقیقت کا زندہ شعور ہے جو خود انسان کی فطرت میں چھپی ہوئی ہے۔

دوسری صفت جو سورۃ العصر میں ایمان کے بعد انسان کو خسارے سے بچانے کے لئے ضروری فرمائی گئی ہے وہ صالحات پر عمل کرنا ہے۔ صالحات کا لفظ تمام نیکیوں کا جامع ہے لیکن قرآن کی رو سے کوئی عمل، جب تک اس کی جڑ میں ایمان نہ ہو، عملِ صالح نہیں ہوسکتا اور ساتھ ساتھ اس عمل کا اس ہدایت کی پیروی میں کیا جانا بھی مشروط ہے جو ہدایات اللہ اور اس کے رسول نے دی ہیں۔ بالفاظ دیگر عملِ صالح کے بغیر محض ایمان آدمی کو خسارہ سے نہیں بچا سکتا۔

یہ دو صفات تو وہ ہیں جو ہر فرد، گروہ، قوم اور پوری نوعِ انسانی میں خسارے سے بچنے کے لئے ہونی چاہئیں۔ کیونکہ ان دو کے بعد ہی باقی دو صفات یعنی حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین نافع ہوسکتی ہیں کیونکہ آخری دو صفات سے ایک اجتماعی صورت پیدا ہوتی ہے اور ان کے اجتماع سے ایک مومن و صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اور معاشرہ کا ہر فرد ایک اجتماعی ذمہ داری محسوس کرتا ہے کہ وہ معاشرے کو بگڑنے نہ دے۔

اس مضمون میں اس سورۃ العصر کی آخری آیت کے فقرے : " وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ " پر روشنی ڈالی جارہی ہے جو اس مضمون کا عنوان بھی ہے۔ ان صفات سے خدا کا منشا، جیسا اوپر کہا گیا ہے ایک مومن و صالح معاشرہ کو وجود میں لانا اور ہر فرد کو اجتماعی ذمہ داری محسوس کرانا ہے۔

موخر الذکر دو صفات میں پہلی صفت حق کی نصیحت ہے۔ حق کا لفظ باطل کی ضد ہے جو بالعموم دو معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک، صحیح اور سچی اور مطابقِ عدل و انصاف اور مطابق حقیقت بات، خواہ اُس کا تعلق عقیدہ و ایمان سے ہو یا دنیا کے معاملات سے۔ دوسرے، وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہو، خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا یا خود اپنے نفس کا حق۔ حق کی نصیحت کرنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کیونکہ انسان کے لئے سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ جانے کہ اُسے اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ، اس سر و سامان کے ساتھ جو ردئے زمین پر اس کے تصرف میں ہیں، اُن بے شمار انسانوں کے ساتھ جن سے مختلف حیثیتوں میں اس کو سابقہ پیش آتا ہے، اور مجموعی طور پر اس نظامِ کائنات کے ساتھ، وہ کیا اور کس طرح معاملہ کرے جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں، قرآن کی رو سے اسی صحیح طریقہ کا نام "حق" ہے اور جو رہنمائی اس طریقہ کی طرف انسان کو لے جائے وہی "ہدایتِ حق" ہے۔

حق کا اختیار کرنا انسان کے لئے مفید ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا : "اے محمدؐ" کہہ دو کہ : "لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے، اب جو سیدھی راہ اختیار کرے اُس کی راست روی اُس کے لئے مفید ہے، اور جو گمراہ رہے اُس کی گمراہی اُسی کے لئے تباہ کن ہے۔ اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالے دار نہیں ہوں" (یونس، ۱۰۸)

دعوتِ حق کو قبول کرنے والے کو خدا نے "سننے والے" اور نہ قبول کرنے والوں کو "مردے" قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے :۔ "دعوتِ حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں جو سننے والے ہیں۔ رہے مردے، تو اُنہیں اللہ بس قبروں ہی سے اٹھائے گا اور پھر وہ (اس کی عدالت میں پیش ہونے کے لئے) واپس لائیں جائیں گے"۔ (الانعام، ۳۶)

یہاں سننے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر زندہ ہیں، جنہوں نے اپنی عقل وفکر کو معطل نہیں کردیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مردہ وہ لوگ ہیں جو لکیر کے فقیر بن کر اندھوں کی طرح چلے جارہے ہیں اور کوئی بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں خواہ وہ صریح حق ہی کیوں نہ ہو۔

انسانی زندگی میں حق وباطل کی کشمکش ہر وقت جاری ہے اور ہر زمانے میں جاری رہی ہے۔ بقول اقبال: "تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون وکلیم"۔ حق کی نصیحت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ کی راہ میں مزاحم ہیں اور جو انسان کو خدا کی مرضی کے مطابق چلنے سے روکتی اور اس کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہوں۔ خواہ وہ غیر ہوں یا اپنے، اُن کے خلاف "ہدایت حق" کے مطابق جدوجہد کی جائے اور انہیں بھی راہِ راست پر لانے کے لئے اپنی پوری قوتیں اور قابلیتں صرف کردی جائیں تاکہ اہل ایمان کا یہ معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ اُس میں باطل سر اٹھارہا ہو اور حق کے خلاف کام کئے جارہے ہوں، مگر لوگ ان کے خاموش تماشائی بنے رہیں۔ بلکہ کلمۂ حق کہنے والے ان کے مقابلے میں اٹھ کھڑے نہ ہوں اور صرف خود ہی حق پرستی اور راست بازی اور عدل وانصاف پر قائم رہنے اور حق داروں کے حقوق ادا کرنے پر اکتفانہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس طرزِ عمل کی نصیحت کریں۔

دعوتِ حق میں کام کرنے والوں اور دینِ حق کو قائم کرنے اور شر کی جگہ خیر کو فروغ دینے کی سعی وجہد کرنے والوں کو خدا نے اپنا مددگار بتایا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:

"اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گے جو اُس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے" (الحج، ۴۰، ۴۱)

دعوتِ حق کے مرحلہ میں چونکہ صبر کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لئے سورۃ العصر میں "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کے بعد ہی "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" وارد ہوا ہے، جب کہ اسی سورۃ میں، خسران سے بچنے کے لئے، پہلے ایمان پر قائم رہنے اور عملِ صالح کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس طرح یہ سب صفات ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں بن جاتی ہیں۔ ارشاد ہے:

"جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اُن کو ہم جنت کی بلند وبالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لئے، ان لوگوں کے لئے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"۔(العنکبوت، ۵۸، ۵۹)

یہ صبر نتیجہ ہے اُس ایمان کا جس کی عقبی کی زمین حق کی نصیحت سے تیار کی گئی اور باوجود ہر طرح کی مشکلات اور مصائب و نقصانات اور اذیتوں کے اور ترکِ ایمان کے فائدوں اور منفعتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے خدا پر بھروسہ کر کے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا۔

بنی اسرائیل کی قوم میں ایک شخص قارون گزرا ہے، جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت ۷۶ میں ارشاد ہے، خدائے تعالیٰ نے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُن کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ قارون کو غرّہ یہ تھا کہ یہ سب خدا کا عطیہ نہیں بلکہ یہ "مجھے اُس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے" (آیت ۷۸)۔ دنیا کے طالب قارون کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے مگر جو لوگ حق پرست تھے اور علم رکھتے تھے وہ قارون کو کہتے تھے :

"افسوس تمہارے حال پر، اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو"۔(القصص : ۸۰)

یہاں صبر کرنے والوں سے مراد وہ سیرت اور وہ انداز فکر ہے جب ایک حق پرست اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو رکھ کے ہر لالچ اور حرص وآز کے مقابلے میں ایمانداری اور رسالت بازی پر ثابت قدم رہے۔ اس آیت میں دولت سے مراد اللہ کا ثواب بھی ہے اور وہ پاکیزہ ذہنیت بھی جس کی بنا پر آدمی ایمان و عمل صالح کے ساتھ ناجائز تدبیروں سے جو منفعت بھی حاصل ہو اُسے ٹھکرا دے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی تاکید حضرت لقمٰن علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر کی تھی :

"بیٹا، نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اُس پر صبر کر، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے"۔(لقمٰن، ۱۷)

خدائے تعالیٰ نے راہِ خدا میں مصائب برداشت کرنے والوں کے اجر کے متعلق فرمایا ہے :
"صبر کرنے والوں کو توان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"۔الزمر،۱۰)
صبر کی اہمیت کے پیش نظر صبر کرنے والوں کو اللہ کی مدد کا یقین بہت مواقع پر قرآن میں وارد ہے۔ چند آیات، نفسِ مضمون کی خاطر، درج ذیل ہیں :
"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں...... اُنھیں خوشخبری دے دو، اُن پر اُن کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں"۔(البقرۃ ۱۵۷)
"اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے"۔البقرہ،۲۴۹)
"اے نبی صبر سے کام کئے جاؤ..... اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں، اور احسان پر عمل کرتے ہیں"۔(النحل،۱۲۶۔۱۲۸)
سورۃ العصر جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے۔ مفسرین کی عظیم اکثریت کا کہنا ہے کہ یہ سورۃ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی جب اسلام کی تعلیم کو مختصر اور انتہائی دلنشیں فقروں میں بیان کیا جاتا تھا، تاکہ سننے والے ایک دفعہ اُن کو سن کر بھولنا بھی چاہیں تو نہ بھول سکیں اور وہ آپ سے آپ لوگوں کی زبان پر چڑھ جائیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ سورہ انسان کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں اس کی اہمیت یہ تھی کہ بقول حضرت عبداللہ بن حِصن الدارمی ابومدینہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جب دو آدمی ایک دوسرے ملتے تو اُس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ایک دوسرے کو سورۂ عصر نہ سنالیتے۔(طبرانی)

والدین کی متعین کردہ شادی

Arrange marriage.

یورپ اور امریکہ والوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ لڑکے یا لڑکیوں کی شادی خود نہیں کرواتے اور نہ ہی وہ جوڑے کا انتخاب کر کے دیتے ہیں، لڑکا، لڑکی اپنی مرضی سے جوڑا تلاش کرے، اس سے محبت کرے اس کے ساتھ سالوں گرل فرائینڈ کی طرح رہ کر آزمائے طبیعت موافق ہو جائے اور دونوں کا شادی کرنے کا ارادہ ہو جائے تو عمر ڈھلنے کے بعد شادی کی رسم پوری کرے، اس درمیان کچھ ننھے منے ہنسے مسکرانے لگیں تو یہ نہ حکومت کے قانون کی نگاہ میں معیوب اور نہ والدین اس کو باعث عار سمجھتے ہیں اور والدین کو ناگوار بھی کیوں ہو وہ بھی تو اسی کیچڑ سے نکلے ہوئے موتی ہیں ۔

ہائے ناداں آشیاں کے ایک تنکے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

اب یورپ اور امریکہ والے مختلف قسم کی کانفرنسیں کر کے اور ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ یہ واویلا مچارہے ہیں کہ ایشین لوگ اور خصوصا مسلمان اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی والدین کرواتے ہیں وہی جوڑے کا انتخاب کرتے ہیں، وہی شادی متعین کرتے ہیں، اور وہی شادی کرواتے ہیں، شادی سے پہلے لڑکا، لڑکی کو ملنے نہیں دیتے یہ لڑکے اور خصوصاً لڑکیوں پر ظلم ہے اس کا ازالہ ہونا چاہئے۔ اسی کا نام انگریزی میں (Arrange) marri-age) ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح ہم سالوں گھنے پسنے کے بعد شادی کی رسم پوری کرتے ہیں مسلمانوں کو بھی اسی حمام خانے میں آکر ہماری ہی طرح شرم و حیا، پاکدامنی اور

عفت کے لباس کو اتار پھینکنا چاہئے، اس وقت مغربی ممالک میں بڑے بڑے ادارے قائم ہیں جو مختلف پہلوؤں سے لڑکیوں کو ورغلا کر مسلمانوں میں .Love marreage خود پسند شادی کروانے کی راہ ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے لئے کروڑوں پونڈ پانی کی طرح بہا رہے ہیں، آیئے ہم دیکھیں کہ فطرتی طور پر انسانیت کے لئے لب میرج زیادہ مفید ہے یا مسلمانوں کا ایرنج میرج انسانوں کی فطرت کے مطابق ہے اور زندگی میں باغ و بہار لانے کا ضامن ہے۔

لب میرج کے نقصانات

(۱) شرم وحیا تار تار ہو جاتی ہے۔

لڑکا یا لڑکی جب خود سے جوڑا تلاش کرنے نکلتے ہیں تو خود سے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس سے باتیں کرنی پڑتی ہیں اس لئے دونوں کی عفت وپاکدامنی تار تار ہو جاتی ہے، انسان کی جس پاکدامنی پر فرشتے رشک کرتے تھے وہ اس طرح نیلام ہوتی ہے کہ اس کا ستیا ناس ہو جاتا ہے، جس قوم کو اس متاع عزیز کی قیمت معلوم نہیں ہے وہ اس کو سر بازار نیلام کریں تو کریں لیکن جس قوم کو اس کی قیمت کا پتہ ہے وہ اس کو کسی حال میں ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے، جان جاسکتی ہے چلی جائے لیکن عفت وپاکدامنی کو ہرگز نہیں گنوا سکتے۔

اہل یورپ چاہتے ہیں کہ آزادگی کی آڑ میں مسلمان لڑکیاں اور لڑکے بھی اس قیمتی اثاثے سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور ان کے ساتھ مل جائیں تاکہ ان کی حرکتوں پر کوئی قوم انگلی اٹھانے والی نہ رہے اور نہ ان کو حرامکاری سے شرم وعار دلانے والی ہو ۔

بے حیائی کے بڑے حمام خانے میں جگر
ہم تو ننگے ہو چکے ہیں تم بھی ننگے ہو رہو

(۲) جوڑا دیر سے میسر آتا ہے

والدین جوڑا تلاش کرتے ہیں تو اپنی بساط کے مطابق اچھا جوڑا تلاش کر کے سال دو سال میں جوڑا متعین کر کے شادی کروا دیتے ہیں، لیکن خود لڑکا یا لڑکی جوڑا تلاش کرتے ہیں تو ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک زمانے تک ان کو صحیح جوڑا نہیں ملتا، وہ روزانہ شراب خانوں اور

کلبوں کے دھکے کھاتے ہیں، وقت اور پیسہ دونوں ضائع کرتے ہیں، ایک محبوب ملتا ہے اور محبت کے بڑے بڑے دعوے کرکے اس کے سرمایۂ حیات کو گندہ کر دیتا ہے پھر ماہ دو ماہ کے بعد بھاگ جاتا ہے، اسی طرح سینکڑوں مرد کے ساتھ شب تنہائی گذارنی پڑتی ہے پھر بھی پانچ سال، دس سال کے بعد کوئی شوہر ملتا ہے اور بعض مرتبہ زندگی بھر کوئی غم گسار نہیں ملتا، پوری زندگی کبھی اس مرد کے پاس کبھی اس مرد کے پاس رہ کر گذارنی پڑتی ہے، مغربی ممالک میں حرامکاری اتنی عام ہے کہ ہزار میں سے ایک عورت بھی شاید ایسی نہیں ملے گی جس نے حرامکاری میں مبتلا ہوئے بغیر شادی کی ہو۔ ابھی مغربی ممالک کا حال یہ ہے کہ شادی بہت کم لوگ کرتے ہیں اکثر آدمی گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ سے ہی کام چلا رہے ہیں۔ سو سال قبل یہاں کے لوگوں نے عورتوں کے لئے آزادگی اور خود مختاری کے نام پر لب میرج اور خود پسند شادی کو فروغ دیا رفتہ رفتہ یہ وبا اس مقام پر پہنچ گئی کہ لوگ اب شادی ہی نہیں کرتے بلکہ ویسے ہی استعمال کرتے رہتے ہیں۔

(۳) اب تو پارٹنر ہی رہ گیا

مغربی ممالک میں شادی نہ کرنے کا رجحان اتنا بڑھ گیا ہے کہ یہاں حکومت نے قانون بنا دیا ہے کہ حکومت کے کسی کاغذ پر جوڑے کے لئے شوہر (Husband) اور بیوی کے لئے (Wife) کا لفظ نہیں لکھا جائے گا کیونکہ یہاں پر پچاس فی صد لوگ بیوی شوہر ہیں ہی نہیں وہ سب داشتہ اور فرینڈ ہیں اس لئے مرد عورت کے ساتھ رہنے کو پارٹنر "Partner" لکھتے ہیں، جو بھی جس طرح ساتھ رہیں وہ سب پارٹنر ہیں بیوی شوہر کو جو سہولتیں ملتیں ہیں وہ سب پارٹنر کو ملیں گی، اہل یورپ اب بیوی شوہر کے پاکیزہ نام ہی سے محروم ہو گئے ہیں اب یہ پاکیزہ جوڑے پارٹنر بن گئے ہیں۔

آخری تنکا بھی آخر برق نے چھوڑا نہیں

(۴) شادی تیس سال بعد

نئے نوجوانوں خصوصاً بے دینوں کی عادت میں داخل ہے، کہ وہ بالغ ہوتے ہی لڑکے یا لڑکی کی طرف دوڑنے لگتے ہیں، اور صبح و شام ہوس رانی کی خواہش کرتے ہیں، لیکن دلی طور پر یہ چاہتے ہیں کہ بیوی کے اخراجات یا شوہر کی فرمانبرداری کا بوجھ مجھ پر نہ آئے، وہ اس چکل

کو مفت کھانا چاہتے ہیں، میں نے درسیوں لڑکوں کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ ہم ۳۰ سال عمر سے پہلے شادی کرنا نہیں چاہتے وہ اس کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی آوارہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں ہی رہنا چاہتے ہیں، ان کے زلف دراز کے سایے کے بغیر ان کو نیند ہی نہیں آتی، عموماً تیس سال کے بعد کہیں خیال آتا ہے کہ اب مجھے گھر بسانا چاہئے اور بیوی بچوں کی زینت سے گھر کو آراستہ کرنا چاہئے، میں یہ کوئی لفاظی نہیں کر رہا ہوں بلکہ فطریات کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھ رہا ہوں۔

ایسی صورت حال میں اگر والدین زور دے کر لڑکے یا لڑکی کی شادی نہ کرائے اور ایرینج میرج نہ کرے اور جوانوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لڑکے لڑکی کو تیس سال کی عمر تک گندے تالاب میں خوب ڈبکی لگانے دے۔

(۵) حاملہ لڑکیوں کو مصائب کا سامنا

جن ملکوں میں حاملہ اور بچہ والی عورت کو گورنمنٹ کھانا خرچ دیتی ہے وہاں تو شادی سے پہلے لڑکی کو بچہ پیدا ہو جائے تو معاشی اعتبار سے ان کو کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوتا لیکن جن غریب ملکوں میں حکومت بچہ والی لڑکیوں کے اخراجات برداشت نہیں کرتی اور لڑکی کو خود کما کر کھانا ہے ان ملکوں میں شادی سے پہلے بچہ پیدا ہونے پر جو گت بنتی ہے وہ وہی سمجھتی ہے، ذرا سوچئے کہ لڑکی والدین سے کٹ چکی ہے، عاشق دل پھینک نما کر رفو چکر ہو چکا ہے بلکہ پورے تالاب کو بھی گدلا کر گیا ہے اب یہ لڑکی بچے کو سنبھالے گی یا کام کر کے اپنی زندگی بسر کرے گی، پھر یہ ایک دو ماہ کا سلسلہ نہیں ہے بلکہ کم از کم سات سال کی عمر تک بچے کو ہمہ وقت ساتھ رکھنا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس درمیان دوسرا اور تیسرا بچہ بھی خودرو گھاس کی طرح پھر نکل آئے اور ان بچوں کا کوئی مرد ذمہ دار نہ ہو، اس بے سروسامانی کے عالم میں ان معصوم لڑکیوں کو کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا وہ تصور سے بالاتر ہے، خود مختاری، آزادگی اور خود انتخابی کے چکے میں وہ مصائب کے کس دلدل میں پھنس گئیں، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، امریکہ اور یورپ کے بہت سے ممالک میں لڑکیاں عاشق دل پھینک کے ہاتھوں سسک سسک کر جان دے رہی ہیں۔

والدین کی متعین کردہ شادی میں اتنا سا ہی تو نقص تھا (جو حقیقت میں نقص نہیں ہے) کہ ہمدرد والدین کی مرضی سے شادی کرتے تھے لیکن شوہر اور نان نفقے کے مکمل ذمہ دار مرد

کی نعمت عظیم سے مالا مال تھیں۔ بچوں کا خرچ اور اپنا بھی خرچ زبردستی ان سے لے سکتی تھیں لیکن ان چوراہے کے سانڈ کو کہاں ڈھونڈھنے جائیں، یورپ اس کو آزادگی کا نام دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان معصوم لڑکیوں کو مصائب کی بھٹی میں جھونک رہا ہے ؎

طوفان کی کشمکش میں کچھ زندگی تو تھی
ٹوٹے ہوئے اداس کناروں نے کیا دیا؟

(۲) عادت نہیں بدلتی

نشہ کی عادت اور حرامکاری کی خواتنی خراب ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ عادت پڑ جانے کے بعد پھر چین نہیں آتا، اس کو چھوڑنا چاہے تب بھی طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوتی، بیڑی، سگریٹ کے عادی اس کو اچھی طرح جانتے ہیں، آوارہ گردی کی لت بھی ایسی ہی خراب ہوتی ہے کہ پیار بھرا شوہر یا حسین بیوی کے ملنے کے بعد بھی آدمی کا دل بار بار چاہتا ہے کہ دوسرے سے نظریں ملائے کسی اجنبی کی گود میں مچلے، چنانچہ یہ بالکل واقعہ ہے کہ یورپ کی عورتیں بہت حسین اور گوری ہوتیں ہیں اور مرد بھی بہت حسین ہوتے ہیں اس کے باوجود جب جوڑے کی تلاش میں ابتدا میں حرامکاری اور منھ مارنے کی عادت پڑ جاتی ہے اس کے بعد قابل اعتماد شوہر اور ملکۂ حسن بیوی بھی مل جائے تو وہ اس پر اکتفا نہیں کرپاتے بلکہ دونوں موقع بموقع اجنبی کھیتوں میں چرتے رہتے ہیں وہ مسلمان جوڑوں کو دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک عورت یا مرد سے اُبھ نہیں جاتے، زندگی بھر ایک ہی سے گذارتے ہوئے طبیعت گھبرا نہیں جاتی؟ ہمیں تو ایک ہفتے تک اجنبی نہ ملے تو طبیعت بور ہو جاتی ہے، خود پسند شادی کے رواج نے ان کو اتنا بد چلن بنادیا ہے کہ اب وہ ایک شوہر یا ایک بیوی پر اکتفا نہیں کرسکتے ہر ہفتے نئی گود چاہئے، ایسی بداعتمادی کے عالم میں کیسے گھر بسے گا اور کیسے زندگی باغ و بہار بنے گی۔

اہل یورپ والدین کی متعین کردہ شادی Arrange marriage کے خلاف آزادگی نسواں کا واویلا مچاکر مسلمانوں کو مارا مارا پھرنے کا راستہ دکھلانا چاہتے ہیں، ہمارا بسا بسلایا گھر ان کی آنکھوں میں نہیں بھاتا اس لئے شور مچاکر اور آزادگی کا ڈھول جھونک کر اس کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) خود پسند شادی Love marriage جلدی ٹوٹتی ہے

والدین کرواتے ہیں تو دونوں طرف کے خاندان کے لوگ شادی میں شریک ہوتے ہیں، لڑکا لڑکی کے والدین، ان کے بھائی اور رشتہ دار بھی قبولیت کے بعد اس رشتہ کو مضبوط کرتے ہیں اب صرف لڑکا لڑکی کے درمیان ہی معاہدہ "شوشیل کنٹرکٹ" باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں خاندانوں کے درمیان معاہدہ پکا اور مضبوط ہوتا ہے، اب زن و شو کا رشتہ معاشرتی اور خاندانی روایات میں جکڑا ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ نکاح پائیدار اور تاحیات مضبوط رہتا ہے، نکاح کے بعد زن و شو میں کوئی ناچاکی ہو گئی یا بیوی یا شوہر کو کسی کی عادت ناپسند ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونا بھی چاہے تو ان کے لئے الگ ہونا آسان نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کے والدین اور دونوں کے خاندان کے بزرگ ان کو نکاح توڑنے سے باز رکھتے ہیں اور کبھی توڑنے کا خیال بھی لایا تو اس کی زبردست سرزنش کی جاتی ہے، معاشرے کے طعن و تشنیع، بزرگوں کا دباؤ ان کو نکاح توڑنے سے باز رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو چار بچے ہونے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو جاتے ہیں اور آرام و چین کی زندگی گذارنے لگتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد ایک جاں دو قالب ہو جاتے ہیں اور علیحدگی کے تصور سے بھی گھبرا اٹھتے ہیں، یہی وجہ یہ کہ مسلمان معاشرے میں علیحدگی بہت کم ہوتی ہے، ہزار میں سے ایک دو کی علیحدگی کوئی بڑی بات نہیں ہے، اتنی سی علیحدگی پر بھی میاں بیوی بعد میں پچھتاتے ہیں، اس وقت مسلمانوں میں علیحدگی کی رو ئداد جو زیادہ ہو رہی ہے وہ بھی یورپ کی آزاد خیالی کا اثر ہے ورنہ پہلے تو اتنی علیحدگی بھی گوارا نہیں تھی، مسلمانوں میں گھر کا بسانا، میاں بیوی میں بے پناہ محبت، اجنبی کی گود سے نفرت اور تاحیات نکاح کی پائیداری ایرینج میرج والدین کی متعین کردہ شادی کا کرشمہ ہے۔

قرآن کریم کا اعلان بالکل صحیح ہے **عسی ان تکرهوا شيئاً وهو خيرلكم** (بقرہ آیت ۲۱۶)

ترجمہ :۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری طبیعت کسی چیز کو ناپسند کرے لیکن اس میں بھلائی کے خزانے پوشیدہ ہوں اسی طرح اسلامی نکاح میں خوف خدا اور پاس شریعت ہوتا ہے جس کی وجہ سے میاں بیوی دونوں نکاح توڑنے کے گناہ سے ڈرتے رہتے ہیں، حدیث میں طلاق کو ابغض

المباحات قرار دیا ہے کہ طلاق شدید ضرورت کے وقت استعمال کرنے کی گنجائش تو ہے لیکن اس کا استعمال اللہ کو ناپسند ہے، اسی لئے اگر کوئی تکلیف بھی ہوتی ہے اتو اللہ کی رضا اور ثواب آخرت حاصل کرنے کے لئے میاں بیوی اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہتے ہیں اور علیحدہ ہونے کے تصور کو ذہن میں نہیں لاتے۔

اس کے برخلاف خود پسند شادی Love marriage میں لڑکے لڑکیاں زمانے تک گھستے پستے رہتے ہیں پانچ سال دس سال کے بعد رسمی طور پر شادی کے کاغذات حکومت کے دفتر میں داخل کر دیتے ہیں، نہ اس میں والدین شریک ہوتے ہیں اور نہ رشتہ داروں کا کوئی دباؤ ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرے اور روایات کی بندھن میں اس کی شادی جکڑی ہوتی ہے اس لئے اتنے زمانے تک ایک دوسرے کو دیکھنے بھالنے چکھنے اور ٹیسٹ کرنے کے باوجود تھوڑی سی تو تو میں میں ہو جاتی ہے تو نکاح کو توڑنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور توڑ کر ہی دم لیتے ہیں، یورپ میں چونکہ عورتوں کو بھی نکاح توڑوانے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ وہ برابر کی پارٹنر ہوتی ہیں اس لئے وہ نکاح توڑنے میں کچھ زیادہ ہی پیش قدمی کرتی ہیں۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان عورتوں اور مردوں کو ہر ہفتے نئی دوشیزائیں اور نئی مردوں سے ملنے کا چسکا لگ چکا ہوتا ہے، اس لئے شادی ٹوٹنے کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے بلکہ مزید معاملے کو الجھا کر شادی توڑنے کی چارہ جوئی کرتے رہتے ہیں۔

خاندان و معاشرت کی جانب سے روک تھام طعن و تشنیع بھی نہیں ہوتی، بلکہ یہاں خاندان و معاشرہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ والدین کی جانب سے بھی روکنے کی کوشش نہیں ہوتی ہے وہ تو صاف کہتے ہیں کہ یہ تمہاری مرضی It is your choice کی بات ہے تو جو چاہو کرو اس لئے خود پسند شادی Love marriage بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔

ایک سروے کے مطابق بتایا جاتا ہے کہ یورپ میں پچاس فی صد لوگ گرل فرائنڈ محبوبہ سے کام چلاتے ہیں شادی نہیں کرتے، اور پچاس فیصد شادی کرتے ہیں تو ان میں سے ہر چوتھا جوڑا علیحدگی کا شکار ہو جاتا ہے، یورپ اور امریکہ میں طلاق کی واردات اتنی زیادہ ہو گئی ہیں کہ حکومت اب نکاح کو مضبوط بنانے اور اس کو تازندگی پائدار بنانے کی اسکیمیں سوچنے لگی ہے، امریکہ میں شادی کو مضبوط بنانے کی شرطیں طے کی گئیں تو وہ شرطیں بیس صفحے پر تھیں، پھر بھی لوگ دھڑا دھڑ طلاق دے رہے ہیں اور علیحدہ ہو رہے ہیں اور اس کی اصل

وجہ یہ ہے کہ ایرینج میرج (والدین کی متعین کردہ شادی) کے بجائے لَب میرج اور خود پسند شادی کا رواج عام ہو گیا ہے۔اب تو آزادئ نسواں کے متوالوں کو بھی اس کا احساس ہو گیا ہے کہ جوانی میں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے خود پسند شادی کی راہ ہموار کرکے اور حرام کاری کا رسیا بنا کر ہم نے بہت کچھ نقصان کیا ہے ۔

ہائے آنکھیں اب کھلی ہیں جب سویرا ہو گیا

(۸) بڑھاپے میں تنہائی

لَب میرج کا سب سے زیادہ نقصان بڑھاپے میں اٹھانا پڑتا ہے، کیونکہ جوان بچے ماں باپ کی طرح جوڑے کی تلاش میں نکل چکے ہوتے ہیں، پھر واپس ہی نہیں آتے، کبھی کبھار کرسمس کے تہوار پر کاغذ کے پھول کا تحفہ لے کر آجاتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی تک میرا دلارا زندہ سلامت ہے اور والدین دلارے سے ملاقات کے لئے اس دن کو سال بھر تک حسرت سے گنتے رہتے ہیں، پورا گھر بچوں سے خالی ہو چکا ہوتا ہے کوئی بھی ان بوڑھے والدین کی خدمت کرنے والے نہیں ہوتے، بیوی یا شوہر کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ عموماً اختلاف کی وجہ سے علیحدہ ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے گھر میں تنہا بوڑھی عورت ہوتی ہے یا تنہا بوڑھا مرد ہوتا ہے جس کا نہ کھانا پکانے والا ہوتا ہے نہ پانی لانے والا، حسرت کی بات یہ ہے کہ ان سے کوئی بات کرنے والا بھی گھر میں نہیں ہوتا وہ عالم تنہائی میں کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر کسی کے انتظار میں شام کر دیتے ہیں۔

حسرت سے بیٹھا تیرا منتظر ہوں
حضور آتے آتے بہت دیر کر دی

لَب میرج کے شوق میں بڑھاپے میں جو مصیبت اٹھانی پڑتی ہے وہ دل دہلانے والی ہے، اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوگی کہ عالم تنہائی میں انتقال ہو جاتا ہے اور کئی دنوں سے اندر لاش سڑ رہی ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

جن ملکوں میں حکومت بوڑھوں کا خرچ برداشت کرتی ہے اور ان کو اپنے خرچ سے Old home بوڑھوں کے گھر میں رکھتے ہیں اور نرس سے ان کی خدمت کرواتے ہیں وہاں تو قدرے ٹھیک ہے کہ بوڑھوں اور بوڑھیوں کی ایک ساتھ خدمت ہو جاتی ہے، لیکن جن ملکوں میں حکومت تعاون نہیں کرتی، والدین کا سہارا صرف بچوں کی خدمت پر ہے ان ملکوں

میں بچے بھی رفو چکر ہو چکے ہوں اور بیوی یا شوہر نے بھی دھوکہ دے دیا ہو تو ایسے ملکوں میں بوڑھے والدین کے لئے زندگی اتنی پریشان کن ہو گئی ہے کہ انسان اس کو سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ اور یہ سارا قصور اس بات کا ہے کہ بچوں کو خود سے شادی نہیں کروائی ان کو پاکدامن نہیں رہنے دیا جوڑے کی تلاش میں ان کو آوارہ گردی کی تعلیم دی جس کی وجہ سے انکا بھی گھر برباد ہو گیا اور بوڑھے والدین کو بھی سسکتا چھوڑ گئے، اب مغربی ممالک ان کو واپس گھر میں لانا چاہتے ہیں تو نہیں لا سکتے۔

مسلمان والدین شادی پر مجبور نہیں کرتے ہیں

مغربی ممالک کا یہ شور کہ مسلمان اپنے بچوں کو شادی کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں "قطعاً غلط ہے" اس لئے کہ اسلام میں تو بالغ لڑکے اور بالغ لڑکی کی شادی ان کی رضامندی کے بغیر ہوتی ہی نہیں ہے، جب تک میاں بیوی قبلت نہ کرے یعنی نکاح قبول نہ کرے شادی ہی نہیں ہوتی، کون کہتا ہے کہ والدین بالغ بچوں کو مجبور کرتے ہیں، ہاں ان کو تیس سال تک آوارہ گرد پھرنے نہیں دیتے ہیں بالغ ہوتے ہیں شادی کی ترغیب دینے لگتے ہیں اور ان کے لئے مناسب جوڑا تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں تاکہ جلدی شادی کر کے ان کا گھر بسایا جائے اور پوتا پوتی کی مسکراہٹوں سے اپنا دل بہلائے اور بڑھاپے میں خدمت کا سامان کرے۔

مرزا غلام احمد قادیانی

کی عمر ہرگز ۷۴ سال تک نہ پہنچی

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی (مانچسٹر)

برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں مولانا وحید الدین خان کا دیا گیا بیان خلاف واقعہ ہے۔ افسوس کہ وہاں موجود علماء میں کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ مہمان معزز غلط بیانی کررہے ہیں اور کسی نے اس پر انگلی نہ اٹھائی۔

گزشتہ دنوں دہلی کے مولانا وحید الدین خان صاحب نے برطانیہ کا دورہ کیا موصوف برطانیہ کے مختلف مقامات پر گئے اسی طرح آپ برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں بھی گئے اور وہاں ایک مجلس سے خطاب کیا کچھ سامعین نے آپ سے سوالات کئے جن کا آپ نے جواب دیا پھر آپ نے جن جوابات کو زیادہ مفید پایا ان میں سے کچھ سوالات وجوابات کو اپنے ماہنامہ الرسالہ میں شائع کیا۔ اس کا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا وحید الدین خان صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ فتنہ قادیانیت ایک نئے روپ میں برطانیہ میں خصوصاً پھیل رہا ہے اس سلسلہ میں آپ کی کوئی نصیحت ہو تو بتائیں کہ ہم اس فتنہ کا مقابلہ کس طرح کریں۔

مولانا موصوف نے جواباً کہا (اور پھر اسے لکھا) کہ۔

اس معاملے میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان میں قادیانیت پیدا ہوئی اسی کے قریب زمانہ میں امریکہ کی بلیک مسلم تحریک بھی پیدا ہوئی دونوں کا کیس بالکل ایک تھا پھر کیا وجہ ہے کہ بلیک مسلم تحریک کا فتنہ جلد ختم ہوگیا اور قادیانیت کا فتنہ ابھی تک باقی ہے اور بڑھ رہا ہے اس کی وجہ صرف ایک ہے بلیک مسلم تحریک کے فتنہ کو خاموش

تدبیر سے عمل کیا گیا جب کہ قادیانی فتنہ کو شور وغل کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور شور وغل سے کبھی کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔

بلیک مسلم تحریک ایلجاہ (عالیجاہ) محمد نے شروع کی انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں چنانچہ ان کے تمام پیروان کو پیغمبر مانتے تھے مگر ۱۹۷۵ میں ان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا وارث دین محمد ان کا جانشین ہوا بیٹے کا رجحان یہ تھا کہ ان کے والد پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ ایک ریفارمر تھے امریکہ کے مسلمانوں نے اس کو خوب استعمال کیا یہاں تک کہ بلیک مسلم اصلاح یافتہ ہو کر بہت بڑی تعداد میں عالمی مسلم امت کا جزء بن گئے۔

ٹھیک یہی معاملہ قادیانیت کا ہوا ۱۸۸۹ء میں غلام احمد قادیانی نے اس کی تشکیل کی اس کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں مگر ۱۹۱۴ء میں اسکی وفات ہو گئی اس کے بعد اس کے بیٹے مرزا البشیر الدین محمود کو جانشین بنایا گیا بیٹے نے اعلان کر دیا کہ اس کا باپ پیغمبر نہیں تھا وہ صرف ریفارمر تھا یہاں موقع تھا کہ دوبارہ بیٹے کو استعمال کر کے قادیانی فتنہ کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ یہ امکان بالکل غیر استعمال شدہ رہ گیا یہاں تک کہ شور وغل کی سیاست نے قادیانی فتنہ کو وہاں پہنچا دیا ہے جہاں آج آپ اس کو دیکھ رہے ہیں (الرسالہ دہلی اکتوبر ۱۹۹۶ء ص: ۳۸)

مولانا وحید الدین صاحب کی پوری عبارت ہم نے یہاں نقل کر دی ہے۔ جو حضرات قادیانی سے کچھ بھی واقف ہیں وہ مولانا موصوف کی اس عبارت میں متعدد غلط بیانیوں اور اس سے اخذ کئے جانے والے نتائج کو پڑھ کر یقیناً حیران ہوں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مولانا موصوف نے سائل کے سوال کا جو مذکورہ جواب دیا ہے وہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

(۱) مرزا غلام احمد نے اپنے کام کی ابتداء ۱۸۸۹ء سے نہیں کی اس نے کام کی ابتداء کتاب براہین احمدیہ سے کی جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہو چکی تھی اور اسی سال لدھیانہ کے علماء نے اپنی تحقیق کی روشنی میں اس پر فتویٰ کفر دیا تھا۔

(۲) مرزا غلام احمد نے ۱۸۸۹ء میں نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس کا دعویٰ نبوت اس کے اپنے بیٹے مرزا البشیر الدین محمود کے بیان کی رو سے ۱۹۰۱ء میں سامنے آیا۔

(۳) مرزا غلام احمد کی وفات ۱۹۱۴ء نہیں بلکہ ۱۹۰۸ء تھی اس کا سن وفات ۱۹۱۴ء ہونا یہ ایک نئی تحقیق ہے۔ مرزا غلام احمد نے خدا کے نام سے یہ پیشگوئی کی تھی کہ

اس کی عمر کم از کم ۷۴ سال اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ سال ہو گی

علماء اسلام کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد ۱۹۰۸ء میں ۶۸ سال کی عمر میں فوت ہوا اور اس کی عمر ۷۴ سال نہ ہو سکی اب اہل حدیث بر منگھم کے ہاں یہ تحقیق سامنے آئی ہے مرزا قادیانی کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ اس سے اس کی عمر ۷۴ سال بن جاتی ہے یہ واقعی ایک نئی تحقیق ہے (مگر یہ ہے غلط)

(۴) مرزا غلام احمد کے بعد اس کا جانشین مرزا بشیر الدین نہ تھا بلکہ حکیم نور الدین تھا۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب بشیر الدین اور نور الدین میں فرق نہ کر سکے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

(۵) مرزا بشیر الدین نے اپنے باپ مرزا غلام احمد کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ صرف ایک ریفارمر تھا۔ اس نے بڑی تحدی سے اپنے باپ کو نبی کہا اور اس کی نبوت کا کھلے عام پرچار کرتا رہا اس کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد نے بھی اپنے باپ کو نبی مانا اور ہمیشہ اس کی تصدیق کرتا رہا کبھی یہ نہ کہا کہ میرا باپ صرف ایک ریفارمر تھا۔ مرزا بشیر الدین کا اپنے باپ مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں عقیدہ اس کی متعدد کتابوں اور بیانات میں موجود ہے ہم یہاں اس کا ایک بیان درج کئے دیتے ہیں۔

پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی بیان کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت (مرزا قادیانی) صاحب ہر گز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں (حقیقت النبوت ص ۱۷۴)

اس میں (اور اس قسم کی دیگر تحریرات میں) مرزا بشیر الدین کا عقیدہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے باپ مرزا غلام احمد کو صرف ایک ریفارمر نہ مانتا تھا بلکہ اسے اللہ کا نبی اور اسلامی اصطلاح کی رو سے جسے نبی سمجھا جاتا ہے وہی نبی مانتا ہے اور اس میں کسی قسم کا مجاز تسلیم نہیں کرتا اس کا عقیدہ ہے کہ اس کا باپ حقیقی نبی تھا۔

مرزا بشیر الدین اگر اپنے باپ کو صرف ایک ریفارمر مانتا تو کبھی یہ نہ کہتا کہ غیر قادیانی کافر ہیں اور ان کا اور ہمارا راستہ الگ ہے۔

مرزا بشیر الدین کے ان عقائد کے ہوتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مرزا غلام احمد صرف ایک ریفارمر تھا۔ مرزا بشیر الدین تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اس کا باپ حقیقی نبی تھا نبیوں سے اس کا مقام آگے تھا اس کا منکر کافر ہے اور ہمارے یہ مولانا وحید الدین خاں صاحب فرمارہے ہیں کہ اس کا اپنے باپ کے بارے میں عقیدہ صرف ایک ریفارمر کا تھا انا للہ و انا

الیه راجعون۔

(۶) کوئی یہ نہ سمجھے کہ مولانا موصوف کی مراد مرزا غلام احمد قادیانی کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد ہے۔ گو کہ مولانا موصوف کی مراد مرزا بشیر احمد نہیں تاہم انکا عقیدہ بھی اپنے باپ کے بارے میں یہی تھا اور وہ بھی اس عقیدے کو بڑی تحدی سے پیش کرتا تھا اس کا ایک بیان ملاحظہ کیجئے۔

یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا اور وہی نبی تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی نبی تھا جس کو خود خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں یا ایھا النبی کے الفاظ سے مخاطب کیا (کلمۃ الفصل ص)

مرزا غلام احمد قادیانی کے دونوں لڑکوں مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد کے عقائد آپ کے سامنے ہیں انہی عقائد کی یہ لوگ تبلیغ کرتے ہیں اور اس عقیدہ کے منکر کو پکا کافر کہتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب ہی بتلائیں کہ کیا کسی ریفارمر کا انکار کفر ہے اور اس کے منکر کو پکا کافر کہا جاتا ہے۔

(۷) ہم یہاں یہ تاویل بھی نہیں کرسکتے کہ مولانا وحید الدین خاں کا مطلب قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کا سربراہ مولوی محمد علی تھا۔ مولانا موصوف نے جو تقابل پیش کیا ہے وہ بیٹے کا ہے کسی مرید کا نہیں۔ مولوی محمد علی مرزا قادیانی کا مرید تھا اور مرزا بشیر الدین اس کا بیٹا۔ بیٹے کو اگر مرزا کی نبوت پر مصر بتلایا تو مولوی محمد علی نے۔ وہ نہ اس موضوع کو چھیڑ تا نہ بشیر الدین اپنے باپ کی نبوت پر اڑتا اگر مولانا وحید الدین صاحب کی مراد مولوی محمد علی پر جرح ہے کہ اسکے مقابلانہ نعرے نے قادیانیت کو انکار ختم نبوت پر مضبوطی بخشی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

(۸) مولانا موصوف کا برطانیہ کا یہ دورہ ان دنوں ہو رہا تھا جب یہاں قادیانیوں کے خلاف ختم نبوت کانفرنس ہو رہی تھیں اور مرزا طاہر کی سالانہ کانفرنس میں اٹھائے جانے والے اعتراضات اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا جارہا تھا مولانا موصوف کے نزدیک قادیانیت کے خلاف اٹھنے والی ہر صدا شور و غل ہے۔ تحریک ختم نبوت (خواہ وہ ۱۹۵۳ء کی ہو خواہ ۱۹۷۴ء کی ہو خواہ ۱۹۸۴ء کی ہو کیا برمنگھم میں ہونے والی ختم نبوت کانفرنسیں شور و غل ہیں) کو شور و غل قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔

(۹) مولانا موصوف عمر کی اس منزل میں ہیں جہاں کبھی سہو بھی ہو سکتا ہے اور ذہول بھی۔ مولانا موصوف نے اگر یہ غلط باتیں برمنگھم کے اہل حدیث مرکز میں کہہ دی تھیں تو انہیں چاہئے تھا کہ اسی بات کو تحریر میں لاتے وقت کچھ تو غور کر لیتے۔ واقعات سے نتائج اخذ کرنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کسی کو صحیح واقعہ کا علم بھی ہو افسوس ہے کہ مولانا موصوف بسا اوقات ان مسائل میں بھی لب کشائی فرماتے ہیں جو ان کا موضوع ہی نہیں ہوتا۔ اگر مولانا موصوف قادیانی تحریک کے خدوخال سے واقف ہی نہیں اور نہ انہیں یہ پتہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے بیٹوں کا اس کے بارے میں کیا عقیدہ رہا ہے اور آج تک کس عقیدے کا پرچار کیا جارہا ہے تو انہیں چاہئے تھا کہ کسی واقف کار سے پوچھ لیتے یا کم از کم لکھتے وقت ہی کسی سے اصل حقیقت معلوم کر لیتے۔

(۱۰) ہمیں مولانا موصوف سے زیادہ برمنگھم کے ان اہل حدیث علماء پر افسوس ہوتا ہے جنہوں نے مولانا موصوف کی اس غلط بیانی کو بڑی آسانی سے قبول کر لیا نہ انہوں نے اس وقت آپ کو اصل حقیقت بتائی اور نہ جلسہ کے بعد انہیں بتلایا کہ آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح نہیں اور یہ بات جو آپ نے بیان کی ہے بالکل خلاف حقیقت ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہاں کے ان علماء کو خود بھی ان حقائق کا علم نہ ہو ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بھری مجلس میں بالکل خلاف واقعہ بات کرتا چلا جائے اور یہ علماء اسے خاموشی سے سنتے چلے جائیں۔ نہ اس وقت انہیں ٹوکیں اور نہ بعد میں انہیں حقیقت حال سے مطلع کریں۔

ہم ان سطور کے ذریعہ مولانا وحید الدین خاں صاحب سے بھی درخواست کرتے ہیں وہ اپنے ماہنامہ الرسالہ کی کسی قریبی اشاعت میں اپنی اس غلط بات کی تردید شائع کر دیں تاکہ وہ سب مسلمان جو موصوف کی مجلس میں شریک ہوئے یا اس الرسالہ کے قاری ہیں ان کے سامنے بھی اصل حقیقت واضح ہو جائے کہ نہ مرزا کی عمر ۴۷ سال ہوئی نہ وہ ۱۹۱۴ء میں فوت ہوا اور نہ مرزا بشیر الدین اپنے باپ کی نبوت کا منکر تھا۔

وما علینا الا البلاغ المبین ۲۴ ستمبر ۹۶ء

☆ ☆ ☆

الامام

ابو عبدالله شمس الدین محمد ابن احمد ابن عثمان

مولانا قاری ابوالحسن صاحب
استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند

گردو پیش کے حالات

علامہ ذہبیؒ کے حالات اوران کے تذکرے سے پہلے مناسب ہے کہ علامہؒ کے گردو پیش کے ماحول اور حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں کہ موصوف نے کس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور نشو نما کے مراحل سے گذرے۔

مصروشام میں ایوبی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بحری سلاطین ایک طاقت ور حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شام میں جس نے مغلوں کی پیش قدمی روکنے اور صلیبی امارتوں کے صفایا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ساتویں صدی ہجری کے اواخر اور آٹھویں صدی ہجری کے اوئل اور آغاز میں دمشق ایک بڑا عظیم الشان فکری مرکز بن چکا تھا، جہاں بڑی تعداد میں مدارس اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے ادارے قائم تھے، جنہیں وہاں کے حکام، اہل خیر اور مالدار حضرات نے قائم کیا تھا۔

نورالدین زنگی کے دور میں اس طرف بطورِ خاص توجہ کی گئی، دینی تعلیم، تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد وغیرہ کا اہتمام اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے۔

اُس دور کی خاص بات یہ تھی کہ "تعلیم برائے تعلیم" پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی بلکہ اسے ایک تاریک صنعت اور ہذیان" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

دمشق اس دور میں مذہبی اور کلامی اختلافات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، حتی کہ حکام اور سلاطین بھی بسالوقات اس میں مداخلت کرتے تھے اور ایک جماعت کی دوسرے کے خلاف مدد کرتے تھے۔

اس سے قبل ایوبی حکمرانوں نے مذہبِ شافعی کی نشرواشاعت کا خاص اہتمام کیا تھا چنانچہ اس کی اشاعت وترویج کے لئے مدارس قائم کئے تھے اسی کے ساتھ اشعری عقائد کی اشاعت کا بھی التزام کیا تھا اور اسکی اتباع کو ضروری قرار دیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ مصر وشام میں اشاعرہ کو بڑی قوت حاصل ہو گئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ دوسرے مذاہب میں کمزوری آگئی تھی، البتہ حنابلہ اس سے مستثنیٰ تھے، انہیں بڑی حد تک قوت وطاقت حاصل تھی، دمشق میں حنابلہ کے دارالحدیث اور مدارس قائم تھے چنانچہ حنابلہ اور اشاعرہ کا عقائدی اختلاف زوروں پر تھا، اور اس بات نے اس اختلاف میں مزید اضافہ کر دیا تھا کہ حنابلہ عقائد پر بحث ومُباحثہ کے وقت نصوص پر اعتماد کرتے تھے، اور اشاعرہ کا اعتماد زیادہ تر عقلی اور منطقی دلائل پر ہوتا تھا۔

اس مسلکی تعصب نے جہاں ایک طرف معاشرہ میں انتشار پیدا کر دیا تھا وہیں دوسری طرف اس میدان میں علمی سرگرمیوں میں اضافہ بھی ہو گیا تھا۔

دمشق کی عوامی حالت یہ تھی کہ ان میں جہالت وخرافات عام تھیں رواجی تصوف ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا تھا صوفیوں کی شکل میں ایسے ایسے شعبدہ باز قسم کے لوگ موجود تھے جن کا عوام پر بے پناہ اثر تھا حتی کہ حکام اور سلاطین ان کی ہمت افزائی کرتے تھے اور ان کے معتقد بھی تھے۔ چنانچہ ظاہر بیبرس البندقداری (م ۶۷۶ھ) کے ایک استاد جن کا نام خضر ابن ابی بکر ابن موسیٰ العدوی تھا، جو بڑے صاحب حال، بڑے باہمت اور کرامات میں معروف تھے۔ شاہ ظاہر نہ صرف ان کی بڑی عزت کرتا تھا بلکہ ہفتہ میں متعدد بار ان سے ملاقات کرتا تھا اور سفر میں بھی انہیں ساتھ لیجاتا تھا۔ بزرگوں سے عقیدت عام تھی ان کے

مزارات پر حاضر ہو کر مرادیں مانگی جاتی تھیں، حتیٰ کہ بعض مزارات کا سجدہ بھی کیا جاتا تھا اور صاحبِ مزار بزرگوں سے مغفرت بھی طلب کی جاتی تھی۔

پیدائش اس غیر یقینی، فکری اور کلامی ماحول میں مؤرخ اسلام شیخ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد ابن احمد ابو عثمان ابن قایماز ابن عبداللہ الذھبی نے ماہ ربیع الآخر ۶۷۳ھ میں آنکھ کھولی۔ آپ ترکمانی الاصل خاندان سے تعلق رکھتے تھے دیارِ بکر کے مشہور شہر میافارقین میں یہ خاندان آبسا تھا، خیال ہے کہ آپ کے جدِ امجد قایماز نے ۶۶۱ھ میں سو سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔

حافظ ذھبیؒ کا بیان ہے کہ میرے والد کے دادا قایماز ابن الشیخ عبداللہ الترکمان الفاروقی ہیں، میرے والد کے چچا کے لڑکے علی ابن فارس النجار نے مجھ سے بیان کیا کہ ہمارے دادا کا انتقال ایک سو سال کی عمر میں ہوا، انہوں نے حج بھی کیا تھا۔

علامہ ذھبی کے دادا فخر الدین ابواحمد عثمان ناخواندہ تھے، نجاری کی صنعت اختیار کرلی تھی مگر ایمان ویقین کے دھنی تھے، غالبًا آپ ہی دمشق آئے اور اسے اپنا مسکن بنایا اور پھر دمشق ہی میں بعمر ستر سال ۶۸۳ھ میں آپ کی فات ہوئی۔

آپ کے والد کی پیدائش تقریبًا ۶۴۱ھ میں ہوئی آپ جب بڑے ہوئے اور ہوش سنبھالا تو اپنے جدی پیشہ نجاری کو ترک کرکے زرگری کی صنعت اختیار کرلی، آپ کو اس میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، چنانچہ ذھبی کے لقب سے معروف ہوئے، اسی کے ساتھ آپ طلب علم میں بھی لگے اور صحیح بخاری کی سماعت ۶۶۶ھ میں شیخ مقداد عیسیٰ سے کی، عمر کے آخری سالوں میں حج کی سعادت ودولت سے بہرہ ور ہوئے آپ بڑے متدین اور عابدِ شب زندہ دار تھے، تجارت سے آپ کو بڑی مالی وسعت وفراغت حاصل ہوگئی تھی اور آپ نے اپنے مال سے پانچ غلام آزاد کئے۔

علمی خانوادہ مُوصل کے ایک باشندے علم الدین ابو بکر سنجر ابن عبداللہ کی لڑکی سے شادی کی، یہ بڑے صاحبِ ثروت مخیر اور زیرک تھے فوج میں اہم عہدہ پر فائز تھے، انتقال ۶۹۷ھ میں ہوا، ترکے میں پندرہ ہزار دینار چھوڑے۔ آپ کو علم وفضل اور مروت وثروت میں نمایاں مقام حاصل تھا، وفات کے دن دمشق میں بڑی تعداد میں لوگ آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے، آپ کی نماز جنازہ قاضی القضاۃ عزالدین ابن جماعہ الکنانی

نے پڑھائی۔

حافظ ذھبی، والد کے پیشہ زرگری کی وجہ سے "شیخ محمد ابن الذھبی" کے لفظ سے مشہور ہوئے، خود حافظ ذھبی اپنا نام "ابن الذھبی" لکھا کرتے تھے۔ شروع میں غالباً حافظ ذھبی نے بھی والد کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اسی لئے اپنے بعض معاصرین کے نزدیک "ذھبی" کے لفظ سے مشہور تھے۔ جیسے صلاح الدین مشہور تھے "الصفدی" سے تاج الدین معروف تھے "السبکی" سے اسی طرح حسینی اور عماد الدین ابن کثیر وغیرہم۔

العلامہ الذھبی کا بچپن ایک دیندار گھرانے اور علمی خاندان کے زیر سایہ گذرا، آپ کی پھوپھی "سعت الاھل" بنت عثمان صاحبہ ام محمد نے آپ کو دودھ پلایا آپ کی پھوپھی کو ابن ابی الیسر، جمال الدین ابن مالک اور زھیر ابن عمر زرعی سے اجازت حاصل تھی اور عمر ابن القواس وغیرہ سے ان کا سماع ثابت ہے خود حافظ ذھبی نے پھوپھی صاحبہ سے روایت کی ہے، آپ کے ماموں بھی عالم تھے۔ ۶۵۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ذھبی نے معجم الشیوخ میں اپنے ماموں سے روایت کی ہے۔ بڑے بامروت جفاکش اور خوفِ خدا کی دولت سے مالا مال تھے، ۷۳۶ء میں وفات پائی۔

آپ کی خالہ فاطمہ کے شوہر احمد ابن عبد الغنی ابن عبد الکافی الانصاری الذھبی المعروف بالحرستانی حافظ قرآن تھے۔ حدیث کی روایت کرتے تھے اور بکثرت تلاوت قرآن کرتے تھے، آپ کی وفات ۷۰۰ھ میں مصر میں ہوئی۔

اس جیسے علمی خاندان میں جسے علم و فضل میں نمایاں مقام حاصل ہو، بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول کی جائے طبعی بات ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ذھبی کے رضاعی بھائی علاء الدین ابوالحسن علی ابن ابراہیم بن داؤد ابن عطار شافعی (ولادت ۶۵۴ھ وفات ۷۲۴ھ) ذھبی کی پیدائش کے سال اس وقت کے بڑے مشائخ کے پاس پہونچتے ہیں اور ان سے اجازت حاصل کرتے ہیں۔ دمشق میں شیخ احمد ابن عبد القادر ابوالعباس العامری (ولادت ۶۰۹ھ وفات ۶۷۳ھ) ابن الصابونی (ولادت ۶۰۴ھ وفات ۶۸۰ھ) امین الدین ابن عساکر (ولادت ۶۱۴ھ وفات ۶۸۶ھ) جمال الدین ابن الصیرفی ولادت ۵۸۳ھ وفات ۶۷۸ھ سے حلب میں احمد ابن محمد ابن القیسی (ولادت ۵۸۳ھ وفات ۶۹۲ھ) سے مکہ میں حرم کے محدث اور مفتی امام محب الدین

الطبری (ولادت ۶۱۵ھ وفات ۶۹۴ھ) وغیرہ سے مدینہ میں کافور ابن عبداللہ الطواشی سے اجازت حاصل کی۔ غالباً علاء الدین ابن العطار اسی سال حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور مکہ ومدینہ کے جلیل القدر علماء سے اجازت کا شرف حاصل کیا حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق اس سال اکابر اور مشائخ کی ایک بڑی جماعت نے انہیں اجازت سے نوازا۔

حافظ ابن حجرؒ علاء الدین ابن العطار کے حالات میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے ذھبی کے لئے ان کی پیدائش کے سال اجازت حاصل کرلی تھی، ذھبی اس اجازت سے بعد میں بڑا فائدہ اٹھایا (الدرر لابن حجر ج ۳ ص : ۴۲۶)

حافظ ذھبی اپنے ایام طفولیت میں چار سال تک شیخ علاؤالدین علی ابن محمد الحلبی المعروف بالبصبص کے یہاں مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی موصوف بڑے خوشخط تھے نیز بچوں کی تعلیم میں انہیں بڑا تجربہ تھا، حافظ ذھبی کو حرف راء کی ادائیگی میں کچھ نقص تھا چنانچہ اس مدت میں آپ کے دادا عثمان الفاظ وحروف کی ادائیگی اور صحت کی مشق کراتے رہے۔

غالباً ۶۸۲ھ میں مکتب چھوڑا اس دوران میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ ابو محمد القاسم حریری کے اشعار پڑھنے لگے تھے" حافظ صاحب کے اس مکتب کے معلم کی وفات ۶۹۰ھ کی حدود میں ہوئی اس کے بعد ذھبی نے شیخ مسعود ابن عبداللہ الصالحی سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی، ان کے پاس تقریباً چالیس ختم قرآن مکمل کئے، شیخ مسعود، شاہ غور کی مسجد کے امام تھے متواضع اور منکسر المزاج اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے، ایک خلقت نے آپ سے تعلیم حاصل کی ۷۲۰ھ میں وفات پائی"

ذھبیؒ بچپن میں علماء ومشائخ کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور ان کی باتیں بغور سنتے۔ شیخ عزالدین الفاروثی علامۂ عراق، دمشق وارد ہوئے تو حافظ ذھبی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور ان سے سلام وکلام کیا، جس سے صغر سنی ہی سے ان کی علم دوستی اور علم سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ الفاروثی کے حالات حافظ ذھبی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "معرفۃ القراء الکبار" (ج ۲ ص : ۶۹۱ تا ۶۹۳) میں بڑے والہانہ انداز اور نہایت دقیع الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ اصحاب تراجم نے فاروثی کی جانب خاصہ اعتناء کیا ہے۔

جس سے آپ کے علمی پائے کا اندازہ ہوتا ہے۔ذھبی لکھتے ہیں۔

"کان فقیھا، عالماً، علامة، مفتیاً، عارفاً بالقراء ات ووجوھھا، بصیراً بالعربیة واللغة، عالمابالتفسیر، خطیباً واعظاً، زاھداً خیراً، صاحب اوراد وتھجد ومروؤة وفتوة وتواضع، ومحاسنه کثیرة"

الفاروثی کی وفات ذی الحجہ ۶۹۴ھ میں ہوئی۔

اب تک حافظ ذھبی کی ابتدائی تعلیم اور علماء کی مجلسوں میں حاضری کا تذکرہ تھاجب اس سے فارغ ہوئے تو باقاعدہ حصولِ تعلیم کی جانب توجہ مبذول کی۔

قراءات علوم اسلامی خصوصاً علوم قرآنی میں اقدم العلوم، سب سے مقدم جو علم ہے وہ علم القرءات ہے، اور اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث افضل اور اہم بھی، اسی وجہ سے ابتداء سے ہی تحصیل علم میں اولین توجہ کا مرکزی علم رہاہے"

حافظ ذھبی نے بھی جس علم کی تحصیل کی جانب خود کو اولاً متوجہ کیاوہ علم القرأت ہے۔

آپ نے ۶۹۱ھ میں نہایت اہتمام اور خصوصی اعتناء اور توجہ کے ساتھ علم قرأت کی تحصیل کے لئے شیخ القراء جمال الدین ابواسحٰق ابراہیم ابن داؤد العسقلانی ثم دمشقی المعروف بالفاضلی کی خدمت میں حاضری دی، آپ سے جمع کبیر کا آغاز کیا، شیخ القراء جمال الدین، علم الدین السخاویؒ کے اونچے درجہ کے تلامذہ میں سے تھے، آپ سے پڑھتے ہوئے حافظ ذھبی جمع کبیر میں ابھی سورۃ القصص تک پہونچے تھے کہ الفاضلی کو فالج لگ گیااور یہ مرض اتنابڑھاکہ آپ معذور ہوگئے ۶۹۲ھ میں واصل بحق ہوگئے، حافظ ذھبی نے پھر شیخ جمال الدینؒ ابواسحٰق ابراہیم ابن غالی المعری الدمشقی (م ۷۰۸ھ) کے پاس جمع کبیر کو ختم کیا، التیسیر، اللدائی اور حرزالامانی "للفاطبی" کو پڑھاابن جبریل المصری نزیل دمشق سے۔

حافظ ذھبی اتنے ہی پر نہ اکتفا کرتے ہوئے فنِ قرأت کے حصول میں برابر لگے رہے اور وقت کے مشاہیر قراء اور علمائے فن سے برابر استفادہ کرتے رہے۔

قراءات سبعہ میں ختم قرآن کیا مجدالدین ابوبکر ابن محمد المرسی نزیلِ دمشق (م ۷۱۸ھ) سے بعلبک کے شیخ القراء موافق الدین (م ۶۹۵ھ) کے پاس جمع الجمع میں ختم کیا، نیز قراءاتِ سبعہ پڑھی المصری شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن منصور الحلبی (م ۷۰۰) سے، الحلبی مدرسہ العادلیہ اور جامع اموی میں صدر اور رئیس القراء تھے، اسی کے ساتھ حافظ ذھبیؒ نے سبط الخیاط

البغدادی کی "المبہج" پڑھی، اور ابن مجاہد کی "کتاب السبعہ" بھی پڑھی، اور ان دونوں کتابوں کے علاوہ بھی شیخ ابوحفص عمر ابن القواس (م ۶۹۸ھ) سے پڑھی، اور متعدد قراء سے "شاطبیہ" کی سماعت کی، تا آنکہ علم القرآت میں زبردست مہارت حاصل کی اور باکمال بن گئے۔

حافظ ذھبیؒ باوجودیکہ باکمال اور ماہر فن مقری تھے مگر باقاعدہ اس فن کو اختیار نہیں کیا، اور مکمل طور پر کسی کو نہیں پڑھایا، محقق ابن الجزری کے شیخ شہاب الدین احمد ابن ابراھیم المنجی نے آپ سے بقراءت امام ابوعمرو بصری پورا قرآن پڑھا اور جمع الجمع میں سورۃ بقرہ پڑھی۔

آپ سے روایت قراءت کرنے والوں میں۔ ابراھیم ابن احمد الشامی، محمد ابن احمد ابن اللبان اور ایک جماعت ہے، آپ سے شاطبیہ کی سماعت حمی ابن ابی بکر البونی نے کی۔

علم القراءات کی عظیم خدمت اور اس فن سے تعلق رکھنے والوں پر عظیم احسان آپ کی بہترین تصنیف اور زبردست کتاب طبقات القراء کے موضوع پر "معرفۃ القراء الکبار" ہے، یہ دو جلدوں میں ہے، جس میں سات چونتیس قراء اور اصحاب فن حضرات کا تعارف کرایا ہے، اصل کتاب بشمول دونوں جلد سات سوپچپن (۷۵۵) صفحات پر مشتمل ہے۔

اس عظیم کتاب کا پہلا ایڈیشن بشار عواد معروف، شعیب الارناؤط اور صالح مھدی عباس، کی تحقیق اور تعلیق کے بعد ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا، عمدہ مضبوط جلد بہترین کاغذ سے کتاب آراستہ ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوجاتا ہے کہ محقق ابن الجزریؒ، طبقات القراء کے موضوع پر اپنی عظیم کتاب "غایۃ النھایہ فی طبقات القراء" میں جگہ جگہ حوالے دیتے ہیں، خود آپ کا تذکرہ وترجمہ لکھتے ہوئے اس کتاب کو "احسن فی تالیف طبقات القراء" کے الفاظ لکھتے ہیں (غایۃ النھایہ ج ۲ ص: ۷۱)

حافظ صاحب اگر اس فن کو باقاعدہ اختیار کرتے تو نہ جانے کیا کچھ ہوتے اور علمی دنیا کو کس قدر گراں مایہ علمی تحائف سے مالامال کرتے۔ آپ نے بہت تھوڑی مدت شاید صرف ایک سال تک ہی قراءت کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ باقی رکھا، آپ نے خاص طور پر علم حدیث، اسماء الرجال اور تاریخ کو اپنی زندگی کا موضوع بنایا۔

علم الحدیث

حافظ ذھبیؒ اپنی عمر کے اٹھارہویں سال میں تھے کہ سماع حدیث کی طرف میلان طبع ہوا اور پھر تو اپنی ساری توجہات کا مرکز اسی علم کو بنایا

اس علم کے حصول اور تحصیل میں اتنا بڑھے کہ سارے ہی افکار پر یہ فکر چھا گیا اور اس کے بعد پوری زندگی اسی میں غرق رہے، کتابوں اور اجزاءِ کتب کے سماع کی حد نہ رہی، کوئی شمار نہ رہا، مشائخ اور مشیخات سے لِقاء اور ان کی خدمت میں حاضری بکثرت رہی، ہزاروں سے متجاوز حضرات سے علمی استفادہ میں ملاقاتیں کیں اور یہ سلسلہ آپ کی طویل حیات تک برابر جاری رہا اور سماع حدیث اور عالم حدیث سے لِقاء اور ان سے استفادہ کے ایسے حریص ہوئے کہ ان حضرات سے بھی ملے جو دینی اعتبار سے کسی اہمیت کے حامل نہ تھے، لوگ جنہیں پسند نہ کرتے لیکن علامہ کی حرص کا یہ عالم ہوتا کہ ان سے بھی علمی استفادہ کے لئے رختِ سفر باندھتے۔

علمی اسفار

علمی ترقی اور علوِ اسناد کے لئے وطن سے باہر دور دراز کے اسفار ناگزیر ہوتے ہیں، حافظ ذہبی کے حالات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ابتداءً آپ علمی اسفار سے دور رہے، آپ اپنے والد کے اکلوتے اور تنہا چشم وچراغ تھے، والدین اپنے سے دور رکھنا پسند نہ کرتے تھے، والدین کی عظمت، اطاعت اور ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ حکم اور منشاء کی خلاف ورزی کے کیا مفاسد ہیں۔ حافظ صاحبؒ واقف تھے۔ آپ والدین کے اطاعت شعار بیٹے تھے، ان کی منشاء کے خلاف بھلا کیسے سوچ سکتے تھے جب کہ طلب العلم میں والدین سے استیذان واجازت ضروری ہے آداب علم کا تقاضا ہے۔

طلب علم اور علوِ اسناد کے بارے میں متعدد مقامات پر حافظ صاحبؒ نے والد صاحب کی جانب سے عدمِ اجازت پر اپنے تحسّر اور غم و تاسّف کا برملا اظہار کیا ہے۔

آپ کے رحلاتِ علمی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر کے بیس سال بعد ہی محدود زمانے تک کے لئے اسفار کی اجازت ہوئی، اور یہ زمانہ ۶۹۳ھ کا ہے جب کہ مختصر اسفار کے لئے یعنی چار ماہ سے زائد نہیں اور اسی کے ساتھ کسی نہ کسی معتمد کی رفاقت بھی مشروط تھی تنہا سفر کی اجازت نہ تھی۔

بلادِ شام کا سفر

غالباً ۶۹۳ھ میں شام کے اندر بعلبک کا سفر کیا اور موفق الدین الیصبی (م ۶۹۵ھ) سے جمعاً قرآن ختم کیا، اور محدث ادیب امام تاج الدین ابو محمد المغربی ثم البعلبکی (م ۶۹۶ھ) سے بہت زیادہ استفادہ کیا، بعلبک کا دوسرا سفر ۶۹۷ھ میں ہوا، ان دونوں سفروں میں شہر کے مشائخ سے استفادہ کیا۔

حلب کا سفر اس کے بعد حلب کا سفر کیا اور یہاں علاؤ الدین ابو سعید سنقر ابن عبد اللہ الارمنی ثم الحلبی سے اکثر سماع رہا۔ حافظ صاحبؒ نے الارمنی ثم الحلبی سے اپنے سماع کا ذکر کرتے ہوئے والہانہ انداز میں بڑے وقیع الفاظ کا ذکر کیا ہے اور بھی متعدد شہروں میں علمی اسفار کا ذکر مصادر میں ملتا ہے، مثلاً حمص، حماہ، طرابلس، الکرک، المعرہ، بصریٰ، نابلس، الرملہ، القدس اور تبوک۔

مصر کا علمی سفر حافظ ذھبیؒ کا سفرِ مصر، آپ کے علمی اسفار میں بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ سفر، آپ کے والد کے انتقال (م ۶۹۷ھ) کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہوا ہوگا، مگر خود آپ کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ بلادِ مصر میں آپ ۱۶/ رجب ۶۹۵ھ میں پہونچے۔

حافظ ذہبیؒ، جناب ام محمد سیدہ بنت موسیٰ ابن عثمان المارانیہ المصریہ (م ۶۹۵ھ) کے ترجمہ میں رقم طراز ہیں۔

"میں نے آپ کی ملاقات کے لئے مصر کا سفر کیا، میرے علم میں تھا کہ آپ ابھی باحیات ہیں، میں ابھی فلسطین تک پہونچا تھا کہ معلوم ہوا کہ آپ دنیا سے کوچ کر چکی ہیں، مصر پہونچا تو معلوم ہوا کہ دس یوم ہوئے کہ ۶/ رجب ۶۹۵ھ یوم جمعہ کو آپ کی وفات ہو چکی ہے، میں اس وقت "وادی فحمۃ" میں تھا"

حافظ صاحب کو آپ سے ملاقات نہ ہونے کا بڑا افسوس رہا۔

مصر میں سب سے پہلے جن سے سماع حدیث کا آغاز کیا وہ شیخ جمال الدین ابوالعباس احمد ابن عبد اللہ الحلبی المعروف بہ ابن الظاھری (ولادت ۶۲۶ھ) ہیں، شیخ جمال الدین سے سماع کرنے والے علم الدین البرزالی بھی ہیں۔

چونکہ علامہ ذھبی نے اپنے والد سے باقاعدہ حلف کے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ قیام نہیں رہے گا اس لئے آپ کا یہ سفر اسی سال کے ذیقعدہ میں اختتام پذیر ہو گیا اور آپ وطن لوٹ گئے۔ تاخیر سے والد صاحب کی ناراضگی کا اندیشہ تھا"

اس سفر کے بعد پھر آپ نے مصر میں ایک بڑی جماعت سے سماع کیا، جن میں سب سے زیادہ شہرت کی حامل شخصیتوں میں مسند الوقت ابوالمعالی احمد ابن اسحٰق ابن محمد الابرقوھی (ابرقوہ یزد کے قریب ایک شہر ہے وفات ۷۰۱ھ) شیخ الاسلام المجتہد قاضی القضاۃ تقی الدین

بوالفتح محمد ابن علی المعروف ابن دقیق العید القشیری (م ۷۰۲ھ) اور علامہ شرف الدین عبد المؤمن ابن خلف الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) وغیرہم ہیں۔

مصر میں رہتے ہوئے آپ نے اسکندریہ کا علمی سفر کیا اور وہاں ابوالحجاج یوسف ابن الحسن التیمی القابسی ثم الاسکندرانی سے "التجرید" کا سماع کیا، نیز شیخ صدر الدین سحنون (م ۶۹۵ھ) سے ورش اور حفص کی روایتوں میں ختم قرآن کیا اسکندریہ کے سرحدی علاقہ میں آپ نے وہاں کے سب سے بڑے مسند فی القراءات الامام شرف الدین ابوالحسن یحییٰ بن احمد بن عبدالعزیز بن صواف الجذامی الاسکندرانی (ولادت ۶۰۹ھ وفات ۷۰۵ھ) کے پاس پہونچے اور ان سے استفادہ کرنا چاہا، مگر اس وقت وہ بینائی اور سماعت سے معذور ہو رہے تھے، ستاسی سال کی عمر ہو چکی تھی، آپ سے ذھبیؒ نے ایک جزء پڑھا، حافظ ذھبیؒ آپ سے جمعاً قراءات پڑھنے کے خواہشمند تھے اور سورۂ فاتحہ اور بقرہ کی چند آیات پڑھیں مگر آپ کی معذوری کے باعث سلسلہ نہ چل سکا اور چھوڑ دیا۔

سفر حج اور استفادۂ علمی ۶۹۸ھ میں آپ نے اپنے والد کے انتقال کے معابعد حج کیا اور اس مبارک سفر میں مکہ عرفہ، منیٰ اور مدینہ میں شیوخ سے برابر علمی استفادہ کرتے رہے۔

آپ کی علمی اورتصنیفی سرگرمیاں

آپ کی علمی نشاطات اور تصنیفی سرگرمیوں کی ابتداء آٹھویں صدی ہجری کے آغاز سے ہوتی ہے یوں تو آپ بڑے اونچے درجے کے قاری اور مقری بھی تھے مگر سب سے اہم موضوع آپ کا تاریخ اور حدیث تھا، تحصیل وتکمیل کے بعد آپ کی توجہ کا بڑا مرکز عظیم کتاب کی تصنیف وتالیف "تاریخ الاسلام" ہے جسے آپ نے مکمل کیا ۷۱۴ھ میں تصنیف وتالیف کے ساتھ تدریسی سلسلہ بھی رہا۔ چنانچہ "تربۃ ام الصالح" "دار الحدیث الظاھریہ" "المدرسۃ النفیسیہ" "دار الحدیث التنکزیہ" "دار الحدیث الفاضلیہ" "دار الحدیث العروبیہ" کے منصب مشیخت نے آپ سے عزت پائی، آپ سے وقت کے زبردست مشائخ نے سماع کا شرف حاصل کیا ازاں جملہ چند یہ ہیں۔ السبکی، البرزالی العلائی، ابن کثیر، ابن رافع اور ابن رجب وغیرھم، ان حضرات کے اسمائے گرامی سے آپ کی مشیخت فی الحدیث کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے ذیل میں ان علماء وقت کے آراء نقل کیے جاتے ہیں جن

کے وقیع کلمات سے حافظ ذھبی کے رفیع المرتبت ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔

علماءِ عصر کی آراء آپ کے شیخ اور رفیق علم الدین البرزالی (م ۷۳۹ھ) آپ کی توصیف میں فرماتے ہیں۔

"رَجلٌ فاضلٌ، صحیح الذهن، اشتغل ورحل، وکتب الکثیر، ولهٗ تصانیف واختصاراتٌ مفیدةٌ ولهٗ معرفة بشیوخ القراء ات"

یعنی آپ ایک فاضل شخص ہیں نہایت مضبوط اور صحیح ذھن کے مالک، علمی اشتغال وارتحال میں رہے بہت ساری کتابیں لکھیں آپ کی بہت سی تصانیف اور مفید اختصارات ہیں، قراءات کے شیوخ کی معرفت آپ کو حاصل تھی (رونق الالفاظ ورقہ ۱۸۰)

آپ کے شاگرد صلاح الدین الصفدی (م ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں۔

"الشیخ الامام، العلامة الحافظ شمس الدین ابوعبد الله الذّهَبی، حافظ لا یجاریٰ ولافظ لا یباری، اتقن الحدیث ورجاله ونظر علله واحوالهٗ، وعرّف تراجم الناس وازال الابهام فی توار یخهم والالباس، ذهن یتوقد ذکاؤه، ویصح الی الذهب نسبته وانتماؤه، جمع الکثیر ونفع الجمّ الغفیر واکثر من التصنیف ووفّر بالاختصار، الخ"

یعنی شیخ امام علامہ ذھبی بے مثل حافظ حدیث اور انتہائی فصیح وبلیغ شخص ہیں حدیث ورجال میں نہایت گہری نظر کے حامل، علل اور حوال رجال کے ماہر، علماء کی سوانح حیات میں ابہام واشتباہ کو بطریق احسن حل کرنے والے ہیں، حد درجہ بیدار مغز اور بجا طور پر ذھب کی طرف نسبت کئے جانے کے حقدار ہیں، معلومات سے لبریز، نہایت نفع بخش، دریا بکوزہ کی مصداق بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔

تاج الدین السبکی باوجودیکہ حافظ ذھبیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف رکھتے تھے اور باقاعدہ تردید کی ہے مگر آپ کی جلالتِ قدر کی تعریف وتوصیف کھل کر کی ہے، فرماتے ہیں۔

"شیخنا واستاذنا، الامام الحافظ محدّث العصر اشتمل عصرنا علی اربعة حفاظ بینهم عموم وخصوصٌ. المزی البرزالی، والذهبی، والشیخ الامام الوالد، لا خامس لِهٰؤلآء فی عصرهم واما استاذنا ابوعبد الله فبصر لا نظیر له، وکنز هو الملجأ اذا نزلت المعضلة امام الوجود حفظاً، وذهب العصر معنیً

ولفظاً، وشیخ الجرح والتعدیل، ورجل الرجال فی کل سبیل، وھو الذی خرّ فی ھٰذہ الصناعۃ وادخلنا فی عداد الجماعۃ، وسمع منہ الجمع الکثیر وما یخدم ھذا الفن الی ان رسخت فیہ قدمہ، وتعب اللیل والنھار وما تعب لسانہ وقلمہ وضربت باسمہ الامثال وسار اسمہ مسیر لقبہ الشمس الا انہ لا یتقلص نزل المطر ولا یدبر اذا اقبلت اللیالی، واقام بدمشق یرحل الیہ من سائر البلاد وتناديہ السؤالات من کل ناد"

یعنی ہمارے زمانے میں چار حفاظ حدیث ہیں، جن میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے مز البرزالی، ذہبی، حضرت الامام والد، کوئی پانچواں ان کا سہیم وشریک نہیں ان میں ابو عبد الذہبی ایسے صاحب بصیرت ہیں جن کی مثال نہیں ملتی وہ ایسے گنج گرانمایہ ہیں جن مشکل گتھیاں سلجھتی ہیں، وہ حفظ حدیث میں امام الکل اور لفظاًاور معنیً ہر طرح "ذہب" (ـ ہیں، وہ جرح وتعدیل میں شیخ اور ہر کوچہ کمال کے شہ سوار ہیں ہمیں ان علمی راہوں لگانےوالے اور گروہ علماء میں شامل کرنے والے وہی ہیں، ان سے بے شمار لوگوں نے استفاد وہ برابر علم حدیث کی خدمت میں لگے رہے تا آنکہ زبردست رسوخ حاصل کرلیا۔ رات د تو تھک گئے لیکن ان کی زبان وقلم نے تھکنے کا نام نہیں لیا، ان کا نام ان کے لقب شمس، سورج کی طرح چہار دانگ عالم میں پھیل گیا لیکن وہ ایسے سورج ہیں جو بدلیوں میں چھپتے نہ اور راتوں میں غائب نہیں ہوئے وہ دمشق میں قیام پذیر رہے اور ساری دنیا ان کی طرف آتی رہی، ہر مجلس میں اٹھنے والے سوالات کا رد ئے سخن انہی کی ذات تھی۔

آپ کے ایک اور شاگرد الحسینی (م ۷۶۵ھ) آپ کے بارے میں وقیع کلمات ہوئے فرماتے ہیں۔

"وکان اجل الاذکیاء المعدودین والحفاظ المبرزین"

یعنی شہرت یافتہ حفاظِ حدیث اور انگلیوں پر شمار کئے جانے والے اذکیائے زمانہ میں سر فہرست تھے۔

آپ کے شاگرد عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں۔

"الشیخ الحافظ الکبیر، مؤرخ الاسلام وشیخ المحدثین وقد خُتِمَ بہ شیو الحدیث وحفاظہ"

یعنی وہ حافظ کبیر شیخ المحدثین اور مؤرخ اسلام تھے، حفاظ حدیث اور شیوخ حدیث کا زریں سلسلہ انھیں کی ذات پر ختم ہے۔

علامہ بدرالدین العینی (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :۔

"الشیخ الامام العالم العلآمة الحافظ المؤرخ شیخ المحدثین"۔

اخر میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کا اعتراف بلیغ درج کیا جاتا ہے۔

"حافظ صاحبؒ ماء زمزم پیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں تو یہ کہ اے اللہ مجھے ذھبی جیسا ذھن اور ذکاوت و فطانت عطا فرمادیجئے"۔

آثار و تصانیف

حافظ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے تبحر علمی کے ساتھ تصنیف و تالیف کی زبردست صلاحیتوں سے نوازا تھا ہر نوع میں آپ نے داد تحقیق دی ہے، ذیل میں ہر موضوع پر کتابوں کی تعداد درج کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، دوسو پندرہ (۲۱۵) کتابوں کا ذکر ملتا ہے غیر معمولی طوالت سے بچتے ہوئے تمام کتابوں کے نام درج کرنے سے اعراض کیا گیا ہے۔ جیسا کہ گذرا، زمانہ تعلیم و تعلم کے آغاز ہی سے علم القراءات اقدم العلوم مانا گیا ہے۔ چنانچہ متقدمین میں یہ نہایت ضروری اور بنیادی ترتیب تھی کہ اولاً علم القراءات حاصل کرکے اس میں مہارت پیدا کی جائے، اسی تعلیمی ترتیب کے لحاظ سے حافظ ذھبی نے پہلے قراءات کے حصول اور اس کی تکمیل پھر اس میں مہارت پیدا کی، چنانچہ علم القراءات میں آپ نے "التلویحات فی علم القراءات" تصنیف کی، ماسبق میں آپ کی قراء کے تراجم پر "معرفۃ القراء الکبار" کا ذکر آچکا ہے، اس کے بعد دیگر علوم پر درج ذیل کتابیں یہ ہیں۔

علم القراءات

۱۔ التلویحات فی علم القراءات

الحدیث

۶/۵ حدیث کے موضوع پر پانچ کتابیں لکھیں۔

مصطلح الحدیث و آدابہ

۱۱/۵ اس موضوع پر پانچ کتابیں ہیں۔

العقائد

۱۴/۲۵ عقائد کے موضوع پر چودہ کتابیں۔

اصول الفقہ

۲/۲۷ اصول فقہ کے موضوع پر دو کتابیں

الفقہ

۱۰/۳۷ فقہ کے موضوع پر دس کتابیں۔

الرقائق

۵/۴۲ اس موضوع پر پانچ کتابیں۔

تاریخ وتراجم

۵۱/۹۳ تاریخ وتراجم حافظ صاحبؒ کا خاص موضوع تھا، اس موضوع پر زبردست کتابیں تصنیف کرڈالیں، اور ان میں سے متعدد کتابیں توماخذ و سرچشمہ بنی ہوئی ہیں، کتابوں کی تعداد اکیاون (۵۱) ہے، ان میں سے درج ذیل کتابیں تو ایسی عظیم ہیں کہ ان سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے اور شائقین کے ذخیرۂ کتب کی زینت کا باعث بنی ہوئی ہیں، مثلاً "الاعلام بوفیات الاعلام، تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام "تذکرة الحفاظ، سیر اعلام النبلاء، العبد فی خبر من غیر، معرفة القراء الکبار علی الطبقات والاعصار" وغیرہ

سیر وتراجم مفردہ

۲۷/۱۲۰ الگ اور علیحدہ شخصیات پر مستقلاً کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد ستائیں ہے،

المنوعات

۵/۱۲۵ متفرق عنوانات کے تحت پانچ کتابیں نظر آتی ہیں۔

المختصرات والتنقیات

۵۸/۱۸۳ اس موضوع پر اٹھاون کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

التخاریج

علامہ ذہبیؒ نے شیوخ اور مشیخات کے معجمات اور تذکروں سے تخریج کا بہت

بڑی تعداد میں کام کیا ہے، اسی طرح اربعیات، ثلاثیات، العوالی اور الاجزاء سے متعلق بڑی تعداد میں کتابیں نظر آتی ہیں، ان موضوعات پر مجموعی تعداد اس طرح ہے۔

۱۸۷ / ۴ معجمات الشیوخ : چار کتابیں

المشیخات

۱۹۳ / ۶ مشیخات پر چھ کتابیں

الاربعینات

۱۹۹ / ۶ اربعیات پر چھ کتابیں

الثلاثیات

۲۰۰ / ۱ ثلاثیات پر ایک کتاب

العوالی

۲۰۵ / ۵ العوالی پر پانچ کتابیں

الاجزاء

۲۱۵ / ۱۰ الاجزاء پر دس کتابیں ہیں۔

اولاد حافظ ذھبیؒ نے اپنے پیچھے تین اولاد چھوڑیں ایک لڑکی اور دو لڑکے اور یہ تینوں علم کے میدان میں معروف و مشہور ہوئے (۱) صاحبزادی امۃ العزیز، آپ کو متعدد حضرات سے اجازت حاصل تھی، انہیں حضرات میں سے شیخ المستصر یہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ البغدادی (م ۷۰۷ھ) ہیں، آپ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عبد القادر تھا، عبدالقادر نے اپنے جد امجد کے ساتھ احمد ابن محمد المقدسی (م ۷۳۷ھ) سے سماع کیا، حافظ ذھبی نے آپ کو کتاب "تاریخ الاسلام" کی روایت کے لئے اجازت دی۔

(۲) صاحبزادی کے بعد ۷۰۸ھ میں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام ابوالدرداء عبد اللہ تھا، حافظ ذھبی نے علماء کی ایک بڑی جماعت سے سماع کرایا، ابوالدرداء نے حدیث کی روایت بھی کی ہے، ذی الحجہ ۷۵۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۳) دوسرے صاحبزادے شہاب الدین ابوہریرہ عبد الرحمٰن نام کے ۷۱۵ھ میں پیدا ہوئے آپ نے بھی والد صاحب کے ساتھ حدیث شریف کے کثیر اجزاء کا سماع کیا، آپ کا سماع عیسیٰ المطعم الدلال (م ۷۱۹ھ) سے بھی ثابت ہے، آپ کی وفات ۷۹۹ھ میں ہوئی

اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جن کا نام محمد ہے، محمد نے بھی اپنے دادا کے ساتھ سماع حدیث کیا ہے، حافظ صاحبؒ نے انہیں بھی "تاریخ الاسلام" کی روایت کی اجازت سے نوازا۔

وفات حافظ صاحب اپنی زندگی کے آخری چار سالوں میں بہت ضریر اور نابینا سے ہوگئے تھے، آپ کی آنکھوں سے پانی بہتا رہتا تھا اس سے آپ کو بڑی تکلیف رہتی تھی۔

ساری زندگی علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکتے رہے، علمی کتبخانوں کو اپنی عظیم الشان تصانیف سے گراں بار کرتے ہوئے علم وفن کا یہ آفتاب بمقام "تربۃ ام الصالح" ۳/ ذی قعدہ آدھی رات کے قریب ۷۴۸ھ میں غروب ہوگیا مقبرہ باب الصغیر میں مدفون ہوئے آپ کی نماز جنازہ میں وقت کے سارے علماء نے شرکت کی

"رحمه الله تعالى رحمة واسعة ومغفرة كاملة"

ماخذ :

۱۔ مقدمة سير اعلام النبلاء للذهبيؒ۔
۲۔ معرفة القراء الكبار للذهبيؒ۔
۳۔ غاية النهاية في طبقات القراء للمحقق ابن الجزريؒ۔
۴۔ معجم حفاظ القرآن للدكتور محمد سالم مُحيسن۔

ہے زمانے میں چراغِ مصطفیٰ دارالعلوم

از مولانا حکیم محمد احمد قاسمی
قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد۔یوپی

ہے مسلمانوں کے دل کی اک صدا دارالعلوم
اور خدا کے فضل کی ہے اک ضیا دارالعلوم

بحر علم و فضل کہیے انتہا دارالعلوم
ہے تمنا اور دعائے اتقیا دارالعلوم

نور سے اس کے منور ہوگیا سارا جہاں
ہے زمانے میں چراغ مصطفیٰ دارالعلوم

کیا کریں تعریف اس کی حق کی وہ پہچان ہے
حق شناس و حق نگاہ و حق نما دارالعلوم

نغمۂ توحید اس کی انفرادی شان ہے
شرک و بدعت کو مٹاتا ہی رہا دارالعلوم

سنت نبوی کی خوشبو میں بسا ہر پھول ہے
ہوگیا ہے گلشنِ خیر الوریٰ دارالعلوم

ہر فنون وعلم کے میکش یہاں ساقی یہاں
تشنگانِ علم کا ہے میکدہ دارالعلوم

نقش! وسعتِ سرورِ عالم نے کھینچا تھا جہاں
دیکھ لو جاکر بنا ہے نودرہ دارالعلوم

شیخ مدنی حضرت علامہ و شیخ الادب
ان نفوسِ قدس پہ نازاں رہا دارالعلوم

فخر ہے احمد کہ میں نے علم سیکھا ہے یہاں
میرا مشرب میرا مسلک مقتدیٰ دارالعلوم

دارالعلوم کی نئی جامع مسجد

اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی نئی جامع مسجد پروگرام کے مطابق تعمیری مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کے قریب پہونچ رہی ہے اور اب اس کے اندرونی حصوں کو دیواروں اور فرش کو سنگ مرمر سے مزید پختہ اور مزین کیا جارہا ہے، یہ کام چونکہ اہم بھی ہے اور بڑا بھی اس پر رقم بھی کثیر خرچ ہوگی محبین و مخلصین کی رائے ہوئی کہ آئے دن رنگ و روغن کرانے کے خرچ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ اچھی رقم لگادی جائے، اسی احساس کے پیش نظر اتنا بڑا کام سر انجام دینے کا بوجھ اٹھالیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ تمام حضرات معاونین نے جس طرح پہلے خصوصی تعاون دے کر مسجد کو تکمیل کے قریب پہنچایا ہے، اسی طرح بلکہ مزید سرگرمی کے ساتھ دست تعاون بڑھا کر اس مرحلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ادارہ کی مدد فرائیں گے۔

یہ مسجد بین الاقوامی اہمیت کی حامل درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد ہے جس میں نہ جانے کس کس دیار کے نیک لوگ آکر نماز ادا کریں گے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جنکی کچھ بھی رقم اس مسجد میں لگ جائے، اس لئے اپنی جانب سے اور گھر کے ہر فرد کی جانب سے اس کار خیر میں حصہ لیکر عنداللہ ماجور ہوں اور دوسرے احباب و اقرباء کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائیں اور دن دونی رات چوگنی ہمہ جہتی ترقیات سے نوازتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ آمین

پتہ

ڈرافٹ وچیک کے لئے: "دارالعلوم دیوبند" اکاؤنٹ نمبر 30076

——— اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کے لئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ 247554

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

ماہ رمضان، شوال ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۹۷ء

جلد نمبر ۸۲	شمارہ نمبر ۲	فی شمارہ۔/۶	سالانہ۔/۶۰

نگراں: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یو۔پی

بدل اشتراک سالانہ	
	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔/۳۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم۔/۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم۔/۸۰ ہندوستان سے۔/۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔

● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات کی عطا کردہ آخری کتاب ہے جس میں اصولی طور پر دنیاو آخرت میں خیر وفلاح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی جامع ترین ہدایات بیان کردی گئی ہیں جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے بالکل مناسب ہیں ان میں کسی ترمیم وتنسیخ اور حذف واضافہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ " مَا فرّطنا فی الکتاب من شیئٍ " اور " الحمد للّٰہ الذی انزل علی عبدہ الکتابَ و لم یجعل لہ عِوَجاً قیّما" الخ الآیۃ میں قرآن عظیم کی اسی جامعیت اور ہمہ گیری کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانیؒ آخرالذکر آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس و فصیح اسلوب نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔" (فوائد عثمانی ص ۳۸۰)

یہ تغیر پذیر دنیا ہزار کروٹیں بدلے، تمدن و معاشرت اور انسانی مزاج و عادات میں لاکھ تبدیلیاں آجائیں، اقتصادیات و معاشیات کی قدریں گو یکسر مختلف ہوجائیں، علم و تحقیق کے معیار خواہ کتنی بلندیوں پر پہنچ جائیں، زندگی کے تقاضے اور ضروریات کوئی بھی صورت اختیار کرلیں، قرآن حکیم اور کتاب مبین کی جامع اور ہمہ گیر ہدایات حیات انسانی کے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کا حل پیش کرتی رہیں گی۔

اسی بناء پر خداوند عالم نے اہل دانش کو قرآن مبین کی آیات میں غور و فکر اور تدبّر کی بار

بار دعوت دی ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد ہے

کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الاَلْبَابِ (سورہ ص)

(یہ) ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی آیتوں میں اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

لیکن تدبر کی اس عام دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ اس کے کلام میں کوئی شخص اپنے افکار و نظریات اور خیالات ور جحانات کو شامل کردے، کیونکہ اس آزادی اور چھوٹ کا انجام یہ ہوگا کہ یہ دستور الٰہی اور کتاب ہدایت انسانی افکار و مزعومات کا ایک دفتر ہو کر رہ جائے گی اس لئے حق جل مجدہ نہ اپنے کلام کی تفسیر و تشریح کے لئے خود اپنے مرسل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین فرمادیا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ .

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیاء سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے، آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کردیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو روایت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق ہو (فوائد عثمانی ص ۳۵۱)

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے چنانچہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی پاکؐ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ :-

قال من قال فی القرآن برایه او بما لا یعلم فلیتبوء مقعده من النار (اخرجه الترمذی والنسائی وابوداؤد وقال الترمذی ہذا حدیث حسن)

جس شخص نے قرآن حکیم میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا ایسی بات کہی جس کا علم اسے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) نہیں ہے تو اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالینا چاہئے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں ائمہ مفسرین نے قرآن حکیم کی تفسیر کے لئے کچھ اصول وضوابط اور معیار مقرر کئے ہیں جو تفسیر اس ضابطے اور معیار کے مطابق ہوگی وہی معتبر اور مقبول ہوگی اور جو اس معیار واصول سے منحرف اور ہٹ کر ہوگی وہ غیر معتبر اور مردود سمجھی جائے گی، ائمہ تفسیر کے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر کے مطابق یا کسی مرفوع حدیث یا اقوال صحابہ سے ماخوذ ومستنبط ہو۔

(۲) سیاق وسباق سے ہم آہنگ ہو یعنی قرآن عظیم کی ان آیات سے مربوط ہو جو اس سے پہلے اور بعد میں ہیں

(۳) قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے موافق ہو۔

(۴) اصول شریعت اور دین کے ثابت شدہ ان بنیادی امور کے مطابق ہو جن پر ایمان واعتقاد لازم ہے

(۵) مقاصدِ قرآن کے ماتحت ہو۔

لیکن قرآن وحدیث اور علماء حق کی ان تمام ترپیش بندیوں کے باوجود ہر عہد اور ہر زمانہ کے علماء سو اور اہل ہوا قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر میں اپنے باطل عقائد اور فاسد نظریات کو ٹھونس کر کتاب مبین کی روشن تعلیمات وہدایات کو غبار آلود کرنے کی مذموم کوشش اور ناروا جسارت کرتے رہے ہیں، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بعض کم فہم مغرب زدوں اور اہل بدعت، دین بیزار کے اردو تراجم اور تفسیریں تحریفات اور باطل تاویلات سے بھری ہوئی ہیں اور یہ ناروا ضلالت خیز رویہ آج بھی جاری ہے بلکہ کوشش کی جارہی ہے کہ اسلاف اور علمائے محققین کے علمی شہ پاروں کے مقابلے میں ان خذف ریزوں کو امت ترجیح دے۔ عصر حاضر کے اسی خطرناک فتنہ سے پورے طور پر ہشیار رہنے کی ضرورت ہے، بالخصوص حکومت برطانیہ کے ساختہ وپرداختہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو قرآن حکیم کی معنوی تحریف میں حد ہی کردی ہے، بطور مثال کے چودھویں صدی کے اس دجال اکبر کی چند تحریفات یہاں نقل کی جارہی ہیں۔

(۱) وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ الآیۃ کے ذیل میں لکھتا ہے۔

ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہوگیا تھااور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑگئی تھی بلکہ اس آیت میں غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کرکے چھپادیا تھااور بعض بعض پر خون کی تہمت لگاتا تھاسو خدائے تعالٰی نے اصل مجرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی کہ ایک گائے کو ذبح کرکے لاش پر نوبت بہ نوبت اس کی بوٹیاں ماریں اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو اس لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق مسمریزم کاایک شعبہ تھاجس کے بعض خواص میں یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانیت میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے۔ (ازالتہ الاوہام ص ۵۰ / ۷۴۹)

(۲) اسی طرح یہ کاذب نامراد- اپنے ظہور کی علامتوں کو بیان کرتے ہوئے بعض ان آیات کی جن میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا گیا ہے ان کی معنوی تحریف کرکے کچھ سے کچھ بنادیا ہے چنانچہ لکھتا ہے چھٹا نشان ایک نئی سواری کا نکلنا ہے جو مسیح موعود کی خاص نشانی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے " وَاِذَا العِشَارُ عُطِلَت" یعنی آخری زمانہ وہ ہے جب اونٹنیاں بے کار ہوجائیں گی۔

چھٹا نشان کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا جیسا کہ آیت "وَاِذا الصُحُفُ نُشِرَت" سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بباعث چھاپے کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کی بیان کی ضرورت نہیں۔

ساتواں نشان کثرت سے نہریں جاری کئے جانا جیسا کہ آیت " واذا البحار فجرت" سے ظاہر ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اس زمانہ میں اس کثرت سے نہریں جاری ہوئی ہیں کہ جن کی کثرت سے دریا خشک ہوئے جاتے ہیں۔

نواں نشان زلزلوں کا متواتر آنا اور سخت ہونا ہے جیسا کہ آیت " یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة" سے ظاہر ہے غیر معمولی زلزلے دنیا میں آرہے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۸)

(۳) ولاَ تَقولُواْ لِمَن یَقتل فی سَبِیل اللّٰہ اموا تا بل احیاء کے تحت لکھتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سچائی پر مرے ہیں، اور یہ مراد لینا کہ جو کافروں کے مقابلہ میں لڑائی میں

مارے گئے غلط اور فاسدانہ خیال ہے، مراد یہ ہے کہ جیسے سچائی زندہ رہتی ہے اسی طرح سے سچے لوگ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، یعنی وہ نجات پاتے ہیں، ان کو رنج و غم نہیں ہوگا۔

چونکہ انگریزوں کے اس خودکاشت نبی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی میں اپنی اختراعی شریعت سے جہاد کو منسوخ کردیا تھا اس لئے اس کے لئے ضروری تھا کہ اس آیت میں تحریف کرے۔

بغرض اختصار صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ مرزا قادیانی کی تصانیف میں آیات قرآنیہ کی تحریف کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، ضرورت ہے کہ کوئی صاحب نظر عالم انھیں جمع کرکے شائع کرادے اور اس مردود تفسیر کے ساتھ ساتھ مقبول تفسیر بھی نقل کردی جائے تاکہ اس ضلالت انگیز فتنہ کے گرداب میں پھنسنے سے امت محفوظ رہے اور قرآن حکیم کی واضح اور روشن ہدایات پر اس امام تلبیس نے اپنے مفتریات اور تحریفات کا جو پردہ ڈالنا چاہا ہے اس کے تاروپود کالعھن المنفوش ہوکر بکھر جائیں۔
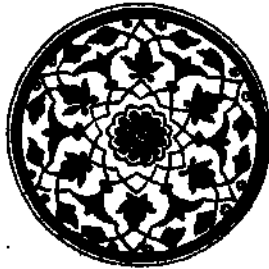
بسم الله الرحمن الرحیم

اعراب الحدیث اور غریب الحدیث

استاذ ڈاکٹر احمد محمد الخراط
مجلة: المنهل جدة
شمارہ: ۵۳۶ رجب ۱۴۱۷

ترجمہ و تلخیص:
مولانا ابوالکلام محمد شفیق خان القاسمی المظاہری
مدرسہ مظاہر العلوم سیلم تامل ناڈو

یہ ایک علمی موضوع ہے میرے علم کے مطابق اردو زبان میں ابتک اس پر کچھ لکھا نہیں گیا ہے۔ مجلۃ المنھل میں شائع ہونا ہی اس کے موقر اور بلند ہونے کی دلیل ہے۔ (مترجم)

حدیث کی خدمت کو علماء سلف صالحین نے عظیم ترین عبادت جانا اور اس کے ہر ہر گوشہ کو نمایاں کرنے اور اس کی تفسیر و تشریح میں ان حضرات نے کسی قسم کی کوئی کمی نہ چھوڑی۔

آج میں اعراب الحدیث اور غریب الحدیث پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا مختصر ذکر آپ کے سامنے کرونگا

اعراب الحدیث

اعراب الحدیث کی تصنیفات کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: ابوالبقاء العکبری (۱) سے قبل اعراب الحدیث پر میرے علم کے مطابق

۱۔ محب الدین ابوالبقاء عبداللہ بن حسین حنبلی العکبری (عکبری) شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر بغداد سے قریب ہے ۵۳۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۶۱۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اللباب، اصلاح المنطق، شرح الحماسۃ، املاء ما من بہ الرحمن فی اعراب القرآن وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔

مستقلاً کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ ابوالبقاء نے اپنی کتاب "اعراب الحدیث میں ابن الجوزی کی جامع المسانید کو بنیاد بنایا ہے۔ ابن الجوزی نے مسند امام احمد، بخاری شریف اور مسلم شریف اور سنن ترمذی کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اسمائے گرامی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے چنانچہ اس کی ابتدا حضرت ابی بن کعب سے کی ہے صحابیاتؓ کے لئے دوسری فہرست بنائی اور اس میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے آغاز کیا۔

ابوالبقاء نے اپنی کتاب میں ۴۳۰ چار سو تیس ایسی حدیثیں جس میں اعرابی اعتبار سے اشتباہ یا مشکل پائی جاتی ہے اس کو حل کیا ہے چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے املاء کی صورت اختیار کی طلباء ان کے سامنے پڑھتے جاتے جب کوئی حدیث اعراب کے اعتبار سے مشکل نظر آتی تو اس کا اعراب بیان کرتے۔ اگر کسی جملے میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہوں تو اسکو بھی بیان فرماتے۔ کبھی کبھی نحویوں کے اختلاف کا تذکرہ بھی کرتے۔

علماء نحو

حدیث پاک کی حجیت کے متعلق علماء نحو کے دو نظریے رہے ہیں۔

۱۔ نحوی قواعد کی حیثیت اساسی اور بنیادی ہے۔ یہ حضرات اگر کسی حدیث کو اپنے قواعد اور اصول کے خلاف پاتے ہیں تو اس پر شاذ اور لحن کا حکم لگا دیتے ہیں ابوالبقاء العکبری کا رجحان بھی یہی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حدیث اعراب کے اعتبار سے مشکل ہو جائے اور دوسری حدیث ان کو اپنے قواعد و ضوابط کے مطابق ملتی ہے تو وہ اس موقعہ پر اس کو بیان کرتے ہیں۔ اگر روایت نہ ملے تو اس حدیث پر لحن کا حکم لگا دیتے ہیں۔

ابوالبقاء العکبری اپنے اس طرز میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ان سے قبل سیبویہ (۱) مبرد (۲) زجاج (۳) کا بھی یہی طریقہ رہا ہے اس کی تاویل یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ یہ حدیث بالمعنی روایت کی گئی ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔

۱۔ ابوبشر عمرو بن عثمان، شیراز کے قریب بیضاء میں ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں ۱۸۰ھ کو وفات پائی۔ اہل بصرہ کے علم نحو میں امام شمار کئے جاتے ہیں علم نحو میں ان کی کتاب "الکتاب" مشہور ہے۔

۲۔ ابوالعباس محمد بن یزید ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ علم نحو میں اہل بصرہ کے نمائندہ شمار کئے جاتے تھے ان کی اہم ترین تالیفات میں (الکامل) ہے۔

۳۔ ابواسحاق ابراہیم بغداد ہی میں ۲۴۱ھ کو پیدا ہوئے مبرد کے شاگرد ہیں، کوفہ کے بڑے علماء میں ان کا شمار ہے (شرح ابیات کتاب سیبویہ) (کتاب معانی القرآن) تحریر فرمائی ۳۱۱ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی۔

اس میں لحن کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اکثر رواۃ عجمی ہیں۔لہذا یہ حضرات حدیث پاک کو اعراب
اور حرکات کے سلسلہ میں حجت نہیں قرار دیتے ہیں۔

۲۔ نحویوں کا دوسرا فریق حدیث پاک حجت مانتا ہے۔اور اس فریق میں ابن مالک ہیں (۱)
ان کی کتاب "شواهد التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح "اعراب
الحدیث میں ہے اور وہ اس کی شاہد ہے۔

ابن مالک نے اپنی کتاب کو نحوی مسائل پر تقسیم کیا مثالوں اور استشہاد کے لئے
احادیث کو جمع فرمایا ہے

کبھی وہ نحوی قاعدہ کو ذکر کرتے ہیں۔اور اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔کبھی حدیث کو ہی
باب کا عنوان بنادیتے ہیں، مثلاً البحث الرابع والخمسون في توجيه قوله صلى
الله عليه وسلم هولها صدقة

اگر کسی ایک باب میں دوسری کوئی بات اہم اور ضروری معلوم ہو تو ابن مالک اس کو بھی
ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔جو نحوی حدیث پاک سے استشہاد کو جائز نہیں جانتے ہیں یا حدیث
پر لحن کا حکم لگاتے ہیں، ان سے ابن مالک راضی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث نہیں جانتے
ہیں۔

چونکہ ابن مالک آزادی سے سوچنے اور علمی مسائل میں غور وخوض کرنے میں بے جا
تقلید کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔اس لئے بسا اوقات ان باریکیوں تک وہ پہنچ جاتے ہیں جہاں
متقدمین نہیں پہنچے

ایک اور کوشش

اس سلسلہ کی تیسری کوشش حافظ جلال الدین سیوطی (۲) رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف
عقود الذبرجد علی مسند الامام احمد ہے۔

اعراب الحدیث پر جتنی کتابیں لکھی گئی تھیں تقریباً اس پورے علمی سرمائے کو سیوطی

۱۔ جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن مالک الطائی ہیں اندلس میں ۶۰۱ھ میں پیدا ہوئے پھر اسلامی ممالک کا دورہ کیا
۶۷۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوگئے "التسهيل" "الكافية الشافية" "الفية بن مالك" وغیرہ لکھیں۔

۲۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر ولادت ۸۴۹ھ قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ علم کی تلاش میں بہت دور دور تک کا سفر کیا۔
ہندوستان بھی آئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ میں پانچ سو سے زائد کتابیں لکھیں وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی۔

نے اپنی کتاب عقود الذبرجد میں یکجا کر لیا ہے ان کا طریقہ یہ ہے مثلاً

۱۔ مسند امام احمد سے ایسی حدیث جو اعراب کے اعتبار سے مشتبہ ہو اختیار فرماتے ہیں۔

۲۔ علماء نے اس حدیث کے اعراب کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کو نقل کرتے ہیں۔

۳۔ اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس کا اعراب علماء نے نہیں بتلایا ہے تو اس کو بڑے واضح انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

حافظ سیوطی نے اپنے اس علمی کام میں حدیث کی شروحات، اور نحوی کتابوں، اور العکبری وابن مالک کی تصنیفات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس کی تائید میں زمانۂ جاہلیت اور اہل عرب کے کلام کو بھی پیش کیا ہے

کتاب کے شروع میں ایک نفیس مقدمہ قلم بند کیا جس میں اس تالیف کا سبب اور حدیث کی حجت میں علماء نحو کے دونوں فریق کا تذکرہ کیا ہے

اعراب الحدیث کی تصنیفات کی دوسری قسم

اعراب الحدیث کے لئے جو کتابیں مخصوص نہیں ہیں اس میں کوئی حدیث ہو اور اس میں حدیث کا اعراب بیان کیا گیا ہو ایسی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ نحوی کتابیں: نحوی کتابوں کے مؤلفین قواعد وضوابط کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کی توضیح کے لئے حدیث شریف بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے اس مذکورہ قاعدہ کے لئے دلیل پکڑیں۔

۲۔ کبھی وہ احادیث جو بظاہر مذکورہ نحوی قاعدہ کے خلاف ہوتی ہیں ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا اعراب بیان کرتے ہیں۔

۳۔ لہجات عربیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کبھی کبھی نحوی حضرات ان احادیث کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جو عرب کے کسی قبیلہ کے لہجہ کے مطابق ہو اور پھر اس ضمن میں اس حدیث کا اعراب بھی بیان کرتے ہیں۔

علم نحو اور صرف کی کتابوں میں احادیث کی کثرت اور قلت صاحب کتاب کے نظریہ سے متعلق ہے اگر مؤلف ومصنف متاخرین نحاۃ میں سے ہوتے ہیں تو ان کی کتابوں میں احادیث کی کثرت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات احادیث کو کلام عرب کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال "الکافیۃ الشافیۃ" ابن مالک کی ہے اس میں ستر (۷۰) سے

زائد حدیثیں ہیں

ابن ہشام (۱) کی "المغنی" میں اسی (۸۰) سے زائد حدیثیں ہیں۔

ابن عقیل (۲) کی "المساعد" میں احادیث کا ایک بڑا مجموعہ ہے

جب کہ متقدمین میں نحاۃ اس سلسلہ میں قواعد و ضوابط کو اصل اور بنیاد قرار دیتے ہیں اور جو حدیث اس کے خلاف ہو اس پر لحن کا حکم لگاتے ہیں

ڈاکٹر محمد عبدالخالق عظیم سیبویہ کی کتاب میں احادیث کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **لن نجد فی کتاب سیبویہ کلاما رفعه الی النبی صلی الله علیه وسلم۔** سیبویہ کی کتاب میں ہم کوئی ایسا کلام نہیں پاتے ہیں جس کو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہو

حالانکہ ان کی کتاب میں بہت سے ایسے نصوص ہیں جو حدیث پاک سے مقتبس ہیں مثلاً **کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواهما اللذان یهودانه وینصرانه۔** ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی اور نصرانی بناتے ہیں

اس حدیث کو اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں لیکن سیبویہ نے اس سے استدلال تو کیا لیکن آپ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے کہا **اما قولهم کل مولود یولد علی الفطرة** کہہ کر اس قول کو اہل عرب کا کلام قرار دیا ہے

ب: لغت کی کتابیں:

لغت کی کتابوں میں اور خصوصاً لغت کی بڑی کتابوں میں حدیث شریف کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

(۱) اہل لغت اس حدیث کو ذکر کر کے اس سے مطلوبہ معنے ثابت کرتے ہیں

(۲) کبھی وہ حضرات اہل عرب کے لہجے کو ثابت کرتے ہیں

(۳) اور کبھی حدیث سے حرکات اور سکنات کو ثابت کرتے ہیں

۱۔ ابن ہشام جمال الدین عبداللہ بن یوسف ولادت ۷۰۸ھ وفات ۷۶۱ھ قاہرہ میں ہی پیدا ہوئے اور اسی شہر میں انتقال ہوا بڑے نحاۃ میں ان کا شمار ہے

۲۔ ابن عقیل: عبداللہ بن عبدالرحمن الہاشمی مصری علاقے کے مشہور نحوی ہیں شرح الفیہ ابن مالک انکی مشہور تالیف ہے اور المساعد وغیرہ لکھی ہیں ۶۹۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۷۶۹ھ میں وفات پائی

شاید حدیث کا سب سے بڑا ذخیرہ (لغت کی کتابوں میں) ابن منظور کی (۱) "لسان العرب" میں ہے انھوں نے خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا ہے۔ نیز علامہ زمخشری کی (۲) "اساس البلاغۃ" اور ابن سیدہ (۳) کی "المحکم" بھی ان کتابوں میں سے ہے جس میں کثرت کے ساتھ حدیث پاک سے استدلال کیا گیا ہے۔

ج : غریب الحدیث کی کتابیں

ان کتابوں کے مؤلفین بھی گاہے گاہے اعراب الحدیث پر کلام کرتے ہیں

د : حدیث کی شروحات

جن حضرات نے کتب حدیث کی شروحات لکھی ہیں۔ ان حضرات نے بھی اعراب حدیث پر جب کہ وہ مشتبہ اور مشکل ہو کلام کیا ہے۔ اور اعراب بیان کیا مثلاً شیخ الاسلام ابن حجر (۴) نے فتح الباری میں اور علامہ نووی (۵) نے شرح مسلم میں اور ابن قتیبہ وغیرہ نے

غریب الحدیث پر لکھی گئی کتابیں

گذشتہ صفحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علماء نحو نے اعراب الحدیث کی تالیفات پر توجہ کم کی ہے۔ اس کے بر خلاف غریب الحدیث کی تالیفات کی طرف ان حضرات کی توجہ

۱۔ ابن منظور : محمد بن مکرم بن علی، جمال الدین ابن منظور الافریقی ۶۳۰ھ میں ولادت ہوئی۔ لغت کے مانے ہوئے امام ہیں۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ پانچ سو جلدیں اپنے ہاتھ سے لکھیں "لسان العرب" ۲۰ جلدوں میں متداول ہے "مختار الاغانی، فصل الخطاب، سرور النفس" وغیرہ کتابیں قلم بند کیں ۷۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۔ زمخشری : محمود بن عمر بن محمد بن احمد الخوارزمی، الزمخشری، ۴۶۷ھ میں زمخشر میں پیدا ہوئے۔ ادب، لغت اور تفسیر کے امام ہیں۔ معتزلی ہیں۔ الکشاف، اساس البلاغۃ المفصل وغیرہ سیکڑوں کتابیں لکھیں ۵۳۸ھ میں جرجان میں وفات پائی

۳۔ ابن سیدہ : علی بن اسماعیل، المعروف بابن سیدہ ۳۹۸ھ میں مرسیہ (اندلس کے مشرق) میں پیدا ہوئے۔ لغت اور ادب کے امام ہیں۔ المخصص کے سترہ اجزاء ہیں۔ المحکم وغیرہ چھوڑی ہیں ۴۵۸ھ میں دانیہ شہر میں وفات پائی

۴۔ ابن حجر : احمد بن علی بن محمد الکنانی العسقلانی ۷۷۳ھ قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اصطلاح محدثین میں مطلق بولا جائے تو اس سے یہی مراد ہوتے ہیں تاریخ اور حدیث کے ائمہ میں شمار ہے ۸۵۲ھ قاہرہ میں وفات پائی۔

۵۔ یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن الحورانی النووی الشافعی "سوریا کے دیہات نوا، ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۷۶ھ میں وفات پائی، صرف پینتالیس سال کی عمر پائی۔ بے حساب علمی ذخیرہ چھوڑا۔ ان کی تالیفات کی فہرست بہت لمبی ہے۔ شرح مسلم، ریاض الصالحین کتاب الاذکار، بستان العارفین منهاج الطالبين، روضۃ الطالبین، ملا ر بعون وغیرہ

زیادہ رہی ہے۔ تقریباً تمام ہی علماء اہل لغت (متقدمین) نے اس موضوع پر کوئی نہ کوئی کتاب ضرور لکھی ہے بعض چھوٹی ہیں اور بعض بڑی

مثلاً: ابو عبیدہ(۱) نے ابن الأثیر (۲) کے بیان کے مطابق غریب الحدیث پر چند اوراق لکھے ہیں۔ بعض تالیفات بڑی ضخیم ہیں جیساکہ ابن الأنباری (۳) کی الغریب اس میں ۴۵ ہزار ورق ہیں۔ تیسری صدی ہجری سے ہی اس فن کا آغاز ہو چکا تھا۔

چنانچہ النضر بن شمیل متوفی (۴) ۲۰۳ھ نے اور ان کے بعد قطرب (۵) متوفی ۲۰۶ھ نے اور ان کے بعد ابو عبید (۶) متوفی ۲۱۰ھ نے اصمعی متوفی ۲۱۶ھ نے یکے بعد دیگرے مسلسل کتابیں لکھیں ہیں جوں جوں زمانہ گذر گیا۔ اس موضوع پر مختلف انداز سے کتابیں لکھی جانے لگیں۔

غریب الفاظ حدیث میں کس طرح داخل ہوئے

غریب کلمات کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ اور معلم بنا کر مبعوث کئے گئے۔ بات کو سمجھانے، اور دل میں اتارنے کے لئے آپ مختلف قسم کے الفاظ استعمال فرماتے۔ تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ آپ بدرجۂ اتم ادا کریں۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ الفاظ مختلف ہوں، ان مختلف الفاظ میں کبھی کبھی غریب الفاظ بھی استعمال کئے جاتے تھے۔

۱۔ ابو عبید: القاسم بن سلام الہروی ۱۵۷ھ میں ہرات میں پیدا ہوئے ۲۲۴ھ میں مکہ میں وفات ہوئی۔ ان کی کتاب کا نام الغریب المنصف فی غریب الحدیث بھی ہے۔ غریب القرآن بھی ہے اور بہت سی کتابیں ہیں۔

۲۔ ابن الاثیر: المبارک بن محمد الجزری، جزیرہ "ابن عمر" میں پیدا ہوئے، اور بڑھے پھر موصل چلے گئے۔ موصل ہی کے ایک دیہات میں وفات پائی۔ پیدائش ۵۴۴ھ میں ہوئی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ غریب الحدیث، جامع الاصول فی احادیث الرسول (جس میں صحیح کو یکجا کر دیا ہے) النہایہ وغیرہ کتابیں املاء کروائیں۔

۳۔ ابن الانباری: ابوالبرکات عبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ الانصاری لغت، ادب، تاریخ، کے بڑے علماء میں ہیں ۵۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں ۵۷۷ھ میں وفات پائی۔ بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں۔

۴۔ النضر بن شمیل بن خرشہ التمیمی ۱۲۲ھ میں "مرو" میں پیدا ہوئے۔ تاریخ عرب، فقہ اللغہ کے بڑے علماء میں ہیں، مرو میں ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔

۵۔ قطرب: محمد بن المستنیر بن احمد تاریخ پیدائش غیر معلوم ۲۰۶ھ میں وفات پائی معتزلی العقیدہ تھے۔

۶۔ ابو عبید: گذر چکا

علامہ خطابی (۱) رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بیان فرمائی۔ آپؐ کے سامنے کبھی کبھی مختلف قبائل کے لوگ رہتے ان کی زبانیں اور لہجے مختلف ہوتے۔ اور حافظہ سب کا ایک طرح نہیں ہوتا۔ لہذا جملہ حاضرین کو کلام کا خلاصہ سمجھانے اور بات کو دل میں ثابت کر کے بٹھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اسلوب اور کلمات اختیار فرماتے تاکہ وہ سمجھ کر اپنے قبیلہ میں دعوت کا کام کماحقہ ادا کریں۔

جب عربوں کے ساتھ غیر عرب کا اختلاط زیادہ ہونے لگا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے۔ چنانچہ اس فن پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کے مطالعہ سے لگتا ہے کہ بعد والوں نے پہلے والوں سے استفادہ کی پوری کوشش کی ہے اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔

غریب الحدیث کی مشہور کتابیں

۱۔ غریب الحدیث : ابو عبیدہ (۲) یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ مؤلف نے علمی مواد کے جمع کرنے میں کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا ہے۔ مثلاً صحابہ کے مسانید یا الاول فالاول یا حروف تہجی وغیرہ کی کچھ ترتیب نہیں اختیار کی ہے بلکہ ان کے سامنے جیسے حدیث آتی گئی۔ اس کی تشریح اور وضاحت کرتے چلے گئے۔ مرتب نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے غریب الفاظ کو تلاش کرنا دشوار کن عمل ہے۔ حیدر آباد سے یہ کتاب چھپی ہے۔ اس کے محقق نے بھی اس کی آسان اور سہل فہرست نہیں بنائی ہے۔

۲۔ غریب الحدیث : ابن قتیبۃ (۳) اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں یہ کتاب بڑی اہمیت اور قابل قدر نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور اس کی شہرت بھی بہت ہے۔

مؤلف نے کتاب کا آغاز فقہی کلمات (جو دشوار اور سخت ہیں) جو فقہاء میں متداول ہیں اس سے کیا ہے

۱۔ خطابی : احمد بن محمد ابو سلیمان الخطابی، ابو عبید القاسم بن سلام کی طرح ادب و زہد میں مشہور تھے ۳۸۸ھ شہر بست میں وفات پائی۔ معالم السنن، اعلام السنن، الشحاج وغیرہ لکھیں۔

۲۔ ابو عبیدہ : تعارف گذر گیا

۳۔ ابن قتیبۃ : عبداللہ بن مسلم الدینوری ۲۱۳ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں قیام رہا ۲۷۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

پھر حدیث پاک، آثار صحابہ، اور تابعین کے اقوال میں جو غریب الفاظ ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔ نیز اموی خلفاء اور ان کے بعض والیوں کے اقوال غریبہ کی بھی اس میں وضاحت کی گئی ہے۔

ایک خاص باب "غریب احادیث النساء" کے نام سے منعقد کیا آگے ایک اور باب منعقد کیا جس میں وہ حدیثیں ہیں جو کسی صحابی طرف منسوب نہیں ہیں۔ لیکن ابو عبیدہ کی طرح انہوں نے بھی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ کیف ما اتفق حدیثوں کو جمع کرتے چلے گئے۔ یہ کتاب بغداد سے تین جزء میں طبع ہوئی ہے اور محقق نے اس میں مفید اور علمی فہرست دیدی ہے۔ جس سے قاری کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اور کلمات کا تلاش کرنا سہل ہو گیا ہے۔

۳۔ غریب الحدیث :ابن اسحاق الحربی(۱) یہ کتاب پانچ جلدوں میں مخطوط تھی۔ لیکن اسکی چار جلدیں اب تک نایاب ہیں پانچویں جلد تحقیق کے بعد تین جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔

حربی نے باقاعدہ منظم طریقہ سے کتاب کی تالیف کی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ترتیب سے کلام کو شروع کیا اور ہر مسند میں مخرج کا لحاظ رکھا کسی کسی جگہ قرآنی تفسیر اور فقہی اور نحوی مسائل بھی بیان کئے ہیں۔ اگر کسی محدث سے کسی خاص جگہ پر کوئی چوک ہو گئی ہے تو اس کو بھی بیان کیا ہے۔

غریب الحدیث :الخطابی (۲) ابو عبیدہ کی غریب الحدیث کی طرح اس کا بھی نہج غیر مرتب ہے لیکن ابو عبیدہ، اور ابن قتیبہ نے جس حدیث کو ذکر کر دیا ہے۔ اس کو وہ ذکر نہیں کرتے ہیں۔ البتہ اگر اس میں ان کی دوسری رائے ہو تو اس وقت اس حدیث کو ذکر کرتے اور اس کی تشریح کرتے ہیں۔ اور حدیث سے مستنبط مسائل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ محقق نے جو فہرست قائم کی ہے اس سے حدیث اور مسائل کے استخراج میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔

۵۔ الفائق۔ زمخشری (۳) یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور اہل لغت کے طرز کے مطابق کلمات کی ترتیب رکھی گئی ہے اس کا طرز "اساس البلاغۃ" کی طرح ہی ہے کبھی کبھی ایسا

۱۔ الحربی :ابراہیم بن اسحاق الحربی البغاری ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے آپ "مرو" کے ہیں بڑے محدثین میں آپ کا شمار ہے چونکہ "حرب" نام کے محلہ میں رہتے تھے اس لئے حربی کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ سیکھا۔ اور بہت سی کتابیں لکھیں۔

۲۔ ان کا تعارف گذر چکا ۳۔ زمخشری کا تعارف گذر گیا۔

بھی کیا ہے کہ پوری حدیث ذکر کردی اور اس میں تمام غریب الفاظ کو ایک ہی جگہ ذکر کردیا ہے۔

۶۔ النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔ ابن الاثیر (۱) غریب الحدیث میں مشہور ترین اور سہل المأخذ اور بڑی کتاب ہے۔ لغت کی ترتیب کے ساتھ الفاظ کی تشریح کی گئی ہے اگر کسی حدیث میں ایک سے زائد غریب لفظ آجائیں۔ اور ہر ایک کا مادہ الگ الگ ہو تو ہر ایک کو اسی کے مادہ میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی مادہ ایسا ہے جس میں کوئی غریب لفظ نہیں ہے تو اس باب کو چھوڑدیا ہے۔

ابن ادریس بعلی حنبلی متوفی ۸۵۷ھ نے اس کو شعر میں نظم کردیا ہے۔

اعراب الحدیث وغریب الحدیث کے فوائد

۱۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ جو شخص اسماء اور افعال اور معرب و مبنی کی قسموں کو نہیں جانتا وہ علم حدیث کا مکمل ادراک نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اعراب الحدیث کو جاننا حدیث کے سمجھنے کے لئے بیحد ضروری ہے۔

۲۔ چونکہ اعراب الحدیث اور غریب الحدیث کی کتابوں میں بسا اوقات کلام عرب سے شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے حدیث پاک کے اعراب اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علماء سلف صالحین نے قرآن و حدیث کی خدمت میں کوئی کسر اور کمی باقی نہیں رکھی ہے۔

کچھ باتیں طالب علموں کے ساتھ

۱۔ طالب علم پر اگر کوئی کلمہ مخفی رہے تو اولاً لغت کی کتابوں میں اس کو تلاش کرنا چاہئے اور پھر اعراب الحدیث اور غریب الحدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے تاکہ پوری طرح حدیث کا مفہوم سمجھ میں آجائے۔

۲۔ علم اللغۃ بڑا وسیع علم ہے۔ لہٰذا علماء غریب الحدیث نے اگر کوئی معنی کسی لفظ کی تشریح میں ذکر کیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس سلسلہ میں حرف اخیر ہو بلکہ اس کے لئے بعض

۱۔ ابن الاثیر کا تعارف گذرگیا

ہوگا کہ اس موضوع پر جو دوسری کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو بھی دیکھ لے ہو سکتا ہے کہ دوسرے نے اس کی وضاحت اور زیادہ کی ہو یا اس میں کوئی مخفی شبہ ہو جس کا ازالہ دوسرے مؤلف نے کیا ہو۔

۳۔ یہ کتابیں اعراب الحدیث اور غریب الحدیث کی وضاحت کرتی ہیں۔ فقہی مسائل کا ان سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ حضرات ضعیف اور موضوع، منسوخ روایت کی غرابت اور اعراب کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

۵۔ اگر کسی مؤلف نے کسی حدیث پر لحن کا حکم لگایا ہو تو اس کی متابعت میں جلد بازی اور سرعت سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۶۔ چونکہ اعراب الحدیث کی کتابیں کم ہیں۔ اس لئے اگر کسی حدیث کا اعراب واضح نہ ہو تو اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

تحریک ختم نبوت

مولانا اقبال رنگونی

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

ماہنامہ صراط مستقیم میں ڈاکٹر بہاء الدین کے مضمون کی ابتداء ماہنامہ لاہور کے دارالعلوم دیوبند نمبر کے پیش لفظ سے ہوتی ہے۔ یہ آج سے تقریباً ۲۰ر سال (بیس سال) پہلے کی ایک تحریر ہے (ماہنامہ الرشید لاہور کا یہ خصوصی نمبر فروری مارچ ۱۹۷۶ء کا ہے) اسے اس وقت خواہ مخواہ اچھالنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی اسے ماہنامہ مذکور کے علماء ہی بہتر جانتے ہیں۔ مضمون نگار کا کہنا ہے کہ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم نے اس پیش لفظ میں قادیانیوں کے بارے میں علماء حق کا جو کارنامہ تحریر فرمایا ہے وہ حقائق کے خلاف ہے اور مضمون نگار اسے تاریخی طور پر نہ صرف غلط قرار دیتا ہے بلکہ اسے تاریخ سازی کی بدترین مثال قرار دیتا ہے۔

آیئے ہم اس عبارت پر نظر کریں اور دیکھیں کہ کیا واقعی اس عبارت میں کوئی غلط تاریخ سازی کی گئی ہے یا یہ عبارت حقائق پر مبنی ہے جسے ڈاکٹر صاحب اپنی کم فہمی اور نادانی کی وجہ سے نہ سمجھ پائے اور محض شوق اعتراض میں اس پر تبصرہ کرنے بیٹھ گئے۔ حضرت علامہ صاحب نے دارالعلوم کے پیش لفظ میں جو عبارت لکھی اسے ایک دفعہ پھر پڑھ لیجئے۔ -

علماء حق نے مسلمانوں کو اس فتنے سے خبر دار کیا سر خیل اکبر دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے خلفاء حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت پیر مہر شاہ گولڑوی کو اس طرف متوجہ فرمایا پیر صاحب حجاز ہجرت کے ارادے سے آئے تھے حضرت حاجی صاحب کی نظر بھانپ رہی تھی کہ حضرت گولڑوی کو مرزا غلام احمد کے مقابلہ میں کام

کرتا ہے آپ نے پیر صاحب کو واپس ہندوستان جانے کا امر فرمایا۔
شیخ الہند کے شاگرد حضرت علامہ انور شاہ کشمیری۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری اور مولانا ثناء اللہ امر تسری میدان میں نکلے اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ شاہ صاحب مرحوم نے اس سلسلے میں عربی اور فارسی میں کتابیں لکھ کر دوسرے اسلامی ممالک کو بھی اس فتنے سے خبر دار کیا سید بدر عالم میرٹھی۔ مولانا مفتی محمد شفیع مولانا مناظر حسن گیلانی مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا محمد یوسف بنوری نے پوری قوت سے فتنہ انکار ختم نبوت کا مقابلہ کیا۔
(ڈاکٹر بہاء الدین نے اس جگہ درج ذیل عبارت نہیں لکھی اور نہ یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ یہاں کوئی عبارت ترک کر رہے ہیں یہ عبرت یہ ہے۔
اور عقائد اسلام کے تحفظ کے لئے مسلمان ہند اور دیگر مسلم ممالک کو وہ علمی اور تحقیقی مواد مہیا کیا کہ منکرین ختم نبوت دم بخود رہ گئے مولانا مناظر احسن گیلانی کے شاگرد رشید پروفیسر الیاس برنی کی کتاب قادیانی مذہب اب بھی قادیانی نظریات کا انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے)
شیخ الہند کے شاگردوں میں مولانا ثناء اللہ امر تسری مسائل فقہ میں شیخ کے مسلک پر نہ تھے لیکن ختم نبوت کے لئے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے۔ حضرت شیخ الہند نے مولانا امر تسری کے ذریعے اہل حدیث ے پورے حلقے میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی اور مولانا امر تسری نے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزنوی کو بھی اس پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا۔
(ڈاکٹر بہاؤالدین نے پھر یہاں بھی عبارت ترک کر دی اور کوئی نشان نہیں دیا وہ عبارت یہ ہے۔
فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ میدان تبلیغ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شعلہ نوائی سے نصف صدی کے قریب گرم رہا شاہ صاحب آخر دم تک مرزائیت کے خلاف نبرد آزما رہے اور ان کے سروں پر تیغ براں بن کر لٹکتے رہے آپ کے بعد قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا محمد علی جالندھری نے اس مورچے کو سنبھالا اور اپنی زندگی اس محاذ پر لگا دی۔
۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں صدر مولانا ابو الحسنات خطیب جامع مسجد وزیر خان

لاہور تھے مگر موصوف میں یہ ولولہ پیدا کرنے والے اور انہیں صدارت کے لئے تیار کرنے والے خود مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے اور تحریک کی زمام کار حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ میں تھی جب وہ وقت قریب آیا کہ مرزائیت قانونی طور پر بھی مسلم قرار پائے تو اللہ رب العزت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر کے طور پر محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا انتخاب فرمالیا پھر ۱۹۷۴ء میں تمام مسلم جماعتوں نے حضرت مولانا بنوری کو مجلس عمل کا صدر منتخب کیا ملک میں ہمہ گیر تحریک چلی پاکستانی قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو قانونی طور پر مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا) اور تحفظ ختم نبوت کا جو کام حضرت حاجی امداد اللہ اور علامہ انور شاہ کی الف سے شروع ہوا مولانا بنوری کی یا پر پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

ڈاکٹر بہاء الدین کی نقل کردہ عبارت دیکھیں اور ماہنامہ الرشید لاہور میں منقول عبارت پر ایک نظر کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ڈاکٹر بہاء الدین نے پوری عبارت کس لئے نقل نہیں کی۔ تاہم انہوں نے جو عبارت جس طرح نقل کی اب آپ اس پر غور فرمائیں۔ اس عبارت کا پہلا جزء یہ ہے۔

علماء حق نے............امر فرمایا

اس پر ڈاکٹر بہاء الدین کا تبصرہ دیکھیں

حاجی امداد اللہ صاحب کا ادب واحترام سر آنکھوں پر لیکن تحریک ختم نبوت میں ان کا سرے سے کوئی کردار نہیں ان کی کوئی تحریر یا تقریر یا کوئی اور سرگرمی تحریک کے ریکارڈ پر موجود نہیں ہے (ماہنامہ مذکور ص ۹۔ کالم ۲)

حضرت علامہ صاحب کی یہ عبارت پھر سے پڑھیں اور بتلائیں کہ حضرت علامہ صاحب نے اس عبارت میں کس جگہ یہ دعوی فرمایا ہے کہ تحریک ختم نبوت میں وہ سرخیل اکبر تھے؟

مرزا غلام احمد ہندوستان میں تھا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ ۱۸۵۹ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے۔ اور وہیں آپ کا انتقال (۱۸۹۹ء) میں ہوا جب کہ مرزا غلام احمد کا دعوی نبوت ۱۹۰۱ء میں کھل کر سامنے آیا۔ اب آپ ہی سوچئیں کہ جب مرزا غلام احمد نے دعوی نبوت ہی نہیں کیا تھا اور ابھی یہ فتنہ کھل کر ظہور میں نہ آیا تھا تو اس وقت تحریک ختم نبوت کہاں سے آتی۔ یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب

کی فراست یہ دیکھ رہی تھی کہ ایک فتنہ عنقریب اٹھے گا جس سے مسلمانان ہند کو خبردار کرنا ضروری ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے اس عبارت میں اسی حقیقت کی نشاندہی فرمائی ہے اور یہ بات تحریری طور پر ریکارڈ میں موجود ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے (وہیں مکہ معظّمہ میں) ارشاد فرمایا کہ

در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند شما ضرور در ملک خود واپس بروید واگر بالفرض شما در ہند خاموش نشستہ باشید تاہم آں فتنہ ترقی نہ کند و در ملک آرام ظاہر شود (ملفوظات طیبہ ص ۱۲۶)

(ترجمہ) ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا آپ لازماً اپنے ملک میں واپس جائیں۔ اگر آپ ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھیں رہیں تو وہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا اور ملک میں امن ہو جائے گا۔

معترض موصوف نے اگر غور سے یہ عبارت پڑھی ہوتی اور اسے سمجھ پاتے تو کبھی یہ بے تکی نہ ہانکتے۔ ان کا اس طرح اعتراض کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ موصوف اتنی بات بھی نہ سمجھ پائے کہ تحریک ختم نبوت اور ہے اور مسلمان کو فتنے سے قبل از وقت خبردار کرنا اور بات ہے۔ حضرت علامہ صاحب اگر یہ لکھتے کہ حضرت حاجی صاحب تحریک ختم نبوت کے سر خیل اکبر تھے تو بیشک یہ بات تاریخ کے خلاف ہوتی مگر جو بات مذکورہ عبارت میں ہے تاریخ میں وہ اسی طرح موجود ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اتنی آسان اور سادہ بات بھی نہ سمجھ پائے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے اہل حدیث عوام جو اردو کی اتنی آسان بات نہیں سمجھ سکتے وہ پھر کتاب وسنت کو کیسے سمجھتے ہونگے جس میں وہ براہ راست علم کا دعوی کیا کرتے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کی عبارت کا دوسرا جزء یہ ہے

شیخ الہند........ آخر تک

اس عبارت میں حضرت علامہ صاحب نے جن بزرگوں کی نشاندہی کی ہے اس میں شیخ الہند کو بھی سر خیل اکبر نہیں لکھا بلکہ آپ کے شاگردوں علامہ الدھر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب اور دیگر بزرگوں کی ناقابل فراموش خدمات کا تذکرہ فرمایا۔ اور حق یہ ہے کہ یہ بات تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے

قادیانیوں کے خلاف تحریک اٹھائی (یہاں قادیانیوں سے مناظرہ۔ قادیانیوں پر فتویٰ۔ اور مرزا غلام احمد سے نوک جھونک کی بات نہیں۔ تحریک کی بات موضوع سخن ہے) اور ایک پوری جماعت کو قادیانیوں کے خلاف کام کرنے اور ہر سطح پر ان کی ناکہ بندی کرنے کے لئے تیار کیا۔ کون نہیں جانتا کہ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو حضرت علامہ انور شاہ صاحب ہی نے اس تحریک کا امیر بنایا اور ہزاروں کی موجودگی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کے شاگردوں نے جہاں عوامی سطح پر اس تحریک کو عوام میں لانے کی ضرورت سمجھی اس کے ساتھ ان موضوعات پر علمی دلائل تیار کئے اور ان موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ سے پہلے بیشک مرزا غلام احمد پر لدھیانہ کے علماء دیوبند کفر کا فتویٰ لگا چکے تھے (یاد رہے کہ سب سے پہلا فتویٰ لدھیانہ کے علماء نے ۱۳۰۱ھ میں جاری کیا تھا جب مرزا کی موت کو ابھی ۲۴ سال باقی تھے) مگر اسے تحریک کی شکل دینا اور اسے پوری قوت سے آگے بڑھانا یہ حضرت علامہ شاہ صاحب کا ہی کارنامہ ہے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (جو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد خاص تھے ان) کی قومی قیادت میں اپنے منطقی انجام تک پہنچی اور حکومت کی سطح پر کافر قرار دیا گیا۔

ڈاکٹر بہاء الدین کو اگر فتویٰ اور تحریک کا فرق معلوم نہ تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے پوچھ لیتے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ اس تحریک کے بانی تھے یا یہ حضرات سر خیل اکبر تھے تو ہم آگے چل کر بتلائیں گے کہ ان بزرگوں کا اس (تحریک) سے کوئی تعلق نہ تھا البتہ ان کے فتوے واقعی لائق غور ہیں لیکن ان کے بارے میں بھی تاریخی تجزیہ کی ضرورت ہے کہ وہ آخر کار کس کے کھاتے میں گئے تھے۔ اور کون کس کی کس طرح حمایت کرتا تھا اس سے ڈاکٹر صاحب موصوف کو معلوم ہو جائے گا کہ تحریک تو اپنی جگہ رہی قادیانیوں کے بارے میں ان بزرگوں کا نرم گوشہ واقعتاً قابل فراموش ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور قادیانیت

ڈاکٹر بہاء الدین کا کہنا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی تو ایک طرح مرزا صاحب کی

حمایت کرتے رہے اور دلیل میں امداد الفتاوی سے ایک یہ عبارت لکھی ہے۔

جس شخص میں کفر کی کوئی قطعی وجہ ہوگی کافر کہا جاوے گا اور حدیثیں اس شخص کے بارے میں ہیں جن میں کوئی قطعی وجہ نہ ہو اور اس مسئلے کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی امر قولی یا فعلی ایسا ہو کہ محتمل کفر و عدم کفر دونوں کو ہو اگر احتمال غالب اکثر ہو تب تکفیر نہ کریں گے کیونکہ کافر کے یہ معنی نہیں کہ اس میں تمام وجوہ کفر کی جمع ہوں ورنہ جن کا کفر منصوص ہے وہ بھی کافر نہ ہوں گے باقی خاص مرزا کی نسبت مجھ کو پوری تحقیق نہیں کہ کوئی وجہ قطعی کفر کی ہے یا نہیں (ج ۴۔ ص ۱۱۶)

ڈاکٹر بہاء الدین اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مولانا تھانوی کا یہ فتوی ان کی (یعنی مرزا قادیانی کی) وفات سے صرف گیارہ ماہ قبل کا ہے جب کہ ان کا کفر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا انہیں دعوی مسیحیت کیے سولہ برس اور دعوی نبوت کیے ۷ برس گذر چکے تھے مولانا تھانوی پر مرزا کی حقیقت مخفی رہی کہ نہ تو انہیں مرزا صاحب کے لٹریچر تک رسائی حاصل تھی اور نہ ہی انہیں علماء اسلام کے مرزا صاحب سے مناظروں اور مباحثوں کا علم ہو سکا۔ (ماہنامہ صراط مستقیم ص ۱۰ کالم ۱)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اگر یہ لکھا ہے کہ۔ باقی خاص مرزا کی نسبت مجھ کو پوری تحقیق نہیں۔ تو اس میں مرزا غلام احمد کی حمایت کرنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ یہ بات ایک عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہے۔ اگر ایک شخص کسی فتنہ کے ابتدائی مرحلے میں اسکے باقی عقائد و نظریات پر پوری طرح مطلع نہ ہو پائے جسکی رو سے کوئی فیصلہ کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ کہاں نکل آیا کہ وہ شخص ایک طرح سے اس کا حامی ہے۔

رہی یہ بات کہ کیا واقعی حضرت تھانوی آخر تک اپنے اس موقف پر رہے کہ اس میں آپ کو اس کے عقائد کا قطعی درجے میں علم نہ ہوا اور آپ ایک طرح سے اس کی حمایت کرتے رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاریخ کی بدترین تحریف ہے اور حضرت تھانوی پر بہتان عظیم ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات اور آپ کے فتاوی میں بڑی صراحت کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے اتباع (قادیانی ہوں یا لاہوری) پر فتوی کفر موجود ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ پر قادیانیوں کے عقائد و نظریات کھل گئے تو آپ نے بغیر کسی تردد کے ان پر فتوی کفر جاری کر دیا تھا اور آپ کھلے عام مرزائیوں کو

دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے رہے۔ ہم ذیل میں آپ کے چند فتاوی سے یہ بات واضح کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

حضرت حکیم الامت کی خدمت میں رنگون (برما) سے ایک سوال آیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

رہا خود مرزا کے بقائے اسلام کے قائل ہونے کی۔ تو اس کے اقوال دیکھنے کے بعد کچھ گنجائش نہیں چنانچہ مرزا کے رسائل اور اسکے رد کے رسائل میں وہ اقوال بکثرت مذکور ہیں جن میں تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بت پرستی کو اس تاویل سے کفر نہ کہا جاوے کہ توحید وجودی کی بناء پر یہ شخص غیر خدا کا عابد نہیں اب رہ گئے اس کے پیرو تو قادیانی پارٹی تو ان اقوال کو بلا تامل مانتی ہے ان پر حکم بالا سلام کی کچھ گنجائش نہیں۔ باقی لاہوری پارٹی کے متعلق شاید کسی کو تردد ہو کیونکہ وہ مرزا کے دعوی نبوت میں کچھ تاویل کرتے ہیں سو اس تاویل کا صادق ہونا مرزا کے کاذب ہونے کو مستلزم ہے جیسا کہ اوپر اس تاویل کا متحمل نہ ہونا مذکور ہوا ہے اور مرزا کو صادق ماننا اس تاویل کے باطل ہونے کو مستلزم ہے۔ پس اس جماعت پر حکم بالاسلام کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ ان سے نفی اسلام کی ثابت ہو چکی تو ان کے ساتھ کوئی معاملہ اہل اسلام کا کرنا جائز نہ ہوگا۔ (امداد الفتاوی ج ٦ ص ٦٢)

حضرت حکیم الامت کے اس فتوی پر غور فرمایئے۔ آپ کو درج ذیل امور بصراحت نظر آئیں گے۔

(١) مرزا قادیانی کافر تھا (٢) مرزا قادیانی کے اقوال کی تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسا بت پرست کی بت پرستی کی تاویل کرنا (٣) قادیانی گروہ دائرہ اسلام سے خارج ہے (٤) لاہوری قادیانی چونکہ مرزا قادیانی کو صادق مانتی ہے اس لئے ان پر بھی حکم اسلام کی کوئی گنجائش نہیں (٥) ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ اہل اسلام کا سا کرنا جائز نہیں

اب آپ ہی بتائیں کہ کیا اسے ایک طرح کی حمایت کرنا کہتے ہیں۔

(٦) ایک مرتبہ کسی نے حضرت تھانوی سے عرض کیا کہ بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں کو کافر نہیں سمجھتے ان کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ

نہ سمجھنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ کہیں کہ ان کے یہ عقائد ہی نہیں جن کی بناء پر ان کو کافر کہا جاتا ہے۔ اور ایک یہ کہ یہ عقائد ہیں مگر پھر بھی وہ کافر نہیں تو اب ایسا

سمجھنے والا شخص بھی کافر ہے جو کفر کو کفر نہ کہے گا (الافاضات حصہ ۹ ص ۲۱)

حضرت حکیم الامت ایک بیان میں کہتے ہیں کہ

اہل ضلال میں اس وقت دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو ارتداد کی صورت میں مرتد بنا رہے ہیں اور ایک وہ جو اسلام کی شکل میں خود پہلے سے مرتد ہیں اور وہ دوسروں کو اپنی طرف بلاتے ہیں یہ فرقہ زیادہ مضر ہے یعنی اس وقت ایک فرقہ تو آریہ کا ہے وہ علانیہ کفر کی دعوت دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو اسلام کے پردے میں کفر کو پھیلا رہے ہے وہ مرزائیوں کا گروہ ہے ان پر کفر وارتداد کا فتوی ہو چکا ہے۔ مبلغین کو ان دونوں کی مدافعت کرنی چاہئے جیسے آریہ ہیں ایسے ہی یہ ناریہ بھی ہیں۔ دونوں کافر ہیں (وعظ۔ آداب التبلیغ ص ۵۳)

ایک اور مجلس میں فرماتے ہیں کہ

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو ولی کہنا بھی کفر ہے بلکہ اس مسلمان کہنا بھی کفر ہے اور جب مرزا غلام احمد صاف صاف اپنے کو نبی بلکہ افضل الانبیاء کہتا ہے تو اس کو ولی ماننا ان سب باتوں میں سچا ماننا ہے اور دعوی نبوت میں اس کو سچا ماننا کفر ہے خوب سمجھ لو (کمالات اشرفیہ ص ۹۲)

آپ کا اور بیان بھی دیکھتے جائیں

جب یہ ثابت ہو گیا کہ (قادیانی لوگ) مرزا غلام احمد کی رسالت کے قائل ہیں تو ہم نے کفر کا فتوی دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے (ایضا ص ۷ ۴ ۳)

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب بتلائیں گے ان عبارات کا لکھنے والا اور اسے بر سر عام بیان کرنے والا کیا ایک طرح سے مرزا غلام احمد کی حمایت کر رہا ہے؟ مرزا غلام احمد کو کافر اور جہنمی کہنا اور اس کو کافر نہ کہنے والے کو کافر قرار دینا کیا قادیانیوں کی بارے میں نرم گوشہ رکھنا ہو سکتا ہے؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے بیانات میں مرزا غلام احمد کو جو پاگل کہا اسے حرام خور فرمایا اس کے دماغ پر شیطان کا مسلط ہونا بیان کیا اور اسے ہذیانات قرار دیا اسے ہم یہاں نقل نہیں کر رہے بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک قادیانی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی مسلمان مرزا غلام احمد کا مرید ہو جائے

تو اس صورت میں اس کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں۔ نیز یہ کہ کسی قادیانی مرد کا سنی عورت سے نکاح شرعا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ

اس مرید سے پوچھنا چاہئے کہ وہ مرزا کے تمام اقوال کا معتقد ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے کہ وہ تمام اقوال کا معتقد ہے تو یہ شخص مسلمان نہیں رہا اور نکاح اس کا اہل سنت والجماعت بی بی سے باقی نہیں رہا اور اگر وہ کہے کہ میں سب اقوال کا معتقد نہیں ہوں تو اس سے پوچھنا چاہئے کہ کس کس قول کے معتقد نہیں ہو اس تفصیل کے بعد استفتاء کرنا چاہئے۔

اگر اس شخص کے اقرار سے اس کا تمام اقوال مرزائیہ کا معتقد ہونا ثابت ہو تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر بعض کا معتقد ہو بعض کا نہ ہو تو اس سے تفصیل پوچھی جائے اور بالفرض اس کا مسلم ہونا بھی مبتدع اور ضال ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اس لئے ہر حال میں (اس عورت کا) ولی گنہ گار ہوگا اگر اس شخص کے ساتھ نکاح کرے گا۔ لہذا اس ولی پر واجب ہے کہ قطعا انکا کردے (نکاح سے پہلے) (امداالفتاوی ج ۴ ص ۳۱۵)

مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی خاص معتقد اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو اس لئے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے پس اگر یہ مرزائی خواہ وہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہو سکتا الخ (ایضا ص ۲۲۲)

ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں

جو مسلمان ایسے عقائد بالا (جو مرزا غلام احمد کے تھے) اختیار کرے جن میں بعضے یقینی کفر ہیں وہ بحکم مرتد ہے اور مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جاوے گا (ایضا ۲۲۴)

ایک اور سوال کا جواب دیکھئے

میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں کر سکتے اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقائد کفریہ کو کفر نہیں کہتے۔ کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے کیا اگر کوئی شخص مسیلمہ کذاب کو نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو کیا اس شخص کو

مسلمان کہا جائے گا (ایضا ۲۲۴)

ہم اس وقت اس بحث میں بھی نہیں جاتے کہ حضرت تھانوی نے مرزا غلام احمد اور اس کے پیروں کے فتوی کفر پر کہاں کہاں دستخط فرمائے ہیں اور مرزا غلام احمد کے دلائل کا کس طرح جائزہ لیا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ موجود ہے۔ عرض یہ ہے کہ حضرت تھانوی کو جو قادیانیوں کے عقائد و نظریات کا پورا علم ہوا تو آپ نے ان کو کھلے بندوں کافر کہا ان کی عورتوں سے نکاح ناجائز کہا۔ انہیں مرتد قرار دیا ان کے مردوں سے رشتہ کرنا ناجائز قرار دیا اور اگر نکاح ہو گیا تو اسے فسخ قرار دیا۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ کیا یہ سب فتاوی مرزا غلام احمد اور اس کے پیرووں کی حمایت میں جاتے ہیں اور کیا اسے قادیانیوں کا حامی کہا جاسکتا ہے؟

ہم اگلے صفحات میں تفصیلاً بتائیں گے کہ وہ کون لوگ تھے جو قادیانی عورتوں سے نکاح کو درست کہتے تھے اور کن دنوں کھلے عام کہتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو اگر ابتداء قادیانیوں کے عقائد و نظریات کا پتہ نہ لگا تو اس میں کونسا جرم ہے یہ تو ان حضرات کی احتیاط فی التکفیر کی دلیل ہے احتیاط کا یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ پھر اس میں مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کی طرح طرح نہیں کرنا پڑتا۔

اب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب سے گذارش ہے کہ وہ یہ مسئلہ بھی حل کرتے جائیں کہ وہ کونسی وجوہات تھیں جن کی بناء پر مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد کے دعاوی کو جاننے اور سننے کے باوجود اس پر کفر کا فتوی نہیں لگایا جب علماء لدھیانہ کا فتوی مولانا کے سامنے آیا تو موافقت نہ سہی لیکن مخالفت کیوں کی گئی۔ اور پھر عدالت میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے یہ کیوں کہا کہ میں آئندہ مرزا غلام احمد کو کافر نہ کہوں گا؟

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزا غلام احمد کے فوت ہونے کے سالہا سال بعد بھی اس پر فتوی کفر نہ دیا لاہوری مرزائیوں کو کھلے بندوں مسلمان کیوں سمجھا۔ کس لئے ان کی اقتداء کو درست کہتے رہے؟ (تفصیلات آگے آرہی ہیں)

حضرت تھانوی کا جرم اس کے سوا کیا ہے کہ انہیں ابتداء قادیانی عقائد و نظریات کی تحقیق نہ ہوسکی تھی اس لئے آپ نے کوئی قطعی بات نہیں کی اور کہا کہ مجھ کو پوری تحقیق نہیں۔ اور جن علماء نے (مثلاً علماء لدھیانہ نے) پوری تحقیق سے اس پر فتوی کفر دیا تھا ان کی مخالفت بھی نہ کی لیکن کیا ان دونوں اہل حدیث بزرگوں کو بھی کوئی مجبوری پیش آگئی تھی کہ

ری پوری تحقیق ہوتے ہوئے بھی آخر تک ان کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے رہے
ر انہیں کافر کہنے سے اجتناب کرتے رہے۔

ڈاکٹر بہاء الدین کی یہ بات کہ ۱۹۰۷ء میں مرزا غلام احمد کا کفر ہر عالم کے سامنے روز
شن کی طرح عیاں ہو چکا تھا لائق تسلیم نہیں جن اکابر نے اس کے بارے میں ہمت کی اور
ں کے عقائد کی تحقیق و پڑتال کی ان کے ہاں تو اس کا کفر واقعی روز روشن کی طرح واضح
و چکا تھا جیسے علماء لدھیانہ علماء گورداسپور علماء امرتسر۔ جیسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔
ضرت مولانا نذیر حسین دہلوی۔ مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب۔ لیکن جن علماء نے اسے اہمیت
دی نہ اسکی ضرورت سمجھی نہ ان کے سامنے یہ موضوع اٹھا تو اگر وہ اس کے کفر کو نہ جان
ئے ہوں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ان دنوں مرزا غلام احمد کی بھی کوئی اتنی اہمیت نہ تھی
ہر ہر عالم اس کے عقائد کی پڑتال کرتا پھرے نہ اسکی ضرورت تھی کہ کوئی مقتدر عالم اپنے
حلقے کے دیگر عالم سے پوچھے کہ کیا انہوں نے اس پر کوئی تحقیق اور پڑتال کی ہے۔ جب
رورت پڑتی گئی اس کا کفر مبرہن ہوتا گیا چنانچہ مولانا تھانوی نے بھی اپنے اس فتوی کے
ٹ نوٹ میں لکھ دیا کہ

بعد میں معلوم ہوا کہ مرزا کے کلام میں اپنے نبی نہ ماننے والے پر کفر کا فتوی ہے اور
ن انبیاء علیہم السلام کی اہانت ہے اور دعوی نبوت واہانت دونوں کفر ہیں۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب اگر یہ فٹ نوٹ بھی دیکھ لیتے تو انہیں بات بڑھانے کی
رورت نہ پڑتی پھر مرزا غلام احمد کے اپنے دعوی نبوت کے بارے میں مختلف بیانات ۱۹۰۸ء
ں بھی اخبارات میں آتے رہے مرزائیوں کے مباحثہ راولپنڈی میں وہ بیانات تاریخ وار زیر
ث آئے ہیں یہ مباحثہ ان کے قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ کے مابین ہوا تھا اور نقطہ اختلاف
تھا کہ مرزا نے حقیقی نبوت کا دعوی کیا تھا یا نہیں۔ یہ صورت حال بتلاتی ہے کہ جو لوگ مرزا
م احمد کے قریب الوطن تھے جیسے علماء لدھیانہ علماء گورداسپور علماء امرتسر وغیرہ وہ تو یقیناً
زا غلام احمد کے وجوہ کفر جان چکے ہونگے تبھی تو انہوں نے بغیر کسی تردد کے مرزا پر کفر کا
ی دیا لیکن دور کے علماء ۱۹۰۷ء تک مرزا غلام احمد کو پوری طرح سمجھ نہ پائے تو محض ایک
یاط تھی لیکن اسے اس انداز میں پیش کرنا کہ ۱۹۰۷ء میں مرزا غلام احمد کے وجوہ کفر روز
ن کی طرح واضح ہو چکے تھے۔ صحیح نہیں اس لئے اگر ان علاقے کے علماء نے فتوی کفر

دینے میں کوئی تامل کیا تو انہیں مرزا غلام احمد کی ایک طرح حمایت کرنے والا قرار دینا بڑی زیادتی ہے

ہم یہاں اس بحث کو (کہ حضرت تھانوی مرزا غلام احمد کی ایک طرح سے حمایت کرتے رہے) سر دست ختم کرتے ہیں اب ڈاکٹر بہاء الدین کی ایک اور چیرہ دستی ملاحظہ کیجئے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور قادیانیت

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب لکھتے ہیں کہ

کئی علماء احناف تو ایک لحاظ سے اپنے دل میں مرزا غلام احمد کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے جیسا کہ حضرات دیو بند کے ایک انتہائی محترم شیخ جناب مولانا رشید احمد گنگوہی ایک جگہ مرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمدیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گو کتاب براہین احمدیہ کے بعض اقوال میں کچھ خلجان سا ہوتا ہے مگر تھوڑی سی تاویل سے اس کی تصحیح ممکن ہے صاحب براہین کا کون سا ایسا قول ہے جو معتزلہ اور شیعہ کے قول کے برابر ہو اور اس کی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو یہ بندہ جیسا اس بزرگ (مرزا صاحب) کو کافر فاسق نہیں کہتا اس کو مجدد ولی بھی نہیں کہہ سکتا صالح مسلمان سمجھتا ہوں (بلفظہ ماہنامہ صراط مستقیم ص ۱۳۔ کالم ۲)

اگر ڈاکٹر بہاء الدین واقعی اہل حدیث کے کوئی ذمہ دار شخص ہیں تو انہیں بتلانا چاہئے تھا کہ حضرت گنگوہی کی یہ بات کس دور کی ہے؟ مرزا غلام احمد کے نظریات و عقائد کی حقیقت واضح ہونے سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ حضرت گنگوہی نے مرزا قادیانی کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ موصوف نے جہاں سے یہ بات اٹھائی ہے اسی کتاب میں اور اسی بحث میں دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا یہ بیان بھی تو ہے کہ

میں نے اور مولانا رشید احمد صاحب نے اس کتاب (یعنی براہین احمدیہ) کا مطالعہ نہیں کیا (رئیس قادیان ج ۲۔ ص ۹)

حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کے بارے میں ابتداء جو رائے دی تھی وہ اس کے کچھ الہامات سننے کی وجہ سے تھی پھر بھی حضرت گنگوہی ان الہامات سے مطمئن نہ تھے لیکن چونکہ ابھی مرزا غلام اپنے پورے رنگ میں ظاہر نہ ہوا تھا اس لئے آپ نے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا اور صاف فرمادیا کہ اس وقت نہ اسے کافر اور فاسق کہتا ہوں نہ اسے مجدد اور ولی مانتا

ہوں اور یہ بات خود مولف رئیس قادیان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

اصل یہ ہے کہ قادیانی صاحب اس وقت تک اپنے پورے رنگ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اس لئے حاملین شریعت ان الہاموں کی تادیل کر کے ان کو ہدف کفر سے بچانا چاہتے تھے۔(ایضاص ۹)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر بہاء الدین نے جب رئیس قادیان سے وہ عبارت نقل کی تھی تو انہیں یہ عبارت کیوں نظر نہیں آئی کیا یہ عبارت اتنی زیادہ باریک لکھی ہوئی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی کمزور نگاہ اس پر نہ پڑ سکی

مؤلف رئیس قادیان آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے قادیانی صاحب کو لعنت کفر سے بچانے کی جو کوشش کی اس کا یہ مقصد نہ تھا کہ صاحب موصوف خدانخواستہ عمداباطل کا ساتھ دے رہے تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ انہیں ابھی مرزائی کفریات کی اطلاع نہیں تھی اور جیسا کہ علماء حق کا شیوہ ہے کہ خلوص دل سے سمجھ رہے تھے کہ مرزاصاحب سے بھی اسی طرح کی لغزش ہوگئی ہوگی جس طرح بعض سالکان طریقت سے غلبہ حال میں سرزد ہوتی ہیں آخر جب مولانا گنگوہی پر قادیانی کفر وزندقہ کا حال پوری طرح منکشف ہوگیا تو انہوں نے دوسرے علماء امت کی طرح انہیں مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا(رئیس قادیان ص ۳۶)

اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس رئیس قادیان نامی کتاب اپنی موجود ہے تو انہیں مذکور عبارت اس میں دیکھ لینی چاہئے اور اسی ماہنامہ میں اپنی اس غلط بیانی پر ندامت کا اظہار کرلینا چاہئے اور اگر موصوف نے کہیں سے یہ عبارت نقل کی ہے(جو حضرت گنگوہی کے اس دور کی ہے جبکہ آپ کو ابھی مرزا قادیانی کے عقائدو نظریات نہیں پہونچے تھے) تو ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس کتاب کا حوالہ دیتے جہاں سے انہوں نے یہ عبارت نقل کی تھی اس قدر اہم بات کہ جس سے بات کچھ کی کچھ ہو جائے کسی کتاب سے نقل کرنا اور دوسری عبارات سے صرف نظر کرلینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

رئیس قادیان کے مولف خود وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی یہ بات اس پرانے دور کی ہے مگر جب آپ پر حقیقت حال منکشف ہوئی تو آپ نے بغیر تردد کے کفر کا فتوی دے دیا تھا۔

قادیانی عقائد و نظریات سے واقف شخص سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ مرزا غلام احمد کے دعوے بتدریج سامنے آئے حضرت گنگوہی کو جب اس کے وہ دعوے معلوم ہوئے جن کا تعلق مجددیت یا مہدویت سے تھا تو آپ حقیقت حال کھلنے تک اس پر فتوی دینے سے رکے رہے لیکن اس کے ان دعوں کو غلط بتاتے تھے ایک شخص نے مرزا غلام احمد کے کچھ دعوے آپ کی خدمت میں لکھ کر حقیقت پوچھی تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ

اگر ایسے دعوی کرتا ہے تو مجنون ہے اب تک جو ان کے مشہودات تھے تاویل کئے جاتے تھے دعوی مسیحیت مہدیت سراسر غلط ہے (مفاوضات رشیدیہ ص ۳۸)

اس عبارت کا پہلا لفظ قابل غور ہے اور وہ لفظ اگر ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت گنگوہی کو ابھی تک مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات پورے نہ پہونچے تھے البتہ آپ پہلے جن سنی ہوئی باتوں کی تاویل کرلیا کرتے تھے اب آپ نے اس سے احتیاط فرمائی

پھر حضرت گنگوہی نے یہ بھی لکھ بھیجا کہ

دماغ میں ان کے (مرزا قادیانی کے) فتور آگیا ہے اب مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ اہل ہوا میں داخل ہوں۔ آپ ان سے نہ ملیں سوائے تکدر کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا یہ خیال ان کا خطرہ القائے شیطان ہے (ایضا ۴۰)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت گنگوہی کے نزدیک مرزا غلام احمد صالح مسلمان ہی رہا تو اہل ہوا میں کیسے داخل ہوگیا اور آپ نے دوسروں کو اس سے ملنے سے کیوں روکا یہ کیوں کہا کہ مرزا غلام احمد کے یہ الہامات القائے شیطان ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مرزا غلام احمد کے بارے میں جو فرمایا تھا وہ اس پرانے دور کا ہے۔ اس وقت کا نہیں جب مرزا غلام احمد پوری طرح کھل چکا تھا

جب مرزا غلام احمد کے دعوے میں ترقی ہوئی اور اس کی خبر آپ تک پہونچی تو پھر آپ نے اپنے فتوی میں مزید شدت اختیار کی اور مرزا غلام احمد اور اس کے مریدوں کو گمراہ قرار دیا۔ آپ لکھتے ہیں

مرزا قادیانی گمراہ ہے اس کے مرید بھی گمراہ ہیں اس سے الگ رہیں تو اچھا ہے جیسا کہ رافضی خارجی سے جدا رہنا اچھا ہے ان کی واہیات مت سنو اگر ہو سکے تو اپنی جماعت سے خارج کردو بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے تو ضروری ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو اور ہرگز

فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اس کا جواب علماء نے دے دیا ہے مگر وہ گمراہ اپنے اغواء اور اضلال سے باز نہیں آتا حیا اس کو نہیں آرہی کہ شرماوے جو عقیدہ صحابہؓ سے لے کر آج تک ہے وہ یہ ہے کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) زندہ آسمان پر گئے اور نزول فرماکر دنیا میں فوت ہوویں گے اس کا خلاف باطل ہے (تذکرۃ الرشید ج ا۔ ص ۱۴۰)

حضرت گنگوہی کے اس بیان میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ

(۱) مرزا غلام احمد اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں (۲) مسلمانوں کو ان سے الگ رہنا چاہئے (۳) ان کی باتیں واہیات ہیں (۴) انہیں علمی دلائل سے خاموش کرنا ضروری ہے (۵) ورنہ ان کو ہاتھ سے ٹھیک کر دیا جائے (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت کہنے والا بکواس کرتا ہے (۷) مرزا غلام احمد بے حیا و بے شرم ہے۔

آپ ہی بتلائیں کہ کیا یہ بیان اس شخص کا ہو سکتا ہے جو قادیانی کے بارے میں ذرا بھی نرم گوشہ رکھتا ہو۔ حضرت گنگوہی (بقول ڈاکٹر بہاء الدین) کتنا نرم گوشہ رکھتے تھے اسے آپکے اس بیان میں دیکھئے جو آپ نے مرزا غلام احمد کے مزید عقائد کے معلوم ہونے پر دیا تھا۔

مرزا قادیانی حسب وعدہ فخر عالم علیہ السلام دجال کذاب پیدا ہوا ہے مثل مختار ثقفی کے۔ اول دعویٰ تائید دین کیا اب مدعی نبوت در پردہ ہو کر مضل خلائق ہوا اور بڑا چالاک ہے کہ اشتہار مناظرہ کا دیتا ہے اور جب کوئی مقابل ہوتا ہے تو لطائف الحیل سے ٹال دیتا ہے۔ بندہ نے اس کے باب میں فتویٰ لکھا ہے وہ ملفوف ہے ہرگز تردد نہ کرنا چاہئے جو نصوص کا منکر ہوگا وہ اہل ہوا میں داخل ہے آپ اپنی طرف کے لوگوں کو قطعی ممانعت اس سے ملنے کی کر دیں ہرگز اس کے ناحق اور اہل باطل ہونے میں تامل نہ فرمائیں (مفاوضات رشیدیہ ص ۴۱)

حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کو اس کے دعوں کی رو سے مدعی نبوت قرار دے کر مختار ثقفی (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) کا مثل قرار دیا۔ حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کے کفر کی تصریح نہ صرف یہ کہ اس عبارت میں فرمادی بلکہ اس کے ساتھ ایک فتویٰ بھیج کر اپنے مسلک کو اور واضح کر دیا تھا اس فتویٰ میں مرزا قادیانی کو کافر۔ دجال اور شیطان کہا گیا۔ حضرت گنگوہی کا یہ فتویٰ اس دور میں ایک اشتہار کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری لکھتے ہیں

قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت گنگوہی کا فتویٰ تو طبع ہو کر شائع ہو چکا

ہے بکثرت لوگوں کے پاس موجود ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں (المہند علی المفند ص ۷۲)
ڈاکٹر بہاء الدین کو اس بات سے اختلاف ہو تو ہم انھیں مرزاغلام احمد کی تحریر سے بھی یہ بات دکھائے دیتے ہیں۔ مرزاغلام احمد حضرت گنگوہی کا نام لے کر لکھتا ہے کہ
جنہوں نے اس عاجز کی نسبت یہ اشتہار شائع کیا کہ یہ شخص (یعنی خود مرزا) کافر دجال اور شیطان ہے (رسالہ انوارالاسلام ص ۴۶)
ڈاکٹر صاحب موصوف ذرا سی توجہ فرماتے تو انہیں رئیس قادیان کے ج/۲۔ ص/۱۹۳ پر بھی یہ بات نظر آجاتی۔ لیکن وہ دیکھتے کیوں اس سے تو ان کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔
ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک کسی کو کافر دجال اور شیطان کہنا نرم گوشہ رکھنا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ یہ موصوف کا اپنا مذہب ہو جب کہ ہمارے نزدیک یہ وہ الفاظ ہیں جن کی شدت اور سختی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان الفاظ کا مطلب وہی ہے جو ان سے کھلے بندوں ظاہر ہو رہا ہے
(نوٹ) پیش نظر رہے کہ مرزاغلام احمد کا یہ رسالہ انوارالاسلام ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت گنگوہی نے یہ فتوی ۱۸۹۴ء سے پہلے کسی وقت دیا جب کہ اس وقت مرزاغلام احمد نے پوری طرح کھل کر دعوی نبوت نہیں کیا تھا (اس کا دعوی نبوت مرزا بشیر الدین محمود کے بیان کے مطابق ۱۹۰۱ء میں کھل کر سامنے آیا ہے) یعنی حضرت گنگوہی نے اس کے اس دعوی نبوت سے چھ سال قبل اس کے دیگر دعووں کی رو سے اسے کافر شیطان اور دجال قرار دے دیا تھا
ڈاکٹر بہاء الدین کی معلومات میں اضافہ کے لئے ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ مرزاغلام احمد حضرت گنگوہی کے اس فتوی کفر سے سخت پریشان تھا اور اس نے اس فتوی کی اہمیت کم کرنے کیلئے حضرت گنگوہی کو مناظرہ اور مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔ حضرت گنگوہی خود فرماتے ہیں
مرزاغلام احمد کے مریدوں نے مجھ سے مناظرہ کا تقاضا کیا تھا میں نے قبول کر لیا کہ یہ مناظرہ سہارنپور میں تقریری طور پر جلسہ عام میں ہو لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (مفاوضات رشیدیہ ص ۴۲)
ڈاکٹر بہاء الدین کو حضرت گنگوہی کے اس بیان میں شک ہو تو قادیانی تاریخ نگار سے سن لیجئے

پیر سراج الحق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ سب لوگوں کی نظریں مولوی رشید احمد گنگوہی کی طرف لگ رہی ہیں اگر حکم ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لئے آمادہ ہوں چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ میں بحث کو مرزا صاحب سے منظور کرتا ہوں لیکن تقریری اور زبانی۔ تحریری مجھے منظور نہیں اور یہ بحث جلسہ عام میں ہوگی (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۲۰۷)

قادیانی مورخ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سب مسلمانوں کی نظریں حضرت گنگوہی کی طرف مرکوز تھیں اور یہ سب کے سب آپ کی قیادت اور عظمت کے کھلے دل سے معترف تھے۔ مرزا غلام احمد نے حسب عادت مناظرہ سے جان بچانی چاہی اور مناظرہ تحریری کرنے کی شرط رکھی تاکہ بحث کو طول دیا جاسکے اور حضرت گنگوہی کے فتوی کے بجائے لوگوں کو اور جانب متوجہ کردیا جائے۔ حضرت گنگوہی نے اس مردود کو چاروں شانے چت گرانے کے لئے تقریری اور زبانی مناظرہ کا چیلنج دیا تاکہ چند لمحوں میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔ لیکن مرزا غلام احمد نے راہ فرار اختیار کی اور یہ بہانہ بنایا کہ

سہارنپور والوں میں فیصلہ کرنے یا حق وباطل کی سمجھ نہیں ہے (ایضا ۲۰۸)

مرزا غلام احمد کا یہ بیان اس کے فرار کی کھلی دلیل تھی اور یہ بیان واضح کرتا ہے کہ اسے حضرت گنگوہی کے سامنے آنے کی جرات نہ تھی

حضرت گنگوہی کا فتوی کفر مرزا غلام احمد پر ایک ایسی ضرب کاری تھی جس نے مرزا قادیانی کے سارے پروگرام تہس نہس کردئے تھے۔ چنانچہ پھر اس نے حضرت گنگوہی کے بارے میں حد درجہ بدزبانی شروع کردی۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے

آخر هم الشیطان الاعمی والغول الاغوی یقال له رشید احمد جنجوهی وهو شقی کالامروهی ومن الملعونین (انجام آتھم ص ۲۵۲)

ان میں سے آخری شخص وہ ہے جو شیطان اندھا اور بہت گمراہ دیو ہے اس کو رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں اور وہ امروہی کی طرح شقی اور ملعونوں میں سے ہے

یہاں آخر سے مراد آخری نہیں کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے بلکہ مراد ان کا بڑا ہونا ہے۔

پھر اس نے یہ بھی لکھا

مولوی رشید احمد گنگوہی اٹھا اور ایک اشتہار میرے مقابل نکالا اور جھوٹے پر لعنت کی

اور تھوڑے دنوں کے بعد اندھا ہو گیا دیکھو اور عبرت پکڑو (نزول المسیح ص ۲۳۳ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۶۰۹ مطبوعہ لندن)

- کیا یہ اشتہار اس لئے نکالا گیا تھا کہ حضرت گنگوہی کو مرزا قادیانی کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والا بتلایا جاسکے۔ اہل حدیث حضرات کچھ تو خدا کا خوف کریں

حضرت گنگوہی کا فتوی اور آپ کے بیانات نیز مرزا غلام احمد کی ان کے خلاف تحریرات (بلکہ بکواسات) اور اس کی بدزبانیاں یہ سب آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا یہ فتاوی اس شخص کے ہو سکتے ہیں جو نرم گوشہ رکھتا ہو ان فتاوی کی شدت بتارہی ہے کہ حضرت گنگوہی مرزا غلام احمد کو اس کے مختلف دعووں کی رو سے کافر اور دجال سمجھتے تھے اور اسے مدعی نبوت مختار ثقفی کے ساتھ رکھتے تھے۔

ہمیں ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کے ان بیانات اور ان سے اخذ کردہ نتائج پر انتہائی حیرانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے کے باوجود اس قسم کی غلط بیانی کو تاریخی حقائق کا نام دینے پر تلے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بغیر پڑھے اور بغیر سوچے سمجھے کسی اور کتاب سے یہ اعتراض نقل کر دیا ہے اگر موصوف ان بیانات کو بھی ملاحظہ فرما لیتے تو وہ کبھی اس کی جرات نہ کرتے

اور اگر موصوف نے ان بیانات کو دیکھنے کے باوجود اس غلط بیانی کی ہمت کی ہے تو ہم انہیں کے الفاظ ان پر واپس لوٹاتے ہیں کہ یہ تاریخ سازی کی بدترین مثال ہے

ان کانت لا تدری فتلك مصيبة ... وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

قابل غور مقام یہ ہے کہ

ان سطور کی روشنی میں اگر ہم ڈاکٹر بہاء الدین سے یہ سوال کریں کہ

(۱) حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کو اس وقت صالح مسلمان کہا تھا جب کہ مرزا غلام احمد کے دعاوی واضح طور پر سامنے نہ آئے تھے اور نہ اس نے نبوت کا دعوی کیا تھا اور نہ ہی حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمدیہ خود دیکھی تھی اور نہ اس کے عقائد و نظریات آپ پر پوری طرح کھلے تھے اس کے برعکس اہل حدیثوں (غیر مقلدوں) کے پیشوا اور مقتداء مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اس وقت بھی مرزائیوں کو مسلمان مانتے رہے۔ عدالتوں میں انہیں مسلمان کہتے رہے۔ اور فتوی کفر سے

رجوع کر کے ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے پیچھے نماز جائز قرار دیتے رہے۔ جبکہ یہ دونوں بزرگ مرزا غلام احمد کی بیسیوں کتابوں کو دیکھ چکے تھے۔ اور اس کے دعوں سے واقف ہو چکے تھے۔ مرزا غلام احمد کے علی الاعلان اور کفریہ بیانات ان کے سامنے آچکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کی موت کے بعد بھی سالہا سال تک یہ بزرگ ان کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے رہے؟ ڈاکٹر صاحب موصوف بتلائیں گے کہ نرم گوشہ کس نے رکھا تھا؟

(۲) حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کو صالح مسلمان اس وقت کہا جب کہ آپ نے صرف اس کے چند الہامات سنے اور پھر اس میں بھی صاف کہدیا کہ میں اسے ولی اور مجدد نہیں مانتا اور اس کے ان الہامات میں بھی خلجان پایا جاتا ہے۔ جبکہ مولانا بٹالوی صاحب نے مرزا قادیانی کی براہین احمدیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا اور اس کی ایک ایک سطر پڑھکر اس پر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں نہ صرف شاندار تبصرہ کیا بلکہ اسے (مرزا قادیانی کو) اسلام کی جانی مالی اور عالی نصرت کرنے والا قرار دیا تھا اور ناواقف مسلمانوں کو مرزا غلام احمد کی طرف مائل کرنے کی ان تھک محنت فرمائی تھی۔ مولانا بٹالوی کا یہ بیان آپ پچھلے صفحات میں پڑھ آئے ہیں اور مرزا غلام احمد نے بھی اپنی کتابوں میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا بٹالوی نے جب یہ کہا کہ میں نے ہی اس شخص کو بلند کیا تھا اور اب میں گرا دوں گا۔ اس پر رئیس قادیان کے مولف ابو القاسم دلاوری کا تبصرہ بھی ڈاکٹر بہاء الدین کی ضیافت طبع کے لئے پیش خدمت ہے۔ موصوف لکھتے ہیں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ہی کے پروپیگنڈے نے قادیانی کو یہ عروج بخشا تھا لیکن مولوی صاحب کی یہ توقع بیجا تھی کہ وہ اس کو سرنگوں بھی کر سکیں گے کیونکہ جن لوگوں (مسلمانوں) کے مرزائی ہو جانے سے مرزا کو دنیوی وجاہت اور سربلندی نصیب ہوئی وہ مولوی محمد حسین صاحب ہی کے زبان و قلم سے مرزا صاحب کی مدح و توصیف سن کر مرزائیت کے حلقہ بگوش ہوئے تھے اور قاعدہ کی بات ہے کہ مرید پیر سے انتہا درجہ کی شیفتگی اور حسن اعتقاد رکھتا ہے پس یہ موہوم امر تھا کہ مرزائی ہو جانے کے بعد یہ لوگ قادیانی صاحب کے دام تزویر سے نکل جاتے (رئیس قادیان ج ۲ ص ۲۱)

ڈاکٹر بہاء الدین کو مولف رئیس قادیان کے اس ریمارکس سے اتفاق نہ ہو تو پھر انھیں اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب کا یہ بیان پڑھ لینا چاہئے۔

اس سے پیشتر اسی طرح کے اختلاط سے جماعت اہل حدیث کے کثیر التعداد لوگ

قادیانی ہوگئے تھے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابتداء میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی سے ان کو الہامی مان کر ان کی موافقت کی اور ان کی تائید میں اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں زوردار مضامین بھی لکھتے رہے جس سے جماعت اہل حدیث کے معزز افراد مرزا کی بیعت میں داخل ہوگئے (احتفال الجمہور ص ۲۳۔ماخوذ از۔ رسائل اہل حدیث ج ۲ص ۴۲)

مرزا غلام احمد نے مولانا بٹالوی کی اس مدح و توصیف پر مبنی بیانات سے بہت فائدہ اٹھایا مگر کیا حضرت گنگوہی کی اس سابقہ بات کو بھی اس نے کبھی پیش کیا تھا۔ ہمیں مرزا غلام احمد کی پوری تالیفات اور اشتہارات میں یہ بات نہیں مل سکی۔ اس سے آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو کس سے فائدہ پہونچا اور کس کے بل بوتے اس نے یہ گورکھ دھندا شروع کیا تھا اور کون اسے سہارا دے رہا تھا

(۳) حضرت گنگوہی پر مرزا غلام احمد کے دعاوی اور عقائد نہ کھلے تھے اس لئے آپ نے ابتداء فتوی کفر میں احتیاط کی یہ ہی حال مولانا محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مگر مولانا محمد یعقوب صاحب نے کھل کر فرمایا کہ جن حضرات کو مرزا غلام احمد کے پورے عقائد کا پتہ چل گیا اور وہ اس پر فتوی کفر لگارہے ہیں تو میں انہیں اس سے منع نہیں کرتا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اگر مرزا قادیانی کے یہی عقائد ہیں جو کفر تک پہنچ گئے ہیں تو پھر وہ کافر ہی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا عقیدہ کفریہ نہ ہو اور آپ اس پر فتوی کفر لگانے کی اجازت دے دیں۔ حضرت کا یہ بیان رئیس قادیان میں موجود ہے معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے اسے نقل نہ کرنے میں کیا حکمت سمجھی۔ یہ عجیب تحقیق ہے کہ مطلب کی بات تو وہاں سے اٹھالی جائے اور جب بات حقائق اور تفصیل کی ہو تو یہ سمجھا جائے کہ یہ بات نقل کرنا تقلید ہے اور ہم غیر مقلد ہیں تقلید کے قائل نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف کو دور کی کوڑی بھی بہت صاف نظر آجاتی ہے لیکن نزدیک کے پہاڑ ان کی آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ رئیس قادیان میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا یہ بیان منقول ہے ملاحظہ فرمالیں

میں غلام احمد کو اپنی تحقیق میں ایک آزاد خیال لامذہب جانتا ہوں اور چونکہ آپ قریب الوطن ہونے کی وجہ سے اس کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہیں اس کی تکفیر سے منع نہیں کرتا اس کے علاوہ آپ نے اس شخص کی کتاب براہین احمدیہ پڑھی ہے اور میں نے

اور مولانا رشید احمد صاحب نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا (ج ۲ ص ۹)

ادھر (علماء دیوبند) کا تو یہ حال تھا اب ذرا ادھر (غیر مقلد علماء کا) حال بھی دیکھتے جائیں۔ علماء لدھیانہ کا مرزا غلام احمد پر دیا گیا فتوی کفر جب مولانا بٹالوی صاحب تک پہونچا تو آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کی مخالفت کی بلکہ اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں کھل کر اس کی مذمت کی اور اسکی تردید میں صفحات برباد کرتے رہے مولانا بٹالوی کو یہ تو حق تھا کہ وہ یہ کہتے کہ مجھے مرزا غلام احمد کے نظریات کا پورا علم نہیں اس لئے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا (حالانکہ مولانا بٹالوی کو سب معلوم تھا) مگر ان کا مرزا قادیانی کے عقائد و نظریات کو جاننے اور سننے کے باوجود علماء لدھیانہ کے فتوی کفر کی مذمت کرنا اور اس کی تردید میں لگ جانا کیا نرم گوشہ نہیں؟ اور اگر ہم ڈاکٹر بہاء الدین ہی کے الفاظ میں یہ کہدیں کہ

وہ تو ایک طرح سے مرزا غلام احمد صاحب کی حمایت کرتے رہے تو انہیں اس پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

علماء لدھیانہ کی فتوی کفر کی مولانا بٹالوی نے پر زور تردید کی اس کا ذکر ہم گزشتہ اوراق میں کر آئے ہیں یہاں پھر سے اسے ذکر کئے دیتے ہیں۔ لدھیانہ کے مفتی مولانا مفتی محمد لدھیانوی لکھتے ہیں کہ

چونکہ یہ شخص (یعنی مرزا قادیانی) غیر مقلدین کے نزدیک قطب اور غوث وقت تھا محمد حسین لاہوری (بٹالوی) نے جو غیر مقلدین ہند کا مقتداء مشہور ہے امداد قادیانی پر کمر باندھی اور اپنے رسالہ ماہواری (یعنی اشاعت السنہ) میں ہماری مذمت اور قادیانی کی تائید کرتا رہا یعنی کلمات کفریہ کو معاذ اللہ اشاعت السنہ قرار دیتا رہا (فتاوی قادریہ ص ۱۷)

اب یہ فیصلہ ڈاکٹر بہاء الدین ہی کریں گے کہ مرزا غلام احمد کے بارے میں علماء دیوبند نرم گوشہ رکھتے تھے یا علمائے غیر مقلدین؟ حضرت گنگوہی نرم گوشہ رکھتے تھے یا مولانا بٹالوی صاحب؟

(۴) حضرت گنگوہی نے مرزا غلام احمد کے بتدریج دعووں کی رو سے بتدریج فتوے دیئے اور اسے کافر اور دجال بتلایا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے بیشک علماء لدھیانہ کے فتوی کی آخر کار تائید تو کی مگر پھر خود ہی دن کے کاتے ہوئے سوت کو شام کے وقت تار تار کر لیا اور گورداسپور اور سیالکوٹ کی عدالتوں میں فتوی کفر سے رجوع کا اعلان کیا اور قادیانیوں کے

مسلمان ہونے پر دستخط کر آئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری بیشک مرزا غلام احمد سے مقابلہ کرتے رہے مناظرہ اور مباہلہ کی چیلنج بازی اور جواب الجواب بھی ہوتا رہا مگر پھر معلوم نہیں انھیں کیا مجبوری پیش آگئی تھی کہ وہ بھی اس موقف پر نہ آسکے جو علماء امت کا تھا کہ مرزائی (وہ لاہوری ہوں یا قادیانی) کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بلکہ موصوف مرزائیوں کی اقتداء کو جائز کہتے رہے اور قادیانی عورتوں سے مسلمان مرد کے نکاح کو درست ہونے کا فتوی دینے میں کچھ بھی خوف خدا نہ رہا فالی اللہ المشتکی (جاری)
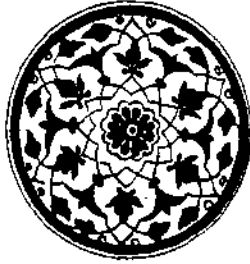
اسلام اور شخصیت پرستی

مولانا اخلاق حسین قاسمی

اسلام نے خداوند عالم کے لئے بطور معبود و حاکم کے توحید خالص کا تصور دے کر اور اقرار توحید کو کلمۂ اسلام کا پہلا اساسی جزء قرار دے کر مذہبی پیشواؤں اور سیاسی حکمرانوں کی آقائیت اور خدائی کی ظلمت سے نجات دلائی۔ اور اسی عقیدہ توحید نے انسان کے اندر احترام انسانیت، آزادی رائے و فکر اور سیاسی جمہوریت کی روح پھونکی اور پھر ان اعلیٰ اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کر کے دنیا کے غلام اور مجبور انسانوں کو دعوت حق اور دعوت انقلاب دی۔

لیکن پھر قانون قدرت کے مطابق امت توحید پر زوال آیا اور اس امت میں مذہبی پاپائیت آقائیت اور سیاسی ملوکیت دونوں فتنوں نے سر اٹھایا۔

ان فتنوں کے خلاف اصلاح و تجدید کی جدوجہد کے لئے ہر دور میں مصلحین امت کھڑے ہوئے۔ بارہویں صدی ہجری اٹھارویں صدی عیسوی (شاہ صاحب کی وفات ۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۲ء) میں جس ہستی نے اصلاح امت کے لئے قدم اٹھایا وہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ تھے۔

شاہ صاحب کے بعد ان کی نسبی اور معنوی اولاد شاہ صاحب کے مشن کو چلاتی رہی اور بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں جماعت ولی اللہی کی جس نابغۂ روزگار ہستی نے پوری مجددانہ آن بان سے وہ انقلابی صدا بلند کی وہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔

یوں تو الہلال و البلاغ کا ہر صفحہ اسلام کے انقلابی پیغام کا ترجمان تھا۔ اور مولانا آزاد نے اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی کردار کے انقلابی پہلو کو اپنے پورے ادبی جلال کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا۔ لیکن حضورؐ کی زندگی کے اس پہلو پر مولانا کی اجتہادی جرأت و قوت نے کمال کر دکھایا جہاں ایک طرف حضورؐ کی شخصی عظمت کا سوال تھا اور دوسری طرف حضورؐ کے انقلابی پیغام اور اسلام کے اصولی مسلک کی

حفاظت کا مسئلہ تھا۔

اور اس مضمون میں اسی پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔

مختلف مذہبی قوموں کی بے راہی کا نقطۂ آغاز یہی تھا کہ انہوں نے مذہبی پیشواؤں کی شخصی عظمت کے مقابلہ میں ان کے پیغام صداقت کو نظر انداز کر دیا۔

اور یہ ان موقعوں پر ہوا جہاں بظاہر داعی اور اس کی دعوت کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوئی۔

حالانکہ یہ ان قوموں کا امتحان تھا مگر وہ قومیں اس امتحان میں کامیاب نہیں ہوئیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت (جماعت صحابہ) بھی اس آزمائش سے گذری اور وہ اس آزمائش میں کامیاب رہی اور اس کامیابی کا سہرا رسول آخری صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ تعلیم وتربیت اور آپ کے عظیم کردار کے سر ہے۔

غزوہ احد کا واقعہ

غزوہ احد میں تیر انداز جماعت کی طرف سے سپہ سالار لشکر (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں صحابہ کرام کو غیر معمولی ہزیمت اٹھانی پڑی۔ بڑے بڑے سکتر مجاہد شہید ہوگئے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ابن قمیہ کے پتھر سے زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر پڑے۔ عام نظروں سے غائب ہونے کی وجہ سے دشمنوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ (العیاذ باللہ) محمدؐ قتل کر دئے گئے۔

اس افواہ نے صحابہ کے حوصلے بالکل پست کر دئے۔ میدان جنگ میں ابتری پھیل گئی ایک مہاجر نے ایک انصاری سے کہا۔ یہ انصاری خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دئے گئے؟ وہ انصاری بولے

ان کان محمدٌ قد قتل فقد بلغ فقاتلوا عن دینکم۔ (ابن کثیر جلد ۱/ ۴۰۹) اگر محمدؐ قتل کر دئے گئے تو وہ اپنے خدا کے پاس پہنچ گئے، تم اپنے دین کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے قتال کرو۔ یہ حضرت انس صحابی کے چچا انس ابن نضر تھے۔ یہ غیور صحابی اعلان حق کر کے دشمنوں سے لڑے اور شہید ہوگئے۔

مجاہدین میں ابتری دیکھ کر حضورؐ نے آواز دی۔ الی عباد اللہ انا رسول اللہ ﷺ۔ اے بندگان خدا میرے پاس آؤ میں خدا کا رسول ہوں اور زندہ ہوں۔

صحابہ کرام لوٹ پڑے اور میدان جنگ کا نقشہ پلٹ گیا

غزوہ کے بعد خدا تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کیا اور حضورؐ کے قتل کی افواہ پر صحابہؓ نے جو کمزوری دکھائی اس پر صحابہ کرام کو ایک اصولی ہدایت دی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افأن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیأ وسیجزی الله الشاکرین ۔(آل عمران ۱۴۴) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گذر چکے ہیں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پاجائیں یا ایسا ہو کہ قتل کردیۓ جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹا پھرے گا وہ خدا تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور خدا تعالیٰ شکر گذار لوگوں کو ضرور اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

میدان جنگ میں حضرت انس کی زبان پر حق پرستی کا جو اصولی نعرہ جاری ہوا وحی الٰہی نے بعد میں اسی کی وضاحت کی، جو اوپر مذکور ہے۔

وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات صحابہؓ کرام پر وہی کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کو اس صدمہ سے چپ لگ گئی، حضرت عمرؓ اس غم انگیز حادثہ کے سبب اپنے حواس کھو بیٹھے اور تلوار سوت کر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے اور یہ اعلان شروع کردیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہؐ وفات پاگئے، میں اس کا سر قلم کردوں گا، آپ تو چالیس دن کے لئے اعتکاف میں چلے گئے ہیں۔

اس مایوسی اور بدحواسی کی فضاء میں صدیق اکبرؓ نے ممبر رسول پر کھڑے ہوکر یہی آیات تلاوت فرمائیں اور بے مثال ایمانی استقامت سے یہ اعلان فرمایا۔

من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و ان کان یعبد الله فان الله حیّ لا یموت (جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے تو وہ جان لے کہ آپ وفات پاگئے اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ یقین کرلے کہ خدا ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت و زوال طاری نہیں ہوگا۔

صحابہؓ کرام فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کے اس اعلان نے مایوسی کی فضا دور کردی، ہر

شخص کی زبان پر یہ آیت جاری تھی اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

ان آیات قرآنی کے اندر جو اصولی ہدایت پوشیدہ ہے اور جس ہدایت نے صحابہ کرام کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ جدائی پر ثابت قدم رکھا، اس اصولی ہدایت کو دین کی اصل عظیم قرار دے کر جس شارح قرآن نے چند فقروں میں نمایاں کیا اور اس کی روح کو بے نقاب کیا وہ مولانا ابوالکلام آزد ہیں۔

اگلی پچھلی اور موجودہ تفسیروں کو سامنے رکھو اور مولانا آزاد کے اس استنباط و اجتہاد پر غور کرو---- کہ حق پرستی کے مقابلہ میں شخصیت پرستی کی تردید کو ایک اصل عظیم کے طور پر مولانا نے کس جرأت سے پیش کیا اور کیسے نازک مقام پر پیش کیا؟

شخصیت پرستی کی تردید کا معاملہ اس وقت بہت نازک ہو جاتا ہے جب شخصیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سامنے ہو۔ یہ شخصیت دین حق کی نمائندہ ہے۔ آپ کی حیات دین برحق کی عملی تصویر تھی۔ حق کا مظہر تھی اس شخصیت کے مقابلہ میں دین حق کی اہمیت قائم رکھنا اور اصول کو شخصیت پر مقدم اور راجح قرار دے کر عاشقان رسول کو مایوسی اور بددلی سے بچانا۔ بڑا نازک معاملہ تھا۔

یہ جرأت واستقامت کا غیر معمولی مظاہرہ تھا جو میدان جنگ میں حضرت انس کی طرف سے ظاہر ہوا۔ پھر وحی الٰہی نے اسے واضح کیا اور پھر امت کے صدیق نے نہایت نازک موقعہ پر وحی الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اور عقیدت مندان رسول اور عاشقان محمدؐ کی عقیدت کا احترام قائم رکھتے ہوئے امت کو حق پرستی پر قائم رکھا۔

آل عمران کی آیت (۱۴۴) پر مولانا آزاد کا تفصیلی نوٹ ملاحظہ ہو

(۷) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد، کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل سچائی کی راہ دکھانے والی ہے۔

پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے یا درمیان سے ہٹ جائے تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑلیں یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں؟

سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہو گئی ہو

جنگ احد میں کسی مخالف نے یہ بات پکار دی تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

ے گئے یہ سن کر بہت سے مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ بعضوں نے کہا۔ جب پیغمبر نہ رہے
ب لڑنے سے کیا فائدہ؟ کچھ لوگ جو منافق تھے انہوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ
ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ جنگ میں مارے جاتے۔ اب یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں اور ظاہر ہے کہ انہیں بھی ایک دن دنیا
ے جانا ہے جس طرح تمام پچھلے رسول دنیا سے گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ دنیا سے گزر گئے تو تم
ا پرستی کی راہ سے پھر جاؤ گے اور تمہاری حق پرستی حق کے لئے نہیں بلکہ محض ایک خاص
یت کے لئے تھی، فرض کرو، جنگ احد والی بات صحیح ہوتی تو پھر کیا ان کی موت کے
تھ تمہاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی؟ اگر تم حق کے لئے لڑ رہے تھے تو جس
ح وہ ان کی زندگی میں حق تھا اسی طرح ان کے بعد حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا۔
اس تفصیلی نوٹ کے علاوہ سورۂ یونس (۴۶) اور سورۂ رعد (۴۰) میں دونوں ہم مفہوم
وں پر بھی مولانا نے اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا آیت سورۂ یونس حسب ذیل ہے۔

واما نرینك بعض الذی نعدهم او نتوفینك فالینا مرجعهم ثم الله
ید علی ما یفعلون۔ اور اے نبیؐ! ہم نے ان منکرین حق سے (حق کی فتح اور باطل کی
ست) کے جو وعدے کئے ہیں ان میں سے بعض وعدے پورے کر کے انہیں دکھا دیں۔ یا
عدوں سے پہلے آپ کا وقت پورا کر دیں۔ لیکن بہر حال انہیں ہماری ہی طرف واپس آنا
، پھر اللہ تعالیٰ ان اعمال پر گواہ ہے۔
سورۂ الرعد کی آیت (۴۰) بھی اسی مفہوم کو بیان کر رہی ہے۔
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے اس پر یہ مختصر تفسیری نوٹ تحریر
یا ہے یعنی غلبۂ اسلام کچھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوا اور باقی ان کے خلیفوں
"آیات مذکورہ سے یہ اشارہ صاف طور پر سمجھ میں آ رہا ہے کہ اسلام کا غلبہ اور سیاسی فتح
ی حضورؐ کے عہد میں مکمل طور پر نہیں ہوئی۔ کچھ آپ کے عہد میں ہوئی اور باقی آپ
جانشین خلفاء راشدین کے ہاتھوں سے ہوئی۔
مولانا آزادؒ نے شاہ صاحب کے بیان کردہ اشارہ کو نقل کرنے کے ساتھ ایک اشارہ اور
ں ظاہر کیا۔ جو مولانا آزادؒ کا نہایت معنی خیز اجتہاد کہا جا سکتا ہے سورۂ یونس کی آیت پر لکھتے ہیں
آیت (۴۶) کا مطلب یہ ہے کہ دعوت حق کی فتح مندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی
نبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی میں پیش آ جائے۔ بعض باتیں

تیری موجودگی میں ہو کر رہیں گی، بعض بعد کو واقع ہوں گی۔
پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس معاملے کا سارا اور مدار اس شخص کی زندگی پر ہے، یہ نہ رہے گا تو کچھ نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے یا نہ رہے لیکن احکام حق کو پورا ہو کر رہنا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا (جلد دوم ص ۱۵۹)
سورہ رعد کی آیت (۴۰) پر نوٹ لکھتے ہیں
یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار کہی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے اس سے مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دی جائے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور کاروبار حق کا معاملہ اس کی موجودگی وعدم موجودگی پر موقوف نہیں جو کچھ ہونا چاہئے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہر حال ہو کر رہے گا۔ خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھے یا نہ دیکھے۔
پھر غور کرو۔ نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا جن باتوں کی خبر دی گئی تھی ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا یعنی انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے جزیرہ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا۔ البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا۔ مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات کا حصول اور خلافت ارضی کے وعدہ کی تکمیل (جلد دوم ۲۸۲)
مولانا آزاد نے خلافت ارضی کے جس وعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سورہ نور آیت (۵۵) میں مذکور ہے۔
وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض (۵۵) اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نیک عمل لوگوں سے زمین کی خلافت کا وعدہ کیا ہے۔
شاہ صاحب اس پر لکھتے ہیں
یہ چاروں خلیفوں سے ہوا پہلے خلیفوں سے اور زیادہ پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا اور جو کوئی ان کی خلافت سے منکر ہوا اس کا حال سمجھا گیا (حمائل صفحہ ۵۹۲)
یعنی ان حضرات کی خلافت کے منکرین کو قرآن کریم نے **فاولئك هم الفاسقون** میں شمار کیا ہے۔ پہلے خلفاء سے انبیاء سابقین کے جانشین مراد ہیں یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین خلفاء کے ذریعہ زمین پر خلافت الٰہیہ کا قیام جس مکمل صورت میں ہوا وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

"ترکی میں اسلام کی تازہ لہر"

مولوی محمد یوسف رامپوری
شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

یورپین اقوام کے غلبہ کے بعد جس تیزی کے ساتھ عالمِ اسلام پر جمود کے اثرات نمایاں ہوئے انہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ عالمِ اسلام کے افراد دائمی طور پر مغرب کی غلامی قبول کررہے ہیں۔ مغربیت کو قبول کرنے والے ممالک میں بیشتر تو ایسے تھے جنہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اہلِ مغرب کی تہذیب قبول کرلی، البتہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے خود کو مغرب کی سازشانہ چالوں اور ناپاک طریقوں سے حتی الامکان بچانے کی کوشش کی لیکن کچھ عرصہ کی کشمکش کے بعد انہوں نے بھی ہتھیار ڈالدیے اور یکے بعد دیگرے مغرب کے آغوش میں مدہوش ہوگئے۔ پھر نہ ان میں حرکت باقی رہی، نہ جمود توڑنے کا حوصلہ اور نہ ہی اُس کا امتیازی تشخص، بلکہ ان کی تہذیب، ان کی معاشرت اور ان کی امتیازی خصوصیت مغربیت میں ضم ہوگئی اور ان کی روحانیت مادیت میں حلول کرگئی۔ ان میں حرکت کے آثار نہ دیکھ کر چند دہائیوں قبل ایسا لگتا تھا کہ ان کی حمیت سو چکی ہے، اُس کا ایمان بوسیدہ ہو چکا ہے، ان کی تہذیب مر چکی ہے، وہ مادیت کے آغوش میں مدہوش ہوگئے ہیں۔ دنیا کی رنگینیاں ان کو راس آگئی ہیں۔ جن سے وہ آزادی پانے کی کبھی کوشش نہ کریں گے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید ان میں رنگتے چلے جائیں گے۔ مگر یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ وہ توقع کے خلاف گذشتہ کئی سالوں سے حرکت میں آرہے ہیں۔ وہ دنیا کی رنگینیوں، لطافتوں اور رعنائیوں سے اکتا چکے ہیں۔ مادیت سے وہ سکون نہیں پارہے ہیں۔

دراصل انہوں نے اگرچہ مغربی اقتدار کو قبول کر لیا تھا، ان کی تہذیب و معاشرت کو اپنا لیا تھا یہاں تک کہ مذہب سے ہٹ کر لادینیت کی طرف بھی ان کے قدم اٹھنے لگے تھے تاہم ابھی تک ایمان کی چنگاری ان کے سینوں میں دبی تھی۔ اگرچہ ان کا ایمان خوابیدہ تھا البتہ تھا ضرور جس کے لئے وہ مرنے مٹنے کو تیار رہتے تھے اور اور اس کے فروغ و تحفظ کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیتے تھے۔ اس ایمان کے بیدار کرنے کے لئے کسی اہم واقعہ کی پیش آنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ وقت مغرب کے زیرِ سایہ رہنے کے باعث انہیں اکتاہٹ محسوس ہوئی دوسری طرف مغرب نے ان پر تشدد کے پہاڑ توڑے، ان کو بے آبرو کیا، انہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا، جابجا انہیں رسوا کیا، ستایا اور جرائم کا عادی بنایا، جس کے پیشِ نظر وہ ایسے گھناؤنے کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے جو ان کی حمیت و غیرت کے خلاف تھے۔ جب وہ اپنی حمیت و غیرت کے خلاف سب کچھ کر چکے تو انہیں ندامت ہوئی ان کا سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا تو دفعتاً ان کا ایمان بھی بیدار ہو گیا۔ پھر کیا تھا ان کی کائنات بدل گئی۔ مغربی اقتدار انہیں جیل کی مضبوط سلاخیں محسوس ہونے لگا جس سے آزادی پانا ان کا سب سے پہلا مقصد ہو گیا۔ یہ حال تقریباً عالمِ اسلام کے تمام ممالک کا ہے جن پر اول تو مغربی تسلط رہا خواہ وہ تسلط سیاسی ہو یا فکری یا تہذیبی اور معاشرتی مگر کچھ عرصہ کے بعد اس تسلط سے آزاد ہونے کی حرکت ان میں پیدا ہو گئی۔ ذیل میں ہم عالمِ اسلام کے خاص ملک ترکی کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں اب آہستہ آہستہ بیداری کے اثرات نمایاں ہو رہے ہیں اور وہ اثرات وقت کے ساتھ ساتھ غلبہ اسلام کی راہیں ہموار کر رہے ہیں۔

ترکی

عالمِ اسلام کے ان ممالک میں سے جن پر مغربی افکار، مغربی تہذیب و تمدن اور لادینیت کا گہرا اثر ہوا تھا ان میں سے ایک ترکی بھی ہے مگر اب اس ملک کے حالات تیزی سے متغیر ہو رہے ہیں وقت کے ساتھ اسلام پسندوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور اسلام کی آواز اس ملک کے مختلف خطوں سے بلند ہوتی نظر آ رہی ہے۔ جو برق رفتاری کے ساتھ ترکی عوام پر اثر انداز ہو رہی ہے اور ان میں بھی ایمانی جوش پیدا ہو رہا ہے۔ جب کہ اب سے چند دہائی قبل اس ملک میں اسلام کی موجودہ صورتِ حال کا تصور بھی ایک تعجب خیز امر تھا۔ ترکی کے مسلمانوں کی بیداری فقط ترکی کی حدود تک ہی اپنا اثر نہیں دکھائے گی بلکہ اس کے اثرات پورے عالم اسلام میں نظر آئیں گے۔ کیونکہ بہت ساری خصوصیات کے وجہ سے

یہ ملک امتیازی وانفرادی حیثیت کا ملک ہے۔ ہم ترکی کی سابقہ حالت اور موجودہ حالت، نیز اس کی جغرافیائی، عسکری اور انفرادی حیثیت کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ یہ سمجھنے میں مدد ملے کہ واقعتاً ترکی کی بیداری عالم اسلام کی بیداری ہے۔

ترکی عالم اسلام کا ایک مضبوط اور شاندار ملک ہے جس کا دارالسلطنت "استنبول" ہے جس کو کبھی قسطنطیہ کہا جاتا تھا۔ ترکی کا یہ شہر (استنبول) بحر اسود اور بحر ابیض کے درمیان واقع ہے اس پر مستزاد یہ کہ یہ مقام ایشیا اور یورپ کے وسط میں ہے جس کے باعث یہاں سے ایشیا اور یورپ پر بیک وقت نظر رکھی جاسکتی ہے۔ اس لئے ترکی اپنے اس شہر کی وجہ سے کافی مضبوط ملک ہو جاتا ہے۔ ترکی کی جغرافیائی اہمیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ نپولین کے اس قول سے ہوتا ہے کہ اگر ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوتی۔ تو ترکی کی راجدھانی قسطنطنیہ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اس کا دارالسلطنت بنے۔

ایک وقت وہ تھا کہ ترکی کے عثمانی سلاطین ایشیا، یورپ اور افریقہ پر حکومت کرتے تھے، ایران سے مراکش تک ان کا غلبہ تھا، بحر متوسط کے وہ اکیلے مالک تھے، ان کا اقتدار شمال میں دریائے صاوہ، جنوب میں نیل کے دہانہ اور بحر ہند تک، مغرب میں کوہ اطلس تک اور قفقاز کے پہاڑوں تک تھا۔ سلطنت عثمانیہ کا کل رقبہ ۴ر لاکھ مربع میل تھا۔ اسی لئے سارا یورپ ان سے خوفزدہ تھا۔ بہادری، اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کے اعتبار سے بھی ترکی قوم قابل رشک تھی اس کے پاس اگر جنگی طاقت تھی تو دوسری جانب جذبہ بھی تھا اور جرأت وبے باکی بھی اسی لئے عثمانی سلاطین کے احترام میں کلیساؤں کے گھنٹے بند ہو جاتے تھے۔

کیونکہ ترکی ملک جغرافیائی لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا اور ساری دنیا میں یہاں سے پھیل جانا یا ساری دنیا پر نگاہ رکھنا آسان تھا اس لئے اس پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے مختلف حکمران وافسران موقع کی تلاش میں رہتے تھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس شہر پر حملے کرنے والے لشکر کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔

اسی فضیلت کے پیش نظر قسطنطنیہ پر کئی مسلم حکمرانوں نے حملہ کیا مگر قسطنطنیہ کی فتح میں انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا، اہل قبرص نے مسلمانوں سے صلح کرلی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا

مگر کامیابی سے محرومی رہی۔ اس حملہ کے بعد بھی قسطنطنیہ (استنبول) پر کئی مسلم حکمرانوں نے حملے کیے (جن میں حضرت عمر بن عبد العزیز، ہشام بن عبد الملک، مہدی عباسی اور ہارون رشید کے نام خاص ہیں) لیکن قسطنطنیہ کو سر نہ کر سکے۔ جب کہ قسطنطنیہ کی فتح کے بغیر ترکی کی فتح ناقص تھی۔ آٹھویں صدی میں کئی سلاطین آل عثمان نے اس پر حملے کیے مگر فتح نصیب نہ ہوئی۔ بالآخر قسطنطنیہ آل عثمان کے ساتھ میں نوجوان خلیفہ سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں ۲۰ر جمادی الاولی ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں فتح ہوا۔ اس ناقابلِ تسخیر اور شاندار شہر کی فتح کے بعد مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا، ان کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اور اب دنیا کا کوئی شہر ان کے لئے فتح کرنا مشکل نہ رہا۔ کیونکہ مسلمان جس شہر کے لئے ۸ر صدیوں سے کوشش کر رہے تھے وہ سلطان محمد فاتح کی زیر قیادت اب فتح ہو چکا تھا۔ اس شہر کی فتح کے بعد سلطان خاموش نہیں بیٹھ گیا بلکہ اپنے حوصلہ اور جذبہ کی بنیاد پر خلافتِ عثمانی کی حدود کو وسیع کرتا چلا گیا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد دور دور تک مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور بڑی اہم اہم سلطنتیں خلافت عثمانیہ کے زیر نگیں آگئیں جس کی اس حالت کو دیکھ کر یورپ محمد فاتح سے انتہائی خوفزدہ تھا۔

اس موقع پر خلافت عثمانیہ کے سلاطین و عوام سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کا وہ کھویا ہوا وقار جو یورش تاتار میں گم ہوگیا دوبارہ حاصل کرلیں گے اور سابقہ تمام نقصان کی تلافی بھی بآسانی کرلیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ توقع یہ کی جاسکتی تھی کہ اب اسلام دنیا کے طول و عرض میں اشاعت پذیر ہوگا اور نئی چمک دمک کے ساتھ افقِ عالم پر چمکے گا۔ کیونکہ ترکی مسلمانوں کے پاس وہ سب کچھ موجود تھا اس کے علاوہ ترکوں کی بڑھتی ہوئی ساکھ سے یورپ خوفزدہ اور سراسیمہ تھا، جس میں ترکوں کے خلاف صدا بلند کرنے کی بھی جرأت نہ تھی۔ یہ موقع بھی ترکوں کے لئے انتہائی موزوں تھا۔ مگر افسوس سلطان محمد فاتح کے بعد قیادت کی باگ ڈور ایسے ناتجربہ کار خلفاء و امراء کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے عین عروج کے وقت تغافل سے کام لیا اور اپنے کاندھوں پر پڑی ہوئی ذمہ داری کے بار کو اٹھانے کی کوشش نہ کی۔ دوسری طرف ترکی افواج اور عوام میں کچھ خرابیاں سرایت کر گئیں، انہوں نے پیار، محبت، اتفاق اور باہمی اخوت کو خیر باد کہہ کر ایک دوسرے کے ساتھ حسد، جلن اور عداوتیں رکھنا شروع کردی۔ اقتدار کی ہوس کی تکمیل کے لئے وہ شرمناک حرکتیں

بھی کرنے لگے یہاں تک کہ حکام وحکومت سے بھی غداری کرنے لگے۔ تیسری طرف ترکی قوم یکایک جمود و تعطل کا شکار ہو گئی۔ علمی، فنی سپہ گری میں ترقی کرنے کے بجائے وہ قوم خاموش بیٹھ گئی۔ یہاں تک کہ حکومت کے نظام میں خلل واقع ہو گیا۔ اخلاق میں انحطاط آگیا، قوم اور سلطنت سے غداری بڑے پیانے پر ہونے لگی۔ مگر ان تمام کمزوریوں میں سب سے خطرناک کمزوری ترکی مسلمانوں کے لئے یہ ثابت ہوئی کہ وہ جمود کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بہادری، فن سپہ گری اور عسکری تنظیم و ترقی میں بھی کاہلی سے کام لیا تو دوسری طرف وہ علمی، فکری وذہنی دنیامیں بھی ساکت وجامد ہو کر رہ گئے انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت کو بالکل فراموش کر دیا۔

"واعدوالهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم" (الانفال ۶۰) "مسلمانو! جہاں تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے اپنا ساز وسامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی وہ بھول گئے تھے "الحكمة ضالة المؤمن من حيث وجدها فهو احق بها" (عقلمندی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں اس کو مل جائے وہی اس کا حقدار ہے)

ترکی مسلمان تو اس طرح یکدم ساکت ہو گئے جیسا کہ وہ دنیا سے کسی دوسری جگہ منتقل کر لیے گئے ہوں اب ان کی حالت علمی وفنی میدان میں یورپین اقوام کے بالکل برعکس تھی۔ جس کا جائزہ ترکی کی ایک فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے لیا ہے اور اس کو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" میں درج کیا ہے۔

"عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت ان کے بالکل برعکس تھی، انہوں نے علوم جدیدوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ نئے خیالات اپنے قلم رو میں داخل ہی نہیں ہونے دیے۔ جب تک ملتِ اسلامی کی تعلیمی کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز قریب آنے پائے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہو گیا۔ اوھر انحطاط میں ان کی ذاتی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئیں تھیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کے جھمیلے میں پڑنے کی انہیں فرصت

نہ تھی سہل نسخہ یہ تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں چنانچہ اسلامی مدارس کا انیس ویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرہویں صدی میں تھا۔ مگر اس کے باوجود کسی نہ کسی صورت میں ترکی پر مسلمانوں کا ہی قبضہ رہا اور عثمانی خلافت مختلف اقسام کے نشیب و فراز کے باوجود بھی قائم رہی جس سے کہ احیائے دین کی امید ہر دور کے مسلمانوں کو رہی اور اگر ترکی کے مسلمان اور خلافتِ عثمانیہ کے خلفاء و امراء کوشش کرتے تو امید کی تکمیل بعید از قیاس نہیں تھی۔ نیز اگر ترکی کے مسلمان مختلف میدانوں میں ارتقاء کی کوشش کرتے وہ بھی عین ممکن تھا۔ مگر انہوں نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ جمود کے حصار میں محصور ہوتے چلے گئے۔ دوسری جانب مغربی اقوام تیزی سے ارتقائی منزل طے کرنے میں مصروف تھیں، نئی نئی ایجادات ان کا محبوب ترین مشغلہ بن چکا تھا، علوم وفنون میں دلچسپی لینا ان کی زندگی کا بڑا مقصد تھا جس کے ذریعہ وہ پوری دنیا پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے تھے اور ہر اعتبار سے دنیا پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر ان کی کئی سو سالہ متواتر جدوجہد رنگ لائی، انہیں ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوئی جو ان کے مقاصد کی تکمیل کی تمہید بن گئی۔ پھر کیا تھا انہوں نے بے پناہ وسائل کے ذریعہ اقوامِ عالم پر اپنی فکری، سیاسی، تہذیبی اور تمدنی چھاپ چھوڑ دی، لوگ ان کے دماغ سے سوچنے پر مجبور ہوگئے ان کی تہذیب قبول کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ اور ان کی ایجادات کو ہاتھوں ہاتھ لینے لگے یہاں تک کہ ان کے خود ساختہ قوانینِ زندگی کو اپنی زندگی کا جز تصور کرنے لگے۔ مغرب کے اس بڑھتے ہوئے غلبہ سے عالم اسلام بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے عالمِ اسلام کے مختلف ممالک بھی مغرب کے ساتھ ہوتے چلے گئے۔ ان حالات میں اسلام اور اسلامی کلچر کی حفاظت کی ذمہ داری خلافتِ عثمانیہ پر تھی اور وہ اس میدان میں بہترین رول ادا کر سکتی تھی کیونکہ اس کے پاس آج بھی وہ تمام تر صلاحیتیں تھیں جن کو بروئے کار لاکر اسلام اور اسلامی کلچر کا تحفظ عین ممکن تھا مگر انتہائی دلیری، جذبات و عزائم خلوص اور استقلال اس سلسلہ میں پہلی شرط تھی۔

اگرچہ ان حالات میں ترکی نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ مغربی تہذیب و سیاست اور ان کی فکر و نظر کم از کم حدودِ ترکی میں داخل نہ ہونے پائے تاہم انہوں نے اس مقابلے کے لئے کسی تیاری کی ضرورت محسوس نہ کی اور بغیر کسی علمی، فنی، صنعتی اور جنگی تیاری

کے اس مقابلہ میں ترکی قوم برسرپیکار ہوگئی جس کا نتیجہ وہی برآمد ہوا جو بغیر کسی تیاری کے ہونا چاہیئے تھا۔ علاوہ ازیں انیس ویں صدی کے آتے آتے ان کا ایمان انتہائی کمزور ہو گیا تھا۔ اور ان کے ایمان ویقین میں وہ تروتازگی برقرار نہ رہی تھی۔ جو نویں صدی میں تھی گویا کہ ان کے ایمانی جوش میں اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، جب کہ مغربی تہذیب نئے ولولے کے ساتھ میدان میں آگئی تھی، اس کے پاس فقط جذبات ہی نہیں تھے بلکہ سنجیدہ تدبیریں بھی تھیں، اس لئے ترکی کو اب مغرب سے کئی میدانوں میں لڑنا تھا۔ علم وصنعت کے میدان میں بھی، مذہبی میدان میں بھی، اور تہذیبی ومعاشرتی میدان میں بھی، سیاسی اور فکری میدان میں بھی۔ مگر ترکی کے مسلمان ہر اعتبار سے کمزور تھے اس لئے کیسے مقابلہ کرسکتے تھے؟ اس پر مستزاد یہ کہ ترکی مسلمانوں کی ذہنی وفکری قیادت اب ضیا گوک الپ اور کمال اتاترک جیسے ضمیر فروش لیڈران کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ جو نہ صرف مغربی کلچر سے متأثر تھے بلکہ ترکی میں اسی تہذیب کی اشاعت کے لئے کوشاں تھے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے ضیا گوک (۱۸۷۵ء تا ۱۹۲۴ء) نے ترکی قوم کو خالص قومیت اور مادیت کی ترغیب دی اور ماضی سے بیزاری پر زور دیا اور جب ترکی کی زمامِ قیادت مصطفےٰ کمال (کمال اتاترک) کے ہاتھوں میں آگئی تو اس نے ترکی کا نقشہ ہی بدل دیا، کئی سو سالہ شاندار تاریخ پر اس نے بڑی آسانی سے پانی پھیر دیا، اس نے خلافت اور عثمان سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کردیا۔ گویا کہ خلافت کا وہ سلسلہ جو حضرت ابوبکرؓ سے شروع ہوا اور خلافت کا قیام عمل میں آیا تھا اسے ختم کرڈالا۔ ۱۹۲۴ء میں خلافت کے بدلہ میں جمہوریت کا اعلان کیا گیا جس کا وہ پہلا صدر منتخب ہوا۔

صدر منتخب ہونے کے بعد تو اس نے اپنے دل کی تمام بھڑاس نکال لی اور اپنے تمام گھناؤنے نظریات کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا اور اسلام کے خلاف وہ سب کچھ کرنے میں مصروف ہو گیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس بارے میں عصر حاضر کے مفکر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک مشہور انگریز سوانح نگار (H.C. ARMSTRONG) کے حوالہ سے اپنی کتاب "مسلم دنیا میں اسلامیت کی کشمکش" میں لکھا ہے۔

"اتاترک نے توڑ پھوڑ شروع کی، اس زبردست اور عمومی کارروائی کی تکمیل کرنی شروع کی جس کا آغاز وہ کرچکا تھا، اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ترکی کو اپنے بوسیدہ اور متعفن ماضی سے علیحدہ کرنا ہے اور اس تمام ملبہ کو ہٹانا ہے جن نے اس کو گھیر رکھا ہے اس نے اس قدیم سیاسی

ڈھانچہ کو واقعی توڑ پھینکا، سلطنت کو جمہوریت سے آشنا کیا اور اس ترکی کو جو ایک شہنشاہی تھا ایک معمولی ملک میں تبدیل کر دیا اور ایک مذہبی ریاست کو ایک حقیر درجہ کا جمہوریہ بنادیا۔ اس نے سلطان کو معزول کر کے قدیم عثمانی سلطنت سے سارے تعلقات ختم کر لیے تھے۔ اب اس نے قوم کی عقلیت، اس کے قدیم تصورات، اخلاق وعادات، لباس، طرزِ گفتگو، آداب، معاشرت اور گھریلو زندگی کے جزئیات تک تبدیل کرنے کی مہم شروع کی جو اس کو اپنے ماضی اور مشرقی ماحول سے وابستہ کرتی ہیں کلی انقلاب اور تبدیلی کا یہ کام نیا سیاسی ڈھانچہ بنانے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ اس کو اس کام کی دشواری کا پورا احساس تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ میں نے دشمن پر فتح پائی اور ملک کو فتح کیا لیکن کیا میں قوم پر بھی فتح پا سکوں گا"۔

کمال اتاترک نے حقیقت میں فتح پائی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اس کا اندازہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریر سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مشرقیت کی کشمکش میں لکھتے ہیں۔

کمال اتاترک نے واقعتاً قوم پر فتح پائی، ملک کو سیکولر (غیر مذہبی) اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جس میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہیں رہی۔ دین وسیاست میں تفریق ہو گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے ہر شخص اپنے لئے کسی مذہب کا انتخاب کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ سیاست میں بھی اس کو دخل ہو۔ خلافت کے ادارہ کو ختم کر دیا گیا شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی قانون شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے، سوئزرلینڈ کا قانون دیوانی۔ اٹلی کا قانون فوجداری اور جرمنی کا قانون بین الاقوامی تجارت نافذ کیا گیا اور پرسنل لا کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق وماتحت کر دیا، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، پردہ کو خلافِ قانون قرار دیا، مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا گیا، عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے، قوم کا لباس تبدیل ہو گیا، ہیٹ کا استعمال لازمی قرار پایا غرض کہ کمال اتاترک نے سابق انگریز مورخ کے الفاظ میں ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا اور قوم کا نقطہ نظر ہی بدل دیا"۔

ظاہر ہے کہ اس کا اثر ترکی قوم پر پڑنا لازمی امر تھا سو ایسا ہوا ترکی قوم مجبوراً اس سے متأثر ہوئی اور وہ اپنے دین سے یکایک دور ہو گئے۔ انہیں اسلامی نشانات سے بھی نظریں چرانی پڑیں اس طرح چند دہائیوں کے اندر اندر اسلامی نشانات ترکی سے تقریباً مٹ گئے جن سے

کہ یہ جانا جاسکے کہ ترکی کبھی کئی سو سال تک اسلام کا عظیم الشان مرکز رہ چکا ہے۔ اتنی تیزی کے ساتھ اسلام کے مٹتے ہوئے نقوش کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اب ترکی قوم کے لئے دوبارہ سے اپنے کھوئے ہوئے وقار اور تہذیب کو پانا تقریباً ناممکن ہوگا اور خود ترکی قوم مغرب کے دباؤ اور اپنی بے حسی کی وجہ سے ان سے آزاد ہونے کی کوشش نہ کرے گی، وہ ہر آنے والے لمحہ کے ساتھ بے حس ہوتی چلی جائے گی اور مادیت پر انحصار کرنا اس کے لئے مجبوری ہوگی۔ پھر ایک طویل عرصہ مغربی ماحول میں رہنے کے بعد بالآخر مغربیت ان کی زندگی کا جزبن جائے گی جس سے خلاصی پانے کا تصور بھی ان کے ذہن میں پیدا نہ ہوگا، لیکن گذشتہ کئی دہائیوں سے ترکی مسلمانوں کی حرکت وبیداری نے تمام اندازوں کو کھوکھلا ثابت کردیا۔ کیونکہ ایک طویل عرصہ تک مغربیت ومادیت کے آغوش میں رہ کر بھی وہ لوگ سکون حاصل نہ کرسکے اور اپنے مذہب کو نہ بھول سکے۔ چنانچہ انہوں نے بے قراری کا اظہار تو کمال اتاترک کی وفات کے بعد ہی کردیا تھا مگر ان کی حرکت کی رفتار ابھی سست تھی البتہ گذشتہ کئی دہائیوں سے وہ اسلام کے لئے تڑپ رہے ہیں اسلامی افکار ونظریات اور اسلامی تہذیب وتمدن کے لئے جاں بلب تھے، اسلام کے ساتھ وفاداری، لگاؤ اور ان کی اس دلچسپی کو دیکھ کر مولانا ابوالحسن علی نے کہا تھا کہ "عوام نے دوبارہ اسلام کے ساتھ اپنے گہرے تعلق کا اظہار کیا اور متعدد بار اپنے انتخاب اور ووٹ کی طاقت سے اپنے لئے بہتر حالت اور ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی، اگر کوئی غیر معمولی بات پیش نہ آتی تو اب بھی اس کا امکان ہے کہ ترکی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کوئی مفید خدمت انجام دے سکے اور اسلام کو وہاں دوبارہ پھلنے پھولنے کا موقع ملے"۔

مولانا کے یہ الفاظ حقیقت کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہیں، اب تقریباً ترکی کا منظرنامہ بدل چکا ہے، اب وہ شدت ختم ہوگئی ہے جو کمال اتاترک کے دور میں تھی، اذانیں بھی عربی میں دی جانے لگی ہیں، عربی رسائل کا اجراء بھی تیزی سے ہورہا ہے، اسلام پسندوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھتی جارہی ہے، وہاں پر اسلام پسند پارٹی کے پنجے مضبوط ہوتے جارہے ہیں۔ گذشتہ کئی ماہ قبل وہاں ہونے والے انتخابات میں اسلام پسند پارٹی ویلفیر نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہیں۔ اسلام پسندوں کی نشستوں کے زیادہ ہونے کے باعث آج اسلام پسندوں کے سربراہ نجم الدین اربکان وزیر اعظم منتخب ہوئے ہیں۔ اسلام پسندوں کی

مقبولیت اور عوام میں مغربیت سے بے زاری اور حکومت پر اسلام پسندوں کے قبضہ کو دیکھ کر آج پھر ترکی سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اگر اسلام کے مطابق قدم اٹھاتے ہوئے اپنے اندر حرکت پیدا کرے اور ترقی کی رفتار میں چستی پیدا کرے تو یقیناوہ آج بھی احیائے اسلام کی صلاحیت رکھتا ہے اور خلافت کو قائم کر کے عالم اسلام کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ اس کے لئے اب راہیں ہموار ہو رہی ہیں اور غلبہ کے لئے امکانات روشن ہو رہے ہیں۔

ماہ شوال، ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۹۷ء

سالانہ ۶۰/-	فی شمارہ ۶/-	شمارہ نمبر ۳	جلد نمبر ۸۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند	مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یو۔پی

سالانہ بدل اشتراک	
	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔ /۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم۔ /۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم۔ /۸۰ ہندوستان سے۔ /۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبد الستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔

● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دار العلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت تواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حبیب الرحمٰن قاسمی

ہر قوم اور ملت کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اسکی قومی شناخت اور ملی تشخص قائم رہتا ہے۔ اور اسکا معاشرہ شکست و ریخت اور دوسری تہذیبوں میں جذب ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ دیگر اقوام و مذاہب کے معاشرتی آئین بالعموم خود انکے اپنے وضع کردہ عادات اور رسوم پر مشتمل ہوتے ہیں جنکا مذہب سے تعلق برائے نام ہوتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کا یہ غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ عبادت و معاملات وغیرہ کی طرح اسلامی نظام معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ہدایات پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں خدائے واحد ہی کے احکام و قوانین کی عملداری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صاف اعلان ہے "الا له الخلق والامر تبارك الله رب العلمين" (اعراف) یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ خالق ہونا۔ اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں والے ہیں اللہ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

اس سلسلے میں اپنے رسول کو یہ ہدایت دی ہے۔

ثم جعلنك على شريعة من الامر فاتبعها ولاتتبع أهواء الذين لا يعلمون (جاثیہ)
پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا لہذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر نہ چلیں

قانون الٰہی کے اساسی مجموعہ قرآن کے مقصد نزول کے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله (نساء)

بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ قرآن بھیجا ہے واقع کے موافق تاکہ آپ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔

احکام خداوند کو نظر انداز کرنے والوں کی مذمت ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون (مائدہ)

اور جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے احکام و قوانین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں

ان آیات قرآنیہ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) تشریع اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالی کو ہے (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان قوانین کا نفاذ فرماتے ہیں (۳) خدا کے مقرر کردہ احکام میں کسی کو تغیر و تبدل کا حق اختیار نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے اللہ کے نزدیک منکر، ستمگار اور نافرمان ہیں۔

اسلام کا یہ نقطۂ نظر اتنا واضح اور روشن ہے کہ مستشرقین بھی اس سے چشم پوشی نہیں کر سکے اور انہیں اسکا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ مشہور مستشرق "کولسن" اقرار کرتا ہے کہ اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ تعالی ہی واحد قانون ساز ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے احکام کا غلبہ ہے۔" (اے ہسٹری آف اسلامک لا، کولسن ص ۱۲۰)

فیزجیر الڈ بھی اسے تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا وہ لکھتا ہے۔ "اسلام اللہ تعالی کو واحد قانون ساز و صاحب تشریع قرار دیتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی کو بھی اسکا شریک نہیں گردانتا" (دی ایجنڈ ڈٹ آف اسلامک ٹورومن، فیزجیر الڈ ص ۸۲ ج ۲۸)

گوائے ٹائن مستشرق کو بھی اعتراف ہے کہ دقیق قانونی معاملات میں بھی دین سے مربوط ہیں بلکہ وہ وحی الٰہی کا نا قابل تقسیم حصہ ہیں شریعت ایسے عصری تقاضوں کا مجموعہ نہیں ہے جو قرآن اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مرتب ہوئے ہوں بلکہ اسلامی معاشرہ میں انکا باضابطہ نفاذ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں کیا۔" (اسٹڈیز ان اسلامک ہسٹری، گوائے ٹائن ص ۱۲۹)۔

آیئے اب دستور ہند پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں اور دیکھیں کہ سیکولر ہندوستان میں

بسنے والی اکائیوں کو وہ کیا حقوق دیتا ہے اس سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کی دفعہ (۲۵) میں یہاں کے ہر شہری کو کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس پر قائم رہنے اس پر عمل کرنے اور اسکی تبلیغ اور پرچار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ دفعہ (۲۶) کی رو سے مسلمانان ہند جداگانہ ایک مذہبی گروہ قرار پاتے ہیں اور انھیں اپنے مذہبی امور کے منظم کرنیکا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دفعہ (۲۹) مسلمانوں کو اپنے کلچر، زبان اور رسم الخط کے تحفظ کا حق اور اختیار دیتی ہے۔ دفعہ (۳۰) کے تحت انھیں تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انکے انتظام سنبھالنے کا حق ملتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنی کمیونٹی اور انفرادیت کی بقا اور جداگانہ شناخت کے لئے جن عناصر کو تسلیم کرتے ہیں وہ انکا عالمگیر مذہب، انکی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب اور مخصوص معاشرتی اقدار ہیں جنھیں آئین ہند کا طاقتور تحفظ بھی حاصل ہے اس لئے یکساں سول کوڈ کا نعرہ بلند کرانے والے نہ صرف مسلمانوں کے مذہب میں بیجا مداخلت کرتے ہیں بلکہ آئین ہند کے بنیادی کردار کا بھی مضحکہ اڑاتے ہیں اس لئے یہ لوگ قطعی طور پر ملک اور اسکے آئین کے وفادار نہیں ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

(۱) کیا اس نظریہ کو پیش کرنے والے آئین ہند کے حق میں وفادار ہیں ؟

(۲) کیا سول کوڈ کے نفاذ کے بعد ہندوستان کی سیکولر حیثیت محفوظ رہ جائیگی ؟

(۳) کیا مسلمان ؛ مسلمان رہتے ہوئے اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں۔

(۴) کیا مسلمانوں کو مذہبی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشرتی نظام کے مقابلے میں کسی اور نظام کو اختیار کر لیں ؟

(۵) کیا اس نظریہ کو قبول کر لینے اور اپنی زندگی میں نافذ کر لینے کے بعد مسلمانوں کی علاحدہ شناخت اور انکا ملی تشخص باقی بچیگا ؟

امید ہے کہ ان سوالات پر علمائے ملت، دانشوران قوم اور ملکی و سیاسی رہنما بالخصوص حکومت میں دخیل اصحاب فکر و دانش ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور قومی تعصب اور جنبہ داری سے بلند ہو کر بالغ نظری کے ساتھ غور و خوض کریں گے۔

☆ ☆☆ ☆

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ

۱۳۳۶-۱۴۱۷ھ / ۱۹۱۷-۱۹۹۷ء

(خاکہ و تاثرات)

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

از: مولانا نور عالم خلیل امینی
ایڈیٹر الداعی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

شبِ دو شنبہ ۹/۱۰/۱۴۱۷ھ (بحساب ہندوستانی جنتری) ۱۰/۱۰/۱۴۱۷ھ (بحساب سعودی جنتری) مطابق ۱۷/۲/۱۹۹۷ ٹھیک ۱۲.۳۰ بجے (بوقت ہندوستانی) دس بجے (بوقت سعودی عرب) مطالعہ کی کتاب کو میز پر ڈال اور الارم گھڑی بغل میں رکھ میں بستر پر دراز ہوا ہی چاہتا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی - میں نے رسیور ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ ریاض سے ایک قاسمی دوست کا فون ہے، اُنھوں نے علیک سلیک کے بعد جب یہ کہا کہ میں تمہیں ایک اندوہ ناک خبر سنانے جا رہا ہوں تو راقم نے اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اُن سے عرض کیا "بتائیں" اُنھوں نے کہا آج ہی یعنی بروز یکشنبہ ۱۶/۲/۱۹۹۷ء کو بوقت فجر، ریاض کے ہسپتال " مستشفی الملک فیصل التخصصی " میں علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رکنِ اساسی رابطۂ عالمِ اسلامی نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ ابھی ذرا دیر پہلے مسجد نبوی میں اُن کی نماز جنازہ ہوئی ہے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے ہیں۔

ہمارے دوست کی مہربانی سے اُن کے عالمِ جاودانی کو سدھار جانے کی خبر فوراً مل گئی۔ خدا اُنھیں بھی خوش رکھے، لیکن دل پر غم واندوہ کی فضا نے جس طرح دیرہ ڈالا اور اُس وقت سے لب تک قلب و جگر کی جو کیفیت ہے اُسے خدائے علیم ہی جانتا ہے، اُسے بیان کرنے

کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ میرا یقین ہے کہ دل فگاری کی اسی کیفیت سے عالم اسلام و عالم عرب میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً وہ ہزاروں علماء دوچار ہوئے ہوں گے جنھیں اُنؒ سے اُن کی للّٰہیت اور ان کے غیر معمولی علم و فضل کی وجہ سے اُسی طرح کی محبت و عقیدت تھی جیسی عہدِ قریب کے برصغیر کے خدارسیدہ و محبت چشیدہ علمائے عالی مقام و مشائخ ذی احترام سے۔

اِس دورِ آخر میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ایسے عالم باعمل، محدث دیدہ ور اور فقیہ نبض آشنائے شریعتِ مطہرہ کی نظیر عالم عرب و اسلام میں کم ہی ملے گی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بے مثال تھے۔ ان کی علمی بے پناہی کے ساتھ ان کے ذوقِ عبادت و شوقِ طاعت اور علمی ہمہ گیری میں بالخصوص عالمِ عرب میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، ہرچند کہ بعض حلقوں کو شاید یہ بات ناگوار گذرے جو اپنے مکتبہ فکر کے خول سے باہر دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

میں نے عالم اسلام کو جہاں تک دیکھا اور سنا ہے تو میں نے یہ پایا ہے کہ وہاں علامہ کبیر، محدث جلیل، مفکر دور اندیش، مفتی باخبر، قاضیِ بابصیرت کی کوئی کمی نہیں۔ البتہ وہاں ایسے انسانوں کی بے شک کمی ہے جو اپنے علمی و عملی منصب کے معیار پر سیرت و کردار اور عمل و اخلاق کے اعتبار سے پورے اترتے ہوں۔ وسیع العلمی و دقیق النظری کے ساتھ ساتھ بہت سارا، پیہم اور مربوط عمل: یہی وہ امتیاز ہے جو علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کو اپنے بہت سے اقران سے جدا کرتا ہے۔

پھر یہ کہ علم کے اعتبار سے بھی وہ صرف ایک دو فن کے غواص نہیں تھے، بلکہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین کی طرح بہت سارے علوم کے شناور تھے۔ علوم قرآن و حدیث، فقہ و اُصول فقہ، اسماء الرجال اور تاریخ وغیرہ میں ان کی استاذیت تو مسلّم تھی ہی لیکن وہ عربیت، صرف و نحو، معانی و بیان، علم العروض والقوافی، فن انشاپردازی و نثر نگاری، منطق و فلسفہ اور علم النفس کے بھی صاحبِ نظر عالم اور ماہر مصنف تھے۔

انھی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ساری دنیائے عرب و اسلام میں ہزاروں علماء و طلبہ اور علم دوست لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ وہ دنیائے علم کا ایک تابناک ترین ستارہ، ایک معتبر علامت اور حلقہ فقہاء و محدثین اور علماء و زاہدین کا گوہر شب تاب تھے۔

علم کا ایسا آفتاب ڈوب جانے پر مکمل طور پہ جیسے حاصل کرنے کو وہ وقت اس قابل کہاں ہے

الا، نیز اپنے سے سن وسال میں چھوٹے اور تجربہ و آگہی میں کم تر سے بھی فیض یاب ہونے کا حوصلہ رکھنے والا میں نے اُن کے ایسا کسی اور کو نہیں دیکھا اپنے سے بڑے سے اکتساب کا تو ذکر ہی کیا۔

اسی شوقِ طلب کی وجہ سے اُن کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد ۱۲۰ (ایک سو بیس) تک پہنچتی ہے، اُن میں سے اکثر کا تعلق ان کے مادرِ وطن حلب و دمشق پھر قاہرہ و مصر، مغرب عربی اور برصغیر سے ہے، جہاں کہ علماء کے وہ بے حد دل دادہ و معتقد رہے تھے اور زندہ و مردہ دونوں قسم کے علماء سے انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

علمائے ہند سے ربط و تعلق :

وفات یافتہ علما میں وہ امام عالی مقام احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ / ۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) علامہ عبدالحی فرنگی محلی (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ ۱۸۴۸-۱۸۸۶ء) سے بہت عقیدت رکھتے تھے، ثانی الذکر کی بہت سی کتابوں کو اپنی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ عالم عرب سے شائع کیا اور علمائے عرب کو اُن سے متعارف ہونے اور فائدہ اٹھانے کا موقع بہم پہنچایا۔

اِن دونوں بزرگوں کے بعد وہ محدثِ عبقری علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ / ۱۸۷۵-۱۹۳۳ء) کے حد درجہ قدر داں تھے۔ ان کی میراثِ علمی سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے اور اپنے عرب دوستوں کو اس علمی خزانے سے اپنا حصہ پانے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ علامہ کی ایک سے زیادہ کتابوں کو ایڈٹ کر کے بیروت وغیرہ سے شائع کیا تھا۔

پھر علامہ کشمیری کے تلمیذ مولانا بدر عالم میرٹھی (۱۳۱۶-۱۳۸۵ھ / ۱۸۹۸-۱۹۶۵ء) نیز محدث کبیر مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب ''اِعلاء السنن'' (۱۳۰۱-۱۳۹۴ھ / ۱۸۹۲-۱۹۷۴ء) جن کی کتاب ''اعلاء السنن'' پر اُن کا فاضلانہ مقدمہ علم حدیث میں ان کی دست گاہ کی روشن دلیل ہے۔ نیز مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی پاکستانی (۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ / ۱۸۹۶-۱۹۷۶ء) اور علامہ کشمیری کے شاگردِ رشید اور اُن کے علمی ترکے کے مدون و ناشر محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری صاحب ''معارف السنن'' (۱۳۲۶

-۱۳۹۷ھ / ۱۹۰۸-۱۹۷۷ء) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ / ۱۸۹۷-۱۹۸۲ء) اور دور آخر میں برصغیر کے محدث و محقق مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (۱۳۱۹-۱۴۱۲ھ / ۱۹۰۱-۱۹۹۲ء) کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان میں سے جنھیں پایاان کی صحبت اور علمی خزانے اور جنھیں نہیں پایاان کی تصنیفات سے علمی دقیقہ رسی و گوہرباری سیکھی اور علماء و طلبہ کو انھیں حرز جان بنالینے کی تلقین کی۔

برصغیر کے خطیب بے بدل اور اسلام کے لسان ناطق مولانا قاری محمد طیب رحمتہ اللہ علیہ (۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ / ۱۸۹۷-۱۹۸۳ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مشہور مفکر و داعی و مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء) سے حد درجہ قلبی انس، فکری ہم آہنگی، روحانی یکسانیت اور مسلکی یگانگت تھی۔

علامہ ابو غدہ نے ائمہ سلف کی کتابوں پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ علمائے ہند کی تصنیفات و تالیفات کو بھی اپنی علمی توجہ کا مرکز بنایا، چنانچہ دقت ریزی کے ساتھ عصری اسلوب میں انھیں ایڈٹ کیا، ان پر حاشیہ نویسی اور انھیں عالم عرب کے مکتبات سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ شائع کروایا۔ اس طرح علمائے عرب کو ان سے مطلع ہونے اور ان سے علمی پیاس بجھانے کی راہ ہموار ہوئی۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے بعض ہندی علماء کو بھی ہمارے اکابر کی بہت سی تصنیفات کا علم تب ہوا جب شیخ ابو غدہ نے ان کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا اور انھیں روشنی میں لائے۔ افسوس ہے کہ علمائے برصغیر کو ان کی قدر و قیمت کے ساتھ جاننے والا دنیائے عرب میں شیخ ابو غدہ کی قدو قامت کا اب کوئی عالم نہیں رہا۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے مشائخ سے عقیدت

وہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر علمی و دینی خدمات کے بڑے مداح اور وکیل تھے۔ علم و دین و اخلاص کے حوالے سے بانیان دارالعلوم کے مقام و مرتبہ کو خوب خوب جانتے تھے اور اس دیار میں اسلامی حکومت و شوکت کے زوال کے بعد اسلامی وجود کی بالعموم اور دینی علوم و دولت اسلام کی بالخصوص حفاظت کے سلسلے میں ان کے کردار کی آگہی اس طرح رکھتے تھے کہ اب کسی عربی عالم سے موجودہ حالات کے چوکھٹے میں شاید ہی امید کی جاسکے۔ وہ دیوبند کئی مرتبہ گئے اور اپنی حسین یادوں اور عطر بیز تاثرات کا اپنی گل ریز زبان میں اظہار کیا۔ وہ

دارالعلوم میں اپنے کو موجود پاکر قلبی اطمینان اور روحانی سکون محسوس کرتے جیسے مچھلی کو ساز گار پانی مل گیا ہو اور خدام دارالعلوم کو ایسا محسوس ہو تا کہ وہ اپنے کسی سلف کی محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ انھیں دیوبند سے ہر طرح مسلکی دد عوئی اتفاق وامتزاج تھا۔

مختصر سوانحی خاکہ

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ بن محمد بن بشیر بن حسن، ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء میں سیریا یعنی ملک شام کے شمالی شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب صحابی رسول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے خاندان میں مکتوبہ شکل میں شجرۂ نسب محفوظ ہے۔ حلب کے علماو مشائخ سے کسب علم کیا، خصوصاً مدرسہ خسرویہ عثمانیہ میں جو اس وقت مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں سے ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں فارغ ہوئے۔ پھر مدینہ علم و ثقافت قاہرہ کا رخ کیا اور جامع ازہر سے ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں علوم شرعیہ میں سند فراغ حاصل کی اور وہیں سے ۱۳۶۸ھ / ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیہ سے اصول تدریس میں اختصاص کی سند حاصل کی۔

شیخ کے بعض تلامذہ نے لکھا ہے کہ ان کی روحانی تشکیل و تعمیر میں جن صاحب تاثیر علماء کا بطور خاص حصہ رہا ہے اُن میں علامہ و فقیہ و مربی شیخ عیسیٰ بیانوی حلبی متوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء مدفون بہ جنت البقیع مدینہ منورہ، علامہ و محدث و مورخ وادیب شیخ محمد راغب طباخ حلبی متوفی ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء اور فقیہ و لغوی علامہ مصطفیٰ الزرقانی حلبی مدظلہ سر فہرست رہے ہیں۔

جامع ازہر میں علامہ ابو غدہ نے ایسے یگانۂ روزگار علماء و مشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن کی نظیر اب جامع ازہر میں یا دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ ان میں قابل ذکر فیلسوف اسلام شیخ یوسف دجوی متوفی ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۴ء، شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری متوفی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء، محدث جلیل علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء اور علامہ واصولی و لغوی شیخ الازہر محمد الخضر حسین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین، ہیں۔

قاہرہ میں جس شخصیت نے انھیں سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کا ان کے اوپر سب سے زیادہ رنگ چڑھا اور وہ اُن کے دل میں گھر کر گئی اور زندگی بھر اس کے سحر میں گرفتار اور اس کے فکر و نظر کے قدح خوار رہے وہ امام وقت، علامہ زماں، محدث دوراں محمد زاہد کوثریؒ

متوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء کی شخصیت تھی۔ علامہ کوثری بھی علامہ ابو غدہ کی ذہانت، ذوق مطالعہ، شوقِ طلب اور جنونِ جستجو سے بہت متاثر تھے، حتیٰ کہ اگر حاضری میں زیادہ ناغہ کرتے تو انھیں شاق گذرتا اور اس سلسلے میں انھیں متنبہ کرتے۔

علامہ ابو غدہ کی زندگی وحالات کا مطالعہ کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ، علامہ کے ہاں جو علمی تنوع تھا، تحصیل علم میں زندگی بھر جو انہماک، لگن اور جاں سوزی رہی وہ ان کے اندر علامہ کوثری ہی کی صحبت اور نفس گرم کی تاثیر تھی کیوں کہ کوثریؒ بہت سارے علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔

مصر میں علامہ نے میر کارواں امام حسن البناء شہید (ش ۱۹۴۹) کی نگہ بلند، سخن دل نواز اور جانِ پُر سوز سے رخت سفر حاصل کیا، ان کی جمعیۃ اخوان المسلمون کے فکر و نظر کو اپنایا اور تادم زندگی عالم عرب کی نشأتِ ثانیہ کی اس سب سے بڑی اور طاقت ور دوزی تاثیر جماعت د تحریک کے اعلیٰ قائدین میں ان کا شمار رہا اور اپنے ملک کے اخوانیوں کو نازک د قتوں میں نہ صرف سہارا دیا بلکہ ان کی عقل ودل کو اپنے شرِ رشعلۂ محبت سے نئی زندگی بخشی۔

مصر سے توشۂ علم و آگہی اور زادِ عشق و مستی د نظر حکیمانہ، گفتارِ دل برانہ اور کردار قاہرانہ کے ساتھ اپنے وطن سیریا واپس آئے تو وہ یہاں کے اخوانیوں کی دعوتی، فکری اور تحریکی زبان اور ان کے جذبات واحساسات کے ترجمان بن گئے۔ ان کی علمی گیرائی وگہرائی، فرزانگی، وسعت قلبی، روشن ضمیری، حق گوئی وبے باکی، اندیشۂ شاہیں صفت اور سوز وتب و تاب کی وجہ سے اُن کے گرد اکٹھا ہو گئے اور وہ اُن کے ملجاد ماوی بن گئے۔ باوجودے کہ وہ شہید علم تھے اور ان کا اوڑھنا بچھونا علمی، دعوتی اور تصنیفی ومطالعاتی اشغال تھا لیکن وقت کی نزاکت نے انھیں کئی مرتبہ اخوان کی انتظامی ذمہ داریوں کو اٹھانے پر بھی مجبور کیا لیکن جلد ہی کسی لائق فرد کے سپرد کر کے سکندری پر قلندری کو ترجیح دیتے رہے۔ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء میں ایک مرتبہ پھر انھیں سیریا کی اخوان کا مراقبِ عام بننا پڑا، لیکن ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء میں انھوں نے ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ ذمہ داری سونپ دی۔

اخوان پسندی اور اخوانیوں کے ساتھ اِسلام ومسلمانوں کے مسائل کو اٹھانے اور اس اسلامی وعربی ملک میں احکام اسلام کی پامالی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں انھیں دعاۃ ومفکرین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور "تدمر"

کے صحرائی جیل میں وہ گیارہ (۱۱) ماہ تک قید رہے، تا آنکہ ۵ جون ۱۹۶۷ء / ۱۳۸۷ھ کے لپیے کے بعد (جس میں اسرائیل کے مقابلے میں عربوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور بیت المقدس نیز دریائے اردن کے مغربی کنارے اور صحرائے سینا پر اسرائیل کے قبضے کا وہ حادثہ جاں کاہ پیش آیا تھا۔ انھیں اور ان کے ساتھ قید علماء و مفکرین کو رہائی نصیب ہوئی تھی۔ (۱)

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں انھیں سیریائی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کیا گیا جو گویا سیریائی عوام کی طرف سے ان کے حق میں خراج محبت تھا۔ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں سیریا کی وزارت معارف کی طرف سے منعقدہ مسابقہ مدرسین تربیت اسلامی میں حصہ لیا اور تمام شرکاء میں نمبر ایک رہے۔ حلب کے مدارس ثانویہ میں ۱۱ سال تک تربیت اسلامی کا مضمون پڑھایا نیز اس مضمون کی درسی کتابوں کی تیاری میں سرگرم طور پر حصہ لیا اسی کے ساتھ ساتھ تربیت ائمہ و دعاۃ کے مدرسے موسوم بہ مدرسہ شعبانیہ اور ثانویہ شرعیہ یعنی سابق مدرسہ خسرویہ (جہاں انھوں نے خود بھی تعلیم حاصل کی تھی) تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر انھیں دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کا استاذ منتخب کیا گیا جہاں تین سال تک اصول فقہ، فقہ حنفی، فقہ مذاہب اربعہ کے مضامین پڑھائے اور "معجم فقہ المحلی لابن حزم" کی تکمیل کی جسے دمشق یونیورسٹی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔

اس کے بعد وہ ۲۳ سال ریاض سعودی عربیہ کی دونوں اہم جامعات میں استاذ رہے۔ چناں چہ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء تا ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء جامعہ اسلامیہ امام محمد بن سعود میں اور ۱۴۰۸ھ تا ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء جامعۃ الملک سعود میں وہ حدیث شریف کے ہر دل استاذ رہے۔ اس مدت میں ہزاروں طلبہ نے ان کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کی۔ بعض حلقوں کی طرف سے ان کے حنفی و اخوانی مذاق و مزاج اور زاہدانہ و صوفیانہ فکر و نظر کی وجہ سے اذیت رسانی کا ارتکاب بھی کیا گیا، لیکن علمائے سلف صالحین کی طرح انھوں نے صبر و احتساب سے کام لیا اور مذکورہ حلقے کے جدال پسند و نقاش پیشہ و تنگ نظری شعار و سلامت روی بیزار علماء کی طرح کبھی انتقامی کارروائی کی نہیں سوچی بلکہ اپنا معاملہ صرف اپنے رب شکور کے سپرد کر کے یک سو ہو گئے اور اپنے کردار، اپنے علمی مقام، اپنی گراں مایہ و بے نظیر علمی و دینی خدمات کو خدا اور خلقِ خدا کے روبرو شہادتِ ناطقہ رہنے دیا۔

علمی ہمہ گیری

علامہ ابو غدہ کو فقہ حنفی پر عبور تھا جس کے وہ متبع بھی تھے، نیز فقہ شافعی اور دیگر اسلامی مذاہب کی فقہ پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اصول فقہ، اصولِ حدیث، فن اسماء الرجال اور حدیث کے متناً سنداً اور روایۃً ودرایۃً ماہر تھے۔ ساری زندگی ان فنون کے پڑھنے پڑھانے، نشر واشاعت اور تصنیف وتالیف میں گذار دی۔ ان فنون پر اپنی تالیفات اور سلف کی تصنیفات کی تحقیقات وتعلیقات کے ذریعے عصر حاضر کے علماء وطلبہ کے لیے استفادے کو آسان بنادیا۔ ان کی تصنیفات اور تحقیقات دونوں میں وہ بالغ نظری، جامعیت اور وسعت فکری ہے جس کے سر چشمہ ہمہ دقتی مطالعہ، بے تکان کتب بینی، کشادہ قلبی اور علم النفس کی غواصی ہے، جس میں انھوں نے دو سال تک ماہرانہ بصیرت پیدا کی تھی اسی لیے ان کی تصنیفات وتحقیقات بلکہ محاضرات وخطابات میں اُس طرح کا موازنہ ومحاکمہ ہوا کرتا ہے جس کی بنیاد علم النفس پر قائم ہوتی ہے۔

ان کے علمی کام کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے (۲) جس کا دو تہائی حدیث رسول اللہ اور اس کے متعلقات کے موضوع پر ہیں اور ایک تہائی کا تعلق فقہ اور دیگر اسلامی موضوعات سے ہے۔ استاذ عبدالوہاب بن ابراہیم ابو سلیمان نے صحیح کہا ہے کہ:

> ”علامہ عبدالفتاح ابو غدہ کے مطالعوں میں حدیث اور اس کے علوم کو امتیازی اہمیت حاصل ہے۔ اس معزز علمی میدان میں انھوں نے اسلامی لائبریری کو پختہ تصنیفات سے مالا مال کیا ہے۔ بعض موضوعات پر قلم اٹھانے والے وہ پہلے مصنف ہیں۔ ان کی تالیفات اپنی خصوصیات، نقطہ ہائے نظر، اغراض ومقاصد، تنوع، مشمولات کی خوبیوں اور اسلوبِ نگارش وطرز تخاطب کی سحر کاری کے اعتبار سے ممتاز مکتبہ فکر کی نمایندہ ہیں۔ یہ تصنیفات عقل وخرد کو اپیل کرتی ہیں۔ ان کی بنیاد ٹھوس علمی اصولوں پر ہے جن کو اخلاص وتواضع نے چار چاند لگادیے ہیں۔ یہ تصنیفات علامہ کی شخصیت کا آئینہ، اُن کی ذہنیت کی دلیل اور ان کی اس روحانی شفافیت کی غماز ہیں جس کے طفیل انھوں نے علمی دنیا کو تابناک خیالات اور بے مثال فوائد وحصول یابیوں سے نوازا ہے“ (۳)

...مہ کی ایک اور خصوصیت

ان کی ایک اور خصوصیت بھی تھی جو ان کے اور دیگر علمائے معاصرین کے درمیان ! فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ یہ کہ انھیں عربی زبان اور متعلقہ علوم و فنون پر بھی عبور تھا۔ ...ربی کے نثر و نظم کا اتنا بڑا سرمایہ انھیں محفوظ تھا کہ اس پختگی کے ساتھ بعض پیشہ ور ادباء ...ن قلم کو بھی محفوظ نہیں ہوتا۔ عربی زبان کے مفردات و لغات اس کے نظائر و شواہد کے ساتھ، قواعد صرف و نحو اختلاف مذاہب کے ساتھ اور مسائل بلاغت اس کے دلائل کے ساتھ یاد تھے۔

استاذ محمد عوامہ نے (جو شیخ ابو غدہؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں) اپنے ایک مضمون میں ایک دل چسپ حکایت نقل کی ہے جس سے اس فن کے حوالے سے علامہ کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے:

> "... ثانوی مرحلے کے پہلے سال میں جب ہم طالب علم تھے تو ہمارے ایک استاذ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہ دمشق گئے، وہاں ایک مدرس کے سبق میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے ایک لفظ کے تلفظ یا اعراب (مجھے یاد نہیں رہا) کے متعلق انھیں اشکال ہوا۔ مدرس صاحب نے ایک طالب علم سے کہا کہ "القاموس المحیط" (۴) لے آؤ تو ہمارے استاذ نے جو اس واقعے کے راوی ہیں ان سے فرمایا کہ:
> قاموس لانے کی کیا ضرورت ہے یہ رہے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ جو قاموسِ گویا ہیں، آپ جو چاہیں معلوم کر لیں" (۵)

استاذ محمد عوامہ نے اس واقعے کے درج کرنے کے بعد یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ ہمارے مذکورہ استاذ شیخ ابو غدہ کے ہم خیال نہیں تھے بلکہ اُنھیں ان سے خدا واسطے کا بیر تھا اس کے باوجود ہوا یہی کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

بات یہ ہے کہ علامہ نے حصولِ علم کے لیے شمع کی طرح جلنے اور پروانے کی طرح نچھاور ہونے کا سلیقہ سلف ہی کی طرح سیکھا تھا جو خدا کی توفیق اور اس کے لطف خاص کے بغیر ممکن نہیں اسی لیے انھیں علمی دنیا میں وہ نام و مقام حاصل ہوا جو معاصرین میں کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ استاذ محمد عوامہ نے ان کی علمی پیاس کے حوالے سے مندرجہ ذیل واقعہ سپرد

قلم کیا ہے :

"علامہ ابو غدہ کے نوجوان استاذوں میں ایک تھے شیخ محمد سلقینی رحمتہ اللہ علیہ۔ ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لیے انھیں سفر در پیش ہوا۔ انھوں نے سبق کا ناغہ مناسب نہیں سمجھا اس لیے اپنے شاگرد ابو غدہ کو مدرسہ خسرویہ (٦) میں قائم مقام کر گئے۔ انھوں نے استاذ کی قائم مقامی کا حق ادا کر دیا۔ جب شیخ سلقینی سفر سے واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پوچھا کہ : حضرت! کیا شیخ عبدالفتاح ابو غدہ آپ کے شاگرد ہیں تو سلقینی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی تواضع کے ساتھ فرمایا کہ : ہاں کبھی ہوا کرتے تھے لیکن اب میں ان کا شاگرد ہوں۔ میں اُنھیں نحو میں شرح اجرومیہ پڑھایا کرتا تھا اور وہ فن کی اونچے درجے کی کتاب "مغنی اللبیب" سے مطالعہ کر کے آیا کرتے تھے"(۷)

نوادر کتب کے حصول کا شوق بے پناہ اور اس سلسلے کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات

ذوقِ علم کے نتیجے میں اُنھیں کتابوں سے غایت درجہ محبت تھی جو ایک سچے طالب علم کی پختہ علامت ہے۔ نوادر کتب کے حصول، مخطوطات و مطبوعات کی ذخیرہ اندوزی کے لیے ہر طرح سے کوشاں رہتے۔ اس سلسلے میں وقت، مال، محنت اور بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ بعض کتابوں کے مقدموں میں انھوں نے اس سلسلے کے بعض واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مدرس علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ کی کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کو انھوں نے کس محنت و جستجو کے بعد پایا اور پھر اس کو اپنی تحقیق انیق کے ساتھ عالم عربی سے شائع کیا اس کا واقعہ خود انھی کی زبانی سنیے :

"... یہ کتاب جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اس کا حصول میری زندگی کی اہم آرزو تھا، لیکن اس آرزو کا پانا میرے لیے دشوار ثابت ہوا۔ میں مسلسل پندرہ سال سے اس کے ہندوستانی نسخے کے حصول کے لیے کوشاں رہا ہوں۔ مصر میں جو کتابوں کا ملک ہے اپنے چھ سالہ قیام کے دوران میں نے اس کی جستجو کی۔ پھر میں نے اسے مکہ و مدینہ اور بغداد نیز دیگر عربی ملکوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈا

لیکن نہیں ملی، ہندوپاک کے بعض علمائے گرامی سے میں نے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاں کا چھپا ہوا اس کتاب کا کوئی نسخہ فراہم کردیں۔ انھوں نے قابل شکر کوششیں کیں لیکن اُنھیں بھی نہیں ملی۔

"چوں کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے مصنف کی امامت کے حوالے سے منفرد ہے اس لیے ۱۳۴۴ھ میں طبع ہونے کے ساتھ ہی علماء و طلبہ نے اسے اچک لیا اور بعد میں اس کے کسی نسخے کا حصول مشکل ہوگیا۔ خدا نے جب ہندوپاک کے سفر کا موقع دیا، میں نے وہاں کی لائبریریاں دیکھیں، وہاں اس کی تلاش میں سعی کی لیکن دست یاب نہ ہو سکی۔ ہندوستان سے میں پاکستان آگیا، کراچی میں قیام رہا، وہاں علامہ و محقق جلیل القدر مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ اُن کا بڑا کرم ہے کہ اُنھوں نے اس کتاب کا اپنا محفوظ اور خاص نسخہ مجھے عنایت فرمایا اور خواہش کی کہ عالم عربی میں یہ کتاب ضرور چھپ جائے۔ میں نے اپنے سفر سے واپسی شنبہ ۷ جمادی الاولی ۱۳۸۲ھ سے قبل یہ ہدیہ شکریے اور قدردانی کے ساتھ قبول کیا"(۸)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتح باب العنایہ" کو بھی اُنھوں نے اپنے مقدمے اور تحقیقات کے ساتھ شائع کی، لیکن اس کے حصول کے لیے انھوں نے کس طرح ملکوں، شہروں اور گلیوں کی خاک چھانی، اُنھیں کے قلم کی زبانی سنیے:

"تکمیل تعلیم کے لیے میں نے مصر میں چھ سال گذارے۔ جس جس کتب خانے میں گمان ہوتا کہ یہ کتاب وہاں موجود ہوگی میں وہاں جاتا اور اس کے متعلق معلوم کرتا رہا لیکن اس کا کوئی اتا پتا نہ چل سکا۔

"اپنے شہر حلب واپسی پر بھی میں نے ہر اس شہر میں اس کی پیہم تلاش جاری رکھی جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا اور تمام مکتبات میں اس کو ڈھونڈتا رہا جن میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ حتی کہ ایک جان کار کتب فروش یعنی شیخ حمدی سفر جلانی دمشقی رحمتہ اللہ علیہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب روس کے شہر "کازان" میں چھپی تھی لیکن وہ اس وقت کبریت احمر سے زیادہ نادر الوجود ہے اور یہ کہ ساری زندگی میں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ان کے پاس آیا تھا جو انھوں نے ناقابل

یقین حد تک اونچی قیمت میں علامہ کوثریؒ کو فروخت کیا تھا۔ ان کے کہنے سے مجھے یہ تو معلوم ہوگیا کہ کتاب کس شہر میں طبع ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی اس کے حصول کے حوالے سے میں ناامید سا ہوگیا۔

"خدا نے ۱۳۷۶ھ میں جب اپنے گھر کے حج کی توفیق دی اور مکہ مکرمہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا تو میں گھوم گھوم کر وہاں کے مکتبات میں اس کتاب کا اتا پتا معلوم کرتا رہا کہ شاید اُس دیار سے شہر حرام مکہ مکرمہ کو ہجرت کنندہ کسی صاحب کے ساتھ یہاں آئی ہو؛ لیکن میں ناکام رہا۔

"خدائے کریم کی عنایت سے میں مکہ مکرمہ کے ایک معمولی سے بازار کے ایک گوشے میں ایک کتب فروش کی دوکان پر جا پہنچا یعنی شیخ مصطفیٰ بن محمد شنقیطی کی دوکان پر۔ میں نے ان سے کچھ کتابیں خریدیں اور مایوسانہ احساس کے ساتھ میں نے ان سے بھی اس کتاب کو دریافت کیا؛ تو انھوں نے بتایا کہ دو ہفتے قبل میرے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جو مجھے بعض بخاریوں کے ترکے سے حاصل ہوئی تھی میں نے اچھی قیمت پر طاش قند کے ایک بخاری عالم کو بیچ دی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں لیکن انھوں نے اس کتاب کا سراپا اس طرح بیان کردیا کہ مجھے کتاب کے سلسلے میں اُن کی جان کاری کا یقین ہوگیا اور میں نے باور کرلیا کہ یقیناً یہ مطلوبہ کتاب ہی ہے جس کی تلاش میں میں زمانۂ دراز سے سرگرداں رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس کتاب کو خریدنے والے عالم طاش قندی کون ہیں؟ تو انھوں نے اُنھیں یاد کرنے کی کوشش کے بعد اُن کا نام شیخ عنایت اللہ طاش قندی بتایا۔ میں نے اُن کی رہائش گاہ، محل عمل یا ملاقات گاہ کے متعلق پوچھا تو لاعلمی کا اظہار کیا کہ اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاسکتا۔ میں نے کہا تو پھر کس طرح ان کا پتہ معلوم ہوگا؟ کہنے لگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی"(۹)

اس کے بعد علامہ نے لکھا ہے کہ میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چکر لگاتا رہا تا آنکہ شیخ عنایت اللہ سے خدا نے ملاقات کرادی اور میں نے یہ کتاب ان سے حاصل کرلی۔

علامہ کو گراں قدر کتابوں کے حصول کا اتنا شوق ہوتا کہ وہ بعض کتابوں کے لیے منتیں مانتے تھے کہ اگر فلاں کتاب مل گئی تو اتنی رکعتیں نماز خدا کے لیے پڑھوں گا۔(۱۰)

وہ لکھتے ہیں کہ ایک کتاب کو خریدنے کے لیے میرے پاس روپے نہیں تھے تو میں نے اپنے والد سے ورثے میں آئے ہوئے ایک قیمتی سامان کو بیچ دیا۔ (۱۱)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

"اہل علم کی زندگی میں کتاب کو وہ مقام حاصل ہے جو روح کو جسم میں اور صحت مندی کو بدن میں"(۱۲)

جس کے شعلے نے جلا سیکڑوں فانوس، دیے

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ اتنے بہت سارے اور بے شمار علماء و طلبہ کی آنکھوں میں نہ بستے اور دلوں میں نہ سماتے، اگر وہ محض علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع علامہ ہوتے، یا وہ صرف بڑے محقق و مصنف ہوتے، یا زمانہ دراز تک درس دینے والے کامیاب ترین استاذ ہوتے، یا عالم اسلام کے چپے چپے کی سیر کرنے والے اور جہاں دیدہ ہوتے۔ علم دوست وکمال پرستوں کی نگاہ میں جس چیز نے انھیں اتنا محبوب و مطاع بنادیا تھا، وہ صحیح معنی میں ان کی علمی و عملی جامعیت تھی کہ کتاب و سنت کے علوم کے دیدہ ور عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شیریں اخلاقی، تواضع پسندی، اخلاص و وسیع الظرفی اور انسیت مزاجی وہ ملنساری اُن کا شیوہ و شعار اور اسوہ و کردار رہی تھی؛ جس کی وجہ سے اُن کے پاس بیٹھنے اُن کو سننے اور اُن سے ملنے والے کا دل کھنچتا تھا اور تادم زندگی اُن کا اسیر محبت ہو جایا کرتا تھا۔

میں نے پایا ہے اُسے اشک سحر گاہی میں   جس دُرِ نایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

وہ آنکھوں میں بسے ہوئے اور دلوں میں بچھے ہوئے تھے، ان کا تواضع، ان کی نرم خوئی و دل جوئی، اُن کی شرمگیں و ذہانت ریز نگاہیں، اُن کی جبین سجدہ پیشہ، یادِ الٰہی سے تر اُن کی زبان اور ادب شناس؛ اُن کی شیریں گفتاری، باوقار چال، حب الٰہی سے معمور سینہ، خشیت خدا سے لبریز دل، دعائے سحر گاہی و نالہ ہائے نیم شبی اور رب شکور کے سامنے مسلسل گریہ و زاری، نیز آنسوؤں کی پاکیزہ و نورانی جھڑی سے نہائی ہوئی اُن کی فراخ عربی آنکھیں، اُن کی سرخ و سپید شامی شبیہ، اُن کا سڈول، متوازن اور نفیس عربی جسم، پھلوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح ہر چھوٹے بڑے انسان کے لیے اُن کی خمیدہ جبینی و خندہ روئی، مجلس درس و تقریر میں اور ہمہ وقت ان کی گل بار و عطر افشاں زبان اور کلیوں کی طرح تبسم ریز ہونٹوں سے نکلتی

ہوئی درس کھولتے ہوئے سبک خرام الفاظ کے موتی کی سی لڑی ہمیشہ یاد رہے گی۔ (جاری) ٭

حواشی

۱۔ اخوان المسلمون، سیریا کا تعزیتی بیان، المجتمع کویت، شمارہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۷ھ مطابق ۲۵/۲/۱۹۹۷ء

۲۔ اہم تصنیفات و تحقیقات کی ایک فہرست مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ مضمون بر علامہ ابو غدہ از استاذ عبدالوہاب بن ابراہیم ابو سلیمان، عکاظ، جدہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۸ر شوال ۱۴۱۷ھ ۲۵ر فروری ۱۹۹۷ء

۴۔ علامہ ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ / ۱۳۲۹-۱۴۱۴ء) کی مشہور عربی لغت جس کی علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۴ھ / ۱۷۳۲-۱۷۹۰ء) نے تاج العروس من جواہر القاموس کے نام سے شرح لکھی تھی جو عربی زبان کی شہرۂ آفاق لغات میں سے ایک ہے اور اپنے خصائص کے اعتبار سے فائق۔

۵۔ مضمون شیخ محمد عوامہ بر علامہ ابو غدہ، شائع شدہ روزنامہ عکاظ جدہ، سعودی عربیہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۱/۱۰/۱۴۱۷ء مطابق ۱۸/۲/۱۹۹۷ء

۶۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ شہر حلب کے اس مدرسے میں شیخ ابو غدہ نے بھی تعلیم حاصل کی تھی اور اب یہ مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے معروف ہے۔

۷۔ شیخ محمد عوامہ کا مذکورہ مضمون

۸۔ کتاب مذکور ص ۳-۴

۹۔ کتاب مذکور جلد ۱، ص ۸-۹

۱۰۔ کتاب صفحات من صبر العلماء، ص ۲۷۹

۱۱۔ حوالہ سابق ۱۲۔ حوالہ سابق ص ۲۵۶

بقیہ تحریک ختم نبوت

انہی دنوں شائع کریں جب یہاں منکرین ختم نبوت کا تعاقب ہو رہا ہو اور دوسرے فریق سے کہیں کہ اس کا جواب نہ دیا جائے کیونکہ اس سے اختلاف بڑھے گا اور دشمنوں کو فائدہ پہونچے گا۔ اگر آپ واقعی دشمنوں کو فائدہ نہیں پہونچانا چاہتے اور انکے ہاتھ مضبوط نہیں کرنا چاہتے تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ مضامین جو آپ نے شائع کئے ہیں وہ کس کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور اس سے کس کی حمایت ہو رہی ہے؟

و صلی اللہ و سلم علی خاتم النبیین سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ب الدین ملا ایم، اے، بی ایڈ
ضل دینیات ادیب کامل
ے ۲۴۴ --- کامت گلی
بیاگام --- ۵۹۰۰۰۲

اسلام کی دو اہم عیدوں میں سے ایک عید قرباں ہے جو ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو سارے عالم میں منائی جاتی ہے۔ جو عربی ترکیب پر عید الاضحیٰ، فارسی ترکیب پر عید اضحیٰ، اور اردو میں بقر عید یا عید قربان کے نام سے موسوم ہے۔ اس تقریب پر جانوروں کی قربانی دیکر "سنت ابراہیمی" کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے، جو کہ قربانی کی تاریخ میں ایک مثالی اور ممتاز واقعہ ہے۔ اس قربانی کا مقصد صرف جانوروں کو ذبح کرنا ہی نہیں بلکہ اسکے ذریعہ بندگان خدا میں جذبۂ قربانی کا ابھارنا مقصود ہوتا ہے۔

قربانی کیا ہے؟ ----- اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی خوشنودی کے لئے خدا کی راہ میں نچھاور کر دینا۔ کبھی یہ امر متقاضی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں مال کی قربانی پیش کر دی جائے، کبھی یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنی متعلقہ اشیاء کو اللہ کی راہ میں لگا دیا جائے اور کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے کہ اپنی محبوب ترین متاع، جانِ عزیز، خدا کی راہ میں قربان کر دی جائے۔ امر الٰہی میں مزاحم ہونے والی طاغوتی قوتوں اور باطل حرکتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جانا، اوامر کی ترویج و تفویض کے لئے اپنی تمام تر قوتوں، صلاحیتوں اور توانائیوں کو لگانا اور اس راستہ کے مصائب و ابتلاء کو برداشت کرتے ہوئے امتحان دار و رسن سے گذر جانا یہ سب کچھ قربانی کی وسعت مفہوم میں داخل ہیں۔ ان مواقع پر حق قربانی ادا کر نیکو کسی اور پر یا خود اپنے اوپر ایک جور و ظلم سے تعبیر کرنا، بذاتِ خود ایک ظلم و جہالت ہے۔ انسان کے لئے انتہائی سعادت کی بات تو یہی ہے کہ وہ راضی برضا اور سرشار وفا ہو کر امتثال امر الٰہی میں کوشاں رہے۔ اسی حقیقت کو کس خوبی سے پنڈت برج نرائن چکبست نے شعر کے قالب

میں ڈھالا ہے۔ ؎

انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

یہ ایثار و قربانیاں ہی ہیں جو سرور و حلاوت اور سوز و گداز پیدا کرکے پر کیف و پر بہار بنادیتی ہیں۔ جو ہزاروں کو سرشار وارفتہ بنادینے کی موجب ہوتی ہیں اسی لئے ایثار و قربانی تاریخ مذاہب کا ایک روشن اور درخشندہ باب ہے ہر مذہب کی تاریخ میں قربانی کے واقعات کو دیکھا جاسکتا ہے اور اسلامی تاریخ تو ایثار و قربانیوں کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ملتِ ابراہیمیؑ کی اصل بنیاد قربانی ہے۔ اسی لئے اگر اسکو ایثار و قربانی کا مذہب کہا جائے تو یہ کوئی غلط بات نہ ہوگی۔

اسلام کے ماہِ اوّل محرم الحرام میں جہاں حضرت حسینؓ کی عظیم قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے وہاں آخری مہینہ ذی الحجۃ الحرام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عدیم المثال قربانی خون میں حرارت اور دلوں میں گداز پیدا کردیتی ہے حق کی حمایت و نصرت کے اسی جذبہ سے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلے نواسے حضرت حسینؓ کو میدانِ کربلا میں بحالت سجدہ جام شہادت نوش فرمانے پر آمادہ کیا تھا اسطرح انہوں نے ثابت کردیا تھا کہ ؎

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

اسلامی تاریخ اس طرح کی ہزاروں شہادتوں اور قربانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ حضرت حمزہؓ نے اپنی جان کی قربانی کچھ اس طرح پیش فرمائی کہ سید الشہداء کہلائے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت ایک عظیم شہادت ہے۔ پھر ہزاروں مہاجرین وانصار کی قربانیاں ہیں۔ بعد کے دور میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی قید و صعوبت کا مثالی کردار ہے اور یہ سلسلہ کسی مقام پر ختم ہونے نہیں پاتا۔ ؎

فطرت سنارہی ہے ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

وہ کون ہے جو حق کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا ہو اور اس کی راہ میں طاغوتی قوتوں نے

رخنہ اندازی نہ کی ہو، اور جس کے لئے اس حامیٔ حق کو عظیم قربانیاں نہ دینی پڑی ہوں حتی کہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر حق ادا کیا اور یوں سمجھا کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس معرکۂ حق و باطل میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ چند بے وقعت سنگریزوں نے ایک عظیم الشان چٹان پر بظاہر غلبہ حاصل کر لیا لیکن بعد میں چل کر اسی ٹوٹی ہوئی چٹان سے ایک شیریں وزمزمہ سنج چشمہ اُبل پڑتا ہے جو ساری فضا کو مترنم بنا دیتا ہے اور اس کی روح میں شیرینی گھول دیتا ہے۔

جہاں پر ان عظیم قربانیوں کے دور اس اثرات مرتب ہوئے وہیں خود ان قربانی دینے والوں کی شانِ جلالت ارفع و اعلیٰ ہو گئی۔ پھر یہ زندگیاں اسی نہیں تھیں کہ ان کے نقوش کو مٹادیا جاتا یا بھلا دیا جاتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا احترام ان کی عقیدت اور انکی عظمت محبت کروڑوں انسانوں کے دلوں میں بطور امانت اور ایک متاعِ بے بہا کے آج بھی موجود ہے۔

ان قربانیوں کے پیچھے جو جذبۂ خلوص وللّٰہیت کام کر رہا تھا وہ خدا کے نزدیک اتنا مقبول اور اتنا پسندیدہ ہوا کہ اس نے ان آزمائشوں سے استقامت و ثبات قدمی اور صبر ورضا کے ساتھ گزرنے والوں کے اسوۂ حمیدہ کو لوگوں کے لئے نمونہ عمل بنا دیا۔ انھیں خاصانِ خدا میں ایک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ انکی اس طرح کی عظیم قربانیوں کے واقعات ہر سہ کتب سماوی توریت، انجیل، اور قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں کی ۶۳ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے۔ قصص القرآن حصہ اول از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

یہی وہ مجد دِ انبیاء ورسل ہیں جو بنی اسرائیل اور مسلمان سبھی کے یہاں قابل صد احترام ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ خصوصیت ہے کہ جنہیں راہِ عزیمت میں بڑی سے بڑی قربانیوں سے گزرنا پڑا اور ان میں کامیاب وکامران ہو کر رتبۂ خلیل سے مشرف ہوئے۔

پہلی آزمائش تو یہ تھی کہ نمرود نے ابلاغ حق کے جرم میں انھیں دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ صد آفرین! جنونِ عشق کہ انکے پائے استقلال میں ذرہ برابر لرزش نہیں ہو پائی.. اور عشقِ خداوندی میں وہ اپنے آپ کو نذرِ آتش کر دیتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

پھر دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ جلا کر خاکستر کر دینے والے آگ کے شعلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بردو سلام بن جاتے ہیں اور آگ بانداز گلستاں ہو جاتی ہے ؂

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دوسری آزمائش کی گھڑی وہ تھی جبکہ امتثالِ امر الٰہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے کم سن اور اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور انکی والدہ حضرت ہاجرہ کو ایک لق ودق اور بے آب وگیاہ میں چھوڑ کر آنا پڑا تھا۔ ۸۶-۸۷ سال۱؎ کی عمر تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں نیک وصالح فرزند کے لئے دعا کی تھی جو قبول ہوئی۔ اسی لئے بچہ کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا عبرانی میں اس کا تلفظ شماع ایل ہوتا ہے۔ عبرانی کے 'شماع' اور عربی کے 'اسمع' کے معنی ہیں 'سن' اور 'ایل' کے معنی اللہ چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سن لی تھی۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا---- خیر! ان دعاؤں اور تمناؤں کے ثمر، گھر کے چشم وچراغ اور اکلوتے شیر خوار بچہ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آتے ہیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ کہیں شفقتِ پدری جوش میں نہ آجائے اور امتثال امر الٰہی میں لغزش نہ ہو جائے۔ یہ کس کی جرأت وہمت کا کام تھا؟ بلاشبہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شانِ جلالت اور علوئے مرتبت ہی کا حصہ تھا۔

بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو خانۂ کعبہ کے پاس زمزم کے موجود مقام سے بالائی حصہ پر چھوڑا گیا تھا۔ اور انکے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی چھوڑی تھی۔ جب یہ پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں تو دونوں کی حالت دگر گوں ہونے لگی۔ حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں کوہِ صفا پر چڑھ جاتی ہیں کہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ پھر دوسری

۱۔ عمروں کے سلسلہ میں قصص القرآن کے مباحث پر اعتماد کیا گیا ہے۔

طرف کی پہاڑی 'مروہ' پر چڑھ جاتی ہیں۔ بیچ کے میدان میں ایک گڑھا سا تھا وہاں پہونچیں تو کچھ نظر نہ آتا تھا اس لئے اتنا حصہ دوڑ کر طے کرتی تھیں اس طرح صفا و مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہؓ نے سات چکر لگائے۔ اللہ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ بطور یادگار اس کو باقی رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ یہی وہ سعی بین الصفا و مروہ ہے جو لوگ حج میں کرتے ہیں۔

----سیرت النبی میں یہ بات بھی مرقوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب ذبح کرنے کے لئے چلے تو اپنا رخت سفر صفا پر چھوڑ دیتے ہیں اور درمیان کا میدانی حصہ دوڑ کر طے کرتے ہیں اور مروہ پر پہونچ کر خدا کے حکم کو پورا کرتے ہیں۔ سعی بین الصفا والمروہ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔----- آخری مرتبہ جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی یہ آواز دینے والے خدا کے برگزیدہ فرشتہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تھے۔ انہوں نے اس جگہ اپنا بازو مارا جہاں آج چاہِ زمزم ہے۔ اسی وقت وہاں سے پانی ابلنے لگا۔ یہی وہ پانی ہے جو بہت مبارک ہے اور متبرک ہے اور جسے حجاج کرام، سوغاتِ حجاز کے طور پر اپنے ساتھ لاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوڑ کر جاتے وقت حضرت ہاجرہؓ نے پورے ایمان و توکل کے ساتھ کہا تھا کہ "اگر اللہ کے حکم سے ہمیں اس جگہ چھوڑا گیا ہے تو ہمیں کسی بات کا غم نہیں۔ بلا شبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کریگا" اللہ اللہ حضرت ہاجرہؓ کا یہ یقین، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ایثار رنگ لاتے ہیں۔ خدا انھیں ضائع کرتا ہے نہ برباد۔ بلکہ انکی ایک ایک ادا کو زندہ و تابندہ رکھنے کا انتظام ہوتا ہے۔ چاہِ زمزم جب تک باقی رہیگا اور سعی بین الصفا والمروہ کا عمل جب تک جاری رہیگا، اس عظیم واقعہ کی یاد دلاتا رہیگا۔

ان دونوں کٹھن منزلوں سے گزرنے کے بعد اب تیسرا امتحان ہے جو پہلے دونوں امتحانوں سے بھی زیادہ سخت ہے، زہرہ گداز اور جاں گسل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء علیہم السلام کا خواب رویائے صادقہ اور وحیِ الٰہی ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیکر رضاء تسلیم بن کر تیار ہو جاتے ہیں اور اپنے بیٹے سے اپنا خواب اور خدا کا حکم سناتے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ جن کے لئے ذبیح اللہ کا شرف مقسوم ہو چکا تھا[1] فرماتے ہیں ---- اے

---

[1] یہود کا دعویٰ ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق تھے۔ لیکن خود تورات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ذبیح اللہ کا شرف حضرت اسماعیلؑ ہی کو حاصل ہے اس سلسلہ کی منطقی واستدلالی مگر دلچسپ بحث قصص القرآن میں ملاحظہ فرمایئے۔

میرے باپ اگر خدا کا یہی حکم ہے تو اسکو پورا کر دیجئے انشاء اللہ آپ مجھکو صابرین میں سے پائیں گے'۔۔ تقریباً سو سال کا بوڑھا باپ '۱۳-۱۴ سال کے سعادت مند بیٹے کو جنگل کی طرف لے جاتا ہے کہ اسکے حلق پر چھری پھیر کر اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ کہتے ہیں کہ ان موقعوں پر شیطانِ رجیم نے انکے دل میں وسوسہ ڈالا۔[۱] انھوں نے لعنت کے اظہار کے طور پر اس کو رجم کیا جس کے لفظی معنی کنکریاں مارنے کے ہیں۔ اسی لئے شیطان کو رجیم یعنی کنکریاں مارا ہوا کہتے ہیں۔ آج بھی حج کے موقع پر یہ عمل اسی انداز میں ہوتا ہے الغرض مروہ[۲] پہاڑی پر پہونچ کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پیر ایک مذبوح جانور کی طرح باندھتے ہیں۔ چھری کو تیز کرتے ہیں۔ اور پیشانی کے بل لٹا کر ذبح کرنے لگ جاتے ہیں شاید ہی دنیا نے ایسا حیران کن منظر دیکھا ہو۔ اس خلوص وللہیت نے رحمتِ خداوندی کو کتنا موجزن کیا ہوگا اسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا فوراً اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو جاتی ہے

اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

بے شک یہ بڑی سخت اور کٹھن آزمائش تھی اب بجائے بیٹے کے پاس کھڑے مینڈھے کو ذبح کیجئے۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں[۳]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ قربانی کیا تھی؟۔۔۔۔۔ یہ محض خون وگوشت کی قربانی نہیں تھی۔ روح ودل کی قربانی، ماسوی اللہ کی قربانی اور اپنے تمام جذبات، خواہشوں اور آرزوؤں کی قربانی تھی۔ اور جانور کی ظاہری قربانی اندرونی نقش کا ظاہری عکس۔

یہی وہ قربانی ہے جسکو 'ذبحِ عظیم' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ قربانی اللہ کے

---

۱ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے اور اس پر رجم کرنے کا واقعہ اسوقت پیش آیا تھا جب حضرت ابراہیم مناسک حج ادا کر رہے تھے بڑی جستجو کے بعد بھی حدیث کا حوالہ اس سلسلہ میں حاصل کرنے میں ناکام رہا کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے اور رجم کرنے کا واقعہ حضرت اسمٰعیل کے ذبح کے وقت کا ہے۔ سیرت النبی میں بھی اس واقعہ "کو کہتے ہیں کہ" کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔ لیکن مشہور اسی طرح ہے جیسا کہ مضمون میں لکھا گیا ہے

۲ قصص القرآن میں توراۃ وغیرہ کے حوالوں سے 'مروہ' پر قربانی کی بات کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳ قرآنی الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے خدا کی طرف سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی قربانی کا مطالبہ کیا گیا تھا اسلئے یہ خیال کہ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی غلط ہے۔

نزدیک ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ہمیشہ کے لئے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو سارے عالم اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے اور حج کے موقع پر لائے جانے والے ایک ایک عمل و حرکت سے قرآن کے اس دعوے کی صداقت ظاہر ہوتی ہے کہ اس مقام اور اس گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی یادگار نشانیاں ہیں۔

ان وفاکیشوں، خلوص شعاروں اور جاں نثاروں نے حق بندگی کو کچھ اس طرح ادا کیا کہ آج ان کا اسوہ، عامۃ الناس کے لئے قابل اطاعت نمونۂ عمل بنادیا گیا ہے۔ یہ جاں سپاری و جاں نثاری ایسی ہے کہ جس پر قدسیانِ ملاء اعلیٰ تک رشک کرتے ہیں اور یہی وہ متاعِ گرانمایہ ہے جو بنی نوع انسان کے لئے باعثِ صد افتخار اور مایۂ افتیاز بلکہ ما بہ الامتیاز ہے۔ دراصل اس ایثار نفسی و جاں سپردگی میں وہ کیف و سرور، وہ سوز و گداز اور حلاوت ان مقربانِ الٰہی کو حاصل ہوتی ہے جو انھیں عرفان خود آگہی عطا کردیتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے یہ سرشارِ عشق خداوندی ہو کر شوق و مستی آرزومندی میں نغمہ زن ہو جاتے ہیں ؎

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی
مقامِ بندگی دیکر نہ لوں میں شانِ خداوندی

اللہ تعالیٰ ان انفاسِ قدسیہ کا صحیح اتباع نصیب فرمائے اور وہ ذوق و شوق، وہ ایثار نفسی و جاں سپاری وہ خلوص و للّٰہیت اور ایثار و قربانی کا وہ جذبۂ صادق ہمارے اندر بھی پیدا فرمادے۔ آمین

(دوسری قسط)
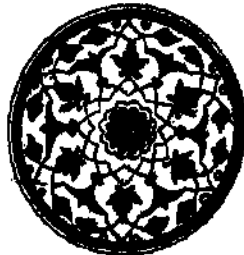
تحریک ختم نبوت

مولانا اقبال رنگونی

مولانا محمد حسین بٹالوی اور قادیانیت

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا کہنا ہے کہ اہل حدیث ۱۸۹۱ء سے مولانا محمد حسین بٹالوی کی قیادت میں سرگرم عمل تھے۔ ہمیں مولانا بٹالوی کی مرزا غلام احمد کی مخالفت سے انکار نہیں لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مولانا بٹالوی مرزا غلام احمد قادیانی کے بہت گہرے دوست تھے۔ مرزا غلام احمد نے بزعم خویش اسلام کی حمایت کے لئے براہین احمدیہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مولانا بٹالوی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مرزا غلام احمد کی زبردست تائید کی بلکہ یہاں تک کہا کہ مرزا غلام احمد کی یہ کتاب بے نظیر ہے اس جیسی کتاب نہ پہلے کسی نے لکھی ہے اور نہ بعد میں کسی سے ممکن ہے کہ ایسا شاہکار پیش کر سکے مولانا بٹالوی کے نزدیک مرزا غلام احمد اسلام کی نصرت کرنے والے اور اسلام کے لئے جانی مالی اور قلمی جہاد کرنے والے تھے۔ مولانا بٹالوی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمایئے۔

ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی جانی و قلمی و لسانی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرق ہائے مخالفین اسلام سے اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑہ اٹھایا ہو (رسالہ اشاعت السنہ ج ۷ ص ۱۶۹)

مولانا بٹالوی کی اس زبردست تائید و تحسین کا نتیجہ کیا نکلا۔ اسے مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے سن لیجئے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

اس سے پیشتر اسی طرح کے اختلاط سے جماعت اہل حدیث کے کثیر التعداد لوگ قادیانی ہوگئے تھے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابتداء میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ان کو الہامی مان کر ان کی موافقت کی اور ان کی تائید میں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں زور دار مضامین بھی لکھتے رہے جس سے جماعت اہل حدیث کے معزز افراد مرزا کی بیعت میں داخل ہوگئے (احتفال الجمہور ص ۲۴)

یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر سوچئے کہ کیا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہما اللہ نے مرزا قادیانی کے ان الہامات کی تائید کی تھی ان پر زور دار مضامین لکھے تھے۔ حضرت گنگوہی کے الفاظ آپ پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ان الہامات میں خاصا خلجان موجود ہے میں اسے ولی نہیں کہہ سکتا کیا حضرت تھانوی نے اس کے الہامات کی تحسین کی تھی؟ کیا مولانا محمد یعقوب صاحب نے اسے لامذہب تک نہیں کہہ دیا تھا؟ یہ کون ہیں جو کھل کر مرزا غلام احمد قادیانی کی مدح و توصیف اور تائید و تحسین پر اتر آئے ہیں اور زور دار مضامین لکھ رہے ہیں کہ جس کی وجہ سے جماعت اہل حدیث کے کثیر التعداد اور معزز افراد قادیانی گود میں گرتے جارہے تھے۔ مولانا ابراہیم صاحب فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ مقتدائے اہل حدیث مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب ہی ہیں۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ اسی براہین میں مرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا الہام تحریر کیا ہے وہ دعوی کرتا ہے کہ براہین احمدیہ میں بیان کئے گئے الہامات میں خدا نے اس کا نام عیسیٰ رکھا تھا مرزا غلام احمد لکھتا ہے۔

یہ الہامات ----- ایسے موقع پر شائع کئے گئے جبکہ یہ علماء میرے موافق تھے یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کردیں (اربعین حصہ ۲ ص ۲۱)

مولانا بٹالوی اسی براہین کی حمایت میں زور دار مضامین لکھ رہے تھے اور اس کے ان الہامات کی زبردست تائید کر رہے تھے۔ یہ فیصلہ ڈاکٹر بہاء الدین کریں گے کہ مرزا غلام احمد کے ان الہامات کی تائید میں کون سرگرم عمل تھا؟

مرزا غلام احمد کے وہ دعوے مولانا بٹالوی نے آسانی سے قبول کر لئے اور اس کی اشاعت میں سرگرم عمل اور شریک سفر بن گئے مگر بعد میں مرزا غلام احمد کی مخالفت کی؟ سوال یہ ہے کہ اب مرزا غلام احمد کی مخالفت کا سبب کیا تھا؟ اس کا جواب ہمیں درج ذیل عبارت میں مل جاتا ہے۔

انہیں (یعنی مولانا بٹالوی صاحب) کو غصہ اس بات پر تھا کہ مجھ سے اپنے دعوے کے متعلق آپ (یعنی مرزا غلام احمد) نے مشورہ کیوں نہیں کیا (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۱۹۰)

اس میں مؤلف تاریخ ہذا دبے لفظوں میں یہ اقرار کر رہا ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے پہلے بیانات اور دعووں میں واقعی مولانا بٹالوی سے مشورہ کیا کرتا تھا ورنہ ان نئے دعووں پر ناراضگی کیسی؟ جس کا آسان سا مفہوم یہ ہے کہ مولانا موصوف سے اگر ان نئے دعووں کے بارے میں مشورہ ہو جاتا تو مخالفت نہ رہتی۔ مؤلف تاریخ نے یہ نہیں بتایا کہ مرزا غلام احمد نے مولانا بٹالوی صاحب سے مشورہ نہ کرنے میں کیا حکمت سمجھی تھی؟ بعض لوگ یہاں ایک تیسرے فریق کا نام لیتے ہیں کہ مسئلہ ان کا تھا (یعنی انگریز جنہوں نے یہ سارا کاروبار اٹھایا تھا) بہر حال یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔

مرزا غلام احمد پر پہلا فتویٰ کفر ۱۸۸۴ء میں

مرزا غلام احمد کی کتابیں اور اس کے عقائد جن بزرگوں کو معلوم نہ تھے انہوں نے فتویٰ کفر دینے میں تردد کیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں حیرت تو ان حضرات پر ہے جو سارے دعاوی کو جانتے ہوئے مرزا غلام احمد کے ساتھ لگے رہے اور اس کی مدح میں رطب اللسان رہے۔ ہاں دور کے علماء جب جب مرزا غلام احمد کے عقائد سے واقف ہوتے گئے انہیں اس کے کفر کا پتہ چلتا گیا تو وہ بغیر کسی تردد کے کفر کا فتویٰ دیتے رہے۔ چنانچہ سب سے پہلے لدھیانہ کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد لدھیانوی صاحب نے مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دیا کہ مرزا غلام احمد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ آپ

خود تحریر فرماتے ہیں کہ
ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ ہجری (بمطابق ۱۸۸۴ء) میں مرزا مذکور کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا جاری کر دیا تھا (فتاویٰ قادریہ ص ۲۰)

پیش نظر رہے کہ براہین احمدیہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی تھی اور مولانا بٹالوی صاحب انھی دنوں اور اس کے بعد بھی اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں مرزا غلام احمد کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہے حتی کہ جب مولانا لدھیانوی کے فتوی کفر کی اطلاع مولانا بٹالوی کو ملی تو انہوں نے اس فتوی کی تصدیق کے بجائے الٹا مخالفت شروع کر دی۔ مولانا لدھیانوی سے ہی سن لیجئے۔

چونکہ یہ شخص (مرزا غلام احمد) غیر مقلدین کے نزدیک قطب اور غوث وقت تھا محمد حسین بٹالوی نے جو غیر مقلدین ہند کا مقتدا مشہور ہے امداد قادیانی پر کمر باندھی اور اپنے رسالہ ماہواری (اشاعت السنہ) میں ہماری مذمت اور قادیانی کی تائید کرتا رہا یعنی کلمات کفریہ کو معاذ اللہ اشاعت السنہ قرار دیتا رہا (فتاویٰ قادریہ ص ۱۷)

آپ یہ بھی لکھتے ہیں

(مولانا بٹالوی) جو اس کا پرلے درجہ کا مددگار تھا اپنے رسالہ ماہواری میں بڑے زور شور سے اس کی تعریف لکھتا تھا اور ہمارے فتویٰ کی تردید چھاپتا تھا (ایضاً ۲۵)

جن دنوں لدھیانہ کے علماء جن کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے تھا اور یہ حضرات دیوبندی ہی تھے) مرزا غلام احمد کے دعاوی کے رد سے اس پر فتوے کفر لگا رہے تھے انہی دنوں مرزا غلام احمد مولانا بٹالوی کے گھر بطور مہمان کے آتے اور مولانا بٹالوی ان کی پر تکلف دعوت کرتے تھے۔ تاریخ احمدیت کا مولف لکھتا ہے کہ

جون ۱۸۸۷ء (یعنی علماء لدھیانہ کے فتوی کے تقریباً تین سال بعد) قادیان سے انبالہ جاتے ہوئے حضور (یعنی مرزا غلام احمد) اہل و عیال سمیت مولوی محمد حسین بٹالوی کے مکان پر ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے حضرت اقدس اور آپ کے اہل بیت کی پر تکلف دعوت بھی کی تھی (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۱۴۷)

علماء لدھیانہ کے فتویٰ کفر کی تصدیق ان حضرات نے بھی کی جن تک مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات پہنچ چکے تھے اب جبکہ اکثر علماء مرزا قادیانی کے کفر پر تصدیق و دستخط

کرنے لگے تو مولانا بٹالوی صاحب کو بھی جھکنا پڑا اور انہیں بھی فتویٰ کفر دینا پڑا۔ مولانا لدھیانوی کی یہ عبارت قابل غور ہے۔

جب محمد حسین لاہوری نے یہ خیال کیا کہ علماء حرمین اور اکثر علماء ہند نے قادیانی کی تکفیر پر مولویان لدھیانہ کے ساتھ - جن کے میں برخلاف ہوں - تو اب مجھ کو بھی مناسب یہی ہے کہ قادیانی کی امداد سے دست بردار ہو کر اس کی تکفیر پر کمر باندھ لوں (ایضاً ص ۱۸)

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب ۱۸۹۱ء سے مولانا بٹالوی کو سرگرم عمل بتا رہے ہیں مگر علماء لدھیانہ کا فتویٰ کفر تو ۱۸۸۴ء میں سامنے آگیا تھا گویا سات سال بعد مولانا بٹالوی سرگرم عمل ہوئے۔ ہم یہاں یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ مولانا بٹالوی صاحب کو ابھی تک مرزا کے عقائد کا پتہ نہیں چلا تھا۔ اس لئے کہ مرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمدیہ مولانا بٹالوی کے سامنے تھی آپ اس پر زوردار مضامین لکھ رہے تھے اس کی تائید کر رہے تھے اسی کتاب میں مرزا غلام احمد کا بقول اس کے مسیح موعود کا دعویٰ موجود تھا۔ بات یہاں تک نہیں بلکہ جب علماء لدھیانہ نے فتویٰ کفر دیا تو مولانا بٹالوی نے اس کی حمایت کرنے کے بجائے الٹا اس کی مخالفت کی اور اس فتویٰ کی مذمت میں مضمون لکھتے رہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ مولانا بٹالوی کی یہ قائدانہ شان آخر کس کی حمایت میں تھی؟

عجیب بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے دوست مولانا بٹالوی نے جو سات سال کے بعد کچھ سرگرمی دکھائی بھی تو وہ بھی نرم گوشہ اختیار کرنے لگی اور اپنے فتویٰ کفر سے رجوع کر لیا۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں یہ دستخط کیے کہ میں آئندہ مرزا غلام احمد کو کذاب اور کافر نہیں کہوں گا۔ قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے پیشوا مولوی محمد علی کہتے ہیں کہ

مولوی محمد حسین بٹالوی نے --- اپنے فتویٰ کفر سے رجوع کیا اور ۱۸۹۹ء میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں اس اقرار نامے پر دستخط کیے ہیں کہ میں آئندہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کاذب اور دجال نہیں کہوں گا (مغرب میں تبلیغ اسلام ص ۱۶۱)

محمد علی یہ بھی لکھتا ہے

مولوی محمد حسین نے یہ اقرار کیا کہ میں آئندہ مرزا صاحب کو کافر کاذب اور دجال نہیں کہوں گا (ضرورت مجدد ص ۳۲)

مولانا بٹالوی کا یہ اقرار نامہ کسی خفیہ جگہ کی کارروائی نہیں ڈسٹرک مجسٹریٹ کی عدالت میں تھا اور باقاعدہ دستخط کے ساتھ تھا۔ اہل حدیث علماء نے مولوی محمد علی لاہوری کے اس بیان کی تردید نہیں کی کیونکہ مسئلہ کھلا ہوا تھا اور ہر ایک کو معلوم ہو چکا تھا کہ مولانا موصوف عدالت میں کیا سرگرمی دکھا آئے ہیں یہ تو گورداسپور کے عدالت کا اقرار نامہ تھا۔ سیالکوٹ کی عدالت میں کیا ہوا اسے بھی پڑھ لیجئے۔

(بٹالوی صاحب نے) سیالکوٹ کے منصف کی عدالت میں یہ حلفیہ بیان بطور گواہ دیا کہ نہ صرف ان کے نزدیک بلکہ ان کے فرقہ اہل حدیث کے نزدیک احمدی کافر نہیں (مغرب میں تبلیغ اسلام ص ۲۱)

مولانا بٹالوی کا یہ عدالتی بیان صرف ان کا اپنی ذات کے بارے میں نہ تھا پوری جماعت اہل حدیث کی نمائندگی میں تھا کیونکہ آپ اس وقت اہل حدیث کے مقتدا و پیشوا تھے۔ موصوف کا یہ بیان ۱۵/ فروری ۱۹۱۴ء کو اخبار پیغام صلح لاہور میں شائع ہوا (ایضاً ص ۲۱) ہمیں مولانا بٹالوی کے سیالکوٹ کی عدالت میں دیئے گئے بیان کی کوئی تردید نہیں ملتی اور نہ کسی غیر مقلد عالم نے بٹالوی کے اس بیان کو عدالت میں چیلنج کیا تھا کہ یہ ہماری پوری جماعت کا فیصلہ نہیں۔

آپ ہی سوچیں کہ یہ قائدانہ شان کس سرگرم کردار سے جماعت کو مرزا غلام احمد کے قدموں میں ڈال رہی ہے۔

سو اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مرزا غلام احمد کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کرنے والے اور اسے اسلام کا مجاہد قرار دینے والے یہ اہل حدیث حضرات ہی تھے اور علماء لدھیانہ کے فتویٰ کفر کی کھلی مخالفت بھی اسی بزرگ نے کی تھی۔

بات اگر یہیں تک رہتی تو بھی اپنی جگہ لائق افسوس نہ تھی مگر لائق عبرت مرحلہ یہ ہے کہ مولانا بٹالوی کے دو صاحبزادوں نے مرزا غلام احمد کے لڑکے اور قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور قادیان میں تعلیم حاصل کرتے رہے قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ اس بات کی خبر مرزا غلام احمد کو خواب میں ایک الہام کے ذریعہ مل گئی تھی۔ پہلے وہ خواب ملاحظہ کیجئے مرزا غلام احمد لکھتا ہے۔

محمد حسین ہمارے مقابل پر بیٹھا ہے اور اس وقت مجھے اس کا سیاہ رنگ معلوم ہوتا ہے

اور بالکل برہنہ ہے پس مجھے شرم آئی کہ میں اس کی طرف نظر کروں پس اس حال میں (یعنی برہنہ حالت میں) وہ میرے پاس آگیا میں نے اسے کہا کہ کیا وقت نہیں آیا کہ تو صلح کر لے اور کیا تو چاہتا ہے کہ تجھ سے صلح کی جائے اس نے کہا ہاں پس وہ بہت نزدیک آیا اور بغل گیر ہوا۔ (سراج منیر ص ۷۸ روحانی خزائن ج ۱۲ ص ۸۰)

(نوٹ) ہم اس خواب پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے کہ مسئلہ خواب کا ہے البتہ مرزا غلام احمد کی یہ بات کہ کیا تو چاہتا ہے کہ صلح کر لے قابل غور ہے۔ عقائد کا اختلاف صلح سے ختم نہیں ہوتا اور اس میں مصالحت کیسی۔ یہ تصفیہ سے ختم ہوتا ہے۔ صلح تو دنیوی امور سے متعلق ہوتی ہے۔ مرزا غلام احمد کے یہ الفاظ ایک اندرونی راز کا پتہ دے رہے ہیں ہم اسے اس وقت زیر بحث لانا نہیں چاہتے۔

مرزا غلام احمد کا مذکورہ خواب اس کی نہایت ہی اہم کتاب تذکرہ ص ۲۷۲ مطبوعہ ۲۹ / اکتوبر ۱۹۵۶ء پر بھی موجود ہے۔ تذکرہ کا مرتب اس کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ

یہ رویا حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے زمانہ میں پوری ہوئی چنانچہ حضور (یعنی مرزا بشیر الدین محمد) فرماتے ہیں کہ

جب میرا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ندامت پیدا کی چنانچہ میں ایک دفعہ بٹالہ گیا وہ خود مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور میں نے دیکھا کہ ان پر سخت ندامت طاری تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس رویا کو اس رنگ میں بھی پورا کر دیا کہ ان کے دو لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی (الفضل ج ۲۳ نمبر ۱۶۸، ۲۰ / جولائی ۱۹۴۴ء ص ۲- تذکرہ ص ۲۷۲ حاشیہ)

ندامت کے اثرات چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ آثار اسی وقت معلوم ہوتے ہیں جب کوئی سامنے دیکھ رہا ہو ہمیں معلوم نہیں کہ مولانا بٹالوی پر ندامت کے آثار تھے یا نہیں لیکن مرزا بشیر الدین کا یہ بیان کہ مولانا بٹالوی کے دو لڑکے اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے بہت کچھ اگل کر رکھ دیتا ہے۔ الفضل ۲۰ / جولائی ۱۹۴۴ء میں صفحہ ۲ پر یہ بیان چھپا ہے۔ ہم اہل حدیث علماء کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ مرزا بشیر الدین کے اس بیان کی تردید کہیں شائع ہوئی ہو تو ازراہ کرم اسے شائع کر دیں۔ جو احباب اہل حدیث علماء کی کتابیں پڑھتے ہیں ان سے بھی یہی گذارش ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات ان کی نظر سے

گذری ہو تو اس کی فوٹو کاپی ہمیں ارسال فرماکر مشکور فرمائیں۔

حاصل یہ کہ ڈاکٹر بہاؤالدین کا یہ دعویٰ کہ مولانا بٹالوی ۱۸۹۱ء سے قادیانیوں کے خلاف قائدانہ شان ادا کر رہے تھے اور بڑے سرگرم عمل تھے مذکورہ بالا حوالجات کی رو سے بالکل غلط نظر آتا ہے اگر ڈاکٹر صاحب موصوف صرف اسی بات پر اکتفا کر لیتے تو ہم اسے انہی کے الفاظ میں اپنے بزرگوں سے عقیدت کے زیر اثر آیا ہوا بیان سمجھ لیتے مگر جب بات دوسرے مسلک کے بزرگوں کی تحقیر و تضحیک اور حقائق کو مسخ کرنے تک جا پہنچے تو ہمیں بھی مجبوراً کچھ رازوں سے پردہ اٹھانا پڑتا ہے۔

نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں نہ تم طعنے ہمیں دیتے نہ ہم اظہاریوں کرتے

شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب اور مرزا غلام احمد قادیانی

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے غیر مقلدوں کے پیشوا شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ موصوف اولاً قادیانیوں کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ ہمیں مولانا نذیر حسین صاحب کی ان خدمات سے انکار نہیں اور نہ ہی اس بات کے ہم منکر ہیں کہ مرزا غلام احمد نے مولانا موصوف کو بازاری گالیاں دیں۔ لیکن اس بات کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا بٹالوی کی طرح مولانا نذیر حسین صاحب نے بھی مرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمدیہ کی مدح و توصیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا مرزا غلام احمد لکھتا ہے کہ

مولوی محمد حسین بٹالوی نے (براہین احمدیہ کا) ریویو لکھا اور جابجا قبول کیا کہ یہ الہامات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں بلکہ انکے استاد میاں نذیر حسین دہلوی نے چند گواہوں کے روبرو براہین احمدیہ کی نسبت جس میں یہ الہامات تھے حد سے زیادہ تعریف کی اور فرمایا کہ جب سے اسلام میں سلسلہ تالیف و تصنیف شروع ہوا ہے براہین کی مانند افاضہ اور فضل و خوبی میں کوئی ایسی تالیف نہیں ہوئی (اربعین ۲ ص ۵ روحانی خزائن ج ۱۷ ص ۳۵۱)

مرزا غلام احمد کی یہ تحریر ۷ ستمبر ۱۹۰۰ء کی ہے اور مولانا نذیر حسین ابھی حیات تھے (آپ کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی) آپ نے یا آپ کے شاگرد رشید مولانا بٹالوی صاحب نے مرزا غلام احمد کے اس بیان کو چیلنج نہیں کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ براہین احمدیہ ہی نہیں اس کے مولف کو بھی داد تحسین پیش کر رہے تھے۔ مولانا موصوف کے اس بیان کی

تائید میں آپ کے شاگرد رشید مولانا بٹالوی کا بیان آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب انتہائی ضعف اور بڑھاپے کی حالت میں بھی مرزا غلام احمد کا نکاح پڑھانے کے لئے تشریف لائے تھے اور آپ کی یہ تشریف آوری ڈولی پر ہوئی تھی۔ تاریخ احمدیت کا مولف لکھتا ہے

آسمانی دولہا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام دو خادم کی مختصر سی بارات لے کر دلی پہنچے خواجہ میر درد کی مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے گیارہ سو روپیہ مہر پر نکاح پڑھا جو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے اور ڈولی میں بیٹھ کر آئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقعہ پر مولوی صاحب کو ایک مصلی اور پانچ روپیہ بطور ہدیہ دئے (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۵۶)

ہم نہیں کہتے کہ مولانا موصوف صرف ایک مصلی اور پانچ روپیہ کے لئے یہ تکلیف اٹھا رہے تھے۔ نہیں۔ آپ ہی سوچیں کہ انتہائی ضعف اور بڑھاپے کی حالت میں ڈولی پر بیٹھ کر نکاح پڑھانے کے لئے آپ کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ کی یہ ساری محنت ایک دوست کے لئے تھی آپ نہیں چاہتے تھے کہ دوست کی اس خوشی میں شریک نہ ہوں اور خود نکاح پڑھانے سے محروم رہ جائیں۔

پیش نظر رہے کہ مرزا غلام احمد کا یہ نکاح ۱۳۰۲ھ میں ہوا تھا (ایضاً ص ۵۶) جبکہ لدھیانہ کے علماء کی جانب سے مرزا غلام احمد پر فتوی کفر ۱۳۰۱ھ میں لگ چکا تھا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مولانا نذیر حسین صاحب کے متعلق ہر کوئی جانتا تھا کہ آپ اہل حدیث ہیں اب یہ بات آپ سوچیں کہ اہل حدیث علماء کو کون لوگ عموماً نکاح پڑھانے کیلئے بلاتے ہیں۔ اس سے آپ مرزا غلام احمد کے فقہی موقف کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

اب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب ہی بتلائیں گے کہ مرزا غلام احمد پر فتوی کفر لگے ایک سال کا عرصہ ہو چلا تھا مگر پھر بھی آپ اس کا نکاح پڑھا رہے تھے آخر اس کردار میں کونسی قائدانہ شان پائی جاتی ہے جس پر ڈاکٹر صاحب دوسروں پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اور قادیانیت

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مابین نوک جھونک اور

گرماگرمی کے واقعات کسی سے مخفی نہ ہوں گے اور ہم کو بھی اس سے اختلاف نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ مولانا موصوف کی یہ ساری جدو جہد مرزاغلام احمد اور اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین کے خلاف تھی اور اس کی وجہ وہ خود زیادہ جانتے ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ آپ مرزا غلام احمد کو اس کے دعووں میں کیا سمجھتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو آپ مرزا غلام احمد کو جھوٹا اور دغاباز کہتے تھے مگر آپ نے قادیانیوں کو کافر کہنے میں ہمیشہ تردد اور تامل کیا۔ قادیانیوں کے بارے میں مولانا موصوف کا یہ وہ نرم گوشہ ہے جس نے مولانا موصوف کی دوسری نوک جھونک کا راز خود بخود فاش کر دیا ہے۔

لاہوری جماعت کا پیشوا اور مرزا غلام احمد کا مرید خاص مولوی محمد علی لکھتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی احمدیوں کو کافر نہیں کہتے (مغرب میں تبلیغ اسلام ص ۲۱ حاشیہ)

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ بیان قادیانیوں کی لاہوری جماعت کا ہے جو ہمارے لئے حجت نہیں۔ بیشک یہ بیان مولوی محمد علی کا ہے لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب خود بھی تو یہ ہی کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہو لیکن آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درجہ والذین معہ کا ہے سب شریک ہیں اس لئے گو ان میں باہمی سخت شقاق ہو مگر اس نقطہ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحماء ہونا چاہئے۔ مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے میں ان کو بھی اس میں شامل جانتا ہوں (اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء)

مولانا موصوف نے اس بیان میں بڑی صراحت کے ساتھ مرزائیوں کو اسلامی فرقوں میں شامل کیا ہے اور نقطہ محمدیت میں انہیں ساتھ رکھا ہے۔ یہاں اس بات پر بھی غور فرمایئے کہ مولانا موصوف گو کہ مرزائیوں کے بڑے مخالف تھے مگر پھر بھی انھیں اسلامی فرقوں میں شامل کرتے ہیں اب سوچئے کہ یہ مخالفت کس بات کی تھی ؟ اگر مخالفت مرزاغلام احمد کے کافر ہونے کی بناء پر تھی تو قادیانیوں کو اسلامی فرقوں میں شامل کرنے کے کیا معنی ؟

(نوٹ) مولانا موصوف کی یہ تحریر اس وقت کی ہے جب کہ مرزا غلام احمد کی موت کو سات سال ہو رہے تھے۔

حضرت تھانوی کا یہ لکھنا کہ ابھی مجھے اس کی تحقیق نہیں مرزا غلام احمد کی وفات سے پہلے کا ہے اور مولانا ثناء اللہ امر تسری کا فتوی کہ قادیانی اسلامی فرقہ ہے مرزا کی وفات کے سات سال بعد کا ہے ڈاکٹر بہاء الدین کو حضرت تھانوی کا لکھنا اور اس پر تبصرہ کرنا تو یاد رہ لیا مگر مولانا امر تسری کا قادیانیوں کو مسلمان کہنا کیوں یاد نہیں آیا۔ مولانا امر تسری تو ماشاء للہ اہل حدیث تھے حنفی تو نہ تھے؟

مولانا موصوف نے یہ بات اپنے اخبار اہل حدیث ہی میں نہیں لکھی بلکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ عبداللہ روپڑی صاحب کے خلاف لکھے جانے والے ایک رسالہ میں بھی اپنے قلم سے تحریر فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

حافظ عبداللہ روپڑی اور ان کے نامہ نگار کے نزدیک متقی کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ کوئی ردائرہ اتنا تنگ نہ ہوگا غیر مسلم تو متقی کی تعریف سے بالبداہت خارج ہیں مسلم فرقوں میں سے رافضی، خارجی، معتزلہ، قادیانی، عرشی، فرشی وغیرہ سب لوگ غیر متقی ہیں (مظالم روپڑی ص ۳۷ مطبوعہ امر تسر)

مولانا موصوف کی یہ تحریر ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ بمطابق ۱۷ مئی ۱۹۴۰ء کی ہے یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی موت (۱۹۰۸ء) کے ۳۲ سال بعد بھی آپ مرزائیوں کو مسلم فرقوں میں بتلاتے ہیں۔

یہاں یہ بھی دیکھیں کہ ان کے ہاں ایمان مقدار میں بھی گھٹتا بڑھتا ہے۔ مولانا موصوف بتلاتے ہیں کہ قادیانیوں کا ایمان گو بہت گھٹا ہوا ہے لیکن ہیں تو مسلمان (انا للہ وانا الیہ راجعون) جبکہ ہمارے ہاں ایمان صرف قوت و ضعف کی بناء پر بڑھتا یا کم ہوتا ہے مومن بہ امور کے اعتبار سے ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں ختم نبوت مومن بہ امور میں سے ہے سکا منکر کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے بیان میں آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ قادیانی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز نہیں۔ تمام اکابر دیوبند اور دیگر سب علماء کا اس پر اتفاق ہے مگر مولانا ثناء اللہ صاحب نے انہی دنوں یہ فتوی جاری فرمایا کہ

اگر عورت مرزائن ہے تو اور علماء کی رائے ممکن ہے مخالف ہو میرے ناقص علم میں
ح جائز ہے (اخبار اہل حدیث امرتسر ۲۰ نومبر ۱۹۳۴ء)
مولانا موصوف کا یہ فتوی انہی دنوں کیوں شائع ہوا جب بہاول پور میں مسلمانوں اور
دیانیوں کے درمیان تاریخی مقدمہ عدالت میں زیر بحث تھا۔
۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ بہاول پور کی ایک مسلمان خاتون نے بہاول پور کی عدالت
ں دعویٰ دائر کیا کہ اس کا شوہر قادیانی ہو چکا ہے اس لئے اسکا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ سات
ال تک یہ مقدمہ بہاول پور کی ماتحت عدالتوں میں چلتا رہا پھر ۱۹۳۳ء میں دونوں طرف
کے علماء کی شہادتیں لی گئیں۔ اس مقدمہ میں قادیانی بیت المال دولت لٹا رہا تھا اور یہاں
سلمان خاتون غریب تھی بہاول پور کے مسلمانوں کی انجمن مؤید الاسلام نے یہ ذمہ داری
پنے سر لی اور شیخ الجامعہ کی سرپرستی میں علماء دیوبند کو شہادت کے لئے دعوت دی گئی ان
نوں محدث العصر مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ ڈابھیل میں صدر مدرس تھے
ر صاحب فراش تھے مگر مسئلے کی نزاکت اور عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اسی حالت
میں بہاول پور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضٰی حسن
صاحب چاند پوری اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے۔ ان
حضرات کا یہاں قیام تقریباً ۲۵ دن رہا اور عدالت میں تین دن مسلسل بیانات ہوئے۔
مقدمہ کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو سنایا گیا اور جج نے اس قادیانی کو مرتد قرار دیتے ہوئے
نکاح فسخ کرنے کا فیصلہ دیا۔ اس مقدمہ میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی ملی اور سب علماء اہل
سنت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

قابل غور بات یہ ہے کہ انہی دنوں جب یہ تاریخی مقدمہ چل رہا تھا اس فتوی کی کیا
ضرورت پیش آگئی تھی کہ مرزائی عورت سے نکاح جائز ہے۔ آپ ہی سوچیں کہ مولانا ثناء
اللہ کا یہ فتوی کہ قادیانی عورتوں سے نکاح گو سب کے نزدیک ناجائز ہو مگر انکے نزدیک جائز
ہے۔ اس سے اس تاریخی مقدمہ پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے یہ کسی صاحب علم سے مخفی
نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت کسی نے مولانا موصوف کے اس فتوی کو کوئی اہمیت نہ
دی۔ لیکن یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ مولانا موصوف (بقول ڈاکٹر بہاء الدین) قادیانیوں کے
بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے یا یہ انکی ایک طرح سے حمایت کر رہے تھے۔

(۳) پھر مولانا موصوف نے یہ فتویٰ بھی شائع فرمایا کہ قادیانیوں کے پیچھے نماز جائز ہے آپ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے نماز جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی (اخبار اہل حدیث ۱۲/ اپریل ۱۹۱۵ء)

مولانا موصوف کا یہ فتویٰ بھی اس وقت کا ہے جبکہ مرزا غلام احمد کو مرے ہوئے سات سال ہو گئے تھے۔ مولانا موصوف نے قادیانیوں کے پیچھے نماز کے جائز ہونے کا جو کھلا فتویٰ دیا تھا اس کا اعتراف دوسرے غیر مقلد علماء نے بھی کیا ہے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے قادیانی کی اقتداء کو جائز کہہ دیا ہے (فیصلہ مکہ ص ۷ حاشیہ)

جمعیت اہل حدیث ہند کے سیکریٹری مولانا عبدالعزیز صاحب کو بھی یہی شکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ

آپ نے (یعنی مولانا ثناء اللہ صاحب نے) فتویٰ دیا ہے کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے (ایضاً ص ۳۶)

مولانا موصوف مرزائیوں کو مسلم فرقوں میں سے سمجھتے رہے مرزائن عورتوں سے نکاح جائز کہتے رہے اور قادیانیوں کے پیچھے نماز درست ہونے کا فتویٰ دیا سوال یہ ہے کہ کیا مولانا موصوف نے کبھی ان کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ قادیانی مبلغین کا کہنا ہے کہ انہوں نے نماز بھی پڑھی تھی۔ ہمیں قادیانی علماء کی اس بات پر یقین نہ تھا مگر کیا کیجئے جمعیت اہل حدیث ہند لاہور کے سیکریٹری جنرل مولانا عبدالعزیز بھی یہی بات لکھتے ہیں اور مولانا کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ

آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی آپ مرزائی کیوں نہیں (فیصلہ مکہ ص ۳۶)

علماء امت کا اتفاق ہے کہ جس طرح قادیانی کافر ہیں اسی طرح لاہوری قادیانی بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ معلوم نہیں کہ مولانا موصوف کس لیے انکے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

مولانا موصوف نے نہ صرف یہ کہ مرزائیوں کی اقتداء کو جائز کہہ دیا بلکہ آپ نے ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی کی وفات پر اسے لفظ مرحوم سے بھی یاد کیا۔ لاہوری جماعت کے ایک اہم رکن اور مرزا قادیانی کو مجدد اعظم کہنے والے اور مرزا قادیانی کو ماننے والے ڈاکٹر بشارت کی وفات پر مولانا موصوف نے اپنے اخبار میں یہ تبصرہ لکھا کہ

ڈاکٹر بشارت احمد رکن جماعت احمدیہ لاہور کافی عمر پا کر انتقال کر گئے ---- مرحوم میں ایک خاص وصف تھا کہ میاں محمود خلیفہ قادیان کو کھری کھری سنانے میں باک نہیں محسوس کرتے تھے اس لئے ہمیں بھی انکے انتقال پر افسوس ہے اور انکے متعلقین سے ہمدردی ہے
(اخبار اہل حدیث امرتسر ۳۰ر اپریل ۱۹۴۴ء)

مولانا موصوف کا اپنے اس تبصرے میں ڈاکٹر بشارت مرزائی کو مرحوم کے لفظ سے یاد کرنا واضح کرتا ہے کہ مولانا کا مرزائیوں کے بارے میں موقف بڑا نرم تھا۔ کون نہیں جانتا کہ مرحوم کی اصطلاح خاص مسلمانوں کے لئے استعمال ہوتی ہے آپ کا اسے آنجہانی کے بجائے مرحوم کے لفظ سے یاد کرنا بہت افسوسناک بات ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بھی کھلتی ہے کہ مولانا امرتسری صاحب کا مرزائیوں سے مقابلہ دراصل مرزا بشیر الدین کی وجہ سے تھا۔ اگر اختلاف کی وجہ عقیدہ ختم نبوت یا کفر قادیانی ہوتا تو ظاہر ہے کہ جس طرح مرزا بشیر الدین کافر تھا ٹھیک اسی طرح ڈاکٹر بشارت بھی اسی زمرے میں شامل تھا۔ مولانا کا دوسرے فریق کے لئے اتنا نرم گوشہ لائق افسوس نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر مولانا موصوف نے یہ بات کھل کر عدالت میں بھی تسلیم کی' بجائے اسکے کہ ہم کچھ کہیں جمعیت مرکزی اہل حدیث ہند کے سیکریٹری مولانا عبدالعزیز صاحب سے سن لیجئے۔ آپ مولانا ثناء اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آپ نے مرزائیوں کو عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا ہے۔ (فیصلہ مکہ ص ۳۶ مطبوعہ امرتسر)

ہم اس افسوسناک بحث کو آگے لے جانا نہیں چاہتے تاکہ مرزا طاہر ہمارے ان اختلافات سے فائدہ نہ اٹھائے کاش کہ یہ بات ڈاکٹر بہاء الدین نے بھی سوچی ہوتی

ہاں اہل حدیث علماء سے ہم ایک سوال ضرور کریں گے کہ علماء احناف یا علماء دیوبند

میں سے کسی بزرگ کو ابتداء میں اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کا پورا پتہ نہیں چلا اور ابھی تک ان کی تحقیق نہ ہوئی تھی تو اگر انہوں نے اس میں کچھ توقف یا سکوت کیا تو کونسا جرم کر لیا۔ اہل حدیث علماء کو اس کا جواب حدیث سے دینا چاہئے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب علماء دیوبند پر اصل صورت حال واضح ہو گئی تو انہی بزرگوں نے مرزا غلام احمد اور قادیانیوں پر کفر کا فتوی لگایا۔ کیا اس بات کا انکار ہو سکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے مرزا غلام احمد کو کافر کہا؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں پر کفر کا فتوی نہیں لگایا؟

سوال یہ ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کو وہ کونسی مجبوری تھی جس کی وجہ سے انہیں مرزا غلام احمد کو کافر اور کاذب کہنے سے رکنا پڑا۔ وہ کونسی مصلحت تھی جس کی بناء پر فتوی کفر سے رجوع کیا گیا؟ اور عدالت میں انہیں حلفیہ بیان دینا پڑا کہ ان کے اور انکی جماعت اہل حدیث کے نزدیک مرزائی کافر نہیں کیا ان پر بھی مرزا کے عقائد ابھی نہ کھلے تھے؟

اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسری کی مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین سے نوک جھونک اپنی جگہ مسلم لیکن انہیں کونسی مجبوری تھی کہ سالہا سال گذرنے کے باوجود بھی انہوں نے مرزائیوں کو کافر کہنے سے اجتناب کیا انکی عورتوں سے نکاح جائز کہا۔ نماز میں انکی اقتداء جائز قرار دی۔ ان حضرات کے یہ فتاوی اور بیانات انکی زندگی کے اس دور کے ہیں جبکہ مرزائیت بے نقاب ہو چکی تھی اور خود یہ حضرات اسے بے نقاب ہوتے دیکھ رہے تھے۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب غیر مقلد کی اپنے بزرگوں سے عقیدت اور خوش فہمی اپنی جگہ۔ مگر انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنا کیا حماقت نہیں ہے جس کا خمیازہ سالہا سال جماعت اہل حدیث (برطانیہ) کو بھگتنا پڑے گا۔

کیا مرزا غلام احمد کی کتابوں میں صرف اہل حدیث علماء کے نام ملتے ہیں؟

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے مرزا غلام احمد کی کتابوں سے مولانا نذیر حسین دہلوی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کچھ حوالے نقل کئے ہیں۔ ہمیں بھی اس سے قطعا انکار نہیں کہ مرزا غلام احمد نے ان بزرگوں کو گندی گالیاں دی ہیں۔ بیشک دیں اور بدزبانیاں کیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صرف یہ دو چار حضرات ہی مرزا غلام احمد کی بدزبانیوں کا شکار

ہوگیا اس فہرست میں علماء احناف بھی ہیں جنہیں مرزا غلام احمد نے گالیاں دی ہیں ؟ کاش کہ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کچھ اور محنت فرمالیتے اور انکی کتابوں کو کھنگال لیتے تو انہیں اور بھی متعدد نام مل جاتے۔ اس کے بعد وہ بتلاتے کہ کیا یہ سب حضرات اہل حدیث (غیر مقلد) تھے یا یہ بے چارے حنفی بھائی تھے جنہیں مرزا غلام احمد گالیاں دیتا رہا۔

ہم ڈاکٹر بہاء الدین پر یہ سارا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے کیونکہ پہلے ہی وہ کئی بوجھوں کا شکار ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہی چند نام پیش کر دیں جن سے کم از کم ان کا بوجھ کچھ ہلکا ہو کہ - تحریک ختم نبوت شروع کرنے والے کون ہیں اہل حدیث اکابرین یا علماء احناف (ماہنامہ مذکور ص ۳۱ کالم ۲)

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (حنفی)

مرزا غلام احمد نے آپ کے بارے میں جو بدزبانیاں کیں ہم پچھلے صفحات میں انکا ذکر کر آئے ہیں۔

(۲) جناب مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (حنفی)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے آپ کو قادیانی فتنہ کے ظہور سے پہلے ہندوستان بھیجا تھا آپ حنفی المسلک تھے۔ مرزا غلام احمد نے اپنی کتابوں میں آپ کے بارے میں جو بدزبانی کی ہے اسے ذیل کے چند حوالوں میں ملاحظہ فرمایئے۔

مرزا غلام احمد نے عربی اشعار میں آپ کے بارے میں لکھا کہ

ترجمہ از مرزا) مجھے ایک کتاب کذاب کی طرف سے پہنچی ہے وہ خبیث کتاب اور بچھو کی طرح نیش زن۔ پس میں نے کہا اے گولڑہ کی زمین تجھ پر لعنت تو ملعون کے سبب سے ملعون ہو گئی پس تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی اس فرومایہ نے کمینہ لوگوں کی طرح گالی کے ساتھ بات کی ہے -- کیا تو اے گمراہی کے شیخ یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے یہ جھوٹ بنالیا ہے --- جب ہم نے دیکھا کہ تیرا دل سیاہ ہو گیا -- تم نے شرک کے طریق کو اپنے دین کا مرکز بنالیا ہے کیا یہی اسلام ہے اے متکبر --- اور میں جانتا ہوں کہ لعنت بازی اور گالی تمہاری عادت ہے اور جو شخص لوگوں کو بار بار کافر کہے گا ایک دن وہ بھی کافر ٹھہرایا جائے گا --- اور زمین میں سانپ بھی ہیں اور درندے بھی مگر سب سے بدتر وہ ہیں جو میری توہین کرتے اور گالیاں دیتے اور کافر کہتے ہیں۔ (اعجاز احمدی ص ۸۴ روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۸۸)

مرزا غلام احمد لکھتا ہے

سیف چشتیائی میں بھی آپ نے چوری کے مال کو اپنا مال قرار دیا --- اے نادان بغیر ثبوت عربی دانی کے میری نکتہ چینی کرنا اور کبھی سرقہ کا الزام دینا اور کبھی صرفی نحوی غلطی کا۔ یہ صرف گوہ کھانا ہے اے جاہل بے حیا --- وہ لعنتی کیڑا ہے نہ آدمی --- اس قسم کے خبیث طبع ہمیشہ ہوتے رہے ہیں --- پیر مہر علی شاہ محض جھوٹ کے سہارے سے اپنی کوڑ مغزی پر پردہ ڈال رہے ہیں اور وہ نہ صرف دروغ گو ہیں بلکہ سخت دروغ گو -- پیر مہر علی شاہ نے مجھے مفتری ٹھہرایا ہے اور چور قرار دیا ہے اور بار بار بطور مباہلہ میرے پر لعنت بھیجی ہے (نزول المسیح ص ۶۵ تا ۷۰ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۴۴۳ تا ۴۴۶)

(۳) پیر مہر علی شاہ نے جو علاوہ کمالات پیری کے علمی توغل کا بھی دم مارتے ہیں اور اپنے علم کے بھروسہ پر جوش میں آکر انہوں نے میری نسبت فتویٰ تکفیر کو تازہ کیا اور عوام کو بھڑکانے کے لئے میری تکذیب کے متعلق ایک کتاب لکھی (اربعین ۴ ص ۷ ۱۳ روحانی خزائن ۱۷ ص ۹ ۷ ۴)

(۴) پیر مہر علی شاہ نے اپنی کتاب میں میرے مقابل پر لعنته الله علی الكاذبين کہا وہ معاجرم سرقہ میں اس طرح گرفتار ہوا کہ اس نے ساری کتاب محمد حسن مردہ کی چرالی اور کہا کہ میں نے بنائی ہے اور جھوٹ بولا۔

پھر اس کے حاشیہ میں لکھا کہ

میری طرف سے ایک زبردست کتاب تالیف ہو رہی ہے جس کا نام نزول المسیح ہے جس سے تنبور چشتیائی پاش پاش ہو کر اس میں صرف گرد و غبار رہ جائے گی کہ جو مہر علی کی آنکھوں پر پڑے گی اور اس کی زندگی کو تلخ کر دے گی (تحفہ الندوہ ص ۱۱ روحانی خزائن ۱۹ ص ۹۹)

مولانا سعد اللہ لدھیانوی (حنفی)

مولانا سعد اللہ لدھیانوی لدھیانہ کے مشہور عالم تھے لدھیانہ کے علماء دیوبند سب سے پہلے مرزا غلام احمد کے مقابل کھڑے ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں اس پر کفر کا فتویٰ دیا کیونکہ انہوں نے مرزا غلام احمد کی کتابیں بذات خود دیکھی تھیں مرزا غلام احمد لدھیانہ کے علماء

بالخصوص مولانا سعد اللہ لدھیانوی سے بہت پریشان تھا اور بار بار انہیں گندی گالیاں دیتا تھا۔
ذیل میں مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے بارے میں کی گئی بدزبانیاں ملاحظہ کریں۔

مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب انجام آتھم میں لکھے گئے عربی اشعار میں مولانا سعد اللہ کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے اسے پڑھیے ترجمہ مرزا قادیانی کا ہی ہے۔

(۱) اور لئیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے سفیہوں کا نطفہ

(۲) بدگو ہے اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کو ملمع کر کے دکھلانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعد اللہ رکھا ہے

(۳) تیرا نفس ایک خبیث گھوڑا ہے اس کی پیٹھ کی بلندی سے تو خوف کر

(۴) جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بدتر زہریں ہے اور زہر دن سے بدتر صلحاء کی دشمنی ہے (انجام آتھم ص ۲۸۱ روحانی خزائن ج ۱۱- تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۵ روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۴۴۶)

(۲) مرزا غلام احمد لکھتا ہے

ایک نہایت کینہ ور اور گندہ زبان شخص سعد اللہ نام لدھیانہ کا رہنے والا میری ایذا کیلئے کمر بستہ ہوا اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں گالیوں سے بھری ہوئی تالیف کر کے اور چھپوا کر میری توہین اور تکذیب کی غرض سے شائع کیں اور پھر اسی پر اکتفا نہ کر کے آخر کار مباہلہ کیا (چشمہ معرفت حصہ دوم ص ۳۲۱ روحانی خزائن ۲۳ ص ۳۳۶)

(۳) منشی سعد اللہ لدھیانوی بدگوئی اور بدزبانی میں حد سے بڑھ گیا اور اپنی نظم اور نثر میں اس قدر اس نے مجھ کو گالیاں دیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ پنجاب کے تمام بدگو دشمنوں میں سے اول درجہ کا وہ گندہ زبان مخالف تھا (تتمہ حقیقت الوحی ص ۴)

(۴) میں باور نہیں کر سکتا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی نے ایسی گندی گالیاں کسی نبی و مرسل کو دی ہوں جیسا کہ اس نے مجھے دیں چنانچہ جس شخص نے اس کی مخالفانہ نظمیں اور نثریں اور اشتہار دیکھے ہونگے اس کو معلوم ہوگا کہ وہ میری ہلاکت اور نابود ہونے کے لئے اور نیز میری ذلت اور نامرادی دیکھنے کے لئے کس قدر حریص تھا اور میری مخالفت میں کہاں تک اس کا دل گندہ ہو گیا تھا (ایضاً روحانی خزائن ۲۲ ص ۴۳۶)

(۵) ایک جگہ لکھا کہ - ہامان سے مراد سعد اللہ ہے (ضمیمہ انجام آتھم ۵۶)

یگر علماء دیوبند اور علماء احناف پر مرزا غلام احمد کی بدزبانیاں

مرزا غلام احمد نے درج ذیل علماء کو بھی اپنے مخالف قرار دے کر بدزبانیاں کی ہیں
ناب مولانا عبداللہ ٹونکی صاحب، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، شیخ الہ بخش
ز نسوی، شیخ غلام نظام الدین وغیرہ (دیکھئے انجام آتھم ص ۲۵۳) یہ سب علمائے احناف ہی
ہیں۔

پھر مرزا غلام احمد نے جن علماء اور سجادہ نشینوں کو مناظرہ اور مباہلہ کی دعوت دی اور ان
کے خلاف اشتہارات شائع کئے ان میں سے اکثر کے نام انجام آتھم (روحانی خزائن ج ۱۱) کے
ں ۶۹ تا ۷۲ پر موجود ہیں علاوہ ازیں اربعین (روحانی خزائن ج ۱۷) کے شروع میں بھی یہ
م لکھے ہیں ڈاکٹر بہاء الدین صاحب سے درخواست ہے کہ ان ناموں کو ضرور دیکھیں اور خود
بصلہ فرمالیں کہ اس فہرست میں علماء احناف کی اکثریت ہے یا غیر مقلدین علماء کی ؟

ن لکیروں کے درمیان کیا ہے

ڈاکٹر بہاء الدین نے مرزا غلام احمد کی کتابوں سے جو حوالجات نقل فرمائے ہیں ان میں
نض حوالوں کے نقل کرنے میں ڈاکٹر صاحب انصاف نہ کر سکے بعض حوالے ناتمام ہیں اور
یک حوالہ تو انصاف و دیانت سے بہت ہی دور ہے۔

تحفہ گولڑویہ کا جو حوالہ موصوف نے نمبر ۴ میں نقل کیا ہے وہ اس طرح ہے

یاد کرو وہ زمانہ جب ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا اثر
گوں پر پڑ سکے گا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا -- مولوی ابو سعید محمد حسین نے یہ
ذی تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی کو کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگادے اور میرے
ر کی نسبت فتوی دیدے اور تمام مسلمانوں میں میرا نام کافر ہونا شائع کردے مولوی
ر حسین.. جو اول المکفرین بنے بانی تکفیر کے وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے
ام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے (تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن
ج ۱۷ ص ۲۱۵- ماہنامہ صراط مستقیم ص ۱۱ کالم ۱)

مرزا غلام احمد کی اصل عبارت کیا ہے اسے پڑھئے اور اہل حدیث کے اس محقق کی دیانت پر سر دھنیئے۔

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے یہ فتوی تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کو کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگادے اور میرے کفر کی نسبت فتوی دیدے اور تمام مسلمانوں میں میرا کافر ہونا شائع کردے سو اس فتوی اور میاں صاحب مذکور کے مہر سے بارہ برس پہلے یہ کتاب تمام پنجاب اور ہندوستان میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس کے بعد اول المکفرین بنے الخ

ڈاکٹر صاحب نے ان لکیروں کے درمیان کا یہ جملہ (جو بارہ برس کے بعد) کس لئے اڑا دیا ہم اس وقت اس پر بحث نہیں کرتے چونکہ ڈاکٹر صاحب بطور محقق اور مورخ کے یہ مضمون لکھ رہے ہیں اس لئے ہم نے بھی مناسب جانا کہ پورا حوالہ درج کردیا جائے تاکہ آئندہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے مورخین اس بیان کی رو سے بھی کچھ تحقیقی کام کرسکیں۔

مرزا غلام احمد کے بارے میں علماء غیر مقلدین کا موقف کتنا سخت تھا

(۱) گذشتہ صفحات میں آپ یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں غیر مقلدوں کے مقتدا مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا غلام احمد کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کردئے تھے۔ لدھیانہ کے علماء نے جب مرزا غلام احمد پر فتوی کفر لگایا تو مولانا بٹالوی اس پر چپ نہ رہے بلکہ اس فتوی کفر کی مذمت کرتے رہے اور اس کی تردید میں مضامین لکھتے رہے پھر جب بعض وجوہات کی بناء پر انہیں مرزا غلام احمد کو کافر کہنا پڑا تو بھی اپنے اس موقف پر پھر قائم نہ رہ سکے اور عدالتوں میں انہیں مسلمان تسلیم کرآئے۔ مرزا غلام احمد کی دعوتیں بھی ہوئیں اور پر تکلف کھانوں سے اس کا دل بھی بہلایا گیا۔ قادیانی مورخین کے بقول مرزا غلام احمد کے سامنے مولانا بٹالوی نے ندامت کا (یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ندامت اس مجبوراً فتوی کفر کی تھی یا اسکی وجہ کچھ اور تھی) اظہار کیا اور پھر اس بزرگ کے دو صاحبزادے قادیان آئے مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کرکے سب پرانی غلطیوں کی تلافی کردی۔

(۲) مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی شروع میں مرزا غلام احمد کے سخت خلاف رہے مناظرے اور مباہلے تک کی بات ہوتی رہی مگر آخر تک اس موقف پر استقامت نہ دکھا سکے

اور قادیانیوں کو مسلمان کہتے ہوئے انہیں کچھ خدا کا خوف نہ رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عدالت میں انہیں مسلمان مانا۔ ان کے پیچھے نماز جائز کہی۔ انکی عورتوں سے نکاح کو درست سمجھا۔ مشہور اہل حدیث عالم اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سیکریٹری جنرل تو یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ مولانا موصوف نے قادیانیوں کے پیچھے نماز بھی پڑھی ہے۔

(۳) البتہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی باوجودیکہ آپ نے ابتداء اُمرزا غلام احمد کی کتاب براہین احمدیہ کی تعریف کی پھر ۱۳۰۲ھ میں مرزا غلام احمد کا ضعف اور بڑھاپے کی حالت میں نکاح بھی پڑھایا مگر آپ اپنے موقف پر قائم رہے اور مرزا غلام احمد کی موت سے پہلے سفر آخرت اختیار کر گئے۔

(۴) ڈاکٹر بہاء الدین صاحب چونکہ اس تحقیق میں اترے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے بارے میں کون نرم گوشہ رکھتا تھا اور کون ایک طرح سے مرزا غلام احمد کی حمایت کرتا رہا۔ موضوع کی مناسبت سے درج ذیل چند سطور ملاحظہ فرمائیں امید ہے کہ یہ حوالجات بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنی تحقیق انیق میں مددگار ثابت ہونگے۔

مولانا عنایت اللہ اثری اہل حدیث اور قادیانیت

اہل حدیث (غیر مقلد) علماء میں سے مولانا عنایت اللہ صاحب اثری سے کون ناواقف ہوگا آپ گجرات کے معروف غیر مقلد عالم تھے اور جماعت غرباء اہل حدیث کے امام اول مولانا عبدالوہاب ملتانی کے خاص شاگرد تھے۔ قادیانیوں سے آپ کے مراسم دوستانہ رہے ہیں اور قادیانی علماء آپ کے پاس اکثر آیا جایا کرتے تھے انکا بیان ہے کہ انکے ایک استاد قادیانی تھے جو انہیں قادیان کے سالانہ جلسہ میں بھیجا کرتے تھے (دیکھئے موصوف کی خود نوشت سوانح الحبر البلیغ ص ۴) آپ نے بہت سے رسائل بھی لکھے ہیں اور اس میں اپنا موقف بیان کیا ہے یہاں انکے وہ بیانات نقل کیے دیتے ہیں جن سے آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ بزرگ قادیانیوں کے بارے میں کس قدر سخت تھے؟ مولانا موصوف خود لکھتے ہیں

رمضان المبارک سے کچھ روز پیشتر میں نے میاں محمود احمد صاحب (خلیفہ مرزا غلام احمد قادیانی) سے کہا کہ نماز تراویح مسجد اقصیٰ (قادیان) یا کہ مسجد مبارک میں میں پڑھاؤں گا آپ دوستوں میں اعلان فرمادیں موصوف نے فرمایا کہ آپ کی اقتداء میں کوئی نماز نہیں

پڑھتے تھے کہ آپ نے بیعت نہیں کی میں نے عرض کیا کہ بیعت تو سوچ سمجھ کر ہوگی بے سوچے سمجھے بیعت کیسے کرلوں نماز کا تعلق اسلام سے ہے بیعت سے نہیں جب میں آپ کو مسلمان سمجھ کر اقتداء کر رہا ہوں تو آپ کو میری اقتداء میں کون سی چیز مانع ہے فرمایا ہمارا تو کوئی ایماء نہیں۔ تو اپنے طور پر آزادی سے ہمیں مسلمان قرار دیتا ہے اور ہمارا آزادانہ خیال یہ ہے کہ تو کافر ہے اور تیری اقتداء میں ہماری نماز نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ (الحجر البلیغ ص ۱۴)

مرزا غلام احمد کا بیٹا اور قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین صاف کہہ رہا ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کافر ہیں اور ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے مگر غیر مقلد پیشوانہ صرف یہ کہ انہیں مسلمان سمجھتا ہے بلکہ رمضان میں ان کے یہاں تراویح پڑھانے کی درخواست بھی کرتا ہے۔

حیرانگی ہوتی ہے کہ مرزا بشیر الدین تو مسلمانوں کے لئے اتنے سخت ہیں کہ انہیں کھل کر کافر کہتے ہیں مگر مولانا موصوف قادیانیوں کے بارے میں اتنا نرم گوشہ رکھتے ہیں کہ انہیں علانیہ مسلمان کہہ رہے ہیں۔

(نوٹ) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مولانا موصوف نے یہ گذارش اس لئے کی تھی کہ قادیانی تراویح کی نماز آٹھ رکعات پڑھتے ہیں اور حنفی بیس رکعات کے قائل ہیں اس لئے موصوف حنفیوں کے بجائے انہیں اپنے زیادہ قریب سمجھتے تھے جواباً عرض ہے کہ یہ نتیجہ درست نہیں تراویح کی آٹھ رکعات اور بیس رکعات سے کفر و اسلام کا کیا تعلق ہے۔ بیشک قادیانی آٹھ رکعات پڑھتے ہیں لیکن مولانا موصوف کا انہیں مسلمان سمجھنا تراویح کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ انہیں انکے عقائد میں کافر نہ سمجھتے تھے اور انہیں بھی مسلمان کا ایک فرقہ جانتے تھے۔

آپ کا یہ بیان بھی پڑھتے جائیں

دوسرے (رسالہ) میں عیسیٰ علیہ السلام کی بے پدری پیدائش پر پوری بحث و تمحیص ہے اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ موصوف (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا باپ تھا اور وہ معلوم النسب اور شریف النسب تھے بے پدری کا خیال خطرناک خیال ہے (العطر البلیغ ص ۱۷۵)

موصوف اپنے ایک اور رسالہ میں لکھتے ہیں۔

افسوس ہے کہ مریم بچاری کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوا ہے کہ دوسرد ں کے لئے تو نکاح کے بعد بھی چھ ماہ تک کوئی کرامت قبول نہیں کی گئی اور اس (یعنی حضرت مریم) کے لئے نکاح کئے بغیر ہی خلاف شرع کرامتاً بچہ پیدا کرالیا گیا خوب ہے (عیون زمزم ص ۱۹)

اسی کتاب میں یہ اہل حدیث بزرگ لکھتے ہیں

صدیوں بعد لوگوں نے انہیں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) بے پدر اور آپ کی والدہ کو بے شوہر بتلایا کیا خوب ہے (ایضاً ص ۴۰)

مولانا موصوف اس عقیدہ میں ایک طرح سے کس کی حمایت کررہے تھے لگے ہاتھوں اسے بھی دیکھ لیجئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پہلے جانشین حکیم نورالدین کا بھی یہی عقیدہ تھا اور اسکا کہنا ہے کہ

میں بھی پہلے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ مانتا تھا گو اب میں اس بات کا قائل نہیں رہا (نورالدین ص ۱۹۳)

مرزا قادیانی کے مرید مولوی محمد علی لاہوری قادیانی بھی یہی لکھتے ہیں

حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش اسلامی عقائد میں داخل نہیں (تفسیر بیان القرآن از مولوی محمد علی پ ۳ ج ا ص ۱۲۳)

پھر انجیل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مریم کے ساتھ یوسف کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے آپ کے ہاں بہت سی اولاد بھی ہوئی (ایضاً)

پس یہ انجیلی شہادت صاف بتاتی ہے کہ حضرت مریم کا تعلق زوجیت تو یوسف کے ساتھ ضرور ہوا اور اس تعلق سے اولاد بھی پیدا ہوئی اور اگر ایک طرف لم یمسسنی بشر اس وقت کے بعد مس بشر سے مانع نہیں تو دوسری طرف تاریخی ثبوت کھلا کھلا موجود ہے کہ واقعی میاں بیوی کے تعلقات حضرت مریم اور آپ کے شوہر میں رہے (ایضاً)

مولانا میرٹھی صاحب کی یہ کتاب (عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ بن مریم) چھپ کر مارکیٹ میں آئی تو سب سے زیادہ خوشی کا اظہار قادیانیوں نے کیا مبارک باد دی جانے لگی اور ان سے درخواست کی گئی کہ وفات عیسیٰ پر بھی ایک کتاب لکھ دیں۔ قادیانی لاہوری رسالہ روح الاسلام لاہور میں کہ بات کے قادیانی مبلغ کی خوشی دیکھئے۔

ہم آج بڑی خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم (یعنی مولوی محمد علی لاہوری قادیانی) کے رشحات قلم سے متاثر ہو کر ضلع گجرات کے سب سے بڑے عالم اور محدث نے جو کہ پاکستان بھر کے چیدہ فاضلوں میں سے ایک مستند عالم ہیں اور جماعت اہل حدیث کے امیر اور مسجد اہل حدیث گجرات کے خطیب ہیں جن کا اسم گرامی حافظ عنایت اللہ صاحب اثری وزیر آبادی ہے حال ہی میں انہوں نے ایک مفصل اور مبسوط کتاب جو ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے شائع کی ہے اس کتاب میں قرآن شریف کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن باپ نہیں تھے ---- ہم حافظ عنایت اللہ صاحب سے یہ توقع بھی رکھتے ہیں کہ جہاں انہوں نے جرات سے کام لے کر حضرت مسیح کو بن باپ ثابت کیا ہے وہاں وہ یہ بھی قرآن وحدیث ہی سے ثابت کر دیں گے کہ مسیح علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۶۰۰ سال برس قبل دنیوی زندگی کو خیر باد کہہ کر اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے اور جنت الفردوس میں داخل ہو گئے اگر انکے دل میں یہ خوف ہو کہ لوگ انہیں احمدیوں کا ہموا کہہ دیں گے اور ان پر احمدی ہونے کا اتہام لگا دیں گے تو وہ وفات مسیح کے مضمون لکھنے کے بعد یہ اعلان درج کر سکتے ہیں کہ میں احمدی نہیں ہوں اہل حدیث ہوں (ماہنامہ مذکور اکتوبر ۱۹۶۳ء - العطر البلیغ ص ۱۸۴)

ہم نہیں کہتے کہ یہ اہل حدیث بزرگ خوانخواستہ مرزائی تھے لیکن موصوف کے یہ بیانات اور مرزا بشیر الدین کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ موصوف (بقول ڈاکٹر بہاء الدین) قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور ایک طرح سے انکی حمایت کرتے رہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ کیا یہ بیان ایک طرح سے مرزا غلام احمد کی حمایت میں نہیں ہے یا یہ ہر طرح سے اسکی تائید میں ہے۔

مولانا معین الدین لکھوی اور مولانا محی الدین لکھوی اور قادیانیت

(۵) پاکستان میں جمعیت اہل حدیث لاہور کے مشہور رہنما مولانا معین الدین اور مولانا محی الدین سے کون ناواقف ہوگا۔ اہل حدیث کے معروف عالم مولانا عبدالقادر حصاروی سے پوچھا گیا کہ آپ ان جمعیت میں کیوں شامل نہیں ہوتے اس کے جواب میں

پ نے ارشاد فرمایا کہ

میری لاہوری جمعیت (اہل حدیث) میں اس لئے شمولیت نہیں ہو سکتی کہ اس کے موی امیر صاحب کے عقائد میں مرزائیت سرایت کر گئی ہے جس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ رت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں خروج دجال اور ظہور مہدی نہیں ہوگا یہ سب سانے ہیں اور یہ عیسائی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے --- مولوی عین الدین لکھوی اور محی الدین لکھوی ایسے عقائد والے شخص کو کافر نہیں کہتے --- اور لوی محی الدین تو اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے۔ (ہفت روزہ ظیم اہل حدیث لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۹۷ء)

خیر سے یہ بیان اہل حدیث کے ایک عالم ہی کا ہے اور ایک غیر مقلد جماعت کے اپنے سالہ میں شائع ہوا ہے۔ مسالک اربعہ پر دن رات تنقید کرنے والے اپنے ان ائمہ اربعہ کو ل سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر بہاء الدین صاحب اگر اس باب میں بھی کچھ تحقیق فرمالیں تو ہمیں امید ہے کہ ر بھی بہت سے حقائق ان پر کھل جائیں گے۔ ہم یہاں بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ رض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے بزرگوں سے عقیدت ہے تو وہ بیشک پنے بزرگوں کی خدمات بیان کریں لیکن اس عقیدت کی آڑ میں دوسروں کی تحقیر اور حقائق کو خ کرنے کی کوشش یقیناً قابل مذمت ہوگی۔ اگر موصوف ان حقائق کو مسخ نہ کرتے اور تلاف و انتشار پیدا کرنے کی کوشش نہ کرتے تو پھر ہمیں بھی یہ حقائق بیان کرنے کی ورت نہ تھی مگر جب موصوف دل کھول کر علماء احناف کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کر رہے ں تو ہمیں بھی ان کے بارے میں مجبوراً یہ باتیں سامنے لانی پڑیں۔

آخر میں ماہنامہ صراط مستقیم کے ذمہ دار احباب سے گذارش کریں گے کہ اس قسم ے غیر ذمہ دارانہ مضامین شائع کرنے سے اجتناب کریں تو بہتر ہوگا اس قسم کے مضامین سے اختلافات کی دیوار وسیع تو ہو سکتی ہے پاٹی نہیں جا سکتی اور یہ وقت ان اختلافات کے (جو ت خود اپنی جگہ تفصیل طلب ہوتے ہیں اور اس کی حقیقت اپنی جگہ واضح ہوتی ہے) ملنے کا نہیں یہ انصاف نہیں کہ آپ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ مضامین شائع کریں اور

باقی صفحہ ۱۹ پر

تعارف وتبصرہ

ازادارہ

(۱) نام کتاب :- آپ فتویٰ کیسے دیں
ترتیب وتالیف :- مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
کتابت وطباعت :- معیاری
ضخامت :- ایک سو ساٹھ (۱۶۰) صفحات
طبع باراول :- ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ اپریل ۱۹۹۶ء
ناشر :- مکتبہ حجاز دیوبند. یوپی
قیمت :- درج نہیں

علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامیؒ متوفی ۱۲۵۲ھ - ۱۸۳۶ء کی مشہور و مقبول کتاب "شرح عقود رسم المفتی" اپنے فن میں مختصر ہونے کے باوجود جامع اور نہایت مفید ہے جو طویل عرصہ سے داخل نصاب اور فقہاء و قضاۃ کے طبقہ میں بطور دستور العمل معروف و متداول ہے جس میں علامہ شامیؒ نے قواعد افتاء کو چوہتر (۷۴) اشعار میں منظوم کیا، بعد ازاں خود ہی اس منظومہ کی شرح بھی تحریر فرمائی ہے۔

زیر نظر کتاب اسی شرح کے سلیس ترجمہ اور ضروری تشریح ووضاحت پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کو خدائے علیم و بصیر کی جانب سے ترتیب و تسہیل کا خاص ملکہ حاصل ہے جس کا یہ کتاب مظہر اتم ہے۔ پھر مولانا موصوف نے ایک اہم کام بھی کیا ہے کہ کتاب کے مضامین پر عنوانات قائم کردیئے ہیں جس سے یہ مزید سہل الحصول ہوگئی ہے۔ نیز اصل کتاب میں جن علماء یا ان کی کتابوں کا ذکر آیا ہے ان کا آخر میں مختصر جامع تعارف بھی کرادیا ہے۔ اس طرح یہ ایک عمدہ اور بصیرت افزا شرح ہوگئی ہے۔ جس کا مطالعہ

علماء و طلبہ ہر ایک کے لئے افادہ سے خالی نہیں۔ اس لئے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ یہ کتاب مولانا موصوف کی دیگر کتابوں کی طرح اہل علم میں قبولیت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

(۲) نام کتاب :- دعوت و تبلیغ
ترتیب :- مولانا شفیق احمد قاسمی و مولانا ظفر جمال قاسمی
کتابت و طباعت :- بہتر
ضخامت :- دو سو بہتر (۲۷۲) صفحات
طبع بار اول :- مئی ۱۹۹۶ء
ناشر :- پیغام بک ڈپو اردو بازار جلال پور امبیڈکر نگر یوپی
قیمت :- پچاس روپے (۵۰)
ملنے کے پتے :- پیغام بک ڈپو اردو بازار جلال پور ضلع امبیڈکر نگر یوپی
ادارہ اشاعت دینیات بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی
کتب خانہ حسینیہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی
کتب خانہ الفرقان ۳۱ / ۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ

زیر تبصرہ کتاب جماعت تبلیغی کے اہم ترین رکن صاحب دل بزرگ حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری دامت برکاتہم کی پانچ تقریروں کا مجموعہ ہے جو مولانا شفیق احمد قاسمی اور مولانا ظفر جمال قاسمی کی سعی مشکور کی بدولت ضبط تحریر میں آکر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئیں۔ ان تقریروں میں زور بیان کی حلاوت اور سوز دروں کی حرارت دونوں موجود ہیں چونکہ حضرت مولانا پالن پوری مدظلہ گفتار ہی کے نہیں بلکہ کردار کے بھی غازی ہیں۔ حضرات اکابر کی صحبتوں سے مستفید اور ان کے کمالات کے امین ہیں۔ ان کا قلب امت کی صلاح و فلاح کے لئے بے چین رہتا ہے امت کے اسی غم میں پیرانہ سالی اور متعدد امراض کی وجہ سے بڑی حد تک معذور ہو جانے کے باوجود تبلیغ و تذکیر کے سلسلے میں دنیا بھر کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور جو کچھ بھی فرماتے ہیں دل کی سچی تڑپ سے کہتے ہیں اس لئے ان کے بیان میں بے پناہ تاثیر ہے اس لئے یہ ایک دینی و اصلاحی ضرورت تھی کہ مولانا موصوف کی تقریریں قید تحریر

میں آجائیں تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کے لئے بھی دلیل راہ و مینارۂ ہدایت بنیں۔ مولانا اشتیاق احمد قاسمی و مولانا ظفر جمال قاسمی بلاشبہ ملت اسلامیہ کی جانب سے مستحق شکریہ ہیں کہ انھوں نے اس اہم خدمت کو انتہائی سلیقہ اور کمالِ نفاست کے ساتھ انجام دے کر ایک بڑی دینی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ پھر "دعوت و تبلیغ" کا یہ نقش اول اس لحاظ سے بھی قابل قدر اور لائق استناد ہے کہ مولانا نبیہ محمد صاحب زید مجدہ جیسے بالغ نظر اور صاحب سواد عالم کی نظر سے گذر چکا ہے اس لئے قوی امید ہے کہ دینی و علمی حلقوں میں یہ مجموعہ خوبی ضرور پذیرائی حاصل کرے گا۔

(۳) نام کتاب :- ہندوستانی مسلمانوں کا جنگ آزادی میں حصہ
ترتیب و تالیف :- مولانا سید ابراہیم فکری فاضل دارالعلوم دیوبند
کتابت و طباعت :- عمدہ
ضخامت :- تین سو اسی (۳۸۰) صفحات
طبع بار اول :- نومبر ۱۹۹۶ء
قیمت :- دو سو روپے (۲۰۰)
ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

مولانا سید ابراہیم فکری فاضل دیوبند فطری طور پر ایک مرد مجاہد اور ملی کاموں سے والہانہ تعلق رکھنے والے ہیں جو اگرچہ مشرقی اداروں بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے ساختہ پرداختہ ہیں لیکن عصر حاضر کے تقاضوں سے بھی بڑی حد تک واقفیت رکھتے ہیں جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے زیر قیادت جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید افرنگ کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوئے۔ اس لئے مولانا نے اپنی اس کتاب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ صرف جگ بیتی ہی نہیں بلکہ اسے آپ بیتی کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

آج کے دور میں جب کہ تعصب اور فرقہ پرستی کی وجہ سے وطنِ عزیز کی آزادی کے سلسلے میں مسلمانوں کی بیدریغ قربانیوں پر حکومتی سطح پر پردہ ڈالنے کی ناروا کوششیں کی جارہی ہیں۔ اس کتاب کو مرتب کر کے فکری صاحب نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اس موضوع پر اگرچہ بعض دیگر اصحاب علم نے خامہ فرسائی کی ہے جن کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا علمی

[illegible] کے مماثل ہے مگر گذشتہ اور جدید میں جو فرق ہے اس کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ بہر حال فکری صاحب کی یہ جدید کوشش لائق ستائش ہے اور امید ہے کہ اس نقش اول کے نوک پلک کو نقش ثانی میں مزید درست کر کے پیش کریں گے۔

(۴) نام کتاب :- سہ ماہی احوال و آثار
مرتب :- مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
کتابت و طباعت :- معیاری
ضخامت :- ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحات
ناشر :- دفتر احوال و آثار مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ ۲۴۷۷۷۵

علمی دنیا میں مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اپنے تحقیقی دستاویزی مقالات و مضامین کی بناء پر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں کسی مقالہ یا رسالہ کے مستند محقق ہونے کے لئے مولانا موصوف کا اسم گرامی کافی سمجھا جاتا ہے۔ مجلہ سہ ماہی "احوال و آثار" خود مولانا موصوف کا اپنا رسالہ ہے جس میں مولانا کا ذوق تحقیق پورے طور پر نمایاں ہے اور بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہند و پاک سے شائع ہونے والے علمی و تحقیقی جریدوں میں احوال و آثار اپنی ایک منفردانہ حیثیت رکھتا ہے۔

البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ اس طرح کے ٹھوس علمی و تحقیقی مجلات عام طور پر اپنا معیار قائم رکھتے ہوئے بالعموم دیرپا ثابت نہیں رہ پاتے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احوال و آثار کو اس انجام سے محفوظ رکھے اور اپنی آن بان کے ساتھ یہ علم و علماء کی خدمت انجام دیتا رہے۔ اسی کے ساتھ علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والوں سے اس حقیر کی درخواست ہے کہ وہ محض علمی خدمت کی بنیاد پر احوال و آثار کی اشاعت میں اپنا بھرپور تعاون دینے سے دریغ نہ فرمائیں۔

☆ ☆ ☆

دارالعلوم کی نئی جامع مسجد

اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی نئی جامع مسجد پروگرام کے مطابق تعمیری مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کے قریب پہونچ رہی ہے اور اب اس کے اندرونی حصوں کو دیواروں اور فرش کو سنگ مرمر سے مزید پختہ اور مزین کیا جارہا ہے، یہ کام چونکہ اہم بھی ہے اور بڑا بھی اس پر رقم بھی کثیر خرچ ہوگی محسنین و مخلصین کی رائے ہوئی کہ آئے دن رنگ و روغن کرانے کے خرچ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ اچھی رقم لگادی جائے، اسی احساس کے پیش نظر اتنا بڑا کام سرانجام دینے کا بوجھ اٹھالیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ تمام حضرات معاونین نے جس طرح پہلے خصوصی تعاون دے کر مسجد کو تکمیل کے قریب پہنچایا ہے، اسی طرح بلکہ مزید سرگرمی کے ساتھ دست تعاون بڑھا کر اس مرحلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ادارہ کی مدد فرمائیں گے۔

یہ مسجد بین الاقوامی اہمیت کی حامل درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد ہے جس میں نہ جانے کس کس دیار کے نیک لوگ آکر نماز ادا کریں گے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جنکی کچھ بھی رقم اس مسجد میں لگ جائے، اس لئے اپنی جانب سے اور گھر کے ہر فرد کی جانب سے اس کار خیر میں حصہ لیکر عند اللہ ماجور ہوں اور دوسرے احباب و اقرباء کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائیں اور دن دونی رات چوگنی ہمہ جہتی ترقیات سے نوازتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ آمین

پتہ

ڈرافٹ و چیک کے لئے: "دارالعلوم دیوبند" اکاؤنٹ نمبر 30076
——— اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کے لئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔247554

ماہ ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۹۷ء

جلد نمبر ۸۱	شمارہ نمبر ۴	فی شمارہ۔ /۶	سالانہ۔ /۶۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند	استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یو۔پی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔ /۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم۔ /۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم۔ /۸۰ ہندوستان سے۔ /۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

فہرست مضامین

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کر دیں۔

● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم الله الرحمن الرحيم

حبیب الرحمن قاسمی

اپنے آپ کو دانشور اور روشن خیال کہلانے والوں کی اکثریت اسلامی آثار و روایات کے مقابلہ میں مغربی تہذیب واقدار کی ترجمانی اور نمائندگی کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتی ہے، اس جماعت کی جانب سے تحقیق وریسرچ کے عنوان سے جو چیزیں سامنے آرہی ہیں ان سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ یہ لوگ حالات اور تقاضے کی آڑ لے کر اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، ان کی یہ بھی خواہش ہے کہ جو دینی تصورات اور مذہبی روایات ماڈرن تہذیب سے متصادم ہوں انھیں کاٹ چھانٹ کر یورپ سے بر آمد کی ہوئی اس جدید تہذیب سے ہم آہنگ کردیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ عصر جدید کے آخر وہ کون سے تقاضے ہیں کہ اسلام اپنی اصلی و حقیقی شکل میں رہتے ہوئے ان کا ساتھ نہیں دے سکتا، اگر مسئلہ جدید اکتشافات وایجادات کا ہے کہ آج کا انسان دال روٹی کے بجائے کیک، ٹوسٹ اور سینڈوچ کھانے لگا ہے اونٹ اور بیل گاڑیوں پر سواری کی جگہ خلائی طیاروں اور ہوائی جہازوں پر اڑنے لگا ہے، دست کاری اور گھریلو صنعتوں کے مقابلے میں بڑے بڑے مشینی کارخانے قائم کرلئے ہیں، قدیم مواصلاتی ذرائع کے بالمقابل جدید نظام مواصلات دریافت کرلئے ہیں، تیر و تلوار کی جگہ کلاسنکوپ، رائفل اور میزائل اور ایٹم بم کے استعمال پر قادر ہوگیا ہے، قدیم طرز علاج کے بجائے طرح طرح کے جدید طریقہ علاج ایجاد کرلئے ہیں تو بتایا جائے کہ آخر مذہب کا ان ایجادات سے

کیا تصادم ہے؟ آخر مذہب اسلام کا وہ کون سا اصول و قانون ہے جو ان تبدیلیوں کی نفی کرتا اور ان ایجادات واکتشافات پر قدغن لگاتا ہے؟۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سائنسی تجربات واکتشافات اسلام کی صداقت و حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں مثال کے طور پر اسلام آخرت کے سلسلہ میں یہ نظریہ اور اعتقاد پیش کرتا ہے کہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ انسان کے اعضاء و جوارح اپنے اپنے اعمال وافعال کی شہادت دیں گے، اسلام سے بے بہرہ عقل و مادہ کے پجاری اسلام کے اس عقیدہ کو ماننے پر تیار نہ تھے مگر آج کے گراموفون اور ٹیپ ریکارڈر نے بندگان مشاہدہ کو اس کے ماننے پر مجبور کردیا کہ اگر لوہا اور سیاہ رنگ کا فیتہ بول سکتا ہے تو جس خدا نے زبان کو گویائی عطا کی ہے وہ بدن کے دیگر اجزاء کو بھی گویا کرسکتا ہے، ملت اسلامیہ کے عقیدۂ معراج جسمانی سے مادہ پرستوں کی عقل انکار کرتی رہی لیکن آج کے خلائی اور سیاراتی نظام نے تصور معراج کو تجربہ و مشاہدہ کی حدود میں لاکھڑا کیا ہے، قیامت کے دن وزن اعمال کے مسئلہ کو بھی سائنس نے تجربہ و مشاہدہ کی شکل میں دنیا کے روبرو کردیا ہے، آج سائنسی ترازوؤں کے ذریعہ حرارت و برودت اور ہوا تک کو تولا جارہا ہے۔

الغرض سائنسی ایجادات واکتشافات تو اسلام کے پیش کردہ غیبی امور و حقائق کو تسلیم کرنے پر دنیا کو مجبور کررہے ہیں، اس لئے اسلام کا ان سے کوئی تصادم نہیں ہے۔

ہاں اگر عصری ضروریات اور جدید تقاضوں سے مراد علم و سائنس ہی نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب و معاشرت ہے جس کے زہریلے اثرات سے آج مغربی دنیا تڑپ رہی ہے مثلاً شراب، جوا، سود کا بے محابا رواج، مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں کی انسانیت کش زندگی، حیوانیت کی حد تک جنسی بے راہ روی، تہذیب و ثقافت کے نام پر اخلاقی انارکی، سول میرج، گرل اور بوائے فرینڈ جیسی حیاسوز رسمیں جس نے یورپ کو ایک ایسے چوراہے پر لاکھڑا کردیا ہے جس کے ہر چہار جانب حیوانیت، درندگی، حرص و شہوت خود غرضی، بے چینی مایوسی اور تاریکی نے گھیر ڈال رکھا ہے۔

یہ بدقسمتی ہی کی بات ہے کہ عصری ضروریات اور جدید تقاضوں کا نام لے کر یورپ کی اسی تباہ کن اور موت بہ کنار تہذیب کو معاشرے پر لادنے کی ناروا کوشش کی جارہی ہے چونکہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس تہذیب کو "تبرج جاہلیہ" کہہ کر یکسر رد

کر چکا ہے اس لئے آج کے روشن خیال اور تاریک دل دانشور اس جاہلی تہذیب کو صالح اور مہذب بنانے کی بجائے اسلامی آثار وروایات کو فرسودہ اور ازکار رفتہ قرار دے کر اس کو مسخ کرنے کے لئے اپنی ہر امکانی کوشش صرف کر رہے ہیں، یہ ایک ایسا خطرناک رویہ ہے جس کا عبرت ناک انجام ترکی کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ تہذیب مغرب کے پرستار مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا نام لے کر یہی تاریخ ہندوستان میں بھی دہرانا چاہتے ہیں، اس سازش میں یہ پہلو کس قدر خطرناک ہے کہ بعض وہ افراد واشخاص جو ملک میں علمائے دین کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں انھیں یہ گروہ اپنا آلۂ کار بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے، جن کی وساطت سے اسلامی احکامات میں کتربیونت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، اور قرآن وحدیث وفقہ اسلامی کے حوالے سے قرآن وحدیث کے محرمات کو حلال وجائز گردانے کی جسارت کی جارہی ہے، یہ ایک ایسی خطرناک سازش ہے کہ اگر اس کا پردہ چاک نہیں کیا گیا تو مرض سرطان کی طرح غیر محسوس طور پر اس کی جڑیں پھیل جائیں گی اور پھر اس کا مداوا مشکل ہی سے ہو سکے گا، ارباب علم ودین کب تک خاموش تماشائی بنے اسلامی احکام وہدایت کے خلاف اس کھلواڑ کو خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہیں گے۔ ع

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

از۔ ڈاکٹر عبدالمعید۔ کھیری باغ روڈ۔ مئو 275101
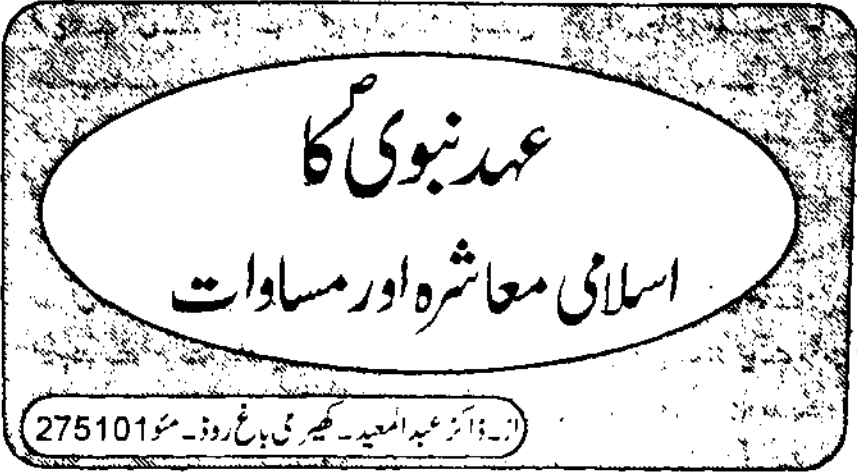
قرون وسطی میں اخوت و مساوات بے معنی الفاظ تھے۔ کوئی انسانی ذہن ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقوں میں تقسیم تھا اور اس کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قانونی سہارے وضع کر لئے گئے تھے۔ قبل اس کے کہ عہد نبوی کے اسلامی معاشرہ اور مساوات کا ذکر کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطی کی تین قدیم رومن، ساسانی اور ہندوستانی تہذیبوں کے معاشرتی نظام پر بھی اک نظر ڈالی جائے جس سے اسلام کے ابر کرم کی وسعت اور اس کے ہمہ گیر فیض کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا بقول حالی ؎

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

سلطنت روما میں سماج کی تقسیم اس طرح پر تھی کہ سب سے اوپر آزاد شہری (in-genuous civic) تھے اور سب سے نیچے غلام۔ اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل، و مذہب اور وطن، صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ جسٹی نین (Justinian) جس نے درما کے قانون کی تدوین کی تھی اور دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کر کے دکھائے۔ جسٹی نین حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پانچ سال قبل انتقال کر گیا تھا۔ قانونی نقطہ نگاہ سے اس نے سماج کو اس طرح تقسیم کیا تھا۔۔

(۱)---HONESTIORES یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(۲)---HUMILIORES اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

(۳)--SERVI--- سب سے نچلا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا۔ آگ میں ڈالا جاتا تھا اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔ تقریباً اسی طرح کی تقسیم ایران میں بھی تھی۔ وہاں کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی۔

(۱) آذروان۔ مذہبی طبقہ (۲) آرتشاران۔ فوجی طبقہ (۳) دبیران۔ عمال حکومت (۴) استریوشاں ہوبخشاں۔ یعنی عوام پیشہ ور لوگ اور کاشکار ایرانی سماج کی تقسیم مستقل تھی۔ کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ آتش پرست حکومت میں باثر تھے انکو پیشہ ور قوموں (بالخصوص کمہاروں) سے خاص عداوت اور نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا۔ ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہوسکتا تھا۔ نہ اعلیٰ طبقہ کی جائداد خرید سکتا تھا(۱)

ہندوستان کی حالت ایران سے زیادہ خراب تھی منوشاستر کے مطابق ہندوستان کے باشندوں کو چار طبقوں میں شمار کیا گیا تھا۔

۱- برہمن اور مذہبی طبقہ

۲- فوجی اور سپاہی یعنی "چھتری"

۳- تجارت وزاعت کرنے والے یعنی "ویش"

۴- خدمت گار یعنی "شودر" یہ سب سے نچلا طبقہ ہے، جسے خالق کائنات نے اپنے پاؤں سے پیدا کیا اور ان کا فرض مذکورہ تین طبقات کی خدمت اور راحت رسانی ہے۔

۱۔ تاریخی مقالات۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی ۶۔۷۔۸

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ پیشہ ور لوگ مثلاً کپڑا بننے والے، ماہی گیر، قصاب، رسن تاب وغیرہ کا شمار انتیجا (ANTYAJA) میں ہوتا تھا۔ ان کے نیچے مندرجہ ذیل لوگ تھے۔

۱۔ ڈومہ (DOMA) ۲۔ بدھاتو (BADHATU) ۳۔ چنڈالہ (CHANDA-LA) مندرجہ بالا افراد سے شہروں کی صفائی کا کام لیا جاتا تھا (۱)

منواسمرتی کے احکام کے مطابق کپڑا بننے والے، ماہی گیر، قصاب، نٹوں، مہتروں کو شہر کے اندر قیام کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے وہ لوگ باہر ٹھہرتے تھے اور اپنا کام انجام دینے کے لئے شہروں میں طلوع آفتاب کے بعد آتے تھے اور سورج ڈوبنے سے پہلے شہر سے نکل جاتے تھے اس لئے وہ لوگ شہری زندگی کی برکتوں سے محروم اور ایک خستہ حال دیہاتی زندگی گذارنے پر مجبور تھے (۲)

یہی نہیں مقدس کتابوں کا اگر ایک لفظ ان لوگوں کے کان میں اتفاقاً پڑ جاتا تو شیشہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا تھا۔ سارا ملک چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار تھا غیروں کا تو ذکر کیا، ایک ہی ذات کے لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ اگر کوئی سپاہی میدان جنگ میں ترکوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو وہ سماج سے اس لئے خارج کر دیا جاتا تھا کہ وہ غیر ذات کے لوگوں کے ساتھ مل کر خود نجس سمجھا جانے لگتا تھا (کتاب الہند۔ البیرونی ج ۲ ۱۶۳-۱۶۲) (۳)

اس کے بالمقابل برہمن کو وہ مرکزیت وعظمت بخشی گئی جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ برہمن ہر حال میں نجات یافتہ کہا جاتا ہے چاہے وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے تینوں دنیاؤں کو کیوں نہ تباہ کر دے۔ اس پر کوئی محصول عائد نہیں ہوتا اسے کسی حال میں موت کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ (۴)

عرب اپنے سواسب کو عجم (بے زباں) سمجھتے تھے۔ قبیلۂ قریش اپنے کو تمام قبائل

۱۔ تاریخی مقالات اور "اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر" از خلیق نظامی ۸ اور ۲۹

۲۔ منوسمرتی کے ابواب (۱-۲-۸-۹-۱۰-۱۱) دیکھئے

۳۔ تاریخی مقالات ۸

۴۔ منواسمرتی

عرب سے افضل سمجھتا تھااور حج کے موقعہ پر بھی اپنی اس امتیازی شان کو برقرار رکھتا تھا۔ وہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا تھااور عرفات میں حاجیوں کے ساتھ ٹھہرنے کے بجائے حرم ہی میں ٹھہرا رہتا تھااور مزدلفہ میں قیام کرتا تھااور کہتا تھاکہ "ہم اللہ کے شہر والے اور اس کے گھر کے رہنے والے ہیں" اور کبھی کہتا تھاکہ "ہم خواص ہیں" (بخاری عن عائشہؓ)(۱)

اہل مکہ کی نظر میں صنعت و حرفت کی زیادہ اہمیت نہ تھی، بلکہ وہ اس کو حقارت سے دیکھتے تھے اور اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ عام طور پر صنعت و حرفت غلاموں یا عجمیوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی۔(۲)

قرون وسطیٰ کے سیاسی اور سماجی نظام کے خاکے کو ذہن میں رکھئے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکہ کے خطبہ کو دیکھئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قریشی ہیں اور قریش کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

یا معشر قریش إن الله قداذهب عنكم نخوة الجاهيلة وتعظيمها بالآباء،الناس من آدم وآدم من تراب (زادالمعادج۱/۴۲۵)(۳)

اے قوم قریش اب جہالت کا غرور اور نسب اافتخار خدا نے مٹادیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ بھی دیا

الحمد لله الذى اذهب عنكم عبية الجاهلية وتكبر ها۔ الناس رجلان بَرتقىّ كريم على الله وفاجر شقى هين على الله ثم تلايا ايها الناس انا خلقنكم الأية(ترمذی،بغوی)(۴)

یعنی شکر اللہ کا جس نے رسوم جاہلیت کو اور اس کے تکبر کو تم سے دور کردیا۔ اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہے اور دوسرا فاجر شقی وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وخوار ہے۔ پھر آپ نے اپنی تعلیم کو مدلل فرماتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک

۱۔ تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات مولانا ابوالحسن علی ندوی
۲۔ نبی رحمت ۹۶ از مولانا ابوالحسن علی ندوی
۳۔ نبی رحمت ۷۱
۴۔ ایمانی تقاضے ۱۸۶-۱۸۷ از مولانا حافظ شاہ محمد قمر صاحب الہ آبادی

عورت (حضرت آدم و حوا علیہما السلام) سے پیدا کیا ہے۔ اور تم میں مختلف شعبے اور قبیلے صرف آپسی شناخت کے لئے بنائے ہیں۔ اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا

الا کُلُّ شیءٍ من امر الجاهلية تحت قدمی موضوع (صحیح مسلم، مشکوٰۃ) (۱)

خوب سن لو کہ زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے

یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج اور چاند سے ملایا جارہا تھا۔ قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں

وقالت اليهود والنصاری نحن ابناء الله واحبّائه

فراعنۂ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے۔ ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے شاہان ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ اہل ایران انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی جز شامل ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان بھی کیا گیا۔

ايها الناس ان ربكم واحدٌ وان اباكم واحدٌ كلكم لادم وآدم من تراب، ان اكرمكم عند الله اتقاكم. وليس لعربي على عجمي فضل الا بالتقوى (كنز العمال) (۲)

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدمی مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔

۱۔ ایمانی تقاضے۔ ۱۸۸

۲۔ نبی رحمت، ۲۱۷-۲۱۸

فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے خطبے قرون وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں رنگ، نسل وغیرہ کے سارے امتیازات کو باطل کر دینے کے بعد صرف 'اتقاء' کو معیار فضیلت بنا دینے کا اعلان تھا سماج کی طبقاتی تقسیم کا تصور جڑ سے اکھاڑ دینے کی خوش خبری تھی، غلاموں کے لئے نوید آزادی تھی۔ مساوات کا تصور صرف ایک دستر خوان پر کھانے اور ایک ساتھ عبادت کرنے اور دین کے دیگر احکام میں تفریق نہ برتنے تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ مناکحت اور تزوج میں بھی ساری تفریق حتیٰ کہ عرب و عجم کا جاہلی تصور بھی ختم ہو چکا تھا اور سبھی شیر و شکر ہو گئے تھے۔

بعض غیر مسلم دانشوروں مثلاً مسٹر خشونت سنگھ اور مسٹر کنول بھارتی جیسے لوگوں کا یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی ذات پات کی لعنت موجود ہے اور ان میں آپس میں "روٹی" (ایک ساتھ کھانے) کا تعلق تو ہے لیکن "بیٹی" (ایک دوسرے سے شادی بیاہ) کا تعلق نہیں ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ذیل میں ہم عہد نبوی کا مثالی معاشرہ پیش کر رہے ہیں، مطالعہ کے وقت قرون وسطیٰ کے سماجی نظام خصوصاً ہندوستان کے برہمنی نظام کو سامنے رکھئے اور اندازہ لگائیے کہ اسلام کی تعلیم مساوات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعٰلمین نے پیشہ ور اور پسماندہ طبقات کو کس اعلیٰ برتری اور شرف سے نواز دیا جس کا ہندوستان کا برہمنی نظام تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

(۱) اشعث ابن قیس کندی ایک صحابی ہیں۔ ان کے والد قیس کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور اس سے ان کو خاص دلچسپی تھی اس کی شہادت حضرت علیؓ نے دی ہے، وہ اشعث کو حائک بن حائک کہا کرتے تھے (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید، ۱/۹۶و۹۹)

قتیلہ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں۔ اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہو سکتی، یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سردار دوجہاں اشرف انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قتیلہ کو قبول کر لیا تھا۔ قتیلہ یمن میں تھیں اور ان کے بھائی اشعث نے ولی بن کر ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں کر دیا تھا۔ یہ نکاح ۱۰ھ کے اخیر میں ہوا تھا۔ قتیلہ ابھی یمن سے رخصت ہو کر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی اور ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق ۲/ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کی

وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔
دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو ماہ پیشتر نکاح ہوا اور تیسرا بیان ہے کہ آپ کی آخری بیماری میں نکاح ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانون حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو، اس صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کرلیں اور جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کرلیا۔
بنکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ واشرف نبی کا یہ رشتہ ان دستکاروں کے لئے سب سے بڑا مایۂ افتخار ہے۔ اور یہی اس بات کی نہایت مستحکم دلیل ہے کہ بننے والے کی بیٹی ایک عربی بلکہ قریشی وہاشمی بلکہ سب سے اشرف واکرم ہاشمی کی کفو ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس کی بھی کفو ہو سکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا۔(۱)
(۲) خلفاء راشدین کا طرز عمل بھی دیکھیں۔
معجم کبیر طبرانی میں روایت ہے کہ اشعث بن قیس (وفات نبوی کے بعد دین سے منحرف ہوگئے تھے) حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلافت میں جب وہ گرفتار کرکے لائے گئے (اور تائب ہوکر دین کی طرف انھوں نے دوبارہ رجوع کیا) تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کے ہاتھ پیر کھلوائے پھر اپنی ہمشیرہ ام فروہ سے ان کا نکاح کردیا۔ دیکھئے یہ وہی اشعث ہیں جن کو حضرت علیؓ حائک بن حائک کہا کرتے تھے۔ کپڑا بننے والے کا وہی لڑکا کسی معمولی عربی عورت کا نہیں بلکہ صدیق اکبرؓ کی ہمشیرہ کا کفو قرار دیا جاتا ہے۔
اس واقعہ کے لئے معجم کبیر طبرانی جلد اول ۲۰۸ بسند صحیح اور مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۱۵ اور اصابہ ج ۱ ص ۵۱ دیکھئے۔ اس نکاح کا ذکر دار قطنی اور ابن السکن نے بھی کیا ہے آخر الذکر نے یہ لکھا ہے کہ اشعث کے دو لڑکے محمد اور اسحٰق ام فروہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اصابہ ج ۴ ص ۴۸۳ اور استیعاب ج ۴ ص ۴۸۴ میں ہے کہ دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئی تھیں ان میں سے ایک کا نام حبابہ اور دوسری کا نام قریبہ تھا۔
حضرت ام فروہ کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ کی بہن اور قریبیہ تھیں مگر وہ

۱۔ دست کار اہل شرف ۱۷-۱۸ از محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

اس سے بھی کہیں زیادہ شرف اور برتری کی مالک تھیں۔ ان کا سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اس کے باوجود ایک بکنے والے لڑکے کو ان کا کفو قرار دیا گیا اور قرار دینے والا وہ ہے جو اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اونچا مقام رکھتا ہے اور جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر

(وہ دونوں جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ ان کے قدم بقدم چلو)(۱)

اوپر کے واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جن پیشہ وروں کو ہندو سماج میں شہر میں رہنے کی بھی اجازت نہیں تھی، انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء راشدینؓ نے عزو شرف کے کس اعلیٰ مقام تک پہنچادیا۔

(۳) امام ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں یہ حدیث نقل کی ہے!

أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بني بياضة أن يزوجوا اباهند إمرأة منهم فقالوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم نزوج بناتنا موالينا فأنزل عز وجل يا ايها الناس انا خلقنكم ۔الخ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ لوگ اپنی عورتوں میں سے کسی سے ابوہندؓ کی شادی کردیں۔ اس پر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم اپنی بیٹیوں کی شادی اپنے غلاموں سے کردیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی

يا ايها الناس انا خلقنكم من ذكر و انثى وجعلنكم شعوباوّقبائل لتعارفوا أن اكرمكم عند الله اتقاكم.

مندرجہ بالا آیت شادی اور نکاح میں ذات برادری کے رد میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابوداؤد اور امام تفسیر ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی نے شان نزول میں اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں۔

۱۔ دست کار اہل شرف ۱۱۸

۲۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۴۰

نزلت فی ابی ھند خاصة(۱)

یہ آیت خاص طور سے ابوہندؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضرت ابوہندؓ عرب کے انتہائی معزز قبیلہ بنو بیاضہ کے غلام اور حجام تھے امام دار قطنی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے:

ان أبا ھند مولی بن بیاضة کان حجاما(۲)

(ابوہندؓ بنو بیاضہ کے غلام اور حجام تھے)

اسی روایت میں آگے ہے کہ جب حضرت ابوہندؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنگی لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سرہ أن ینظر إلی من صورالله الایمان فی قلبه فلینظر الی أبی ھند(۳)

اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جس کے قلب کے اندر اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے تو وہ ابوہندؓ کو دیکھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

أنکحوه وانکحوا الیه (۴)

تم لوگ ان (ابوہند) کو لڑکی دو بھی اور ان سے لڑکی لو بھی

یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کے فن کی بھی تعریف فرمائی

نعم العبد الحجام یذھب بالدم ویخف الصلب ویجلوالبصر(۵)

کیا ہی بھلا اچھا ہے پچھنے لگانے والا جو (بدن سے فاسد) خون نکال کر باہر کر دیتا ہے جو ریڑھ کو ہلکا کرتا ہے اور نگاہ کو تیز کرتا ہے۔

حجامت اور پچھنے لگانے کے پیشے کو کسی سماج میں عزت اور تکریم کی نگاہ سے نہیں دیکھا

۱۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ اص ۳۴۰

۲۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶۔ ص ۳۴۷

۳۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ اص ۳۴۷

۴۔ ایضا

۵۔ ابن ماجہ باب الصناعات

جاتا۔ لیکن اسلام کی تعلیم مساوات دیکھئے کہ عرب کے انتہائی معزز قبیلہ کو حکم دیا جارہا ہے کہ ابوہندؓ سے وہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی کریں اور ان کی لڑکی سے خود بھی اپنے لڑکوں کے ساتھ مناکحت اور تزوج کا رشتہ قائم کریں۔

(۴) حضرت بلالؓ کے نکاح میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کی بہن تھیں (۱)

حضرت بلالؓ غلام، حبشی اور عجمی ہیں ان کے نکاح میں یکے از عشرہ مبشرہ کی بہن تھیں جو قریشیہ ہیں۔

دیکھئے جن غلاموں کو معمولی جرائم پر موت کی سزا دی جاتی تھی، آگ میں ڈالا جاتا تھا اور وحشی جانوروں سے ان کی ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں، ان کے ساتھ اسلام نے کیسا سلوک کیا۔ جس کی مثال دوسرے مذاہب میں ناپید ہے

(۵) حضرت مقداد ابن الاسودؓ کے نکاح میں ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب تھیں۔ (۲)

حضرت مقداد بن الاسودؓ غلام زادے ہیں اور ان کے نکاح میں ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب قریشیہ ہیں۔

(۶) ابوحذیفہ بنت عتبہ بن ربیعہ بدریین شہداء میں ہیں انھوں نے اپنے متبنی سالمؓ جو کہ انصار کی ایک عورت کے غلام تھے کا نکاح اپنے بھائی ولید بن عتبہ ابن ربیعہ کی لڑکی ہند سے کردی تھی (۳)

(۷) حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبول کرلیا تھا (۴) حضرت سلمان فارسیؓ عجمی ہیں۔

(۸) حدیث میں ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے اس عورت کے نسب پر طعن کیا۔ اس پر ان انصاری صحابیؓ نے فرمایا:

انما تزوجتها لدینها وخلقها (۵)

۱۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۴۷
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً
۵۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۴۶

میں نے ان سے شادی صرف ان کے دین اور اخلاق کی وجہ سے کی ہے۔
اس پر انصاری صحابیؓ کی تعریف میں آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا:
مایضرك الاتكون من آل حاجب بن زرارة(۱)
تم کو کوئی نقصان نہیں ہے کہ تم نہیں ہو حاجب بن زرارہ کی اولاد سے
اب نکاح کے سلسلہ میں قارئین چند حدیثیں بھی پڑھ لیں:

(۱)تنکح المرأة لاربع لما لها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين (بخاری و مسلم مشکوۃ۔ کتاب النکاح)

کسی عورت سے نکاح کرنے میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا دوم اس کا حسب ونسب والی ہونا سوم اس کا جمال اور چہارم اس کا دیندار ہونا پس تم دیندار عورت کو مطلوب قرار دو

(۲)اولیاء عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد عريض (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمھارے پاس کوئی نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو تو تم اس سے نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد واقع ہو جائے گا۔

(۳)اس حدیث میں اوپر والی حدیث سے زیادہ وضاحت موجود ہے:

اذا أتاكم من ترضون دينه وخلقهٗ فأنكحوه الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير،قالوا يارسول الله صلى الله عليه وسلم وإن كان فيه؟ قال إذا جاء كم من ترضون دينه وخلقهٗ فأنكحوه ثلاث مرات(رواہ الترمذی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق تم کو پسندیدہ ہوں تو اس کے ساتھ تم لوگ (اپنی بہن، بیٹی یا ان کی جیسی عورتوں سے) نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا

۵۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ اص ۳۴۶

ہو جائے گا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس شخص کے اندر (نسب اور مال کی کمی) ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے میں تقویٰ، دین، اور اخلاق کو اولیت اور فوقیت نیز دین کے کفو کو ترجیح دینے کے بارے میں عملی اور علمی دونوں طرح کی تعلیم وہدایت واضح ہیں۔

جیسا کہ اوپر کی تحریر سے ظاہر ہے۔ اس کے باوجود اگر مسلم معاشرہ میں ذات پات جیسی جاہلی چیزوں کا کچھ تصور پایا جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہم مسلمانوں پر ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلم معاشرہ گفتار کے غازی کے بجائے کردار کے غازی کا نمونہ پیش کریں تاکہ مسلم معاشرہ میں حقیقی مساوات، موانست اور اتحاد قائم ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی میں عملاً اس کا نمونہ امت کے سامنے پیش کیا تھا جنکی اتباع کے بغیر ہم مسلمانوں کے دین اور دنیا کی فلاح ناممکن ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے۔

عاشورۂ محرم کی حقیقت اور فلسفۂ شہادت

ذبیح اللہ تسنیم القاسمی
ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

کوئی ساعت کوئی دن کوئی تاریخ اور کوئی مہینہ ہو سب اللہ کے ہیں شنبہ کو یک شنبہ پر یک شنبہ کو دو شنبہ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ البتہ کچھ اعمال اور واقعات ایسے وقوع پذیر ہوتے ہیں جو بعض ایام اور بعض مہینوں کو اہم بنادیتے ہیں ماہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ بھی عام مہینوں کی تاریخوں کے مانند تھی۔ لیکن اللہ کے دو مقرب بندوں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی بے مثال قربانیوں اور اسوۂ تسلیم ورضا نے دس ذوالحجہ کو ایک اہم یادگار تاریخی دن بنادیا۔

ماہ رمضان بھی دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا لیکن نزول قرآن نے اس ماہ کو ماہ مبارک اور اس کی ایک رات کو شب قدر بنادیا۔

ماہ ربیع الاول کی تاریخ کو ہادی عالم ﷺ کی ولادت شریفہ نے تمام دنیا کے لیے سعادت وبرکت کی تاریخ بنادی۔

اسی طرح ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو بھی کچھ ایسے واقعات اس مادر گیتی پر رونما ہوئے ہیں جنہوں نے قیامت تک کے لیے اس تاریخ کو نمایاں، نیز باطل کی شکست اور غلبہ حق کا نشاں بنادیا۔

حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو جس کی تعداد تقریباً چھ لاکھ تھی اس متبرک ماہ کی دسویں تاریخ کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی تھی۔ فرعون اور اس کا لشکر دریائے مصر میں اسی روز غرق کر کے صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان کے شکریہ میں اس تاریخ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو جب اس کی تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی حضرت موسیٰ کی اقتدا میں روزہ رکھیں گے۔

حدیث شریف میں ہے۔ افضل الصیام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم یعنی رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے ہوتے ہیں (مسلم وابوداؤد)

اسی دن کی اہمیت وفضیلت کے متعلق بہت سے تاریخی واقعات بھی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے نکلے تھے۔ اسی دن حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی دن حضرت یوسفؑ اس کنوئیں سے نکلے تھے جس میں ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا، اسی دن حضرت داؤدؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اسی دن حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں میں از سر نو روشنی آئی تھی۔ اسی دن حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ یہی وہ مبارک تاریخ تھی جس میں حضرت محمد ﷺ کو اپنے تمام اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی تھی۔ (عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۴۷)

نیز یہی وہ تاریخ ہے جس میں سیدنا حضرت حسینؓ نے جام شہادت نوش فرماکر اولوالعزمی وجوانمردی کی تاریخ کو زندۂ جاوید بنادیا تھا۔

شہادت کا مفہوم

پرچم اسلام کو فضاء عالم میں لہرانے کے لیے اپنی عزیز ترین متاع حیات کو قربان کرنے اور خدا کے دین کو غالب وسربلند کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادینے کا نام شہادت ہے۔ اور جو پاک نفس انسان اس مقصد عظیم کے لیے خدا کی راہ میں کام آجاتے ہیں، انہیں کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں شہداء حق جیسے بہترین القاب سے پکارا جاتا ہے۔

اسلام کی کھیتی وہ کھیتی ہے جس کی سیرابی بارش کے قطروں سے نہیں ہوتی بلکہ خون شہادت کے قطروں سے وہ سیراب ہوتی ہے۔

چنانچہ تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب بھی کشت اسلام میں بہار آئی ہے۔ اور جب بھی گلستان دھر میں نیکیوں اور بھلائیوں کے لالہ وگل کھلے ہیں تو انہیں شہدائے حق کے طفیل میں جنھوں نے اپنے شہادت کے قطروں سے اس کو سیراب کیا ہے۔

کسی بھی قوم کے عروج وزوال اقبال مندی وفیروز مندی پستی وانحطاط کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک رزم اور دوسرے بزم جب کسی قوم کے افراد ورزم آرائیوں اور معرکہ خیزیوں سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، تو بلاتامل یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ

قوم زندہ ہے۔ اور اگر کسی قوم کے افراد بجائے رزم آرائی کے بزم آرائی اور محفل عیش وطرب کی رنگینیوں میں محو ہو کر کام ودہن کی لذت کوشیوں میں مبتلا ہیں تو یہ امر یقینی ہے کہ اس قوم میں اب زندگی کے آثار باقی نہیں ہیں۔ اور اس کو ذلت ورسوائی اور مرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

آتجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسنان اول طاؤس ورباب آخر

یہی کچھ حال امت مسلمہ کا بھی ہوا جب اس امت کے افراد ہمہ آن جذبۂ شہادت سے سرشار رہتے تھے۔ شمشیر بکف اور کفن بردوش ہو کر سرفروشی کی تمنا لئے ہوئے بازوئے قاتل سے زور آزمائی کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں آگے بڑھنے سے روک نہ سکی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ جس بے سروسامانی اور مادی وسائل کے فقدان سے شروع ہوئی وہ دنیائے تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ آفتاب اسلام کی سنہری کرنیں جس وقت خدا کی بن جُتی زمین پر پڑ رہی تھیں۔ تو کسی کو تصور نہ تھا کہ تمام عالم ان کرنوں سے منور ہوگا۔ اور ظلمت کدۂ جہل وطغیان بقعہ نور بن جائے گا۔ ریگستان کے فاقہ کش عرب اونٹوں کی گلہ بانی کرنے والے عالم کی گلہ بانی کریں گے۔ اور حالت یہ ہوگی کہ ملک کے ملک زیر نگیں ہو جائیں گے۔ دمشق سے لیکر پرتگال تک اسلامی پھریرا اڑے گا ایشیا کوچک اور سیریا مفتوح ہوں گے تا آنکہ قسطنطنیہ تک لشکر اسلام پہنچے گا۔ یورپ میں وسط فرانس تک اور مشرق میں ایران ہو کر اسلام کے جھنڈے ہندوستان بھی پہنچیں گے۔

ان تمام فتحیابیوں اور کامرانیوں کا راز درحقیقت بادۂ شہادت کی سرمستیوں میں تھا۔

لیکن افسوس ہے کہ جب سے امت کے افراد لذتِ شہادت سے نا آشنا ہوگئے نشۂ شہادت سے سرشار ہونے کے بجائے بادۂ شبانہ کی سرمستیوں میں کھوگئے تمنائے سرفروشی کے بجائے نفس کی جھوٹی لذتوں میں گم ہوگئے رزم گاہ عالم میں صف آرا ہونے کے بجائے بزم آرائیوں کا شکار ہوگئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے بھی امامت کا جو زرنگار تاج ان کے سروں پر رکھا تھا اس کو اتار لیا۔ کیونکہ اب وہ اس کے اہل نہیں رہے چنانچہ ان کی نااہلی کے نتیجہ میں دوسری قومیں ان پر غالب آگئیں۔

عروج وزوال کی یہی حقیقت ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے بہت پہلے اشارہ فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب دوسری قومیں تم پر ویسے ہی ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کوئی بھوکا کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتا ہے تو صحابہ کرام نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن تمہارے اندر وھن پیدا ہو جائے گا۔ تو صحابہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول وھن کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا حب الدنیا وکراھیة الموت، دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا ہے۔ یہ ہے وھن اور یہ ہیں وہ دو کمزوریاں جو تم کو تار عنکبوت - مکڑی کا جالا - سے بھی زیادہ کمزور بنا دیں گی۔

پس اگر آج ہم اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہماری یہ خواہش ہے کہ خدا ہمارے سروں پر پھر امامت و پیشوائی کا تاج زرنگار رکھے۔ اور خلافت ارضی کے خلعت فاخرہ سے نوازے، اور دین و دنیا کی فتح مندیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کرے۔ تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر اسلاف کا قلب و جگر پیدا کریں اور جام شہادت پینے کے لیے بر ضاو رغبت رہیں اور ہمارے شوق کا یہ عالم ہو بقول جگر مراد آبادی۔

اللہ رے شوق شہادت کوئے قاتل کی طرف
گنگنا تا رقص کرتا جھومتا جاتا ہوں میں

خون شہادت کی حسن آفرینیاں

ایک شہید کا خونچکاں کفن کس قدر مرکز حسن و تجلی ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ نگاہیں نہیں لگا سکتیں جو دنیا کی ظاہری دلفریبیوں اور جھوٹی رعنائیوں پر فریفتہ ہوتی ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح اندازہ آسمان کی ان حوروں ہی کو ہو سکتا ہے جس کے لیے خون شہادت کا ایک ایک قطرہ آماجگاہ حسن ہوتا ہے۔

خون شہادت کی سرخی میں کتنا حسن ہے کتنا جمال ہوتا ہے۔ اور کتنی جاذبیت ہوتی ہے اس کی داد سوائے خداوند قدوس کے کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ مادی نگاہیں سرخی، خون شہیداں کے حسن و جمال کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں دنیا کا کوئی بھی شوخ سے شوخ رنگ بھی اس سرخی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

شفق جتنا بھی اپنی رنگینی پہ ناز اں ہو
جواب سرخی خون شہیداں ہو نہیں سکتا

لیکن افسوس ہے کہ ہم مسلمان جس کے لیے خون شہادت کی سرخیاں سرمایہ فخر ناز تھیں آج بازار کی جھوٹی سرخیوں کے دلدادہ ہوگئے۔ایک زمانہ تھا کہ بچوں کا خاک وخون میں تڑپنا اور خون شہادت میں نہانا ان کی ماؤں کے لیے باعثِ فخر تھا۔ لیکن آج بازار کی سرخیوں اور پاؤڈروں میں بچوں کا دل بہلانا اپنے لیے فخر سمجھتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک ہم اس سرخیٔ شہادت سے اپنے چہروں اور گردنوں کو رنگین کرتے رہے۔اور قطرۂ شہادت کا ٹیکہ اپنی پیشانیوں پر لگاتے رہے دنیا میں ہم ترقی کرتے رہے غالب رہے اور جب ہمارا تعلق اس سے ختم ہو گیا ذلیل و خوار ہوتے چلے گئے۔

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا یہ ہے

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت فضیل بن عیاض کے پاس یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

یا عابد الحرمین لوابصرتنا
لعلمت انك فی العبادة تلعب
من كان يخضب خده بدموعه
فنحورنا بدمائنا تتخضّب

یعنی :اے حرمین کے گوشہ نشیں عابد۔اگر تم نے ہمارا حال دیکھا ہوتا تو معلوم کر لیتے کہ جس زہد وعبادت میں مشغول رہتے ہو۔وہ تو ایک طرح کا کھیل ہے۔جو شخص اپنے رخسار کو آنسوؤں سے ترکرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری عبادت وہ ہے جس میں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگیں ہوا کرتی ہیں۔

حضرت فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا صدق ابو عبدالرحمن کہ عبدالرحمٰن نے سچ کہا۔

کاش ہمارے اندر پھر یہی جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہم بھی اپنے رخسار اور اپنی گردنوں کو خون سے رنگین کریں اور خون شہادت کی سرخی ہمارے لیے سرمایۂ فخر وامتیاز بن جائے۔

جام شہادت کی لذت

انسان لذت کا دیوانہ ہے لذتوں کے پیچھے بھاگتا ہے مختلف قسم کے ذائقوں اور لذتوں کا یقین تو انسان نے کرلیا لیکن لذت کا یقینی اور صحیح معیار متعین نہ کرسکا وہ صرف اس چیز کو لذیذ سمجھتا ہے جس کے لذیذ ہونے کا فیصلہ اس کے کان اس کی آنکھیں اور اس کی زبانیں کرتی ہیں۔ حالانکہ لذت کا معیار صحیح نہیں ہے جو صرف کام و دہن ہی تک محدود رہے۔

دنیا میں صرف ایک ہی لذت ہے جس کو صحیح معنی میں لذت کہا جاسکتا ہے وہ جام شہادت کی لذت ہے۔ جن نفوس قدسیہ کو اس کی لذت کا صحیح اندازہ تھا وہ تمنائیں کرتے تھے اور جام شہادت نوش کرنے کے لیے خدا سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور شہادت کی الفت میں اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے۔ اور قربان گاہِ محبت پر اپنے آپ کو بھینٹ چڑھانے کے لیے رقص کرتے ہوئے جاتے تھے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

نمی دانم آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم باین ذوقے کہ پیش یار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

یعنی میں یہ نہیں جانتا کہ دیدار کے وقت میں کیوں رقص کرتا ہوں مگر اس ذوق پر نازاں ہوں کہ یار کے سامنے رقص کرتا ہوں، تو وہ قاتل ہے کہ تماشا دیکھنے کے لیے میرا خون بہاتا ہے اور میں وہ بسمل ہوں کہ خنجر خونخوار کے نیچے رقص کرتا ہوں۔

جام شہادت کا لذت آشنا ہمہ آن اپنا سر خنجر آزمائی کے لیے پیش کیے رہتا ہے۔ صحابہ کرام اسی جذبہ شہادت سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے ان کے نزدیک اللہ کی راہ میں سر کٹانا سب سے لذیذ مشغلہ تھا۔ ہر صحابی شہادت کی سعادت عظمیٰ حاصل کرنے کے لیے خدا سے دعا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند ہی سالوں میں گلشن اسلام میں بہار آگئی۔ یہاں مثال کے طور پر ایک جانباز سپاہی حضرت عبداللہ بن حرام کی شہادت کا واقعہ نذر قرطاس کررہا ہوں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام جام شہادت کو کتنا لذیذ سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن حرام دس بچوں کے باپ تھے۔ دس میں نو بیٹیاں تھیں اور صرف ایک بیٹا تھا لیکن جب دین کی حفاظت کے لیے جان مانگی گئی تو احد کے دامن میں باطل سے مقابلہ کیا اور داد شجاعت دیکر شہید ہو گئے۔

دشمنوں نے دوسرے مجاہدین کی طرح ان کا بھی چہرہ بگاڑا۔ غازیان اسلام نے ان کی لاش پر کپڑا ڈال کر حضورؐ کے سامنے رکھ دیا بیٹے نے باپ کی صورت دیکھی تو آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ بہن قریب کھڑی تھی بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر ایک چیخ نکل گئی اب یہ دیکھئے کہ خدا کے یہاں عبداللہ کے ایثار کی کیسی قدر ہوئی۔

تمہیں بھی آگیا ہو پیار اس پر
کوئی ایسا شہید ناز بھی ہے

ایک دن سرور عالم نے حضرت جابر بن عبداللہ کو بہت پریشان دیکھا پوچھا جابر کیا بات ہے؟ عرض کیا حضورؐ باپ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے، نو (۹) بہنیں چھوڑی ہیں اور قرض الگ ہے۔ فرمایا اچھا تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ تمہارے باپ کے ساتھ خدا تعالیٰ کس طرح پیش آئے سنو، خدا تعالیٰ کسی سے بے پردہ بات چیت نہیں کرتا مگر جب تمہارے باپ عبداللہ خدا کے حضور میں پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان سے بے پردہ کلام فرمایا، کہا عبداللہ جو تمہیں مانگنا ہے مانگ لو۔ عبداللہ بولے آپ نے مجھ کو سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ اب تو صرف ایک تمنا باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ مجھے پھر ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ میں آپ کی راہ میں مارا جاؤں اور وہ کیف پھر حاصل کروں جو پہلی بار جام شہادت پینے سے حاصل ہوا تھا۔

جواب ملا کہ یہ تو میری سنت کے خلاف ہے۔

عبداللہ نے عرض کیا کہ اچھا تو ایسا کیجئے کہ دنیا میں رہنے والوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ خدا کے لیے گلا کٹانے میں وہ کیف ولذت حاصل ہوتی ہے جو دین ودنیا کی کسی نعمت سے حاصل نہیں ہوتی۔ (اسدالغابۃ)

حضرت عبداللہ بن حرام کی درخواست منظور ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے سورہ نساء کی وہ آیت نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس اچھی روزی پا رہے ہیں۔

اللہ ہمیں بھی اپنی راہ میں سردھڑ کی بازی لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی وجہ، فتنۂ مال اور اس سے نجات کی راہ

حفظ الرب، الہ آباد

جو بھی مفکر غور کریگا وہ اس بات سے ضرور متفق ہو گا کہ پوری دنیا میں مسلمان معاشی اعتبار سے سکڑتے نظر آتے ہیں۔ سود خوروں نے معاشی تسلط قائم کرلیا ہے۔ غریبوں کی غربت اور سود خوروں کی معیشت پر پکڑ بڑھتی جارہی ہے۔ سازش پرواز سود خور سرمایہ داروں نے فتنہ مال کے ذریعہ حق کو پوری طرح بے دخل کر کے پوری دنیا کو اپنا استعمار بنانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اس فتنہ مال کی بنیاد سود اور لگاتار گھٹایا جارہا دولت کا پیمانہ ہے۔ اس ظالمانہ پیمانہ کے استعمال کی وجہ سے ہی قیمتوں کے بڑھتے رہنے کا دعوکہ جسے افراط زر کہتے ہیں پیدا ہوتا ہے ان ظالموں کا طریقہ ہی یہ ہے کہ یہ باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں اس مسئلے کی اصل پر ہم نے قرآن اور سنت کی روشنی میں غور نہیں کیا اور اسی وجہ سے ہم باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھ بیٹھے اور اسلام کے نام پر اسلام کی بنیادوں کو کھودتے رہے۔ اس طرح اس بات کی بنیادی وجہ معاشی معاملات میں اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی ہے۔

ناپ اور وزن کے معاملے میں کسی بھی طرح کمی نہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہم کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو انکے اموال کے معاملے میں گھاٹا نہ دیں یعنی انکے دیون و قرضوں کو پورا پورا ادا کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیائھم ولا تفسدوا فی الارض"

ہم کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تعین کے معاملے میں قسط یعنی عدل وانصاف کے لحاظ سے جو برابر ہے اس سے کم یا زیادہ نہ کریں۔ حکم ربانی ہے۔

" الا تطغوا فی المیزان. واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان"

ان احکام کی بجاآوری کے لئے معیاری پیمانوں کا استعمال لازمی ہے۔ بالفرض اگر پیمانہ کو نصف کردیا جائے تو پہلے سے لیا گیا قرض بلحاظ نئے پیمانہ کے دوگنا قرار پائے گا اسی طرح شراکت اور مضاربت کے معاملات میں پہلے سے لگائے گئے مال کو بھی دوگنا کر کے نفع ونقصان کا تعین کیا جائیگا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر پیمانہ میں کمی کی کا صحیح علم نہ ہو تو احکام خداوندی کی بجا آوری میں شدید دشواری لاحق ہوگی۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج پیمانہ کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا۔ حدیث صحیح ہے "مکہ کے اوزان اور مدینہ کے ناپ (کیل) معتبر ہے" یہ بات بھی مسلم ہے کہ احکام کے بیان کے لئے بھی آپؐ نے معیاری پیمانوں کا استعمال کیا۔

بات واضح ہے قرآن وسنت کے نزدیک پیمانوں کا معیاری ہونا لازمی ہے۔ اسلئے کسی اسلامی حکومت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ غیر معیاری پیمانہ رائج کرے۔ جو بھی کام احکام شرعیہ کے مطابق حقوق کے تعین میں دشواری پیدا کرے جس سے شریعت کے حکم کو جاننے سمجھنے اور اسکے مطابق عمل کرنے میں پریشانی لاحق ہو حق کو باطل سے مشتبہ کرنے کے حکم میں بھی آتا ہے۔ اس لئے بھی دولت کے پیمانہ کو کم کرتے رہنا واضح طور پر اسی قسم کا ایک ظلم ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ ظلم عظیم ہے کیوں کہ کرنسی کا یہ کم ہونا (Depreciation) ہی افراط زر ہے، جو سودی طریقوں کے غلبہ پاجانے کی وجہ سے پیدا ہونے والا سود کا غبار ہے۔ جس کی وجہ سے غریبوں (عام طور پر) اور شریعت کے پابند مسلمانوں کا (خاص طور پر) مال کھینچ کھینچ کر سود خور جمع کرتے جارہے ہیں اسی وجہ سے شریعت کے مطابق معاشی معاملات کو انجام دینا دشوار ترین کام نظر آتا ہے اور سودی طریقوں وسود خوروں کا غلبہ بڑھتا چلا جارہا ہے (کتاب، "نظام سرمایہ داری اور اسلامی معاشیات" جسے فقہ اکیڈمی آف انڈیا نے شائع کیا ہے میں میں نے اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے)۔

افراط زر کی حقیقت: فی الحقیقت افراط زر دولت کے پیمانہ کو کم کرنے (Depreciation) سے پیدا ہونے والی گرانی کے دھوکہ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ متصلہ صفحہ ۱۸

ذیل مثالیں اس بات کی مکمل طور پر وضاحت کرتی ہیں کہ ڈیپری ایشن یعنی کرنسی کا کم کیا جانا دولت کے پیمانہ کا کم کیا جانا ہی ہے :

(ا) فرض کیجئے کہ کسی ملک میں سونے کو ہی اس کی کرنسی کے عوض خرید وفروخت کیا جاتا ہے۔ فرض کیجئے آج کے دن ایک لاکھ گرام سونے کو ایک لاکھ کی کرنسی سے فروخت کیا گیا۔ معاشی ماہرین کے نزدیک کرنسی آج کے دن ایک گرام سونے کی نمائندگی کرتی ہے۔ شریعت کے تعلق سے بھی یہی بات درست ہے کیوں کہ ایک گرام سونے کی نمائندگی کرنے والی یہ کرنسی ایک گرام کے ہی قائم مقام ہے۔ اسی طرح اگر 6 سال بعد 20 لاکھ گرام سونے کو 40 لاکھ کی کرنسی سے فروخت کیا جائے تو معاشی ماہرین کے نزدیک کرنسی نصف گرام سونے کی نمائندگی کرتی ہے اور شریعت کے نزدیک بھی وہ کرنسی نصف گرام سونے کی ہی قائم مقام ہے۔ اس طرح کرنسی کا سکڑنا (Depreciation) دولت کی مقدار جس کی کرنسی نمائندگی کرتی ہے اس کا کم کیا جانا ہے۔

(ب) فرض کیجئے کہ کسی ملک میں کھانا کپڑا اور رہائش ہی کرنسی کے عوض خرید وفروخت ہوتے ہیں۔ آج کے دن ایک لاکھ (کرنسی) میں ایک ایک لاکھ یونٹ کھانا کپڑا اور رہائش فروخت ہوتے ہیں اور 6 سال بعد چار لاکھ (کرنسی) میں دو دو لاکھ یونٹ کھانا کپڑا اور رہائش فروخت ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ آج کرنسی ایک ایک یونٹ کھانا کپڑا اور رہائش کی نمائندگی کر رہا ہے اور 6 سال بعد صرف نصف نصف یونٹ کھانا، کپڑا اور رہائش کی نمائندگی کریگی۔ اس طرح کرنسی کا سکڑنا (Depreciation) دولت کی جس مقدار کی کرنسی نمائندگی کرتی ہے اسکی مقدار یعنی دولت کے تعین کے پیمانہ کا کم کیا جانا ہی ہے۔

سونے کے معیار کے معطل کیئے جانے سے پہلے افراط زر یعنی تمام اشیاء کی قیمتوں کے لگاتار بڑھنے کا معاملہ دنیا میں کبھی پیش نہ آیا تھا اور یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ اگر دولت کا معیاری پیمانہ رائج ہو تو افراط زر ممکن نہیں ہے کیوں کہ معیاری ثمن کی رسد کو بڑھانے میں شدید دشواریاں پیش آتی ہیں اور اگر دستیابی بڑھ بھی جائے تو لوگ اس کا تبادلہ کم مال کے عوض نہ کرینگے کیوں کہ جمع رکھنے سے یہ کم نہیں ہوتی۔ لوگ کم مال کے عوض بدلنے کے بجائے اسے ہی رکھنا پسند کرینگے۔ ہاں اگر کسی شئے کی رسد اسکی طلب سے کم ہو جائے تو اسکی قیمت بڑھتی ہے لیکن اگر رسد طلب سے زیادہ ہو جائے تو اسکی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ کچھ اشیاء

کی قیمتیں اسی طرح یعنی انکی طلب ورسد کے درمیان عدم توازن کی وجہ سے کم زیادہ ہوتی رہی ہیں۔ اسے ہی گرانی اور ارزانی کہا جاتا ہے۔ قیمتوں کا اس طرح سے بڑھنا اور کم ہونا ایک فطری بات ہے۔ ایک بار عہدِ رسالت میں بھی قیمتیں اسی طرح چڑھ گئی تھیں صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیمتیں متعین کرنے کے لئے عرض کیا تب آپؐ نے فرمایا، "قیمتوں کا بڑھنا اور گھٹنا اللہ کی طرف سے ہے" کچھ معاشی ماہرین قیمتوں کی اس فطری کمی وزیادتی کو اور اسی طرح افراط زر کی وجہ سے پیدا ہونے والے نتائج کو بھی افراط زر کہتے ہیں اور اس طرح افراط زر کے اس ظلم عظیم کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں جسے عوام نہ سمجھ سکیں۔ ان کا یہ فعل بھی معقول وجہ نہیں ہے اور اس پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر منکشف ہوتی ہے کہ انکا یہ فعل بھی انکی ظالمانہ سازشوں کا ہی ایک جزء ہے۔

اگر چینی کو بھی کرنسی بنادیا جائے تو بھی اسکی رسد کو بڑھانے کے لئے اسکی پیداوار بڑھانی ہوگی اسکو پیدا کرنے میں جو خرچ آئیگا وہی اسکی قیمت خرید کو متعین کریگا۔ اس طرح اس کی قیمت خرید اسکی فطری قیمت ہوگی۔ سکڑنے والی کاغذی کرنسی کی رسد بڑھانے کے لئے تو کرنسی کی چھپائی کا حکم ہی کافی ہے۔ اسی لئے حکومت جس قدر چاہے اسکی رسد بڑھا سکتی ہے۔ اسکی رسد کو بڑھانا ہی یہ دولت کی جس مقدار کی نمائندگی کرتی ہے اسکا کم کیا جانا ہے پس گرانی فطری وجوہ سے پیدا ہوتی ہے اور افراط زر دولت کے پیمانہ کے کم کئے جانے کے ظالمانہ فعل کی وجہ سے پیدا ہونے والا قیمتوں کے بڑھنے کا دھوکہ ہے۔

1920-1930 سے قبل رائج کاغذی نوٹوں کو علماء کرام نے ثمن اصطلاحی کہا تھا اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان نوٹوں کے بارے میں اثمان خلقی جیسے احکام ہی جاری ہونگے۔ یہ نوٹ ان پر درج سونے، چاندی کی مقدار کی نمائندگی کرتے تھے اور اسی وجہ سے معیاری تھے۔ نوٹوں کے استعمال سے سود خوروں کو تقویت تو ضرور پہنچی لیکن حساب کتاب میں کوئی دشواری لاحق نہیں ہوتی تھی۔ اس درمیان سود خور غالب ہورہے تھے سود خوروں اور انکی ظالمانہ روش کی وجہ سے روشنی حق سے محروم معاشی ماہرین کی رائے کے مطابق سونے کے معیار کو معطل کیا گیا اور مسلسل کم کی جانے والی کرنسی نافذ کی گئی۔ یہ کم ہوتی رہنے والی کاغذی کرنسی بھی دولت کا پیمانہ ہے لیکن دولت کی جس مقدار کی یہ نمائندگی کرتی ہے اس کا اعلان نہیں کیا جاتا اور حکومت مقدار۔ جس کی کرنسی نمائندگی کرتی ہے۔ کو کم کرتی رہتی

ہے۔ جس مقدار کی کرنسی نمائندگی کرتی ہے اسکا کم کیا جانا واضح طور پر دولت کے تعین کرنے کے لئے استعمال ہونے والے پیمانے کا کم کیا جانا ہے کرنسی کی اپنی کوئی اصل نہیں ہے اور دولت کی جس مقدار کی یہ نمائندگی کرتی ہے اس کے علاوہ یہ اور کچھ بھی نہیں ہے دولت کی جس مقدار کی یہ نمائندگی کرتی ہے اسے حکومت مسلسل طور پر کم کرتی رہتی ہے اسی وجہ سے اسے قرض و دیون کی ادائیگی اور نفع و نقصان کے تعین کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ درج ذیل مثال اس بات کو مکمل طور پر ثابت کرتی ہے۔

فرض کیجئے کہ آج کے دن کرنسی سوا چار گرام سونے کی نمائندگی کرتی ہے۔ یعنی ایک دینار کے قائم مقام ہے اور پانچ سال بعد سونے کی نصف مقدار یعنی نصف درہم کی نمائندگی کرتی ہے فرض کیجئے آج آپنے دو کی مقدار میں رائج کرنسی قرض لیا اور پانچ سال بعد جب کہ کرنسی نصف دینار کی ہی نمائندگی کررہی ہوگی آپ قرض ادا کرتے ہیں۔ اگر آپ چار کرنسی ہی واپس کریں تو قرض ادا نہ ہوگا کیوں کہ آپ نے جو قرض لیا تھا وہ چار دینار کے قائم مقام تھا اور آپ جو کرنسی واپس کررہے ہیں وہ صرف دو دینار کے قائم مقام ہے کیا آپ چار کی مقدار میں کرنسی واپس نہ کریں گے ؟

جب فلس کی تعداد جو دینار کی نمائندگی کرتے تھے کو بڑھایا گیا تو امام یوسفؒ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دیون کی ادائیگی کے لئے فلس کی مقدار ادا کرنی ہوگی جو بلحاظ دینار دیون کی برابر ہو مثال کے طور پر اگر قرض لئے گئے فلس نصف دینار کے برابر رہے ہوں تو فلس کی وہ مقدار واپس کرنی ہوگی جو قرض کی ادئیگی کے دن نصف دینار کے برابر ہو۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دولت کے معاملے میں بھی اگر پیمانہ میں کمی کی جائے تو اسکی تلافی لازم ہے۔

فرض کیجئے کہ حکومت ایک حکم کے ذریعہ کل سے 500 گرام والا کلو نافذ کردیا جاتا ہے تمام قیمتیں نصف ہو جائیں گی۔ وزن کے پیمانہ میں کی گئی اس کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والی قیمتوں کی اس ظاہری کمی کو کیا آپ ارزانی قرار دینگے ؟ پس جس طرح وزن کے پیمانہ کو کم کرنیسے قیمتوں کے گھٹنے کا دھوکہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح دولت کے پیمانہ کے کم کیے جانے سے قیمتوں کے بڑھنے کا دھوکہ پیدا ہوتا ہے اسی لئے دولت کے پیمانہ کے کم کرنے سے قیمتوں کا ظاہری طور پر بڑھنا یعنی افراط زر گرانی نہیں ہے۔ پس گرانی فطری وجوہ سے پیدا

ہوتی ہے اور افراط زر دولت کے پیمانہ کے کم کئے جانے کے ظالمانہ فعل کی وجہ سے پیدا ہونے والا قیمتوں کے بڑھنے کا دھوکہ ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ شریعت کے نزدیک قیمتوں کا کم یا زیادہ ہونا دیون کی ادائیگی کے معاملے میں معتبر نہیں ہے لیکن افراط زر تو دولت کے پیمانہ کا کم کیا جاتا ہے اور گرانی نہیں ہے اور جس طرح وزن کے پیمانہ کو کم کرنے سے قیمتوں کے گھٹنے کا دھوکہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح دولت کے پیمانہ کے کم کئے جانے سے قیمتوں کے بڑھنے کا دھوکہ پیدا ہوتا ہے اصلاً تمام اشیاء کی قیمتیں بڑھتی نہیں ہیں۔

جب ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم پر یہ لازم ہے کہ اپنے معاملات میں معیاری پیمانوں کا ہی استعمال کریں اور اگر پیمانہ میں کسی وجہ سے کمی ہو جائے تو اسکی تلافی بھی لازم ہے تب یہ بات بھی لازم قرار پاتی ہے کہ ہم دولت کے رائج ظالمانہ پیمانے یعنی کرنسی میں کی جانے والی کمی کا تعین بھی کریں ایسا اس لئے ضروری ہے کیوں کہ حکومت یہ نہیں بتاتی کہ کرنسی کو کس قدر گھٹایا گیا ہے اور قوت خرید کے تعین کا رائج طریقہ شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔

اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم دولت کا ایک معیار قائم کریں اور اپنے معاملات میں نفع نقصان اور دیون کے تعین کے لئے اسے دولت کے پیمانہ کے طور پر استعمال کریں۔ میری تحقیق کے مطابق موسمی کمی و بیشی کیلئے درست شدہ تھوک بھاؤ کے لحاظ سے ایک تناتی کرنسی میں دستیاب ہونے والی سونے، چاندی اور باقی اموال ربویہ کی ٹوکری کو معیار بنایا جانا چاہئے۔ جس دن یہ معیار دولت تسلیم کیا جائے اس دن کی کرنسی اس معیار کی قائم مقام ہوگی۔ بس جس دن کرنسی نوٹ کی جو مقدار اس معیاری دولت کے قائم مقام ہوگی وہ مقدار ہی اسدن کیلئے کرنسی اور اس معیاری پیمانہ کے درمیان زر مبادلہ قرار پائے گی۔

ملت اسلامیہ کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کچھ فوری قسم کے اقدام بھی ضروری نظر آتے ہیں مثال کے طور پر ہم کو انفرادی، مقامی اور صوبائی سطح پر معیار کو نافذ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جب تک یہ طریقہ عام نہ ہو جائے عوام کو سونے کو معیار مالی کر لے اپنے معاملات کو سود سے پاک کرنیکا حکم دیا جانا چاہئے قیمتوں کے اشاریہ والے طریقہ کے ذریعہ فوری طور پر خاص کر جو لوگ مسلم نہیں ہیں انسے معاملات کرتے ہوئے سود سے بچایا جا سکتا ہے (اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حکومت کے غلط فیصلوں کی پوری تلافی ممکن نہیں ہو سکتی

اسلئے اس کے تعین کے طریقہ کی خرابیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فوری طور پر جب کہ کوئی بہتر طریقہ رائج نہیں [illegible] لئے اس طریقہ کا جو لوگ مسلم نہیں ہیں ان سے [illegible] ہے۔

قرض کے معاملات [illegible] ہوا سے وہ چیز بازار سے یا اگر موجود [illegible] سکی (قرض کی [illegible] سے قرض لیتے ہیں ان کو قرض دیتے وقت یہ معلوم کرلیا جائے کہ تھوک بھاؤ کے لحاظ سے وہ اپنے سونے کی کس مقدار کی قیمت قرض لے رہے ہیں پس قرض خواہ کو بتادیا جائے کہ اس سے سونے کی وہ مقدار خرید کر اس کا دام ادا کیا جارہا ہے لیکن اس سونے کو طے شدہ مدت تک بطور امانت ہی جمع رکھا جائیگا اور اگر وہ چاہے تو اسے رائج تھوک بھاؤ کے مطابق فروخت شدہ سونے کی قیمت ادا کرنے پر اس کا مال واپس کر دیا جائے گا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں بہت سے دوسرے معاملات بھی اسی طرح بڑی آسانی کے ساتھ حل کئے جاسکتے ہیں۔

وکفی بربك هادیا ونصیرا
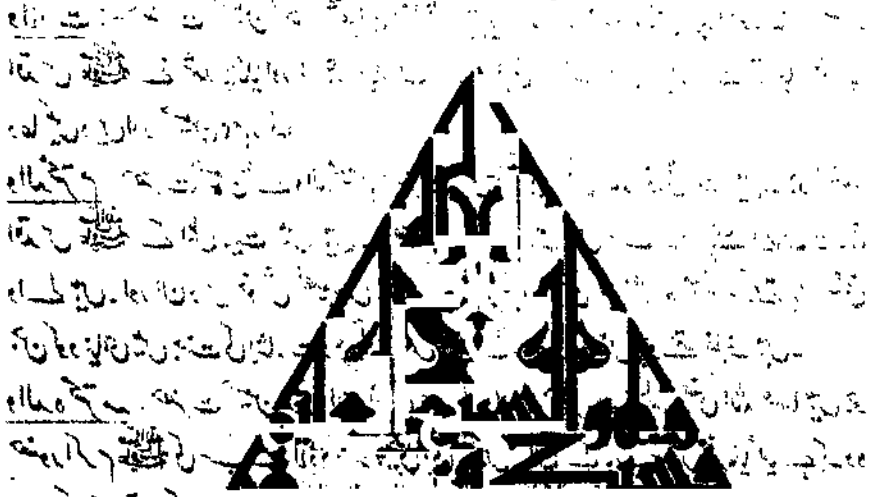
حضرت حسینؓ

قطب الدین ملا ایم ،اے ،بی ،ایڈ فاضل دینیات ،
ادیب کامل ، ۷ ۲۴۴ ۔ کامت گلی بیلگام ۔ ۵۹۰۰۰۲

ایک ایسی شخصیت جس کی محبت وعظمت ہر فرد امت کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، آج کی صحبت میں اسی عظیم اور مثالی شخصیت حضرت حسینؓ کے بارے میں کچھ لکھنے کی سعادت بہ توفیق خداوندی حاصل کررہا ہوں۔

ولادت :- حضرت حسینؓ ۵ ر شعبان المعظم ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے شہد چٹایا اور انکے مبارک منہ کو اپنی برکت والی زبان سے تر کیا۔ خوب دعائیں دیں اور حسین نام رکھا۔

والدمحترم : حضرت حسینؓ کے والدمحترم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت میں ہیں۔ حضرت علیؓ، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور ان دس خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کہتے ہیں یعنی جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی۔ اور خلفائے راشدین میں چوتھے خلیفہ ہیں۔

والدہ محترمہ : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی سب سے لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھیں۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

جد امجد : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا کا نام ابو طالب اور دادی کا نام فاطمہ اسدیہ ہے۔ پڑدادا کا نام عبدالمطلب اور پڑدادی کا نام فاطمہ بنت عمر ہے۔

<u>نانا، نانی</u> : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نانا خود حضور اقدس ﷺ ہیں جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار اور خدا کے بعد سب سے افضل ہیں۔ نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں جو عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی ہیں۔ پرنانا حضرت عبداللہ اور پرنانی حضرت آمنہ ہیں۔(۱)

<u>شکل وشباہت</u> : ان تمام باتوں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ آپ حسب ونسب کے اعتبار سے کتنے بلند مرتبہ پر تھے۔ اس کے علاوہ ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ سر سے سینہ تک اور حضرت حسینؓ سینہ سے قدمہائے مبارک تک اپنے نانا کے مشابہ تھے۔(۲)

<u>حضورؐ کی محبت</u> : حضور اقدس ﷺ کو اپنے دونوں نواسوں سے بڑی محبت تھی۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پر چڑھ کر کھیل رہے تھے۔ تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کو ان دونوں سے اتنی محبت ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا حسنؓ وحسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔(۳)

<u>ایک مثالی عابد</u> : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت عبادت گذار تھے۔ نماز، روزہ اور حج کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ آپ نے پاپیادہ ۲۰۔۲۵ حج کیے۔

<u>کمسنی اور اسلام کے اہم واقعات</u> : جس وقت حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا ہے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر صرف چھ سال چند ماہ کی تھی۔ اس لیے آپ کو اسلام میں سبقت کا، دین کی خاطر ہجرت کا، غزوۂ بدر میں شرکت کا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کا موقع نہیں ملا تھا ان تمام باتوں کی بڑی بشارتیں آئی ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ نسب کی یہ تفصیلات "رحمۃ للعٰلمین" سے ماخوذ ہیں۔
۲۔ "المرتضیٰ" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دام ظلہٗ بحوالہ ابن کثیر ج ۸ صفحہ ۳۳۔
۳۔ "المرتضیٰ" صفحہ ۳۳۷

<u>ہجرت کی فضیلت</u> : دین کی خاطر اپنے وطن اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا یہ اتنی بڑی فضیلت کی بات ہے کہ اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ ہجرت کے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صحیح احادیث میں مروی ہے۔

اَلاِسلاَمُ یهدم مَاکَان قَبْلَهٗ والهجرة تهدم ملکان قبلها

یعنی مسلمان ہونا پچھلے سب گناہوں کے انبار کو ڈھا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت کرنا پچھلے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔(۱)

<u>مہاجرین و انصار کی فضیلت</u> : اور جو لوگ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے اور ہجرت کی ان کے مرتبہ کو بعد والے نہیں پہنچ سکتے۔ سورہ انفال میں اللہ تبارک تعالی فرماتا ہے۔

وَ الَّذِینَ اٰ مَنُوْ وَهَاجَرُوا وَجٰهَدُو ا فِیْ سَبِیلِ اللّٰه وَالَّذِیْنَ اٰوَوْ ا وَّ نَصَرُوآ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاط لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ(۷٤)

ترجمہ : اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ وہی ہیں سچے مسلمان ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔(۲)

بہر حال ان آیات میں مکہ سے ہجرت کرنے والے صحابہؓ اور ان کی مدد کرنے والے مدینہ کے انصارؓ کی تعریف و ثناء اور ان کے سچے مسلمان ہونے کی شہادت اور ان کی مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ مذکور ہے۔

<u>شرکائے بدر کی فضیلت</u> : مدینہ کی ہجرت کے بعد غزوۂ بدر پیش آیا غزوہ اسلامی تاریخ میں اس جنگ کو کہتے ہیں۔ جس میں حضور اقدس ﷺ نے خود شرکت فرمائی ہو۔ اور جس لڑائی میں حضورؐ نے شرکت نہیں فرمائی اسے سریہ کہتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کے لیے اللہ تعالی نے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف کرنے کی بشارت سنائی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ تحقیق اللہ تعالی نے اہل بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے(۳)

۱۔ معارف القرآن جلد ہشتم صفحہ ۳۰۰۔۲۹۹

۲۔ معارف القرآن جلد ہشتم صفحہ ۳۰۰۔۲۹۹

۳۔ "سیرۃ المصطفیٰ" از مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ جلد دوم صفحہ ۴۔۶۰۳۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا(۱)

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپؐ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا سب سے افضل و بہتر۔ جبرئیلؑ نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل و بہتر ہیں۔ (۲)

بیعت رضوان : اور حدیبیہ میں جن لوگوں نے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، حق تعالیٰ شانہ نے بلا کسی قید و شرط کے ان سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان کیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

ترجمہ : تحقیق اللہ راضی ہوا مومنین سے جس وقت کہ وہ آپؐ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ (۳)

مسند احمد میں جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ (۴)

الغرض! حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر رمضان ۲ھ میں پیش آیا تھا۔ اس طرح ہجرت اور غزوۂ بدر کے موقع پر آپ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حدیبیہ میں بیعت رضوان کا واقعہ ۶ھ کا ہے۔ اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر شریف سولہ دو سال کی تھی۔ بہر حال یہ تمام عظیم بشارتیں آپ کے حصہ میں نہیں آئی تھیں۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے شہادت جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا۔ (۵)

واقعہ کربلا : حضرت حسینؓ کی میدان کربلا میں مظلومانہ شہادت یقیناً ان کی سعادت اور خوش

۱۔ "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم صفحہ ۲۔۳۰۶

۲۔ "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم صفحہ ۲۔۳۰۶

۳۔ "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم صفحہ ۲۵

۴۔ "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم صفحہ ۲۷

۵۔ یہ نکتہ امام ابن تیمیہؒ نے بیان فرمایا ہے دیکھئے "واقعہ کربلا" از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صفحہ ۲۴۴۔

بختی کی بات تھی جس کی وجہ سے انھیں قرب خداوندی حاصل ہوا۔ لیکن اس واقعہ میں شیعہ حضرات نے اپنی طرف سے رنگ آمیزی کر کے اس کو ایک افسوسناک موڑ دینے کی کوشش کی ہے۔ اصل واقعہ بس اتنا ہے کہ ----

شہادت حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ کی خلافت اور یزید کی ولیعہدی : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ اور آپس میں خون خرابہ ہونے لگا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے مسلمانوں میں مزید خون خرابہ نہ ہو اس خیال سے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اور آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بلند پایہ صحابی تھے۔ اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' کو ولیعہد بنایا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ' کے دور خلافت ہی میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' دنیا سے چل بسے۔ اب حضرت معاویہؓ کے بعد کوئی ایسی آہنی شخصیت موجود نہیں تھی جو اس وقت کے حالات میں طوفانوں کے دھارے کو بدل سکے۔ اپنے بعد کے حالات کو سنبھالنے کے لیے کسی مناسب انتظام کا کرنا حضرت معاویہؓ کے لیے ضروری تھا اس موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عرب کے پانچ مشہور دور اندیشوں میں سے ایک تھے۔ یہ مہاجرین کے زمرہ سے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں شامل ہونے کی عزت بھی انھیں حاصل ہے۔ یہ غزوۂ تبوک میں بھی شریک تھے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی نظر فرمائی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی نمایاں رہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں پہلے بحرین کا پھر بصرہ کا اور پھر کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ بہر حال! حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت مغیرہؓ نے سوچا کہ حضرت معاویہؓ کے بعد خلافت کے لیے پھر سے ایک بڑا انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کو روکنے کی تدبیر ایک امیر کی حیثیت سے حضرت معاویہؓ اپنی زندگی میں ہی کرتے جائیں۔ اس لیے انھوں نے حضرت معاویہؓ کو یہ رائے دی کہ یزید کو ولی عہد مقرر فرمائیں۔ کیونکہ یزید میں حکومت کے کاروبار سنبھالنے کی صلاحیت تھی۔ اور دوسری طرف بنوامیہ ہی اہم کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ اور وہ کسی اموی شخصیت پر ہی مجتمع ہو سکتے تھے۔

اس تجویز کے سامنے آنے کے بعد حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے مشورہ کے بعد یزید کو ولیعہد بنایا۔ اور اپنے انتقال کے وقت یزید کو نصیحت کی کہ مدینہ والوں کا خاص خیال رکھے اور خاص طور پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت احترام کرے۔

خلافت یزید سے اختلاف اور اس کی وجوہات: حضرت معاویہؓ کے بعد جب یزید خلیفہ بنا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام بھی بعض روایات میں آیا ہے۔ ان حضرات کے اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ بنے یہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ فضیلت کے اعتبار سے بھی یزید ان حضرات کے مقابلہ میں کچھ نہیں تھا حضرت عبدالرحمٰنؓ تو صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے تھے۔ باقی حضرات حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے صاحبزادے تھے۔ اور یہ سب صحابہؓ کے زمرے میں تھے۔ اور ان سب کی حضور اقدس ﷺ سے قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ یزید صحابی نہیں تھا۔ صحابی ان کو کہتے ہیں جنہوں نے حالت ایمان میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہو یا نبی ﷺ نے ان کو دیکھا ہو۔ یزید حضور اقدس ﷺ کے وصال کے ۱۴۔ ۱۵ سال بعد ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کو دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یزید کے حصہ میں بظاہر ایک فضیلت آتی ہے کہ وہ قسطنطنیہ کے پہلے حملہ میں شریک تھا جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ ---

"پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہے"

لہٰذا اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ حضرات مغفرت کے شوق میں آ آکر لشکر میں شریک ہوگئے تھے۔ ان میں یزید بھی ایک تھا جو فوج کے ایک حصہ کا افسر تھا(۱)

یزید کے بارے میں عام طور پر غلو سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کو بڑھا چڑھا کر

۱۔ تاریخ اسلام دوم صفحہ ۸ ج۔

صحابی اور نبی تک کہہ دیتے ہیں اور بعض لوگ نفرت اور مخالفت میں کافرو منافق تک کہہ دیتے ہیں لیکن محتاط علماء درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔

یزید کی اصل حیثیت: امام ابن تیمیہؒ اپنی مشہور کتاب منہاج السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ----

"یزید کے سلسلہ میں لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک کا اعتقاد ہے کہ یزید صحابی بلکہ خلفائے راشدین میں سے یا بلکہ انبیائے کرام کے قبیل سے تھا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور بدباطن منافق تھا۔ اس کے دل میں بنوہاشم اور اہل مدینہ سے اپنے ان کافر اعزاء و اقارب کا بدلہ لینے کا جذبہ تھا جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھ......

...... لیکن یہ دونوں قول ایسے غلط اور بے بنیاد ہیں کہ ہر سمجھدار اس کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔ یزید حقیقت میں ایک مسلمان فرمانبردار اور بادشاہانہ خلافت والے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ نہ وہ صحابی یا نبی تھا اور نہ ہی کافر و منافق"(۱)

بہر حال! ان حضرات کے مقابلہ میں یزید کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس لیے ان حضرات نے یزید کی مخالفت کی۔

حضرت حسینؓ کی مکہ روانگی اور کوفی سرگرمیاں: مدینہ کے حاکم نے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو آپ مدینہ سے نکل کر مکہ مکرمہ چلے گئے یہ بات کوفہ والوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو لانے کے لیے ڈیڑھ سو (۱۵۰) خطوط لکھے اور لکھا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں فوراً کوفہ چلے آئیں۔ حضرت حسنؓ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو حالات معلوم کرنے کے لیے کوفہ بھیجا۔ وہاں پر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت حسینؓ کے لیے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ حال دیکھ کر مسلم بن عقیل نے، حضرت حسینؓ کو فوراً کوفہ آنے کے لیے لکھا۔

ابن زیاد کی زیادتیاں: کوفہ میں مسلم بن عقیل کی سرگرمیوں کا حال یزید کو معلوم ہوا تو اس نے حالات کو اپنے قابو میں لانے کے لیے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ

۱۔ واقعہ کربلا از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صفحہ ۲۳۹

ایک سخت گیر حکمران تھا۔اس کے نزدیک حکومت کی مخالفتوں کو ختم کرنا اور حالات کو اپنے کنٹرول میں رکھنا ہی سب سے زیادہ اہم بات تھی۔ شخصیات کا اور ان کی عظمتوں کا احترام اس کے دل میں بالکل نہیں تھا۔ تو ابن زیاد نے عمر بن سعد بن وقاص کو ایک لشکر دیکر بھیجا کہ وہ حضرت حسینؓ کا راستہ روک لے۔ اور ادھر کوفہ میں اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ مسلم بن عقیل کا پتہ لگایا اور کچھ تو اپنی چالاکیوں سے اور کچھ تو لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مسلم بن عقیل کے حامیوں کو منتشر کر دیا۔ وہ کوفی جنہوں نے ساتھ دینے کے اور جان دینے کے بڑے بڑے وعدے کئے تھے ایک ایک کر کے نکل گئے۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ ان کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کافی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں۔ ان کے ذریعہ حضرت حسنؓ بھی ستائے گئے تھے۔ اس موقع پر بھی انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئے گئے سارے وعدوں کو بھلا دیا۔ اور مسلم بن عقیل کو اکیلا چھوڑ دیا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔

<u>حضرت حسینؓ کربلا میں</u>: ادھر حضرت حسینؓ، مسلم بن عقیل کا خط پا کر مکہ مکرمہ سے نکل پڑے تھے۔ اور کوفہ میں جو کچھ طوفان اٹھا تھا، اس کا ان کو بالکل علم نہیں تھا۔ راستہ میں حالات کا پتہ چلنے لگا۔ لیکن اٹھایا گیا قدم پیچھے ہٹانا مشکل تھا۔ بہر حال حضرت حسینؓ کربلا میں پہنچے تھے کہ ابن سعد بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت حسینؓ سے مقابلہ کرے۔ اس لیے صلح ومفاہمت کی بات شروع ہوئی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرو۔

۱۔ یا تو جہاں سے آیا ہوں وہاں مجھے جانے دو۔

۲۔ یا یزید کے پاس جانے دو

۳۔ یا سرحدوں کی طرف نکل جانے دو

<u>حضرت حسینؓ کی عزیمت</u>: بدلے ہوئے اور یکسر بدلتے ہوئے حالات جس نقطۂ عروج کے قریب پہنچ رہے تھے، ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کردہ یہ تین شرائط انتہا درجہ کی دور اندیشی پر مبنی تھیں۔ اور صلح ومفاہمت کے لیے اس سے بہتر کوئی شرائط نہیں ہو سکتی تھیں۔ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پہلی اور تیسری شرط ابن زیاد کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن دوسری شرط کو قبول نہ کرنا حضرت حسینؓ کی ضد اور بے جا ضد

کو نہیں بلکہ ابن زیاد کی ناعاقبت اندیشی اور ہٹ دھرمی کو ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال ابن زیاد نے یہ شرط رکھی کہ حضرت حسینؓ پہلے کوفہ آکر یزید کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ ابن زیاد کی اس بے جا ضد اور ہٹ دھرمی کا حضرت حسینؓ نے اپنے شایان شان جواب دیا کہ

"خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوگا"

اور اپنے کو مرضئ خدا کے حوالہ کرکے راہ عزیمت پر ڈٹے رہے۔

شہادت حسینؓ: اب ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا کہ اگر ابن سعد کمزوری سے کام لے تو تم باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لو ابن سعد بھی مجبور ہوگیا۔ اب سوائے جنگ کے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ جس کے نتیجہ میں جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے آپ کے ساتھی شہید ہوگئے جن میں ۱۵-۲۰ آپ کے اہل بیت میں سے تھے۔ اور ایک تیر سے آپ کی گود میں آپ کے ایک صاحبزادے بھی شہید ہوگئے۔ صرف حضرت زین العابدین جو بیمار اور صاحب فراش تھے بچ گئے۔ اور آخر میں حضرت حسینؓ بھی مظلومانہ طور پر شہید کردیئے گئے۔ یہ جمعہ کا دن اور یوم عاشورہ تھا۔ یعنی ۱۰ر محرم الحرام ۶۱ھ۔

یزید کا ردعمل: شہادت کے بعد آپ کے سر مبارک کو دمشق بھیجا گیا۔ اس کو دیکھ کر یزید کو بھی افسوس ہوا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے اپنے لوگوں سے کہا۔

"میں تو قتل حسینؓ کے بغیر بھی تم سے راضی رہتا۔ اللہ! ابن سُمَیّہ (یعنی ابن زیاد) کو غارت کرے۔ بخدا میں اگر اس کی جگہ ہوتا تو حسینؓ سے درگزر ہی کرتا۔ اللہ حسینؓ پر رحمت کرے۔"

اور حضرت حسینؓ کے سر لانے والے کو کوئی انعام وصلہ نہیں دیا۔

ابن زیاد کی نامرادی: تاریخ اسلام (جلد دوم صفحہ ۲۷) میں لکھا ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد کو امید تھی کہ قتل حسینؓ کے بعد اس کی خوب قدر دانی ہوگی۔ لیکن یزید نے واقعہ کربلا کے بعد مسلم بن زیاد کو خراساں کا حاکم مقرر کرکے ایران کے بعض وہ صوبے بھی جو بصرہ سے تعلق رکھتے تھے، مسلم کے ماتحت کیے اور عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ تمہارے پاس جس قدر فوج ہے اس میں سے چھ ہزار آدمی جس کو مسلم بن زیاد پسند کرے دیدو۔ ابن زیاد کو یہ بات ناگوار گذری اور وہ حضرت حسینؓ کے قتل پر افسوس کرنے لگا کہ اگر وہ ہوتے تو یزید کو میری ضرورت رہتی اور وہ میری عزت میں کمی نہ کرتا"۔

کردار حسینؓ کے چند نمایاں پہلو: حضرات! یہ کربلا کی مختصر روداد تھی۔ اس سے حضر
حسینؓ کے کردار کے چند نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ جس کو حق سمجھا اس پر ہمیشہ قائم رہے۔ اس راستہ سے انھیں کوئی
نہیں سکا۔ یہاں تک کہ اسی راستہ میں اپنے خاندان کے کئی افراد کے ساتھ جام شہاد
نوش فرمایا۔

دوسرے یہ کہ بظاہر حضرت حسینؓ کو اپنے مشن میں کامیابی نہیں ہوئی لیکن آخرت
کامیابی تو ضرور حاصل ہوئی۔ اس طرح معلوم ہوا کہ آدمی اگر حسن نیت کے ساتھ اور
کو راضی کرنے کے جذبہ کے ساتھ حق پر جم جائے تو اللہ اسے دو میں سے ایک کامیابی ضر
دیتا ہے۔ دنیا کا نفع ملے نہ ملے آخرت کا نفع تو ضرور حاصل ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ حالات چاہے کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں حق کی حمایت اور اس
کوشش میں لگ جانا چاہئے۔ چوتھے یہ کہ چاروں طرف حالات ناامیدی اور مایوسی کے ہول
بھی خدا سے حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا کردار میدانِ کربلا میں نظر آتا ہے جَ
۱۰ار محرم الحرام کی صبح دشمن کا لشکر آپہنچا تو آپ نے یہ دعا فرمائی۔

"خداوندا! تو ہی میرا سہارا ہے، ہر تکلیف میں، میرا قبلۂ امید ہے، ہر
کلفت، میں اور تجھ ہی پر۔ ہر مہم میں جو مجھے درپیش ہے۔ میرا بھروسہ ہے۔
کتنے ہی حالات ایسے ہیں جن کے مقابلہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے اور تدبیر کی
راہیں بند نظر آتی ہیں۔ دوست ان میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن طعنہ
زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں ان حالات کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں اور
تیری بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں۔ اس لیے کہ تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا
میں جانتا نہیں = پس تو حالات کی تکلیف اور ان کی ناسازگاری کو دور کرتا ہے
اور راہ نکالتا ہے یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر بھلائی کا سرچشمہ اور ہر امید کا
مرکز ہے"۔(۱)

اس دعا کو پڑھنے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی طائف والی دعا یاد آتی ہے جس وق
کہ حضور اقدس ﷺ نے ستانے والوں کی شکایت نہیں کی اور نہ ان سے فریاد کی بلکہ اللہ

ا۔ واقعہ کربلا از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی بحوالہ طبری جلد ۶ صفحہ ۴۴۔۲۴۱

سے حالات کی شکایت کی اور اللہ ہی سے امید باندھی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حق کو سمجھنے کی اور ہر حال میں حق کی حمایت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت حسینؓ کی علمی سرگرمیاں: یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف قریباً چھ سال اور چند ماہ کی تھی۔ چھ برس کا بچہ دین کی باتوں کو کیا محفوظ کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں۔ اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔

روایات حسینؓ: حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضو اقدس ﷺ سے سنا کہ کوئی مسلمان، مرد ہو یا عورت، اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو پھر عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کے وقت پہنچا تھا۔

یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔

ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسینؓ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات آپ کو یاد ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ ہاں! میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں۔ اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو ہم کو صدقہ جائز نہیں۔

حضرت حسینؓ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو۔

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں(۱)

ہمارا فرض: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ حسینؓ بچہ تھے کہ نبی ﷺ نے ان کی دونوں کلائیوں کو پکڑا۔ اس وقت حسینؓ کے قدم، نبی صلعم کی پشت قدم پر تھے۔ پھر فرمایا۔ چڑھو، چڑھو، حسینؓ اوپر کو چڑھتے جاتے حتیٰ کہ ان

۱۔ حکایات صحابہ از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صفحہ ۱۶۳

کے پاؤں نبی صلعم کے سینہ پر تھے اور منہ کے برابر منہ تھا۔ پھر فرمایا منھ کھولو۔ انہوں نے منھ کھولا تو نبی صلعم نے ان کا منھ چوم لیااور زبان سے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهٗ فَاِنِّیْ اُحِبُّهٗ

"الٰہی میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما" (۱)

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت عطا فرمائے اور ان کے ارشادات پر جو ابھی نقل ہوئے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی باتوں پر عمل کرتا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی سچی پکی محبت نصیب فرمائے کہ ان کے ارشادات پر عمل کی توفیق ملے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دین کی باتوں کو محفوظ کرکے دوسروں تک پہنچانے کی دولت بھی نصیب ہوجائے۔ اٰمین یارب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

۱۔ رحمۃ للعلمین جلد دوم صفحہ ۱۱۹، اڈیشن اگست ۱۹۸۰ء

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ حلبی شامیؒ

۱۳۳۶-۱۴۱۷ھ / ۱۹۱۷-۱۹۹۷ء

(خاکہ و تاثرات)

کچھ حسین یادوں کے اُجالے

دوسری قسط

از : مولانا نور عالم خلیل امینی
ایڈیٹر الداعی و استاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

میں گرم تھا اور میرا مترجم سرد!

۳۱ / اکتوبر تا ۳ / نومبر ۱۹۷۵ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاسی سالہ جشن منعقد ہوا، ۲ / نومبر کی شب میں شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر تھی، حدیث و سیرت و مغازی کے گہرے مطالعہ سے تراشیدہ، عمیق فکر اسلامی سے ڈھلی ہوئی، اسلامی درد اور دینی ولولوں میں بسی ہوئی اور معانی و بلاغت سے رولی ہوئی۔ اُن کی زبان کا ترجمہ ایک ندوی فاضل کررہے تھے۔ شیخ ہرچند عربی نژاد تھے لیکن علمائے برصغیر سے کثرتِ ارتباط و افادہ و استفادہ اور اس دیار میں بار بار کی آمدورفت کی وجہ سے اردو زبان کو کماحقہ نہ سمجھنے کے باوجود، یہ سمجھ جاتے تھے کہ مترجم سے فلاں بات رہ گئی اور فلاں خیال اپنی تہ داری کے ساتھ ادا نہ ہوسکا یا جوش و جذبے کی گل کاری اور افکار و خیالات کی نزاکتوں کا احاطہ نہیں ہوسکا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کی عالمانہ حس اور محدثانہ ذہانت بھی اُن کی راہ نمائی کرتی۔ اُن کا قیام دیگر عرب مہمانوں کے ساتھ دریائے گومتی کے کنارے حضرت محل پارک کے پہلو میں واقع "اودھ کلارک" ہوٹل میں تھا۔ ۲ / نومبر کی صبح کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ حدیث و فقہ و تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء اور راقم الحروف ان سے ملنے گیے۔ ان کی عالمانہ گفتگو و ظریفانہ و لویانہ گل افشانی سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ اسی دوران اُن کی شب کی

تقریر کا تذکرہ چل نکلا تو نہایت بلیغ جملے میں ترجمے کی خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "کُنتُ حارًّا وَکَانَ مُتَرجِمِیْ بَارِداً" یعنی میں گرم تھا اور میرا ترجمان سرد۔

میں کم و بیش پندرہ روز کی شبانہ روز کی اُن کی مجلس درس و محاضرات و تقریر میں شریک رہا ہوں، وہ اگر حدیث پاک، یا اُصولِ حدیث، یا کسی موضوع پر درس دیتے تو وہ زیر بحث آنے والے دیگر علوم و فنون پر ایسی فاضلانہ، چشم کشا اور سیر حاصل گفتگو کرتے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا کہ شیخ کا اصل موضوع یہی علوم ہیں اور انہی پر اُنھیں دست گاہ حاصل ہے۔ اُن کے درس و محاضرے میں بیٹھ کر ایسا لگتا کہ ہم ایک ایسے خوش سلیقہ گلستاں میں بیٹھے محو نظارہ ہیں جس میں ہر طرح کے خوش نما و دل ربا پھول اپنی جاں فزا خوشبوؤں کے ساتھ قلب و نگاہ کی آسودگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ علمائے سلف اور ائمہ کرام کی نیز دور آخر میں علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ کی مجالس درس کا تذکرہ سنا اور پڑھا تو تھا لیکن آنکھوں نے ان کی تصویر شیخ ابوغدہ ہی کے درس و تقریر میں دیکھی۔

علمی کمال اور دینی جمال کی بادِ بہاری

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں، جب کہ راقم الحروف ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاذِ زبان عربی کی حیثیت سے کام کر رہا تھا؛ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی دعوت پر، شیخ ابوغدہ وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ندوہ تشریف لائے۔ جمعرات ۲۶/جمادی الاخری تا منگل ۹/رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۳/مئی تا ۵/جون ۱۹۷۹ء ندوہ ہی میں اُن کا قیام رہا۔ ذمہ داروں کے اصرارِ مسلسل کے باوجود اُنھوں نے شہر کے کسی ہوٹل میں قیام گوارا نہ کیا بلکہ عام ہندوستانی مدرسین کی طرح مئی جون کی شدید گرمی میں وہ اس وقت کے سادے مہمان خانے میں جہاں اس زمانہ میں ضروری سامان راحت بھی دستیاب نہیں تھے علم و علماء کے درمیان اور دینی فضا میں قیام کو باصرار ترجیح دی۔

اُس موقع سے فخر ہند محدث عصر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ سے بھی یہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے کی گذارش کی گئی تھی جو اُنھوں نے ازراہ نوازش قبول فرما کر شیخ ابوغدہ کے ساتھ طویل قیام فرمایا۔ علم و فضل اور حدیث و اسماء الرجال کے ان دونوں شہ بازوں کے قران السعدین اور اجتماعی قیام کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ علم و کمال کی مینہ

برس رہی ہے۔ ہر طرف علم و فن کی باتیں، علمائے سلف کے قصے، حدیث و اسماء الرجال کے تذکرے، علمی نکتے اور لطیفے، مطالعہ و کتب بینی کے مشغلے؛ ان دونوں بزرگوں کے ہمہ وقت کے علمی و مذاکرتی انہماک کی وجہ سے اس طرح قائم ہوگئے تھے جیسے علم و فکر کا موسمِ بہار آگیا ہو یا فیضانِ علمی و بخشش آگہی کی بادِ بہاری چلنے لگی ہو۔

صبح سے ۱۲ بجے تک ہمہ روزہ درس میں اکثر حضرت مولانا علی میاں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہما اور ندوے کے اونچے درجے کے طلبہ کے علاوہ زیادہ تر اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ شیخ ابو غدہ (جو دن میں اصول حدیث اور بطور خاص شروطِ ائمہ خمسہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کا درس دیتے اور رات میں اکثر کوئی عام علمی محاضرہ والقا فرماتے) کا ابر علم برستا تو ایک ساتھ گوہر زبان و بیان اور علم و آگہی کا یاقوت و مرجان لٹا جاتا اور سامعین کا دامن ایک ہی نشست میں کفِ باغ بان اور دامنِ گل فروش سے زیادہ بھرا بھرا نظر آنے لگتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے اپنی ڈائری سے ایک پیراگراف نقل کردیا جائے جو راقم نے آج سے کم و بیش ۱۸ سال قبل شبِ یک شنبہ: ۲۹ / ۶ / ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۷ / ۵ / ۱۹۷۹ء کو شیخ ابو غدہؒ کے درس کی ایک نشست میں شرکت کے بعد لکھا تھا۔

"ابھی ابھی محدثِ کبیر علامۂ جلیل شیخ عبدالفتاح ابو غدہ استاذِ شریعت اسلامی کالج امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض، کے محاضرے اور درس میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر واپس ہوا ہوں۔ شیخ علم و عمل کی جامعیت، سچے مومن کی تواضع، انکساری، بے نفسی اور رقت قلب کے اعتبار سے نہ صرف عالمِ عرب بلکہ عالمِ اسلامی کی بے نظیر شخصیت ہیں۔ ہر چند کہ ان کا درس دراصل، اصولِ حدیث اور شروطِ ائمۂ خمسہ کے موضوع پر ہوا کرتا ہے، لیکن وہ فقہ و تفسیر، ادب و لغت، نحو و صرف، قراءت و تجوید، حکمت بیانی، طلاقتِ لسانی، لطیف اشاروں اور ماہرانہ رموز و نکات کا جامع ہوا کرتا ہے؛ جس سے درس دہندہ کی سلیقہ مندی، کثرتِ علم، وسعتِ مطالعہ، ژرف نگاہی، پختہ مغزی، طولِ تجربہ، فکر و فن سے گہری مناسبت اور اپنے موضوع پر دیرینہ ادھیڑ بن کے ساتھ ساتھ راہِ اکتسابِ علم میں ان کی شب بیداری اور شمع شعاری و پروانہ مزاجی کا بخوبی اندازہ ہوتا

ہے۔ نیز ان کی ذہانت، قوتِ حافظہ، کثرتِ محفوظات، طلبہ و مستفیدین کے سامنے مواد و مضامین پیش کرنے کے حوالے سے اُن کی فن کاری اور چابک دستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان سب چیزوں پر مستزاد اُن کی شیریں بیانی، شگفتہ سخنی، فصاحت بیانی، بلاغت شناسی، حاضر جوابی اور ادب و ظرافت کے عناصر سے مرکب اُن کی وہ زبان ہے جس کے سامنے بہت سے پیشہ ور عربی ادیبوں اور خطیبوں کی صنعت کاری ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ نو سال سے میں ندوے میں مدرس ہوں لیکن اب تک میں نے آنے جانے والے کسی عربی ادیب و خطیب کی زبان میں وہ چاشنی، سلاست، نہر کی روانی، الفاظ کی شوکت، تعبیر کی لذت، طرزِ ادا کی نزاکت، جملوں کی حلاوت نہیں دیکھی جو میں ابوغدہ کے یہاں کئی روز سے دیکھ رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اتنی بہت سی خوبیوں سے نواز دیتا ہے۔ اُن کا درس سنجیدگی و مزاح کا بھی حسین مخلوط ہوا کرتا ہے، علمائے سلف کے مسرت بخش لطیفوں مجلسِ درس کو زعفران زار بنائے رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جب بھی کسی عالمِ باکمال، زاہدِ اَوّاب، محدثِ جلیل، فقیہ بابصیرت کا تذکرہ کرتے یا اُن کے حصولِ علم کی داستان اُن کی زبان پر آجاتی ہے یا راہ علم میں بھوک پیاس سے بے پروا ہو کر اور راستے کی درازی و خطرناکی سے بے خوف ہو کر اُن کے سفر مُشوق کا حال سناتے ہیں یا اُن کے بے نظیر اخلاص، اپنے خدا اور اُس کے رسول سے اُن کی محبت و فنائیت کی طرف اِشارہ کرتے ہیں؛ تو وہ بار بار آب دیدہ و بے قابو ہو جاتے ہیں اور کئی کئی منٹ تک سلسلۂ درس منقطع ہو جاتا ہے۔

اِس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

ہم نے محسوس کیا ہے کہ وہ اِخلاص و وفا، رقتِ قلب، علم و عمل، بے نفسی و خاکساری، حیا و خجالت، ایمان و یقین، گدازی و نرم خوئی، دینی صلابت اور ایمانی حرارت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ یہ خصائل اب کبریت احمر کی طرح خواص و علماء میں بھی کمیاب ہیں۔ عوام و جہلا کا کیا ذکر۔"

منگل ۹/رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۵/جون ۱۹۷۹ء کو آٹھ بجے صبح لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر اُنھیں طلبہ و اساتذہ کی بڑی تعداد نے جس خلوص و محبت و عقیدت کے ساتھ رخصت کیا

تھا اُس کی ہلکی سی جھلک میں نے اپنی ڈائری میں بروز جمعہ ۱۲ / ۷ / ۱۳۹۹ھ - ۸ / جون ۱۹۷۹ء کو ریکارڈ کر لیا تھا۔ اُس کی چند سطریں نذرِ ناظرین کر رہا ہوں :

"۹ / رجب بروز منگل لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر عالمِ جلیل، مومن مخلص اور محدث و محقق عبدالفتاح بن محمد بن بشیر ابو غدہ حلبی (ولادت ۱۹۱۷ء) کو باچشم ہائے نم و بادل ہائے پر غم طلبہ واساتذہ کے جم غفیر نے الوداع کہا، بعض طلبہ وفور جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے اُنھیں دلاسا دلایا جاسکا۔ یہاں اپنی نو سالہ مدرسی کے دوران میں نے پچاسوں علماء و فضلا کو استقبال و الوداع کہتے ہوئے دیکھا ہے لیکن کسی کے تئیں یہ والہانہ عقیدت و محبت دیکھنے کو نہ ملی۔ یہاں ۱۲-۱۳ روزہ قیام کے دوران طلبہ واساتذہ نے جہاں ان کے گوناگوں علم و آگہی اور فکر و نظر سے استفادہ کیا وہیں لاشعوری طور پر اُن کی روحانیت و ربانیت کے شیشۂ و جام سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ایمان و اخلاص اور ہمت و عزیمت پر سان چڑھی، دلوں کا زنگ دور ہوا، عقل و خرد کو پاکیزگی ملی۔ کتب بینی، مطالعہ و علم کوشی، شب و روز علمی انہماک اور افادے و استفادے کے بغیر کسی لمحہ کے ضیاع سے گریز اور تمام اوقاتِ لیل و نہار کو علمی مباحثے، سوالات کے جوابات، علمی مسائل کی کھود کرید، کسی حاشیے کی تحقیق، کسی مغالطے کی تصحیح، کسی مضمون کی تیاری و تسوید میں اُن کی عجیب و غریب مصروفیت سے (جس کا قصہ ہم دورِ آخر میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ سید سلمان ندوی وغیرہ کے متعلق سنتے آئے تھے) ایسا لگتا تھا کہ علم کا سوقِ عکاظ اور فکر و نظر کا ذوالمجنہ و مجاز قائم ہو گیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ و امام شافعی ایسے امام عظیم کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد نے تعلیم و تدریس کی بساط بچھادی ہے۔"

ہندوستان میں علم کا شجر سایہ دار

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں راقم الحروف کو ۴-۵ مہینے ریاض و حجاز میں قیام اور حرمین شریفین کی زیارت کی اولین مرتبہ سعادت حاصل ہوئی۔ جس کا عنوان جامعۃ الملک سعود ریاض میں عربی زبان کی تدریس کے سلسلے کے ایک پروگرام میں شرکت کرنی تھی۔ اس موقع سے جہاں متعدد علماء و ادبائے عرب سے نیاز شرفِ ملاقات و تعارف حاصل ہوا

دہیں علامہ ابوغدہ سے بھی ایک روز تادیر اکتساب فیض کی فرصت ملی۔

راقم الحروف نے اس ملاقات کا تذکرہ اپنے سفر نامے بعنوان "تین مہینے سعودی عرب اور جوارِ حرمین میں" کی ساتویں قسط شائع شدہ الداعی مورخہ ۴-۱۹/ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰-۲۵/ دسمبر ۱۹۸۳ء میں مختصر طور پر کیا تھا۔ اس کے چند جملے یہاں درج کیے جاتے ہیں:

"شب جمعہ وشنبہ ۲۹/ رجب و یکم شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۲-۱۳/ مئی ۱۹۸۳ء کو چند احباب کے ساتھ علامہ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ استاذ (کلیہ اصول الدین) جامعہ امام محمد بن سعود ریاض، سے ان کی قیام گاہ واقع میدان دخنہ ریاض میں شرف ملاقات واستفادہ حاصل ہوا۔ شیخ علمائے ہند کے بڑے قدرداں اور علومِ کتاب و سنت میں اُن کی گیرائی وگہرائی کے اور اسلامی علوم میں اُن کے متفردانہ رسوخ کے بے حد قائل ہیں، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی، علامہ کشمیری، مولانا بنوری اور مولانا بدر عالم میرٹھی وغیرہ کے بالخصوص بڑے مداح ہیں اور ان کے علمی ترکے سے استفادے کا پیہم تعلق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور اس کے مکتب فکر کو ہندی مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، اِسی لیے جیسے ہی مجلس جمی شیخ نے دارالعلوم دیوبند کا حال معلوم کرنا شروع کردیا اور فرمایا کہ یہ ہندوستان میں "علم کا شجر سایہ دار" ہے اِس نے فکر اسلامی اور ثقافتِ دینی کی بے حساب خدمت کی ہے، ہم اِس کی بقاو ترقی اور مزید فیض رسانی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ شیخ نے طلبہ و اساتذہ کی تعداد، نئی تعمیرات اور کتب خانے میں موجود مخطوطات کی نئی فہرست کی تیاری کی بابت معلوم کیا۔ جب ہم نے یہ کہا کہ ہم لوگ اور اساتذہ و طلبہ دارالعلوم آپ سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں تو فرمایا کہ مجھے بھی دارالعلوم سے ناقابلِ بیان محبت ہے اور میں تو اُس کے علماو مشائخ کا خوشہ چیں رہا ہوں۔ اس موقع سے شیخ نے اپنی ایک غلط فہمی کا اظہار فرمایا کہ آپ کے ہاں عربی زبان وادب کے ایک فاضل ہیں میں اُن کا بہت مداح ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہ دارالعلوم کو چھوڑ کر سعودی سفارت خانے میں منتقل ہوگئے ہیں، اُن کا نام مولانا وحید الزماں کیرانوی ہے، عرض کیا گیا کہ شیخ آپ کو اس نئے غلط فہمی ہوئی ہوگی کہ اُن کے بھائی مولانا عمید الزماں کیرانوی عرصے سے وہاں

ملازم ہیں اور نام کے تشابہ اور کیرانوی کے اشتراک سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا۔ فرمایا الحمدللہ! مجھے اس غلط فہمی سے بے حد تکلیف تھی، وہ بڑے ذہین، قادر الکلام اور عربی کے باصلاحیت اہل قلم ہیں اُنھیں دارالعلوم ہی میں رہنا چاہیے، ہندوستان واپسی پر انھیں میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی اور ایک عرب بدو کا واقعہ

"اس موقعہ سے شیخ نے اپنی تحقیق کے ساتھ طبع شدہ ابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ کی کتاب "المنار المنیف فی الصحیح والضعیف" حقر کو ہدیہ کی، اپنی معہودہ تواضع و محبت کے ساتھ، ناچیز نے اُن سے ہدیے کے الفاظ اپنے قلم سے تحریر فرما دینے کی درخواست کی تو انھوں نے صحیح اور مکمل نام معلوم کیا۔ راقم نے (نور عالم خلیل الامینی) بتایا تو گراں قدر دعا دی کہ خدا آپ کو ہدایت کا نور اور تاریکیوں کو کافور کرنے والا بنائے۔ پھر ایک دلچسپ قصہ سنایا کہ آپ لوگ علامہ بدر عالم میرٹھی کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ وہ دارالعلوم کے ایک ذی علم فاضل اور ہندوستان کے کبار علماء میں تھے۔ ایک روز وہ مسجد نبوی میں مواجہہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی بدو آیا اس نے صلاۃ و سلام کے بعد ان کو سلام کیا اور ان سے متعارف ہونا چاہا اور بدویانہ لہجے میں پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے "بدر عالم" بتایا تو اس نے ناز و اعتماد کے عجیب و غریب ایمان افروز و محبت فروز لہجے میں کہا: نہیں تم بدر عالم (دنیا کا ماہ تمام) نہیں ہو سکتے، دنیا کا ماہِ تمام اور بدر عالم تو یہ ہیں۔ اُس نے حضور اکرم اَرواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مولانا بدر عالم پر اس کاشفِ حقیقت جملے سے جذب و مستی کی کیفیت طاری ہوگئی وہ دیر تک سر دھنتے اور واہ واہ کرتے رہے۔"

از دل خیزد، بر دل ریزد

۲۹-۳۱ / مارچ ۱۹۸۵ء کو دارالعلوم حیدر آباد میں "حدیث و سیرت نبوی" کے موضوع پر عالمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، تو اس میں امام حرم شیخ عبدالرحمٰن السدیس اور دیگر عربی وفود کے ساتھ، ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے شیخ ابو غدہ بھی تشریف لا کر مجلس کی رونق و وقار کا سبب بنے، ایک نشست سیرت نبوی کے موضوع پر اُن ہی کی پر مغز و برجستہ

تقریر ہوئی، عربی زبان کو سمجھنے اور نہ سمجھنے والے دونوں طرح کے سامعین : مقرر کے حسن بیان، فصاحت وبلاغت کے عطر وعنبر سے دھلی ہوئی اور حب نبوی سے منور زبان سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اُن کی تقریر برجستہ اور اچانک ہوگی ورنہ ٹیپ کرنے کا انتظام ضرور کرتا۔ تقریر کے بعد اُن سے ملنے کو بڑھا، میں نے علیک سلیک کے بعد شیخ سے پوچھا کہ شاید آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے فرمایا: ''ومن الذی لایعرفک من المثقفین الذین یتابعون الداعی'' ''الداعی'' کو پابندی سے پڑھنے والا کون لکھا پڑھا آدمی ہوگا جو آپ کو نہ جانے؟ پھر اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ چلنے کا حکم فرمایا اس طرح اپنے کئی احباب کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے تک اُن کی بزم منور سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت کانفرنس

۲۴-۲۶ / صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۹-۳۱ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم دیوبند نے عالمی مؤتمر برائے تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اُس وقت کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (حال نائب صدر مجلس شوریٰ، سعودی عربیہ) کو مؤتمر کے افتتاح کے لیے اور علامہ ابوغدہ کو اس کی صدارت کے لیے مدعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے راقم الحروف نے دیگر اور بھی عرب فضلاء کو خطوط لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بخوشی دعوت کو قبول فرمایا لیکن سابقہ مشاغل کی وجہ سے ۳۱ / اکتوبر کی نشست میں رونق افروز ہوسکے۔ اور گراں قدر خطاب سے جلسے کی معتبریت میں اضافہ فرمایا۔ ان کی مکمل تقریر اور دارالعلوم کی طرف سے ان کو دیے گئے سپاس نامے کا متن الداعی کے خصوصی شمارہ ''ختم نبوت'' مورخہ ۱۰-۲۵ / نومبر و ۱۰-۲۵ / دسمبر ۱۹۸۶ء کے مشترکہ شمارہ میں پڑھا جاسکتا ہے۔

شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی پہلے سے طے شدہ ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے شریک موتمر نہ ہوسکے جس کا اظہار انھوں نے مہتمم صاحب کے نام معذرت نامے میں کیا تھا۔ اُن کا یہ مکتوب گرامی اُن کی تقریر ہی کی طرح اُن کی شگفتہ نگاری اور اُن کی انشاو تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو ترجمے میں چوں کہ اس کی خوبیوں کو کماحقہ منتقل نہیں کیا جاسکتا اس لیے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے، الداعی کے ختم نبوت نمبر میں اس کا مکمل عربی متن محفوظ ہے وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی تیسری عمومی اسلامی کانفرنس

اور لازوال مقدس وبابرکت یادیں

حیدر آباد کی ملاقات کے بعد طویل عرصے تک شیخ کی زیارت سے محروم رہا تا آں کہ ۱۸-۲۲/ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱-۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو رابطۂ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں تیسری عمومی اسلامی کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا کے سات سو سے زیادہ علماء و مفکرین اور اہل علم و صحافت مدعو تھے، ہندوستان سے بھی مدعوین کی ایک قابل لحاظ فہرست تھی جن میں سر فہرست رابطے کے رکن تاسیسی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ افراد میں راقم الحروف اور مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ بھی مدعو تھے۔

رابطے نے مہمانوں کے قیام کے لیے ہوٹل انٹرکانٹیننٹل (جس کے قاعۃ القصاص الاسلامی میں موتمر کے تمام پروگرام ہوئے) جو حرم سے خاصے فاصلے پر ہے، نیز فندق الجیاد میں انتظام کیا تھا، یہ ہوٹل حرم پاک سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا، خوش قسمتی سے راقم الحروم کو حرم پاک سے متصل اسی ہوٹل میں جگہ ملی جس سے کعبۃ اللہ کا بار بار طواف اور حرم میں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سہولت رہی فالحمد للہ علی ذلك۔

اتفاق سے اسی ہوٹل میں شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی فرودگاہ بھی تھی اور مؤتمر گاہ آتے جاتے ہوئے اکثر ایک ہی بس یا کار میں جگہ مل جاتی تھی، میرے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات تھی کہ خدا کے اس مقدس ترین شہر اور خانۂ خدا کے پڑوس میں ہونے والی اس کانفرنس کے طفیل میں بڑے بڑے علماء و دانش وروں کے ساتھ ساتھ شیخ ابوغدہ ایسے علامۂ یگانہ وخدار سیدہ اور محب رسول و عاشق علم و علماء کی طویل صحبت اور پیہم ملاقاتوں کی فرصت نصیب رہی۔ حسن اتفاق سے ہوٹل میں ان کا اور میرا کمرہ ایک ہی منزل پر واقع تھے اس لیے ان کی فرصت کے اوقات میں بھی اپنے بعض احباب کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اُن کے بحر علم و کمال کی موج ہائے بے پناہ کا تماشا ہی سہی دیکھ کر دل کو فرحت اور دماغ کو لطف ملتا۔

حیف کہ اس کے بعد شیخ سے کبھی ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہو سکی، کئی بار ریاض

جانا ہوا لیکن میری حاضری کے وقت وہ اتفاقاً وہاں موجود نہ ہوتے کسی علمی اور ضروری سفر پر ہوتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند (مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ) کا برابر اصرار رہا اور ہم اساتذۂ دارالعلوم کی خواہش بے پناہ بھی کہ شیخ کو دارالعلوم میں کسی موقع سے ایک دوماہ کے لیے بلایا جائے تاکہ طلبہ واساتذہ اُن سے استفادہ کر کے اپنے مشائخ واکابر سے فیض یاب ہونے کی یاد تازہ کر سکیں۔ لیکن ہم لوگ یہ سوچتے ہی رہے، آج کل کرتے کرتے وقت بہت آگے نکل گیا اور شیخ کی عمر عزیز کا قافلۂ سبک خرام رواں دواں اپنی منزل کو جالیا۔ وقت کس کا انتظار کرتا ہے؟ اور لیل ونہار کی گردش کس کے لیے تھمتی ہے؟ رہے نام اللہ کا۔

خدا انھیں صلحاوا تقیا اور اپنے برگزیدہ انبیاء کے ساتھ جنت الفردوس کا مکیں بنائے اور ان کے تمام اعزا و اقربا، تلامذہ و محبین، متعارفین اور ان کے لیے دعا کنندہ کو صبر جمیل دے اور اجر جزیل سے نوازے۔ اے خدا ہم تجھی سے سہارا لیتے اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں ہمیں جانا ہے۔ خدا کا درود وسلام اور رحمت وبرکت نازل ہو ہمارے حضرت ہمارے نبی ہمارے شفیع محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل واولاد پر اور ان کے تمام اصحاب پر۔ ساری تعریفیں صرف سارے جہان کے پالن ہار کے لیے ہیں۔

علامہ عبدالفتاح ابو غدہ کی اہم تالیفات وتحقیقات

تصنیف کردہ کتابیں:

۱. صفحات من صبر العلماء على شدائد العلم والتحصيل / ۴ ایڈیشن
۲. العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج / ۳ ایڈیشن
۳. قيمة الزمن عند العلماء / ۲ ایڈیشن
۴. الرسول المعلم وأساليبه في التعليم
۵. لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث / ۲ ایڈیشن
۶. أمراء المؤمنين في الحديث

۷۔ الإسناد من الدين و معه : صفحة مشرقة من تاريخ سماع الحديث عند المحدثين
۸۔ السنة النبوية و بيان مدلولها الشرعي
۹۔ تحقيق اسمى الصحيحين و اسم جامع الترمذي
۱۰۔ منهج السلف في السؤال عن العلم و في تعليم ما يقع و مالم يقع
۱۱۔ من أدب الإسلام
۱۲۔ نماذج من رسائل أئمة السلف و أدبهم العلمي
۱۳۔ كلمات في كشف أباطيل و افتراءات
۱۴۔ مسألة خلق القرآن و أثرها في صفوف الرواة والمحدثين و كتب الجرح والتعديل

تحقیق کردہ کتابیں :

۱۔ الرفع والتكميل في الجرح والتعديل / علامہ عبدالحی فرنگی محلی / ۳ ایڈیشن
۲۔ الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة / علامہ فرنگی محلی / ۲ ایڈیشن
۳۔ تحفة الأخيار بإحياء سنة سيد الأبرار / علامہ فرنگی محلی
۴۔ نخبة الأنظار على تحفة الأخيار / علامہ فرنگی محلی
۵۔ المنار المنيف في الصحيح والضعيف / امام ابن قیم جوزیہ / ۵ ایڈیشن
۶۔ المصنوع في معرفة الحديث الموضوع / امام علی قاری / ۳ ایڈیشن
۷۔ قواعد في علوم الحديث / شیخ ظفر احمد تھانوی / ۲ ایڈیشن
۸۔ قاعدة في الجرح والتعديل / تاج الدین سبکی / ۵ ایڈیشن
۹۔ المتكلمون في الرجال / حافظ سخاوی / ۴ ایڈیشن
۱۰۔ ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل / حافظ ذہبی
۱۱۔ الموقظة في علم مصطلح الحديث / حافظ ذہبی / ۲ ایڈیشن
۱۲۔ قفو الأثر في صفو علم الأثر / ابن الحنبلی

۱۳۔ لفة الأريب في مصطلح آثار الحبيب / حافظ زبيدى
۱۴۔ جواب الحافظ المنذرى عن أسئلة في الجرح والتعديل
۱۵۔ توجيه النظر إلى أصول الأثر / شيخ طاهر جزائرى
۱۶۔ ظفر الأماني في شرح مختصر الجرجاني / علامه فرنگی محلی
۱۷۔ كشف الالتباس عما أورده الإمام البخارى على بعض الناس / الغنيمى
۱۸۔ مكانة الإمام أبي حنيفة في الحديث / مولانا نعمانى
۱۹۔ التبيان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن / علامه جزائرى
۲۰۔ تصحيح الكتب وصنع الفهارس المعجمة / علامه احمد شاكر
۲۱۔ تحفة النساك في فضل السواك / علامه ميدانى
۲۲۔ العقيدة الإسلامية التي ينشأ عليها الصغار / ابو زيد قيروانى
۲۳۔ الحلال والحرام و بعض قواعدهما في المعاملات المالية / شيخ الاسلام ابن تيميه
۲۴۔ رسالة المسترشدين / امام حارث محاسبى / ۷ ایڈیشن
۲۵۔ التصريح بما تواتر في نزول المسيح / علامه محمد انور شاه كشميرى / ۵ ایڈیشن
۲۶۔ الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام و تصرفات القاضي والإمام / امام قرافى / ۲ ایڈیشن
۲۷۔ الترقيم و علاماته / احمد زكى پاشا
۲۸۔ سباحة الفكر بالجهر بالذكر / علامه فرنگی محلی
۲۹۔ قصيده "عنوان الحكم" لأبي الفتح البستى
۳۰۔ رسالة الألفة بين المسلمين / امام ابن تيميه و معها رسالة في الإمامة / امام ابن حزم ظاہرى
۳۱۔ إقامة الحجة على أن الإكثار من التعبد ليس بدعة / علامه فرنگی محلی
۳۲۔ فتح باب العناية بشرح كتاب النقاية "فقه حنفى" / ملا على قارى
۳۳۔ فقه أهل العراق و حديثهم / علامه زاهد كوثرى
۳۴۔ خلاصة تهذيب الكلام في أسماء الرجال / حافظ خزرجى

دارالعلوم کی نئی جامع مسجد

اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی نئی جامع مسجد پروگرام کے مطابق تعمیری مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کے قریب پہونچ رہی ہے اور اب اس کے اندرونی حصوں کو دیواروں اور فرش کو سنگ مرمر سے مزید پختہ اور مزین کیا جارہا ہے، یہ کام چونکہ اہم بھی ہے اور بڑا بھی اس پر رقم بھی کثیر خرچ ہوگی محبین و مخلصین کی رائے ہوئی کہ آئے دن رنگ و روغن کرانے کے خرچ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ اچھی رقم لگادی جائے، اسی احساس کے پیش نظر اتنا بڑا کام سرانجام دینے کا بوجھ اٹھالیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ تمام حضرات معاونین نے جس طرح پہلے خصوصی تعاون دے کر مسجد کو تکمیل کے قریب پنچایا ہے، اسی طرح بلکہ مزید سرگرمی کے ساتھ دست تعاون بڑھاکر اس مرحلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ادارہ کی مدد فرائیں گے۔

یہ مسجد بین الاقوامی اہمیت کی حامل درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد ہے جس میں نہ جانے کس کس دیار کے نیک لوگ آکر نماز ادا کریں گے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جنکی کچھ بھی رقم اس مسجد میں لگ جائے، اس لئے اپنی جانب سے اور گھر کے ہر فرد کی جانب سے اس کار خیر میں حصہ لیکر عند اللہ ماجور ہوں اور دوسرے احباب و اقرباء کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائیں اور دن دونی رات چوگنی ہمہ جہتی ترقیات سے نوازتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ آمین

پتہ

ڈرافٹ و چیک کے لئے: "دارالعلوم دیوبند" اکاؤنٹ نمبر 30076

اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کے لئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ 247554

ماہنامہ

دارالعلوم

ماہ محرم وصفر ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ مئی، جون ۱۹۹۷ء

سالانہ/ ۶۰	فی شمارہ/ ۶	شمارہ نمبر ۵، ۶	جلد نمبر ۸۲

مدیر	نگران
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند	مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یوپی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ/ ۵۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم/ ۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم/ ۸۰ ہندوستان سے/ ۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرف آغاز	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	۳
۲	حضرت عمرؓ اور حضور اکرمؐ کے مابین تعلقات کی نوعیت	پروفیسر بدر الدین الحافظ	۱۵
۳	دار العلوم کی فقہی خدمات	مولانا عطاء الرحمٰن	۲۷
۴	جماعت اسلامی کے لئے خصوصی دعوت...	عبدالحفیظ رحمانی	۳۴
۵	رسول اکرمؐ اور فن شعر	سید افتخار جعفری	۴۵
۶	علم اور حکمت کی باتیں	ابراہیم یوسف باوا رنگونی	۶۱
۷	جنت و جہنم میں دخول کے اسباب	ابو جندل قاسمی	۶۶
۸	امت اسلامیہ کے خلاف یہودی سازشیں	ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی	۷۳
۹	فکری بے راہ روی	مولانا عبدالحمید نعمانی	۸۲
۱۰	الامام الکبیر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ	مولانا عبدالقیوم حقانی	۸۷
۱۱	رحمت اللہ کیرانویؒ	محمد عزیر احمد عبدالحمید قاسمی	۹۸
۱۲	عارف باللہ حضرت شاہ سلیمان لاجپوریؒ	عبدالقدوس لاجپوری	۱۰۵
۱۳	رفیع الشان لوح تاریخی	محمد عثمان معروفی	۱۱۲

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دار العلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت: نواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

ملک و بیرون ملک کے علمی و دینی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی ہوگی کہ عالمی شہرت کے حامل نامور مصنف اور تبحر عالم دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ۲۶ / ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ - ۴ / مئی ۱۹۹۷ء کو بوقت ۸ بجے شب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انالله وانا اليه راجعون ، اللهم اغفرله وارحمه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وانزل على روحه وجسده شابيب رحمتك وراجعله من عبادك المقربين - آمين ياارحم الراحمين

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے وہ عصر حاضر کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کی زندگی ایک مستقل تاریخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی و عملی انحطاط کے اس دور میں جب کہ جانے والا اپنا کوئی بدل چھوڑ کر نہیں جاتا موصوف کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے جس پر اظہار کرب و الم کے تمام الفاظ بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صرف مولانا مرحوم کے اعزہ کا نہیں پورے ملک کا، برصغیر کا بلکہ پورے عالم اسلام کا حادثہ ہے۔

مولانا نعمانی قدس سرہ کی ذات گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت عہد کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت شیخ الہند حضرت حکیم الامت، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ علم و عمل کے مجسم پیکروں کے جلوہ جہاں آرا کو دیکھا تھا اور ان میں سے اکثر کے علمی و عملی حسنات و برکات سے براہ راست استفادہ کیا تھا۔

ان کے رگ ذپے میں یہ یقین پیوست تھا کہ اکابر علماء دیوبند اس عہد میں "ماانا علیہ واصحابی" کی عملی تفسیر تھے اور ان کا فہم دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج وذوق سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اسی لیے وہ اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے علم وعمل اور فکر ونظر کے مظہر اتم اور امین ونقیب دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم کے لیے داخلہ کو "باب رحمت" میں داخلہ سے تعبیر کرتے تھے دارالعلوم اور اس کے اکابر سے ان کی وابستگی وگرویدگی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ دارالعلوم کی خدمت کو ایک دینی وملی فریضہ تصور کرتے ہیں اور جس بات کو وہ دارالعلوم کے حق میں مفید وبہتر باور کرتے تھے اس کے اظہار وبروئے کار لانے میں اپنے ویرائے کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کا ایسا بے لوث محب شاید اب ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے۔

ولادت اور دور تعلیم وتحصیل :

مولد، موصوف ۱۸/ شوال ۱۳۲۳ھ کو اپنے آبائی وطن سنبھل ضلع مراد آباد میں ایک ایسے خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے جس میں دینداری بھی تھی چنانچہ مولانا موصوف اپنی کتاب تحدیث نعمت میں لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے اللہ تعالی کے جس احسان عظیم کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پیدا فرمایا جس میں دنیوی معیشت کے لحاظ سے خوشحالی کے ساتھ اس کی توفیق سے دینداری اور خدا ترسی بھی تھی۔ میرے والد صوفی احمد حسین صاحب مرحوم ایک متوسط درجے کے دولت مند تھے زمینداری بھی اچھی خاصی تھی اور تجارتی کاروبار بھی خاصا وسیع تھا اسی کے ساتھ ان کی آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اور وہ کاروبار میں مشغولی کے ساتھ "الذاکرین اللہ کثیرا" میں سے تھے"۔ (ص: ۲۱-۲۲)

ابتدائی تعلیم اپنے وطن سنبھل کے مختلف مدارس میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی جن میں مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں۔

"۱۳۳۸ھ کی بات ہے جبکہ میری عمر پندرہ سال ہوگئی تھی والد صاحب کو معلوم ہوا کہ شہر کے فلاں مدرسے میں ایک نئے پنجابی استاذ آئے ہیں اور وہ بہت

توجہ سے پڑھاتے ہیں۔ والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے اللہ ان کو بہترین جزاء دے، ان کی بدولت میری گاڑی اب پہلے دن سے پٹری پر پڑگئی اور بدشوقی اور بے دلی دور ہوگئی ذہن اور حافظہ بھی اللہ نے بہت اچھا دیا تھا اس لیے طالب علمی کے سفر شوال ۱۳۳۸ھ سے شعبان ۱۳۴۲ھ تقریباً چار سال کی مدت میں بہت بڑا حصہ تیزی سے طے کرلیا"۔ (ص: ۲۴)

متوسطات اور فنون کی اکثر کتابیں اپنے وطن کے مشہور صاحب درس عالم حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی سے مدرسہ عبد الرب دہلی اور دار العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ میں پڑھیں دار العلوم مؤ میں بعض کتابیں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی اور حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانی سے بھی پڑھیں پھر تکمیل کے لیے شوال ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور دو سال یہاں رہ کر فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم دین کی تحصیل و تکمیل کی۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں

"بہرحال میری طالب علمی کا سفر بہت ہی تیزی سے طے ہوتا ہوا اس منزل پر آگیا کہ توفیق الٰہی سے ۱۳۴۳ھ میں علوم دین، فقہ اور حدیث کی آخری اور تکمیل تعلیم کے لیے مجھے دار العلوم دیوبند جانا نصیب ہوگیا جو ہندوستان ہی میں نہیں پورے عالم اسلام میں اس وقت ان علوم کی تدریس و تعلیم کا عظیم ترین مرکز تھا اور جہاں ان علوم کے وہ ماہر اساتذہ جمع تھے جو اپنے فن میں امتیاز و کمال رکھتے تھے اور ساتھ ہی صلاح و تقوی میں اسلاف کا نمونہ تھے"

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں

"یہ داخلہ میرے لیے تو باب رحمت کا داخلہ تھا ہی میرے والد کے لیے بھی اس کے ذریعہ اہل حق سے عقیدت و تعلق اور اصلاح عقائد کا راستہ کھل گیا۔"

دارالعلوم دیوبند میں مولانا مرحوم نے پہلے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین وغیرہ وہ کتابیں پڑھیں جن کا دورہ حدیث سے پہلے پڑھنا ضروری ہے اور دوسرے سال دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے شعبان ۱۳۴۵ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے اسی دوران خارج اوقات میں

حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے معقول کی اہم ترین کتاب "شرح اشارات طوسی" کا ایک معتد بہ حصہ پڑھا آپ کے دار العلوم کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا سراج احمد رشیدی، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (اجازۃً) حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت محدث کشمیری قدس سرہ سے آپ کو خصوصی عقیدت و محبت تھی اور ان کے علم و عمل سے بیحد متاثر تھے۔

چنانچہ تحدیث نعمت میں لکھتے ہیں۔

"دوسرے سال یہ عاجز دورۂ حدیث میں شریک ہوا یوں تو اس وقت دار العلوم کے سبھی بڑے اساتذہ باکمال، اپنے اپنے فن کے امام اور صلاح و تقوی اور تعلق باللہ میں بھی صاحب مقام تھے لیکن ان میں صدر المدرسین شیخ الحدیث استاذنا العلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا خاص الخاص مقام تھا جنھوں نے نہیں دیکھا وہ غالباً یہ تصور بھی نہ کر سکیں گے کہ چودھویں صدی ہجری اور بیسوی صدی عیسوی کا اس شان کا کوئی تبحر عالم ہو سکتا ہے........ جن اصحاب نظر نے حضرت ممدوح کو کچھ مدت تک قریب سے دیکھا ہے ان سب کا احساس یہی ہوگا کہ وہ علوم دین کے بحر ذخار اور ورع و تقوی کے لحاظ سے ان خاصان خدا میں سے تھے جن کی منجانب اللہ منکرات و معصیات سے حفاظت فرمائی جاتی ہے صورت بھی اللہ تعالی نے ایسی حسین جمیل اور معصومانہ بنائی تھی کہ دیکھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھے

"اِنْ ھٰذا اِلاَّ ملکٌ کَرِیْمٌ" (ص: ۴۳-۴۴)

اسی حسن عقیدت کی بنا پر امتحان سے فارغ ہوتے ہی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست نہیں بلکہ نیاز مندانہ اصرار کیا جسے حضرت شاہ صاحب نے خلاف عادت قبول فرمالیا اور توبہ کی تلقین اور تسبیحات و شغل پاس انفاس کی تعلیم فرمائی مولانا مرحوم نے اپنے تعلیمی دور کی بہت ساری تفصیلات ایک رسالہ "میری طالب علمی" میں جمع کر دی ہیں جو مکتبہ الفرقان سے شائع ہو چکا ہے طلبہ و علماء کے لیے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

دور عمل :

تعلیم و تحصیل سے فراغت کے بعد اپنے وطن مدرسہ محمدیہ سنبھل سے درس و تدریس کا آغاز کیا اس کے بعد یہاں سے مدرسہ چلہ امروہہ چلے گئے اور تقریباً تین سال تک وہاں بھی تدریسی مشغلہ جاری رہا۔ لیکن ملک کے حالات اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اس قدر تشویشناک تھے کہ ان حالات میں مولانا مرحوم جیسے حساس اور دعوت و تبلیغ کا ذوق ومزاج رکھنے والے کے لیے مدرسہ کی چہار دیواری میں محصور ہو کر صرف درس تدریس پر قناعت کر لینا مشکل تھا اس لیے وہ تعلیمی و تدریسی مشغلہ کو تادیر قائم نہ رکھ سکے۔

اس وقت کے حالات کا تذکرہ خود مرحوم کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔

"یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں اسلام کو چند شدید قسم کے فتنوں سے سابقہ تھا جن میں بعض داخلی تھے اور بعض خارجی۔ خارجی فتنہ آریہ سماج کی شدھی و سنگھٹن تحریک کا تھا۔ داخلی فتنوں میں ایک طرف قادیانیت کی یلغار تھی ہر طرف ان کے مناظر اور مبلغ پھیل رہے تھے اور امت کے عقیدۂ ختم نبوت کی جڑیں کھود دینا چاہتے تھے اور دوسری طرف بریلوی مکتب شرک و بدعت نے سر اٹھا رکھا تھا...... ہمارا ضلع مراد آباد اس زمانے میں بریلوی فرقے کے مشہور زعیم ورہنما مولوی نعیم الدین صاحب کی وجہ سے اس فتنے کا خاص مرکز تھا گلی کوچے بلکہ گھر گھر یہی چرچا تھا۔

چنانچہ ان فتنوں کے مقابلہ کے لیے مولانا مرحوم میدان عمل میں نکل نہیں بلکہ کود پڑے اور بالخصوص بریلوی فرقے کا ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اس فرقہ کے بڑے بڑے بجگادری مولانا موصوف کا نام سن کر گھبرا جاتے تھے اور جلسہ مناظرہ میں آنے سے پہلے ان کے دل تھرا جاتے تھے۔

اس زبانی بحث و مناظرہ کے ساتھ یہ ضرورت سمجھی گئی اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے ایک رسالہ بھی جاری کیا جائے تاکہ دین خالص اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جو آواز مولانا بلند کر رہے ہیں اسے ملک کے ہر ہر گوشے میں مزید مؤثر انداز میں پہنچایا جائے۔ الفرقان کا اجراء کے تحت مولانا خود رقم طراز ہیں۔

"ماہنامہ الفرقان جس کی اشاعت کا اس وقت (رمضان ۱۴۱۴ھ) باسٹھواں

سال جاری رہا ہے اس کا اجراء بھی فی الواقع احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اس عاجز بندے کے فکر و عمل کی ایک کڑی تھی اس دور میں بار بار تقاضا ہوتا رہا تھا کہ ایک ماہنامہ جاری کیا جائے لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر اور مقدر ہے اس لئے عملی شکل نہیں بن پاتی تھی حتی کہ وہ وقت مقرر آگیا اور ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں استخارہ مسنونہ کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ انشاء اللہ محرم ۵۳ھ سے ایک ماہنامہ الفرقان نامی بریلی سے جاری ہوگا۔" (ص : ۴۹)

الفرقان کے اجراء اور پھر اس کی بقاء کے لئے مولانا موصوف نے کس قدر مشکلات برداشت کیں اور انتھک محنتیں کیں وہ بجائے خود ان کی زندگی کا ایک محیر العقول باب ہے۔ جس سے ان کی اولوالعزمی رائے کی پختگی اور جہد و عزیمت کا پتہ چلتا ہے۔ الفرقان نے رد بریلویت کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ بر صغیر کے جرائد و رسائل کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں اور آج بھی اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے اس زمانہ کے الفرقان کے شمارے اہم ترین مآخذ و مصادر کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے صرف نظر کر کے اس موضوع کو مکمل نہیں کیا جاسکتا۔

اسی دور میں الفرقان کے دو خصوصی نمبر بھی منصۂ شہود پر آئے ایک "مجدد الف ثانی نمبر" اور دوسرا شاہ ولی اللہ نمبر یہ دونوں خصوصی شمارے بھی اپنی افادیت و جامعیت کے لحاظ سے علمی و تحقیقی دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ ان دونوں شماروں میں حضرت مجدد الف ثانی اور حکیم السند حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر و عمل، نظریات تعلیمات اور ان کی علمی دینی خدمات کا ایسا جامع و مستند تعارف آگیا ہے جس سے عام تذکروں کا دامن خالی ہے۔ ان دونوں خصوصی نمبروں کی ترتیب و اشاعت بھی مولانا مرحوم کا ایک قابل فخر علمی کارنامہ ہے۔

زندگی کا ایک اور رخ :

دین حق کی دعوت و اشاعت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اسی جذبہ کی بنا پر انہوں نے مدرسہ کی یک گونہ یکسو زندگی کو خیر باد کہہ کر تقریر و تحریر اور بحث و مناظرہ کی وادی ہنگامہ خیز میں قدم رکھا تھا اسی جذبہ خیر سے مغلوب ہو کر ایک زمانہ میں وہ مولانا مودودی صاحب سے بھی متاثر ہو گئے اور تاثر آہستہ آہستہ اتنا بڑھا کہ وہ نہ صرف ان کے ہم

سفر بن گئے بلکہ ان کی جماعت اسلامی کی تشکیل و تنظیم میں بنیادی کردار اداکیا وہ خود لکھتے ہیں۔

"اس جماعت کی بنیاد ڈالنے کی کوشش میں۔ میں مودودی صاحب سے بھی کچھ آگے ہی تھا۔ نیز لوگوں کو بڑی قوت سے اس کی طرف دعوت دی تھی اور اعتراضات کے مقابلے میں اس کی بھرپور مدافعت کی تھی"(ص: ۷۹)

لیکن ان کا علم صحیح و فہم سلیم فکر و نظر کی اس لغزش کو زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکا اور وہ جلدی ہی اس راستہ سے الٹے پاؤں واپس ہو گئے جس کی مکمل روداد "مولانا مودودی صاحب سے میری رفاقت کی سرگذشت" کے نام سے مرتب کر کے شائع بھی کر دی

اس کے بعد وہ اپنے اسی جذبہ دعوت و تبلیغ کے تحت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ سے وابستہ ہو گئے اور ان کی قائم کردہ جماعت تبلیغی کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے ملک کے طول و عرض میں گھوم پھر کر دین حق کی دعوت واشاعت میں نمایاں حصہ لیا اور جب تک پیروں سے معذور نہیں ہو گئے عملی طور پر تن دھی اور مستعدی کے ساتھ اس کام میں لگے رہے۔

اور اسی کے ساتھ اس وقت کے مشہور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے تجدید بیعت کر کے سلوک واحسان کی منزلیں بھی طے کر لیں اور حضرت رائے پوری کی جانب سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا موصوف نے دین کے اس شعبہ کی راہ سے بھی قابل قدر خدمات انجام دیں لکھنؤ اور اس کے قرب وجوار کے اضلاع کے بہت سے لوگ مولانا سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔

تصنیف و تالیف :

مولانا کا تعلق اگرچہ درس و تدریس سے کم ہی رہا لیکن ان کی علمی استعداد نہایت پختہ اور ٹھوس تھی اور ان کا مطالعہ بہت وسیع و عمیق تھا اس لئے ان کا علم مستحضر تھا اور علمی مسائل پر اس طرح تفصیلی و محققانہ گفتگو کرتے تھے گویا ابھی انہوں نے اس موضوع پر تیاری کی ہے۔ مولانا نے دینی موضوعات پر جو کتابیں تحریر فرمائی ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کا علم کس قدر پختہ اور ہمہ گیر تھا وہ بڑے سے بڑے اہم اور دقیق علمی مسائل کو اس طرح

سادہ سلیس عام فہم اور شگفتہ عبارت میں سمجھادیتے ہیں کہ قاری کو ان کی دِقت کا احساس تک نہیں ہوتا بالخصوص اپنی مشہور سات جلدوں میں پھیلی ضخیم تالیف معارف الحدیث میں احادیث کے انتخاب اور پھر ان کی توضیح و تشریح میں جس ژرف نگاہی اور لطافت فہم کا ثبوت دیا ہے وہ ان کی وسعت علم اور مہارت فن کا ایک بین ثبوت ہے علماء سلف میں امام نووی، امام بدرالدین عینی، علامہ سیوطی اور ہندوستانی علماء میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی سہل نگاری اور تفہیم و تقریب میں بطور خاص شہرت رکھتے ہیں اردو زبان میں یہی خصوصیت مولانا نعمانی قدس سرہ کو حاصل ہے۔

مولانا نعمانی علیہ الرحمۃ نے مختلف علمی و دینی موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ڈھائی درجن کتابیں لکھیں جن میں معارف الحدیث، اسلام کیا ہے؟ دین و شریعت، ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولانا کی ان ساری کتابوں کی زبان نہایت شگفتہ، سلیس اور عام فہم ہے اس لئے عام و خاص ہر حلقے میں مقبول ہیں۔ مولانا مرحوم کی تحریر کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کی اثرانگیزی ہے ان کی گفتگو بھی نہایت مؤثر ہوتی تھی لیکن تقریر کے مقابلہ میں ان کی تحریر زیادہ پرکشش اور مؤثر ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے تھے اس کا تعلق محض الفاظ و بیان سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے تھا۔ اور تاثیر کی یہ قوت زبان و بیان پر قدرت کی رہین منت نہیں بلکہ یہ ان کے اخلاص اور سوز دروں کی کرشمہ سازی ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر اداروں سے مولانا کے روابط :

دارالعلوم سے مولانا کا ایک تعلق تو تحصیل و تعلیم کا تھا جس کا ذکر گذر چکا ہے دوسرا ضابطہ کا تعلق تعلیم سے فارغت کے اٹھارہ سال بعد ۱۳۶۳ھ میں مجلس شوری کی رکنیت کی شکل میں قائم ہوا جو زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد قدس سرہ، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی شاہجہاپوری وغیرہ اساطین علم اور ارباب ورع و تقوی کی موجودگی میں یہ انتخاب بتارہا ہے کہ مولانا نعمانی قدس سرہ کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر حضرات اکابر کو پورا پورا اعتماد تھا۔ اور اس اعتماد کو مولانا مرحوم نے کبھی مجروح ہونے نہیں دیا اور مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی انھوں نے اپنے شعور

وادراک کی حد تک کسی بھی معاملہ میں دارالعلوم کے مفاد پر کسی چیز کو مقدم نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم کے مشورے اور رائے کو مجلس شوریٰ کے ارکان اہمیت دیتے تھے۔

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں جو ہنگامہ رونما ہوا اس موقع پر مولانا مرحوم کے اعتماد ہی پر اکثر ارکان شوریٰ ان کے ساتھ رہے اور مولانا کے فیصلوں کی بھرپور تائید وحمایت کی۔

دارالعلوم دیوبند کے علاوہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور دیگر بہت سارے مدراس دینیہ کے رکن اور سرپرست اور نگراں رہے۔ رابطہ عالمی اسلامی سعودی عرب کے بھی رکن رکین تھے اور جب تک سفر کے لائق رہے اس کے اجلاس میں شرکت بھی کرتے تھے۔

ان علمی وملی اداروں کے علاوہ مسلم مجلس مشاورت سے بھی مولانا کا بنیادی تعلق تھا۔ اور اس کی تشکیل وتاسیس کی جدوجہد میں براہ راست شریک رہے۔ چنانچہ اس مجلس کے قیام کے تحت لکھتے ہیں۔

"اس مجلس کا بنیادی تخئیل ایک پرانے نیشنلسٹ لیڈر ڈاکٹر سید محمود کی طرف سے ان دنوں سامنے آیا جبکہ جنوری ۱۹۶۴ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ تین صوبوں میں پھیلی ہوئی چار سو میل کی پٹی میں اس درجے کا بھیانک مسلم کش فساد ہوا کہ جس کا کوئی تصور انسانوں کی بستی میں نہیں کیا جاسکتا......ڈاکٹر صاحب کا تخئیل سامنے آیا تو دل نے اسے قبول کیا یہ نہایت تعمیری ہونے کے ساتھ ایک انقلابی تخئیل بھی تھا دل ودماغ نے جب اس سے اتفاق کیا تو اپنی افتادِ طبع کے مطابق اسے اوڑھ ہی لیا اور شعور کی حد تک آخرت کے اجر وثواب کی امید میں اوڑھا۔" (ص: ۹۳)

لیکن بعد میں اس مجلس سے وہ توقعات پوری نہیں ہوئیں جو اس کے ابتدائے قیام میں قائم کی گئی تھیں اور تجربے نے بتادیا کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں کوئی خالص مسلم سیاسی تنظیم بار آور نہیں ہوسکتی۔ پھر اس کے لیڈروں نے بھی اجتماعی کاموں میں جس صلاحیت اور کردار کی بلندی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا مظاہرہ نہیں کیا تو مولانا اس سے دل برداشتہ ہوگئے اور اپنے آپ کو اس سے بے تعلق کرلیا۔

ابتداء میں مولانا جمعیۃ علماء ھند سے بھی وابستہ رہے اور اپنے احوال وظروف کے اعتبار سے جمعیۃ کے کاموں میں عملی حصہ بھی لیتے رہے لیکن بعد میں وہ اپنے تقریری وتحریری

کاموں میں اس طرح منہمک ہوگئے کہ جمعیۃ سے یہ وابستگی باقی نہ رہ سکی البتہ جمعیۃ کے اکابر سے گہرے تعلقات ہمیشہ استوار رہے۔

انفرادی اور ذاتی طور پر مولانا مرحوم کے جن شخصیتوں سے گہرے روابط اور تعلقات تھے ان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی دامت برکاتہم سر فہرست ہیں اور حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی بھی مولانا مرحوم پر بھرپور اعتماد کرتے تھے اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم پر بھی مولانا مرحوم کو بہت زیادہ اعتماد تھا اور ان کے فہم تدبر سمجھ بوجھ اور ورع و پرہیزگاری کے بڑے معترف تھے۔ حضرت مہتمم صاحب کا مدارس کے انتظام و انصرام سے بظاہر کوئی عملی تعلق نہیں تھا اس کے باوجود مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے ان کے ذاتی اوصاف و کمالات کی بناپر دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے لئے مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے انہیں کا نام پیش فرمایا۔ مولانا کی اس تجویز پر دارالعلوم دیوبند کے بعض قدیم اور بڑے اساتذہ نے دوران گفتگو خود بندہ سے اظہار حیرت کیا لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ مولانا مرحوم کی یہ تجویز کس قدر درست تھی جاننے والے جانتے ہیں ہنگامہ فرو ہوجانے کے بعد مجلس شوریٰ کی نگرانی اور حضرت مہتمم صاحب کے انتظام و انصرام کے تحت دارالعلوم نے جب اپنا سفر شروع کیا تو اس کی راہ میں کیسی کیسی اڑچنیں آئیں کیسے کیسے کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا خارجی اور داخلی فتنوں نے دارالعلوم کے تعلیمی و انتظامی ماحول کو کس طرح تاراج کرنا چاہا مگر حضرت مہتمم صاحب عزیمت کا پہاڑ بن کر ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور اپنے حسن تدبر اور خداداد صلاحیتوں سے دارالعلوم کی کشتی کو ان طوفانی تھپیڑوں سے اس طرح محفوظ و سلامت باہر نکال لائے کہ اسے سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے اور دل پکار اٹھتا ہے کہ حضرت مولانا نعمانی قدس سرہ کی یہ تجویز بلاشبہ الہامی تھی۔

حضرت مولانا نعمانی نور اللہ مرقدہ کی ایک اور صفت جس سے بندہ بیحد متاثر ہوا وہ ان کی آخرت کی جوابدہی کی فکر ہے دارالعلوم کے اسی ہنگامہ کے دوران بندہ کو مولانا سے ملنے کا بار بار اتفاق ہوا۔ اور ہنگامہ سے نپٹنے سے متعلق طویل طویل گفتگو کی بھی نوبت آئی مگر مولانا کو کبھی آخرت کی جوابدہی کے فکر سے خالی نہیں پایا جبکہ ایسے معاملات میں عام طور پر اچھے

دیندار اور پرہیزگار لوگ بھی تساہل سے کام لے لیا کرتے ہیں۔

اسی طرح مولانا کی دوسری خصوصیت جس سے بندہ بہت متاثر ہوا وہ حق ظاہر ہو جانے کے بعد اپنی رائے اور موقف سے رجوع ہے اس سلسلے میں خود بندہ کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا۔ دارالعلوم ہی سے متعلق ایک کام تھا مولانا مرحوم کی رائے تھی کہ یہ کام ضرور ہونا چاہیے اور فرماتے تھے کہ اگر میری صحت اجازت دیتی تو خود میں اس کام کو انجام دیتا لیکن اپنی مجبوری کی بناء پر یہ کام وہ مجھ سے لینا چاہتے تھے اس سلسلے میں انھوں نے حضرت مہتمم صاحب اور بعض دوسرے اکابر سے گفتگو بھی فرمائی تھی اور ان بزرگوں کے ذریعہ اپنی رائے بلکہ حکم سے مجھے مطلع بھی کر دیا مگر اس بارے میں میری رائے یہ تھی کہ وقتی طور پر اگرچہ یہ کام دارالعلوم کے لیے مفید ہو جائے مگر بعد میں اس کے اثرات نہایت نقصان رساں ہونگے اس لیے میں اس کام کے لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا مگر حضرت مولانا مرحوم کو اس پر اصرار تھا بالآخر انھوں نے اس پر گفتگو کے لئے مجھے لکھنؤ طلب کیا۔ میں حاضر ہو گیا تو انھوں نے اپنی بات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی اور اس کام کی افادیت وضرورت کو بڑے مؤثر انداز میں میرے سامنے رکھا خاموشی اور توجہ سے مولانا کی پوری بات سننے کے بعد میں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ اگر یہ اکابر کا حتمی فیصلہ ہے اور اس بارے میں اب کسی گفت وشنید کی گنجائش نہیں ہے تو بندہ اس کام کے لئے تیار ہے لیکن اگر اس سلسلے میں ابھی غور وفکر کی کچھ گنجائش ہے تو بندہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ حضرت مولانا نے زیر لب تبسم فرماتے ہوئے کہا جب تک کوئی کام کر نہ لیا جائے اس میں غور وفکر کی گنجائش تو رہتی ہی ہے کہو تمہارا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے میں نے مختصر طور پر اپنی رائے بیان کر دی جسے سنکر وہ ایک دم خاموش وساکت ہو گئے ان کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہیں اس سکوت کے تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مولوی صاحب تمہاری بات بھی غور طلب ہے اچھا اس وقت جاؤ صبح ناشتہ پر گفتگو ہو گی۔ میں حسب حکم ناشتہ کے وقت حاضر ہو گیا اور مولانا کے کمرے میں پہنچا تو مجھے دعائیں دیں اور بار بار دعائیں دیں اور فرمایا کہ بسا اوقات بعض باتیں اس طرح دل دماغ پر حاوی ہو جاتی ہیں کہ دوسرے پہلو کی جانب توجہ ہی نہیں جاتی جزاک اللہ تم نے دوسرے پہلو کو بھی سامنے کر دیا میں نے اس مسئلہ پر رات کو کئی بار غور کیا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمہارا خیال صحیح ہے۔

میں مولانا کے اس طرز عمل سے بیحد متاثر ہوا کہ ایک فیصلہ کو جس پر وہ تقریباً تین چار ماہ سے منشرح تھے کس طرح ایک اپنے سے ہر حیثیت سے کمتر کی رائے پر بدل دیا۔ آج جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے ان کی یہ عظیم ترادائیں بار بار یاد آرہی ہیں اور زبان پر یہ دعائیہ مصرع جاری ہے۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"۔

حضرت مولانا نعمانی کی وفات بلاشبہ پوری امت کے لیے ایک سانحہ ہے اور ہم میں سے ہر شخص پر ان کا حق ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق انہیں ایصال ثواب کرے۔

اللهم اكرم نزله ووسع مدخله وابدله داراخير من دراه واهلاً خير امن اهله ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وباعد بينه وبن خطاياه كمابا عدت بين المشرق والمغرب۔ اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده۔

یوں تو عالم اسلام کا ہر فرد اس حادثے پر مستحق تعزیت ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے خدام خاص طور پر حضرت مولانا مرحوم کے اہل وعیال کے خدمت میں پیغام تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو مقعد صدق میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائیں پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ تعلیمات وہدایات کا جو ذخیرہ چھوڑا ہے ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائیں آمین۔
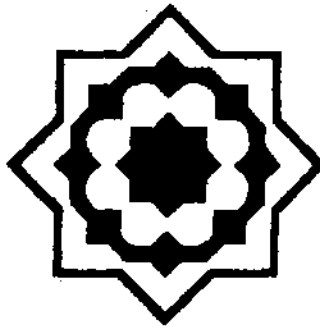
فاروق اعظمؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین

نامور مصری ادیب شاعر عباس محمود العقاد کی تالیف
عبقریۃ عمرؓ کے ایک باب عمر والنبیؐ کا ترجمہ وتلخیص

از پروفیسر بدرالدین الحافظ، جامعہ نگر، نئی دہلی

فاروق اعظمؓ کی ایمانی زندگی، حب رسول پھر ان کی فکر، دانشوری اور غیر معمولی ذہانت کے درمیان ان کے اور رسول اکرمؐ کے مابین تعلقات کی سطح کا تلاش کرنا یا اس کی گہرائی کا متعین کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ وہ بیک وقت عشق خداوندی اور احکام الٰہی کی تعمیل میں بھی غرق رہتے، حب رسول اور اجل صحابہ کے اعزاز واکرام کا بھی پاس لحاظ تھا اور ایک مکمل اسلامی ریاست کو فروغ دینے کی لگن بھی لگی ہوئی تھی اس کے علاوہ ان سب اقدار میں انھوں نے ایسا اعتدال قائم کیا تھا جہاں تک ہر شخص کی رسائی مشکل ہے۔ پھر جہاں اس عظیم شخصیت کے ہیبت وجلال سے روم وایران کے سلاطین لرز اٹھتے تھے وہاں اس کی انکساری اور فروتنی کا یہ حال بھی تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے دربار رسول میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی سے عمرہ ادا کرنے کے لیے سفر کی اجازت چاہی تو سرور کائناتؐ کے لب مبارک سے اجازت مرحمت فرمانے کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا۔ یا لاخی تنسانا من دعائك۔ "اے میرے بھائی اپنی دعا میں ہمیں مت بھول جانا" بس یہ کلمہ حضرت عمرؓ کی زندگی کے لیے حرز جاں بن گیا، یہ کلمہ سن کر آپ پر کیف وسرور کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ زندگی بھر نہایت ادب سے اس کو دھراتے رہے اور فخر کرتے رہے کہ حضورؐ نے مجھے اپنا بھائی کہہ دیا، کیونکہ اس لفظ کی حقیقت اور اس کی عظمت وگہرائی کو وہی سمجھ سکتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ اعتدال کا لفظ بھی ہمارے سامنے آتا ہے جو فاروق اعظمؓ کے فکر وعمل کا ایک اہم جزو ہے کبھی کبھی آپ اپنے غرور کو توڑنے کے لیے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر اس کی حقیقت سناتے رہتے ایک مرتبہ آپ مکہ معظمہ کے قریب اپنے اصحاب کے ساتھ جنگل

سے گزر رہے تھے کہ اچانک ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم مجھے اس پہاڑی راستے میں دیکھ رہے ہو یہاں میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور میرے بدن پر ایک گاڑھا کپڑا ہوتا تھا اور آج میں اس حال میں ہوں کہ میرے اوپر کوئی نہیں ہے لیکن یہ جملہ ان کے صاحبزادے کو ناگوار گذرا تو انھوں نے کہا امیر المومنین اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی آپ نے فرمایا ہاں تیرے باپ کو اس کے نفس نے غرور میں مبتلا کر دیا تھا اس لیے اس کی اصلی حالت بتادی۔ یہاں باپ اور بیٹے کے جملوں کا فرق اور ان کی فکر اس لیے قابل غور ہے کہ بیٹا باپ کے کلمات کو محض سطحی نظر سے دیکھ رہا تھا اور اس وقت اس طرح کی کسر نفسی اور اپنی قدیم معمولی حالت کا اظہار اس کے نزدیک غیر ضروری تھا۔ اس کے مقابلہ میں والد بزرگوار کی معتدل نگاہ صرف اس حقیقت پر مرکوز تھی کہ اگر کسی لمحہ نفس کو معمولی سے غرور میں بھی مبتلا ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو اس کو ایک مضبوط لگام سے جھٹکا دیدے تاکہ وہ سیدھا چلتا رہے اور یہ ایک ایسی قوت کی علامت ہے جو ہر نفس میں نہیں پائی جاتی نہ اس کا مظاہرہ ممکن ہوتا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ قوی نہیں بلکہ قوی الاقویاء تھے جن کو اپنے نفس پر پوری طرح قابو ہوتا ہے وہ عادل تھے اور ان کا عدل ایک بالاتر شئی تھا کیونکہ ان کی قوت اور اعتدال میں کوئی تناقض نہ تھا نہ باہم نزاعی کیفیت تھی جو بہت مشکل سے کسی میں جمع ہوتی ہے انہی کیفیات کے درمیان فاروق اعظم اور رسول اکرمؐ کے مابین تعلقات کی گہرائی اور رشتہ مصاحبت کی مضبوطی جھلکتی نظر آتی ہے۔

باوجودے کہ فاروق اعظمؓ ایک کڑی نگاہ رکھنے والے فیصلہ کن بات کہنے والے ایسے بے باک اور جری انسان ہیں جن کے بے روک ٹوک خیالات وافکار دربار رسولؐ میں بھی بے جھجک دکھائی دیتے ہیں مگر صحابہ کرام میں اہل الرائے ہونے کا جو شرف انہیں حاصل ہے وہ کسی کو نہیں اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ گھر میں آنحضرتؐ کے مشیر کار ہیں شرعی معاملات میں بھی اپنی وزنی رائے رکھتے ہیں اور اکثر ان کے مشورہ اور وحی الٰہی میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ ایک واقعہ مشہور ہے جب نبی کریمؐ نے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا قصد فرمایا تو سب سے زیادہ مخالفت کا رخ لیے ہوئے حضرت عمرؓ ہی تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ حضور اس شخص نے دین کو نقصان پہونچانے کی بے انتہا کوشش کی ہے آپ ایسے آدمی کے لیے دعاء مغفرت فرمارہے ہیں اس پر حضور مسکراتے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے عمر ہٹ جاؤ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ

دعاءِ مغفرت کرنے سے اس شخص کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس پر اضافہ کر دوں گا اس کے بعد آپ نے اس کی نماز بھی ادا کی اور تدفین میں بھی شرکت فرمائی مگر اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی وہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق تھی ۔ ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره۔ (۹-۸۴) اور نہ ان میں سے کسی پر نماز پڑھ جو مر جائے اور نہ اس کی قبر پر کبھی کھڑا ہو۔ مگر اس کو ہم سرکار دو عالمؐ کی مخالفت نہیں کہہ سکتے بلکہ دینی جذبہ کے تحت ایک دشمن اسلام سے رحم و کرم اور مروّت نہ کرنے کا موقف تھا جس پر وہ مضبوطی سے قائم تھے اور وحیٔ الٰہی نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور پیش آیا جس میں فاروق اعظمؓ کی رائے مناسب تھی اس میں ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو مسلمانوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ اس دیوار کے پیچھے تمہاری جس سے ملاقات ہو وہ لا الہ الا اللہ کی یقین کے ساتھ شہادت دے تو اس کو جنت کی بشارت سنا دو، یہ فرط مسرت میں نکل پڑے اور اتفاق سے جو پہلا شخص ملا وہ حضرت عمرؓ تھے آپ نے یہ پیغام سنا تو ان کو سختی سے روکا اور حضورؐ کے پاس لے کر آئے اور سوال کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے ابوھریرہؓ کو یہ پیغام لے کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا ہاں بس اس جواب پر بغیر کسی تاخیر کے حضرت عمرؓ نے فرمایا، یا رسول اللہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ لوگ اسی پر بھروسہ کرلیں گے۔ آپ انھیں عمل کرنے دیجئے، آنحضرتؐ نے بغیر کسی چون و چرا کے فرمایا اچھا چھوڑ دو، یعنی عمل کرنے دو۔ یہی حال صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہوا کہ رسول اکرمؐ نے دور اندیشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنے والے حالات کے پیش نظر صلح منظور فرمائی اور اتنے قریب آنے کے بعد مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپسی پر رضامند ہو گئے، اس بات کا فاروق اعظمؓ کو انتہائی رنج و ملال تھا کیونکہ وہ اس کو اسلام اور رسول خدا کی کھلی توہین سمجھ رہے تھے اور بے تابی کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ سے کہہ رہے تھے کیا یہ ہمارے دین کی توہین نہیں ہے کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں مگر جو نہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا، پھر ساتھ ہی انھیں محسوس ہوا حالات کچھ بھی ہوں مکر فتح قریب ہے بس وہ مکمل رضامندی کا پیکر بن گئے، اور پھر کوئی سوال نہیں کیا، یہاں بظاہر فاروق اعظمؓ کی دینی حمیت اور رسول اکرمؐ کی دور اندیشی میں ایک طرح کا تضاد پیدا ہو گیا تھا مگر ان کو آنحضرتؐ کے ایک پر سکون جملہ نے دوسری ہی کیفیت عطا کر دی،

"اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع نہ ہونے دے گا" ان مثالوں میں حضرت ابو ہریرہؓ والی روایت میں رسول اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اپنے ارادہ سے مراجعت فرمائی مگر صلح حدیبیہ اور عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ میں حضورؐ اپنے پختہ فیصلے پر جمے رہے اور فاروق اعظمؓ کو اپنے ارادہ سے مراجعت کرنی پڑی لیکن یہاں کسی طرح کی معصیت، نافرمانی یا ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ہر شخص اپنی ذات سے بلند اٹھ کر صرف دینی حمیت کے لیے اپنی بات پر مستقل مزاجی سے جما ہوا تھا، جب بات صاف ہوگئی، گتھی سلجھ گئی تو باہم تعلقات یا احترام میں فرق آجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک اہم مسئلہ آنحضرتؐ کے آخری وقت میں پیش آتا ہے جب حضورؐ نے مسلمانوں کے حق میں کچھ لکھوانے کے لیے قلم دوات یا لکھنے کا سامان طلب فرمایا، یہاں حضرت عمر کی دانشوری نے کچھ پرخطر حالات کی رہنمائی کی اور غالبًا انھوں نے سوچا کہ آنحضرتؐ اس وقت تکلیف کی حالت میں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تحریر سے بعد میں کچھ دشواری پیش آئے اس لیے آپ نے فوراً کہا حضورؐ پر اس وقت تکلیف اور درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب کافی ہے اس کے بعد حضورؐ بھی اسی کی طرف مائل ہوگئے اس لیے پھر لکھنے کا سامان طلب نہیں فرمایا اور اگر واقعی آنحضرتؐ یہ محسوس فرماتے کہ کچھ لکھوانے کی ضرورت ہے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے تو حضرت عمرؓ اسی لمحہ سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہوتے، اس کے علاوہ فاروق اعظمؓ کی یہی عادت آنحضرتؐ کی حیات میں اور وصال کے بعد بھی رہی آپ جہاں کسی مسئلہ میں اپنی رائے کو مناسب خیال فرماتے وہاں اس کا اظہار فرمادیتے اور ضرورت ہوتی تو اس سے مراجعت بھی بلا تکلف کرلیتے سوائے وحی کے مسائل کے ان میں بے چون وچرا سر تسلیم خم کردیتے اور آنحضرتؐ کا تحریر لکھوانے کا معاملہ کوئی الہامی مسئلہ نہیں تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جس میں فاروق اعظم نے دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ اپنی رائے سے مراجعت کرنے میں تکلف نہ کیا اور یہ واقعہ خلیفہ اول کے دور میں اسامہ لشکر کی روانگی کا تھا، اس معاملہ میں فاروق اعظم دوسرے جلیل القدر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت اسامہؓ کم عمر ہیں، کسی اور عمر دار اور تجربہ کار صحابی کو بھیجا جائے اس پر حضرت ابو بکرؓ نے سختی سے اپنے موقف پر جمے رہے اور ان لوگوں کی تجویز کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ جس کام کو رسول اللہ نے شروع کیا تم مجھے حکم دے رہے ہو کہ روک دوں، بس فاروق اعظمؓ نے فوراً اطاعت سے

سر جھکالیا۔ کیونکہ یہاں ایک سپاہی اور فوجی کے لیے اپنے سردار کے حکم کے سامنے مکمل فرماں برداری کا پیکر بن جانا ہی لازم تھا مگر چونکہ فاروق اعظمؓ کی موافقت اور مخالفت محض دینی جذبہ کے تحت خالص لوجہ اللہ تھی اس لیے پھر ایک موقعہ پر سبب اور علت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے صدیق اکبر کی مخالفت کی جب آپ نے عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو قطعات زمین عطا کرنے چاہے تو فاروق اعظمؓ نے نہایت وضاحت سے مؤلفۃ القلوب یعنی مصارف صدقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تم دونوں کی تالیف قلب کے سبب یہ عطیہ دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور تم نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا اس لیے تالیف قلب کی ضرورت تھی مگر یہ اس دور کی بات ہے جب اسلام نہایت کمزرو حالت میں تھا اور نئے مسلمانوں کی دلجوئی کی ضرورت تھی اب الحمد اللہ اسلام عزت وعظمت حاصل کرچکا ہے اس لیے تم لوگ جاؤ اور اپنی کوشش سے روزی حاصل کرو گویا جب وہ سبب ہی نہیں رہا تو تالیف قلب کی ضرورت کیا ہے۔ اسی طرح اسباب کے فوت ہوجانے پر آپ نے متعہ (وقتی شادی اور بعض مناسک حج کے باقی رہ جانے پر حلال ہوجانے سے روک دیا حالانکہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ دونوں جائز تھے۔

رسول اکرمؐ کی غایت درجہ شفقت

بصیرت نبوی نے فاروق اعظم کی غیر معمولی صلاحیتوں کو کس انداز سے دیکھا اور پرکھا تھا اس کا اندازہ کچھ ان زرین کلمات میں ممکن ہے جو آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔

قدکان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی احد فعمر۔ "تم سے پہلے بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ (نبیوں جیسی) گفتگو کرتے تھے حالانکہ وہ انبیاء نہیں تھے تو اگر میری امت میں بھی کوئی ایسا شخص ہوتا تو وہ عمر ہوتے" اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔" اسی طرح آپ کا ارشاد ہے۔ ان اللہ جعل الحق علی لسان عمرو قلبہ۔ "بے شک اللہ پاک نے عمر کے قلب اور زبان کو حق بنایا"

آپ نے فرمایا۔ عمر بن الخطاب معی حیث احب وانا معه حیث یحب والحق بعدی مع عمر بن الخطاب حیث کان۔ عمر جب اور جہاں بھی میرے ساتھ ہوتے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں اور میں جب اور جہاں ان کے ساتھ ہوتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا وہ جب اور جہاں بھی ہوں گے۔ (۱) یہ اس ہستی کے لب مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس کا ہر کلمہ الہامی بصیرت کا ترجمان، معرفت الٰہی کا پیغام اور پاکیزہ ضمیر کی آواز تھا وہ فاروق اعظم کی دینی حمیت قلبی کیفیات جذبہ ایمانی، حب رسول اور ان کے جبلی اور فطری تقاضوں سے بخوبی واقف تھا ورنہ کیا بات تھی کہ بعض وقت جس کام کو خود نبی اکرمؐ اپنی وسیع القلبی اور وسیع النظری سے مناسب سمجھتے تھے مگر فاروق اعظم کی موجودگی میں گوارہ نہ فرماتے جیسا کہ ایک مرتبہ اسود بن شریع شاعر کا واقعہ پیش آیا ہر شخص آنحضرت کو کچھ مدحیہ اشعار سنا رہا تھا کہ اتنے میں فاروق اعظم تشریف لے آئے اس پر حضورؐ نے فوراً دو مرتبہ اسے پڑھنے سے روکا اور وہ چیخ پڑا آخر یہ کون شخص ہے جس کی آمد پر حضورؐ نے مجھے روک دیا اس پر حضور نے فرمایا یہ عمر ہیں اور یہ وہ شخص ہیں جو باطل کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک باطل کام کو خود رسول اللہ پسند کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ ناپسند کر رہے ہیں، یہ ایسا لغو کلام ہے جس کو سننے سے عمر گریز کرتے ہیں اور حضورؐ سماعت فرماتے ہیں گویا ایک ہادی جو اپنے اصحاب کو باطل سے نفرت کی تعلیم دیتا ہے وہ خود اس کا مرتکب کیوں ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ایک ہادی اور معلم کی صلاحیت متعلم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، ایک ہادی اور مرشد کا قلب جس قدر وسعت اور قدرت کا متحمل ہوتا ہے ایک متعلم اور مرید کے لیے اس کا ادراک سہل نہیں ہے اس لیے مرید کو بچانا ہی مناسب ہے، اس کے علاوہ اس واقعہ میں شاعر کو روکنے سے عام مسلمانوں میں فاروق اعظم کے ایک رعب ودبدبہ کو ابھارنا بھی عین ممکن تھا دوسرے یہ کہ خود حضرت عمرؓ کو باطل کے مقابلہ میں ایک بارعب سپاہی کی حیثیت سے تیار کرنا بھی، جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی نکات پوشیدہ نظر آتے ہیں مثلاً معلم اور متعلم کے دو انداز فکر یعنی یہ کہ حضرت عمر اس طرح سامنے آتے ہیں جیسے باطل کے مقابلہ ایک مسلح سپاہی جو جہاں باطل کی معمولی سی چنگاری دیکھتا ہے بغیر کسی مصلحت بینی کے اس کو بجھانے مٹانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ ایک معلم وہادی حضرت محمدؐ جو اس کو برا تو سمجھتے ہیں مگر فوری

ہتھیار نہیں اٹھاتے اس لیے کہ وہ باطل کی مختلف اقسام اور افکار کے مختلف طریقوں سے واقف ہیں۔ اس کے علاوہ جو سب سے بڑا اور بین فرق ہے وہ ہے ایک انسان عظیم اور رجل عظیم کے درمیان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی صرف ایک رجل عظیم یا عظیم مرد نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو ایک عظیم انسان ہی ہونا چاہیے جس میں انسانیت کی تمام صفات وخصائص موجود ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے وہ بنی نوع انسان کے جملہ مفادات اور اصلاحی تدابیر کے بارے میں سوچتا اور موقعہ محل کے لحاظ سے قدم اٹھاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے قلبی اور روحی انکار و کراہت کے باوجود وقتی طور پر اپنے اندر رحم و کرم اور مہربانی کی صفت کو غالب پاتا ہے اور آفاقی انداز فکر کے تقاضے کے مطابق وسعت قلبی کا ثبوت دیتا ہے پھر یہی وسعت قلبی اور کشادہ نظری اسے ایسا مہربان بنا دیتی ہے جیسے بچہ کی غلطی پر سزا کی قدرت رکھنے والا سرپرست بھی مصلحتاً کبھی ڈھیل دینے کی پالیسی کو وقتی طور پر مناسب سمجھتا ہے اور پھر ایک عظیم انسان کو تو زندگی بھر معمولی، معمولی آدمیوں کی کتنی چھوٹی موٹی غلطیاں، دھوکے فریب نظر انداز کرنے پڑتے ہیں اس کا شمار ہی مشکل ہے، ان فریبوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں شاعر کی مدح سرائی میں، فنکار کی تصویر میں، عورت کے حسن و جمال میں بوڑھے کی وراثت میں، احمق کے بے جا غرور میں، جاہل کی نادانی میں، اور اس طرح کے کتنے خوشنما فریبوں کا ایک عظیم انسان سامنا کرتا ہے اور اس پر صبر و سکون تحمل و برداشت کرنے والوں کے لیے ایک انمول پیغام چھوڑ جاتا ہے۔ یہی منظر ہمیں فاروق اعظم کی ذاتی اور سیاسی زندگی میں نظر آتا ہے جس کو انھوں نے زندگی بھر ایک مشعل ہدایت کی طرح سامنے رکھا اور اس کی مثال عبداللہ ابن ابی ابن سلول کا واقعہ ہے جو مسلمانوں میں اپنی فتنہ پردازی سے کافی فساد پھیلا رہا تھا اور فاروق اعظم نے اس کو قتل کرنے کی آنحضرت سے اجازت چاہی تھی اور آپ نے روک دیا تھا پھر کچھ ہی دن بعد ایسے حالات پیش آئے کہ خود اس کی قوم اس کی دشمن بن گئی اور جب اس کی خبر حضور کو پہونچی تو آپ نے فاروق اعظم سے کہا عمر اب تمہاری کیا رائے ہے اگر تم نے اس کو اسی روز قتل کر دیا ہوتا؟ اس پر فاروق اعظم نے فرمایا خدا کی قسم آج مجھے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ میرے لیے کتنی برکت کا حامل ہے اور اسی طرح عبداللہ بن ابی کا معاملہ جس کے کفن کے لیے حضورؐ نے اپنا کرتا عطا فرمایا تھا نیز اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی حالانکہ یہ فاروق اعظم کی مرضی کے خلاف تھا مگر بعد میں خود اس کے بیٹے نے صدق دل سے اسلام قبول کیا اس کے

علاوہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آنحضرتؐ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کی حالانکہ وہ کافر تھا تو آپ نے فرمایا میری قمیص ہرگز اسے اللہ کے عذاب سے نہ روک سکے گی۔ ہاں میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس سبب سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے چنانچہ یہی ہوا اور ہزاروں خزرجی لوگوں نے یہ دیکھ کر اسلام قبول کیا کہ خود ان کے عظیم لیڈر کی شفاعت کے لیے رسول اکرم کا متبرک کپڑا حاصل کیا گیا اور اس واقعہ سے خود صحابہ کرام نے بھی درس عبرت لیا۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر طرح کے واقعات سے حضرت عمرؓ نے جو اثر قبول کیا وہ ان کی قدیم خصلت سے بالکل جدا تھا اور فتح تستر کے موقعہ پر جب لوگوں نے ان کو خبر کی کہ فلاں شخص مرتد ہو گیا تھا اس لیے اسے قتل کیا گیا تو اس پر آپ نے ملامت کی اور کہا تم نے اس کو گھر میں کیوں نہ داخل کیا اسے بند کر دیتے، اچھا کھانا کھلاتے تب تم اسے توبہ کے لیے آمادہ کر سکتے تھے۔ اے اللہ میں اس سے بری ہوں نہ میں حاضر تھا نہ میں نے اس کا حکم دیا نہ اس خبر سے خوش ہوا۔

ان تمام واقعات اور امثلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم ترین انسان تھے مگر ان سکا مطلب یہ بھی نہیں کہ حضرت عمر عظمت سے متصف نہ تھے۔ حضرت عمرؓ ایک طاقتور انسان تھے مگر ان کی طاقت اور قوت ارادی کا دوسرے قوی اور مضبوط لوگوں سے موازنہ اور مقابلہ مشکل ہے، حضرت عمرؓ کی قوت ارادی اتنی مضبوط و مستحکم تھی کہ انھوں نے باوجود انتہائی شائق ہونے کے صرف ایک مرتبہ ارادہ کر کے شراب نوشی بالکل ترک کر دی حالانکہ یہ عمل دوسروں کے لیے شاق ہو سکتا تھا، اور اس کی وجہ یہ ممکن ہے کہ عام طور پر عوام اپنی طاقت اور صلاحیت کا موازنہ اپنے جیسے لوگوں کی صلاحیت پر قیاس کے ذریعہ کرتے ہیں جبکہ فاروق اعظم کی فکر عہد نبوی میں صرف یہ تھی کہ بدیہی طور پر جو بات سمجھ میں آئے اور اپنا ضمیر اس پر مطمئن ہو جائے بس یہ قوت کا اصل سرچشمہ ہے اور بس اس کے بعد کسی اہم اقدام کے لیے ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی مگر اس سے یہ بھی گمان ہونا چاہیے کہ فاروق اعظم کی ضرورت سے زیادہ حسین تصویر پیش کی جا رہی ہے بلکہ سچی تصویر تو وہ ہے جو خود انھوں نے اپنے الفاظ میں بیان فرمائی ہے آپ نے بارہا اس کا ذکر کیا کہ وہ تو حقیقتاً رسول اللہؐ کے لیے ایک تلوار کی مانند تھے چاہے اس کے ذریعہ آپ مارنے کا کام لیں یا اپنے نیام میں رکھیں، یا آپ رسول اللہ کے سامنے رہنے والے ایک چاق و چوبند سپاہی کی طرح تھے اور سپاہی کی مثال بھی یہ نہیں کہ وہ اپنی

طاقت کے جوہر دکھانے سے کم یا زیادہ دیر تک رُکا رہے وہ تو ہر لمحہ اپنی قوت کا مظاہر کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ اسے رکنے کا حکم دیا جائے اور پھر وہ اپنی پُرسکون حالت کی طرف لوٹ آئے اور بالکل اس کی تائید کی حضرت ابو بکرؓ کے بیان سے ملتی ہے جب لوگ ان سے فاروق اعظمؓ کی سخت مزاجی کی شکایت کرتے تو آپ فرماتے کہ بے شک وہ اس وقت سخت ہوتے ہیں جب مجھے کسی معاملہ میں نرم پاتے ہیں ویسے کمزوروں کے لیے ان میں قطعاً سختی نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کے مرض وفات میں صدیق اکبرؓ کی امامت

یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ رسول اکرمؐ کے مرض وفات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کی دعوت دیا جانا کوئی اچانک نہیں تھا نہ ایسا تھا کہ شیخین کو مساوی درجہ دیتے ہوئے کسی ایک کو اختیار کیا جارہا ہو بلکہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق خاص طور پر حضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو، وہ لوگوں کی امامت کریں اس پر حضرت عائشہؓ کو تامل ہوا اور انھوں نے کہا کہ ابو بکر رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کی آہ وبکا نہ سن سکیں گے اگر آپ عمرؓ کو حکم دیں؟ اس پر پھر حضور نے ناگواری کے ساتھ وہی جملے دہرائے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت حضرت عبداللہ بن زمعہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے حضور کو نماز کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ کسی سے کہو نماز پڑھائے چنانچہ میں نکلا اور لوگوں میں دیکھا کہ عمرؓ موجود ہیں ابو بکرؓ نہیں ہیں تو میں نے عمرؓ سے کہا کہ تم نماز پڑھاؤ لہٰذا وہ کھڑے ہوگئے اور نماز شروع کردی مگر جو نہی حضورؐ نے تکبیر کی آواز سنی جو حضرت عمر کی تیز آواز تھی تو فرمایا کہ ابو بکر کہاں ہیں فوراً ابو بکرؓ کو بلایا گیا وہ آئے تو نماز ہو چکی تھی مگر انھوں نے پھر نماز پڑھائی، حضرت عبداللہ بن زمعہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے سختی سے کہا ابو زمعہ یہ تو نے میرے ساتھ کیا کیا میں تو یہ سمجھا تھا کہ حضورؐ نے تمہیں حکم دیا ہوگا میری امامت کے لیے میں نے کہا خدا کی قسم مجھے حضورؐ نے حکم نہیں دیا تھا لیکن جب میں نے ابو بکر کو نہیں پایا اور تمہیں دیکھا تو موجود لوگوں میں تمہیں سب سے زیادہ امامت کا مستحق سمجھا۔ ان دونوں روایتوں سے واضح ہے کہ حضورؐ نے قصداً ابو بکر صدیق کو امامت کے لیے پسند فرمایا اور اس میں آئندہ خلافت کا اشارہ بھی موجود تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ حضورؐ کے ایک جملہ

میں تو حضرت عمرؓ کی اس امامت پر تکلیف و کراہت ہی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا یابی اللہ ذلك والمسلمون، یعنی اللہ تعالیٰ اور مسلمان سب ہی اس کو ناپسند کریں گے اس کا انکار کریں گے لیکن اس جملہ کو ہم خود آنحضرتؐ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور تمام مسلمانوں کے حق میں بنظر استحسان ہی دیکھتے ہیں۔ (جیسا کہ آئندہ حالات کی روشنی میں یہ ایک بہتر فیصلہ معلوم ہوتا ہے) اس کے بعد اگر یہاں یہ کہا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلافت کے لیے مقدم رکھنے میں وجہ ترجیح کیا ہے اور وہ کون سی خصوصیت ہے جس نے حضرت عمرؓ کو مؤخر کر دیا تو اس سلسلہ میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ فضائل میں تو تفریق مناسب ہے ہی نہیں دونوں برابر ہیں لیکن صدیق اکبر، عمر اور قبول اسلام میں مقدم ہیں اس کے علاوہ انہیں یار غار ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے اگر حضورؐ کے اشارے ان کے حق میں تھے تو بے جانہ تھے پھر یہ کہ حضورؐ کی وفات کے بعد جو حالات پیش آئے اور ان کو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے اصحاب کے مشورہ سے اور خود اپنی اصابت رائے سے حل کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی ان تمام عواقب پر نگاہ تھی اس لیے آپ نے صدیق اکبر کے لیے میلان ظاہر فرمایا اس صورت حال میں اب یہاں کسی طرح کے مقابلہ کی شکل پیدا کرنی مناسب نہ ہوگی پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بصیرت افروزی سے صدیق اکبرؓ کی عمر اور تجربات کی روشنی میں یہ غور فرمایا کہ پہلے انکی صلاحیت سے اسلام کو فائدہ پہونچے اور فاروق اعظم کی عمر میں تو اتنی گنجائش ہے کہ ان کی خصوصیات اور بھرپور صلاحیتوں سے بعد میں فائدہ اٹھایا جائے جبکہ دشمنوں کی مدافعت میں سختی کی ضرورت ہوگی اس وقت صرف نرمی کافی نہ ہوگی۔

حضرت عمرؓ اور اہل بیت کے تعلقات

اس موضوع پر تاریخ میں بہت سے اقوال ملتے ہیں جس سے فاروق اعظم کی شخصیت کہیں ہلکی نظر آتی ہے کہیں موزوں و مناسب مگر صحیح واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت عمرؓ نے ہمیشہ اہل بیت کے معاملات کو بالکل صاف اور واضح رکھا نہ جانبداری سے کام لیا نہ کوئی حق تلفی کی اور واجبات کی ادائیگی میں پورے انصاف سے کام لیا ایک مرتبہ حضرت عمر نے اصحاب نبی کو لباس تقسیم کیے لیکن ان کپڑوں میں کوئی کپڑا حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے لیے مناسب نظر نہیں آیا تو آپ نے خاص طور پر ایک آدمی کو یمن بھیج کر

دوسرا کپڑا منگایا اور جب دیکھا تو کہا اب میرا دل خوش ہوا۔ اس طرح فاروق اعظم جب شام کے سفر پر جانے لگے تو مدینہ کا نظم و نسق۔ بحیثیت خلیفہ کے حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا اور بسا اوقات آپ مختلف مسائل اور معاملات میں حضرت علیؓ سے رجوع فرماتے اور مدینہ کے لوگوں کو بھی آپ کے پاس بھیجتے، آپ حضرت ابن عباس سے بھی رجوع فرماتے اور ان کی رائے کو وقعت دیتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ سے کوئی سوال کیا جاتا اور حضرت ابن عباسؓ اس مجلس میں موجود ہوتے تو آپ ان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے علیکم بالخیر بہا۔ اس مسئلہ میں تمہیں ایک شخص سے رجوع کرنا چاہیے جو بہت اچھی معلومات رکھنے والا ہو اس کے علاوہ آپ کبار صحابہ کی عمر کا خیال رکھتے ہوئے ان کا احترام تو کرتے تھے مگر بسا اوقات ان سے عفو در گذر کا معاملہ بھی فرماتے اس کے علاوہ جہاں تک آنحضرتؐ کے آخری وقت میں وصیت لکھانے یا حضرت علیؓ کی خلافت کا مشورہ دینے کی باتیں کہی جاتی ہیں ان میں حضرت عمرؓ پر الزامات بے بنیاد ہیں کہ وہ اس ارادہ میں رکاوٹ بنے حضرت عمرؓ نے حضور کی فرمائش پر قلم دوات فراہم کرنے کی مخالفت ضرور کی مگر ان میں ان کی کسی بدنیتی کو دخل نہیں تھا کیونکہ اس واقعہ کے بعد حضورؐ کئی دن بقید حیات رہے اور اس دوران اگر آپ چاہتے تو کسی طرح کا اشارہ فرما سکتے تھے جبکہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ زوجہ حضرت علیؓ آپ کے پاس موجود تھیں مگر آپ کو امامت کے ذریعہ جو کچھ اشارہ کرنا تھا پہلے ہی کر دیا تھا اس لیے فاروق اعظمؓ کو مورد الزام قرار دینا تاریخی حقائق کے خلاف ہے اور جہاں تک اپنے بعد کسی خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں فاروق اعظم نے قصداً کچھ نہیں کیا بلکہ انھوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے اصحاب اور احباب کا مشورہ تھا جیسا کہ بعض اصحاب نے فرمایا، یا عمر خدا کے حضور کیا جواب دوگے جب تم سے خلافت کے رائے میں سوال کیا جائے گا اس پر زخم کی تکلیف کے باعث اور غور و فکر میں ڈوب جانے کی وجہ سے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت کرنے والا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو یہ حضور کی سنت ہوگی اور اگر میں کسی کو خلافت کے لیے کہتا ہوں تو حضرت ابوبکرؓ نے ایسا کیا ہے اور پھر آپ نے خلافت کے معاملہ کے لیے جو مجلس شوریٰ بنائی وہ صحابہ کرام کی ایسی چنیدہ جماعت تھی کہ اگر آپ بھی بناتے تو ہر شخص اس جماعت کے ہر رکن کو اس اہم منصب کے لیے پسند کرتا پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے خلافت کے معاملہ میں جو شوریٰ بنانے کی خدمت انجام دی اس میں بنی ہاشم یا ان کے علا

لوگوں میں سے کسی طرح تفریق نہیں کی اور اپنے صاحبزادہ کو خلیفہ بنانے سے قطعی انکار کیا، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اس کمیٹی میں رکھا مگر دونوں کو خاص طور پر اللہ کے خوف کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو خدا کا خوف رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ بنوہاشم یا بنومعیط مسلمانوں کی گردن پر بوجھ بن جائیں ایک روایت کے مطابق بنومعیط کی جگہ بنوامیہ ہے۔

فاروق اعظم کو برابر اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں اسلام میں بادشاہت نہ آجائے اور ایک شخص عوام پر حکومت نہ کرنے لگے اس لیے خود آپ اپنے لیے سلطان بننے سے پناہ مانگتے تھے۔ فاروق اعظم آخری وقت میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے بغیر کسی لاگ لگاؤ کے نہایت مقتدر اور کبار صحابہ کرام کی ایک کمیٹی بنائی جس کے بارے میں فرمایا کہ اگر ان میں سے پانچ کسی ایک پر متفق ہو جائیں اور ایک شخص اختلاف کرے تو اس کی گردن مار دینا اسی طرح اگر چار کسی ایک پر متفق ہوں اور دو اختلاف کریں تو ان دونوں کی گردن اڑا دینا ہاں اگر تین تین آدمی اپنی جماعت سے کسی ایک پر اتفاق کریں تو اس میں عبداللہ کو حکم بنا دینا وہ جس پر فیصلہ دیں اور اگر کوئی گروپ عبداللہ بن عمر کے فیصلہ کو نہ مانتے تو اس گروپ کے ساتھ ہو جانا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اور باقی کو قتل کر دینا یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ عبداللہ بن عمر کو صرف اس لیے حکم کی حیثیت دی کہ ان کو خلیفہ کے استحقاق سے تو پہلے ہی الگ کر دیا گیا تھا۔ اس طرح فاروق اعظم نے خلافت کمیٹی کی تشکیل میں بھی بغیر کسی لاگ لگاؤ یا طرف داری کے صرف عدل وانصاف پر اپنا فیصلہ صادر فرمایا تھا تاکہ بروز قیامت وہ آنحضرتؐ کے اس فرمان پر پورے اتریں کہ میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا وہ جہاں بھی ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

دارالعلوم دیوبند
کی فقہی خدمات
اور فقہ حنفی کی ترجیحات

از مولانا عطاء الرحمن
مہتمم مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ خانو خیل، چشمہ روڈ ضلع ڈیرہ اسمعیل خان

یہ مقالہ منعقدہ فقہی کانفرس ۱۷-۱۸ اپریل ۱۹۹٦ء زیر اہتمام المرکز الاسلامی بنوں میں پڑھا گیا، جو کہ دارالعلوم دیوبند کی فقہی خدمات تا ۱۳۹۴ء پر مشتمل ہے۔ کوئی صاحب موجودہ مدت تک تکمیل فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں ختم ہوگئیں اور انہی کے ساتھ باقیماندہ جو اسلامی نظام رائج تھا وہ بھی جاتا رہا۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں دینی مدارس و مراکز کو جس طرح برباد کیا وہ ایک دل گداز اور لمبی تاریخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کرام کو جزائے خیر عطا کرے جنھوں نے پرائیویٹ طور پر اسلامی نظام کی یادگار کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھا خواہ وہ کتابوں اور فتاوی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ انگریزی دور حکومت میں جن علماء کرام نے افتاء کے فرائض ذاتی طور پر انجام دیئے ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا نام نامی ہے، جن کے فتاوی کا مجموعہ فتاوی عزیزی کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ نیز ان علماء کرام میں سے حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی کی ذات گرامی بھی ہے، جن کے فتاوی کا مجموعہ طبع ہو کر ایک عرصہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند

انگریزی دور حکومت میں جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز پوری قوت سے ہندوستان پر مسلط ہو چکا تھا تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸٦٦ء) کو "مدرسہ اسلامی عربی" کے نام سے ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی، جس نے تھوڑے عرصہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کرلی۔ جو آج تک دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ دارالعلوم میں

دیگر شعبہ جات کے علاوہ "دارالافتاء" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ابتداء میں کچھ عرصہ استفسارات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آتے رہے۔ بعد میں انھوں نے تاکید کردی کہ استفسارات حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ نے حضرت گنگوہی کو "ابو حنیفۂ عصر" کا لقب عطا فرمایا۔ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔ اور مولانا گنگوہی تفقہ فی الدین میں علامہ شامی اور صاحب در مختار سے آگے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا گنگوہی کو فقہ حنفی کا ایک راسخ القدم امام اور مجتہد پایا۔ حضرت گنگوہی نے جو فتاوی اور رسائل مذہب حنفی کی تائید میں تحریر فرمائے ہیں ان کے مطالعہ سے آپ کی ذہانت، قوت استنباط اور ملکۂ استخراج کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ابتدائی سالوں میں اساتذہ دارالعلوم بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ حسب ضرورت و موقعہ فتاوی تحریر کرتے رہے۔ لیکن کام کی ذمہ دارانہ نوعیت واہمیت نے اس بات پر مجبور کیا کہ کسی مناسب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کرکے دارالافتاء کو مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ ۔ ۱۳۱۰ھ میں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے مجلس میں تجویز پیش کی۔ مجلس کی منظوری کے بعد اس جلیل القدر منصب کے لیے جس کو نامزد کیا گیا، اسی کے حالات نے ثابت کردیا کہ یہ نہ صرف اسی منصب کے لیے موزوں تھے بلکہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ یہ عظیم المرتبت شخصیت حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کی تھی، جنھوں نے ۔ ۱۳۱۰ھ سے تادم آخر یعنی ۔ ۱۳۴۶ھ تک صدر مفتی کی حیثیت سے عوام وخواص کو دور ونزدیک کے فرق کے بغیر فیض پہنچایا۔ افسوس کہ ۔ ۱۳۲۹ھ تک نقول فتاوی کا کام دارالافتاء میں نہیں کیا گیا۔ اسی طرح انیس ۱۹ سال تک برآمد ہونے والے فتاوی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کتنے تھے؟

۱۳۳۰ھ سے نقول فتاوی کا باقاعدہ نظام قائم ہوا۔ دارالعلوم جو واحد مرکزی دینی یونیورسٹی بن چکا تھا اس کی مرکزیت کا لازمی اثر دارالافتاء پر بھی پڑا، سوالات کے جواب میں تحریر کیے جانے والے فتاوی عددی کثرت کے اعتبار سے بھی اور علمی دینی ہمہ گیری اور ساتھ ہی ان کی مقبولیت کے لحاظ سے بھی ایک بے مثل تاریخی ریکارڈ بن گئے۔ عددی کثرت کا یہ حال ہے کہ ۔ ۱۳۳۰ھ سے ۔ ۱۳۹۴ھ کے اختتام تک چونسٹھ سال کے عرصہ

میں دارالافتاء سے موصولہ سوالات کے جو جوابات روانہ ہوئے ان کی مجموعی تعداد چار لاکھ پندرہ ہزار آٹھ سو ستاون (۴۱۵۸۵۷) ہے، بلا شبہ یہ ایک زبردست علمی سرمایہ ہے اور تاریخ دارالعلوم میں جلی حروف سے لکھا جانے والا قابل فخر کارنامہ ہے۔ آغاز دارالافتاء سے ۱۳۹۴ھ تک جن حضرات مفتیان کرام نے بحیثیت صدر مفتی و نائب مفتی کام کیا ہے ان کی مدت کارکردگی اور اور شعبے کی رفتار کو بیک نظر سماعت و ملاحظہ فرمائے۔

اسمائے گرامی حضرات صدور افتاء	مدت کارکردگی	ہر دور کے فتاویٰ کی تعداد
۱- مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی	۱۳۳۰ھ تا ۱۳۴۸ھ	۴۲۵۱۹
۲- مولانا محمد اعزاز علی صاحب	۱۳۴۷ھ تا ۱۳۴۸ھ	۴۴۴۸
۳- مولانا مفتی ریاض الدین صاحب	۱۳۴۹ھ	۲۴۵۳
۴- مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان	۱۳۵۰ھ تا ۱۳۵۴ھ	۱۸۳۹۵
۵- مولانا مفتی محمد سہول صاحب	۱۳۵۵ھ تا ۱۳۵۷ھ	۱۵۱۸۵
۶- مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب میرٹھی	۱۳۵۸ھ	۵۸۴۰
۷- مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، کراچی	۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۲ھ	۱۸۶۸۷
۸- مولانا مفتی محمد فاروق صاحب	۱۳۶۲ھ تا ۱۳۶۳	۸۴۲۷
۹- مولانا مفتی محمد اعزاز علی صاحب امروہی	۱۳۶۴ھ تا ۱۳۶۶	۲۲۴۰۷
۱۰- مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہان پوری	۱۳۶۷ھ تا ۱۳۸۶	۱۸۱۴۹۶
۱۱- مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی	۱۳۸۷ھ تا ۱۳۹۴	۹۶۰۰۰
حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی		

حضرات نائبین

۱- مولانا قاضی مسعود احمد صاحب دیوبندی از ۱۳۳۳ھ

۲- مولانا مفتی سید احمد علی صاحب نگینوی از ۱۳۵۹ھ

۳- مولانا مفتی محمد جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی از ۱۳۷۴ھ

موجودہ مفتی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے فتاویٰ کا مجموعہ تیرہ جلدوں میں "فتاویٰ محمودیہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جب کہ دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کے فتاویٰ کا مجموعہ بارہ جلدوں میں فتاویٰ

دارالعلوم دیوبند کے نام سے مطبوعہ موجود ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے مفتی اول دارالعلوم دیوبند کے فتاوی ایک جلد میں عزیز الفتاوی کے نام سے شائع فرمائے اور دوسری جلد امداد المفتین کے نام سے اپنے فتاوی کو مرتب فرماکر شائع فرمایا۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند کے فتاوی کا مجموعہ "نظام الفتاوی" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ نظام الفتاوی کے نام سے دو جلدوں میں یہ مجموعہ مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ ہزاروں فتاوی میں سے منتخب کر کے نئے زمانہ کی نئی ضرورتوں سے متعلق حوادث الفتاوی پر مشتمل ہے۔ علماء دیوبند میں سب سے پہلے حضرت تھانوی قدس سرہ نے حوادث الفتاوی کو علیحدہ مرتب فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے مسترشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس سلسلہ میں قابل قدر کارنامہ سرانجام دیا۔ نظام الفتاوی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حوادث الفتاوی کے سلسلہ میں ایک خاص بات قابل لحاظ یہ ہے کہ چونکہ ان کا حل کتب فقہیہ میں صراحۃً نہیں پایا جاتا، بلکہ مفتی زمانہ اخذ واستنباط سے کام لے کر حل پیش کرتا ہے۔ اس لیے اس میں غلطی کا احتمال بہ نسبت دیگر جوابات کے زیادہ پایا جاتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا لیکن جب بھی ان کے سامنے اپنی غلطی واضح ہو گئی تو انھوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ماہنامہ "النور" میں ترجیح الراجح کا ایک مستقل عنوان تھا جو ہمارے حضرات کے تدین و تقوی کی دلیل ہے۔ یہ تفصیل ان فتاوی کے بارے میں ہے جو دارالعلوم دیوبند سے جاری ہوئے۔ اگر دوسری طرح بات کی جائے تو دارالعلوم کے فتاوی کی ابتداء "فتاوی رشیدیہ" سے ہوتی ہے۔ جو حضرت گنگوہی کے فتاوی پر مشتمل ہے۔ اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے بھی چونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی زیر تربیت ۱۳۰۱ھ سے پہلے دارالعلوم ہی میں افتاء کا کام شروع کر دیا تھا۔ پھر اسی دارالعلوم کے فرزند بھی تھے اور بعد میں سرپرست بھی۔ اس لیے چھ جلدوں پر مشتمل امداد الفتاوی بھی دراصل اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اور یہ بھی اسی عظیم الشان دینی ادارہ کا فیضان ہے۔ اسی طرح مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی قدس سرہ بھی دارالعلوم کے تلمیذ رشید تھے اور برابر مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کے رکن خصوصی بھی رہے، اس لیے آپ کی خدمت افتاء بھی اسی دارالعلوم کی ایک شاخ ہے۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ "کفایت المفتی" کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے بارے میں آپ کے نامور اور لائق شاگرد سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے مفتی صاحب کو لیجئے جن کی ذہانت اور فقاہت ضرب المثل ہے۔ اگر میرا تجزیہ غلط نہیں ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ کم وبیش پچاس ہزار فقہ کی جزئیات تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو زبانی یاد ہوں گی۔ یعنی اگر آپ پچاس ہزار مختلف فتاوی ایک وقت میں ان کے سامنے پیش کردیں تو وہ بدوں کتاب دیکھے ہوئے خدا کے فضل وکرم سے لکھدیں گے۔ اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو اس عظیم الشان ادارہ کے فیضان سے روئے زمین کا کوئی ملک بھی خالی نہیں ہوگا۔ لیکن دارالعلوم کے احاطہ میں بیٹھ کر شعبہ دارالافتاء کی مہر سے جو فتاوی ملک اور بیرون ملک بھیجے گئے اس کی ابتداء حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ اور ہماری پیش کردہ تفصیل اسی نقطہ نظر سے کی گئی ہے۔

فقہ حنفی اور علماء دیوبند

سرزمین پاک وہند میں نوے فیصد مسلمان فقہ حنفی کے مقلد ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری میں علماء احناف کے پاس اصحاب ترجیح کے کچھ متون رہ گئے تھی۔ جن سے فقہ حنفی کی تدریس باقی تھی۔ ان میں مرکزی کتاب ہدایہ تھی جسے علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیرایہ میں لکھا تھا کہ دین کی اصل حجت ائمہ مجتہدین نہ سمجھے جائیں بلکہ طالب دین کا مرکز توجہ کتاب الٰہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ علامہ ابن ہمام اور صاحب بحر کے بعد فقہ حنفی کا مدار در مختار، عالمگیری، طحطاوی اور شامی پر رہ گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں فقہ حنفی کے فتاوی نہایت منقح اور قابل اعتماد صورت میں ملتے ہیں، لیکن فقہ کے طالب العلم ان کتابوں میں فقہ کے مجتہدانہ ذوق کا ادراک نہ کرسکتے تھے۔ فقہ کی اساس حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کی کتابوں پر تھی اور ان کی ظاہر الروایات فقہ حنفی کا اصل خزانہ تھیں۔ امام محمد حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ تشریف لائے اور حضرت امام مالک کے درس میں شامل ہوئے۔ آپ نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ذوق اجتہاد کا تقابلی مطالعہ کیا تو امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کو اصول سنت کے زیادہ قریب پایا۔ آپ نے اپنے ان احساسات پر الحجۃ علی اہل المدینہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ حضرت شیخ الہند کے نامور شاگرد حضرت مولانا مفتی مہدی حسن نے اس کتاب پر تحقیقاتی

کام کیا۔ اور بیس سال میں اس کے مسودہ کی تصحیح اور تعلیق مکمل کی۔ پوری کتاب چار جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ علماء دیوبند کی فقہ حنفی کی خدمات میں یہ ایک تاریخ کانامہ ہے امام محمد رحمۃ اللہ کی کتاب "مبسوط" جو ظاہر الروایہ میں کتاب الاصل کی حیثیت رکھتی ہے، دیوبند کے مقتدر عالم مولانا ابوالوفاء افغانی نے اس کتاب پر تحقیقاتی کام کیا اور تعلیق لکھی۔ وہ کتاب جسے دیکھنے کے لیے علماء ایک ہزار سال سے تجسس کر رہے تھے دیوبند کے فیض کا صدقہ منظر عام پر آگئی۔ اس کتاب کی اشاعت سے فقہ کی طالب علم تحقیقات میں قرآن اول کی ذوق فقہ سے حصہ پا رہے ہیں فقہ میں سنت کی راہیں معلوم کرنے کے لیے آٹھویں صدی میں حافظ جمال الدین زیلعی نے علم حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ "نصب الرایہ" کے نام سے جمع کیا تھا۔ یہ عظیم علمی سرمایہ سالہاسال سے نایاب تھا۔ علماء دیوبند نے نہ صرف اسے دوبارہ طبع کرانے کا اہتمام فرمایا بلکہ اس پر "بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی" کے نام سے ایک جلیل القدر حاشیہ تحریر فرما کر علماء حدیث پر ایک بڑا احسان فرمایا، محدث کبیر ملا علی قاری کی کتاب شرح نقایہ فقہ وحدیث کا عظیم سرمایہ تھی مگر زیور طباعت سے آراستہ نہ تھی۔ دیوبند کے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی نے "محمود الروایہ" کے نام سے اس پر ایک مستقل حاشیہ لکھ کرا سے بڑے اہتمام سے شائع فرمایا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی نگرانی میں تمام فقہی ابواب کو احادیث وروایات کی روشنی میں مرتب کرنے کا کام "اعلاء السنن" کے نام سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے سر انجام دیا ہے۔ اس کا مقدمہ قواعد علوم الحدیث علماء شام نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا۔ جہاں تک فقہ کی عام خدمت کا تعلق ہے یہ کہنا کافی ہوگا کہ علماء دیوبند نے کئی کتابوں پر مفید حواشی ارقام فرمائے۔ علامہ ابن ہمام کی کتاب "زاد الفقیر" پر حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی نے ایک مفید عربی حاشیہ تحریر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد اعزاز علی نے نور الایضاح، مختصر القدوری، کنز الدقائق پر مفید عربی حواشی تحریر فرمائے محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے درسی خصوصیات میں سے یہ بات نمایاں تھی کہ وہ نہ صرف مذہب حنفی کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے، بلکہ تائید مذہب حنفی کے لیے محدثانہ طرز سے اونچی سطح کے کافی دلائل وبراہین جمع فرمادیتے تھے بعض اوقات خود فرمایا کہ میں نے مذہب حنفی کی بنیادوں کو اسی قدر مضبوط اور مستحکم کردیا ہے کہ مخالفانہ ومعاندانہ ریشہ دوانیاں بیکار ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک ایک دو مسئلوں کے سوا فقہ حنفی کے تمام مسائل کے دلائل درجہ دوسرے مذاہب سے زیادہ قوی ہیں۔

فقہ حنفی کی ترجیحات

بے شمار خصوصیات وترجیحات ہیں۔ ان میں سے چند بطور مثال ملاحظہ فرمائے :

۱- فقہ حنفی کا نظریہ یہ تھا کہ نہ صرف اپنے وقت کے موجودہ مسائل کو طے کیا جائے، بلکہ جو حوادث ونوازل آئندہ بھی تا قیامت پیش آسکتے ہیں ان سب کا فیصلہ کیا جائے، بخلاف اس زمانہ کے دیگر محدثین واکابر حتی کہ امام مالک وغیرہ کا بھی نظریہ یہ تھا کہ صرف ان مسائل کی تحقیق کی جائے۔ جو پیش آچکے ہوں وہ فرضی مسائل کے جوابات بھی نہیں دیتے تھے۔ اس لیے یہ فقہ حنفی کی بڑی خصوصیت وفضیلت ہے۔

۲- فقہ حنفی کی تدوین ایک دو فرد نے نہیں کی بلکہ ایک بڑی جماعت نے کی ہے، جس کی ابتدائی تشکیل ہی میں کم از کم چالیس افراد کے نام آتے ہیں، جو اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور اجلہ محدثین امام احمد، امام بخاری، امام مسلم وغیرہم کے شیوخ کے شیوخ اور استاذوں کے استاذ تھے۔ اور اسی لیے بعض مصنفین نے تصریح کی ہے کہ اگر صحاح ستہ اور دوسری مشہور کتب احادیث میں سے امام اعظم کے تلامذہ کے سلسلہ کی احادیث وآثار کو الگ کرلیا جائے تو ان میں باقی حصہ بمنزلہ صفر رہ جائے گا۔

۳- حضرت علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حنفیہ کی اکثر جزئیات حدیث کے ماتحت نکلیں گی بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں اسی لئے حنفیہ کا مذہب اسفر ہے۔ اسی وجہ سے اکابر محدثین نے ان کے اقوال پر فتوی دیا ہے اور ان کی فقہ کی توثیق کی۔ علامہ کردری نے مناقب میں ابن جریج کا قول نقل کیا ہے "مافتی الامام الامن اصل محکم" امام صاحب کا ہر فتوی ایک اصل پر مبنی ہے یعنی قرآن وحدیث پر۔

۴- فقہ حنفی سے دوسری فقہوں نے بھی مدد لی ہے جس کی تفصیل بلوغ الامانی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور امام شافعی کے اقوال اس پر گواہ ہیں۔

۵- فقہ حنفی جس طرح خواص اہل علم وفضل اور سلاطین اسلام کی نظروں میں بوجہ اپنی جامعیت ومعقولیت کے مقبول ومحبوب ہوا عوام میں بھی بوجہ سہولت عمل وتشریح جزئیات وفروع کثیرہ پسند کیا گیا، نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اسی لیے ابتداء ہی سے اس کا نفوذ وشیوع دور دراز ممالک میں ہو گیا تھا۔

(جماعت اسلامی کے لیے خصوصی دعوت)

صوفیائے کرام کا اتباع سنت

عبدالحفیظ رحمانی لوہرن سدھارتھ نگر

عربی کی ایک مشہور مثل "برتن میں جو چیز ہوتی ہے وہی ٹپکتی ہے" یہی حال قلب ودماغ کا بھی ہے۔ اس میں جو افکار و نظریات بھرے ہوئے ہوتے ہیں وہی دل ودماغ سے زبان پر آتے ہیں۔ خواہ یہ نظریہ معتقدات وافکار سے تعلق رکھتایا اعمال وافعال سے۔ آدمی کسی نہ کسی طرح اپنے نظریہ کا اظہار کر رہی دیتا ہے۔ کبھی براہ راست واضح انداز میں اور کبھی پیچیدہ انداز میں کبھی انداز استدلالی ہوتا ہے اور کبھی بے دلیل بات کہہ دی جاتی ہے۔ استدلال کے طریقے بھی متعدد ہوتے ہیں کبھی استدلال دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتا ہے اور کبھی اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے بے جوڑ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں اور اب تو علمی و عملی دنیا اس طرح کے حادثات سے مسلسل دوچار ہو رہی ہے کہ اپنے نقائص پر پردہ ڈالنے کے لیے دوسروں کی پگڑیاں اچھالی جا رہی ہیں............

اقامت دین کی دعویدار جماعت کے اہل قلم آج کل اسی کار خیر میں مصروف ہیں۔ آج اس شیخ کی گردن ناپی اور کل اس صوفی کی پگڑی اچھال دی۔ آج اس معتبر عالم دین کا اعتبار گھٹایا اور کل اس مصنف کا وقار مجروح کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس جماعت کے وجود سے تنقیص نگاری، عیب جوئی اور صالحین کا مزاق اڑانا وابستہ ہے طرفہ تماشا یہ کہ اس جماعت کے لوگ اس کو حقیقت پسندانہ حرکت سمجھتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ وہ بزعم خود ان حرکتوں کو اقامت دین سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ کیوں کہ جس جماعت کی بنیادی فکر میں تنقید و تنقیص شامل ہو اور جس کے بانی مودودی صاحب نے اپنے ترکش کے سارے تیر انبیاء کرام حضرات صحابہؓ، صلحاء امت، محدثین

عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر برسانے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہ کی ہو۔ اس جماعت کے پیرو کار کیا کچھ نہ کریں گے انہیں مودودی صاحب نے تصوف اسلامی کو چنیا بیگم کہہ کر مذاق اڑایا تھااب یہ مذاق ان کے ہواخواہوں کے لیے بحث و تحقیق کا موضوع بن گیا ہے کوئی اسلامی تصوف کا رشتہ ایران کے آتش پرستوں سے جوڑتا ہے اور کوئی فلسفہ ویدانت کا چربہ کہنے میں تامل نہیں کرتا۔

لیکن میدان قلم کے ان پہلوانوں نے پینترے بدلتے اور داد شجاعت دیتے ہوئے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ جن صوفیہ کو ایران اور ہندوستان کے مذہبی فلسفہ سے جوڑنے کی ناروا جسارت کی جارہی ہے وہ پاژند اور وید کی زبانوں سے بھی واقف تھے یا نہیں؟

جب کہ حضرات صوفیہ رحمهم الله کی اسلامی زندگی کے خدوخال اور ان کے دعوتی واصلاحی کارنامے ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلام کی اشاعت فاتحین کی چمکتی ہوئی تلواروں سے نہیں حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے وعظ ونصائح اور دعوت سے ہوئی ہے۔ یہ حقیقت بھی ڈھکی چھپی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ میں بالکل نمایاں ہے کہ ایک ایک وعظ میں ہزاروں افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے عقائد واعمال کو ہدف بنانا انتہائی نازیبا حرکت ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی عملی کوتاہیوں کو چھپانے اور اپنے اعتقادی اضمحلال کو دبانے کی خاطر صلحاء واتقیاء میں فی نکالنے کی حد درجہ کوشش کی جارہی ہے۔

کتنا بھدا اور خوفناک ہے یہ الزام حضرات صوفیہ رحمهم الله پر کہ یہ حضرات اتباع سنت کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ اور تصوف صرف ایک مکتب فکر یا طرز زندگی کا نام ہی نہیں بلکہ اسلام سے قطعاً بیگانہ، ایک علیحدہ اور اسلامی تعلیمات کے منافی دین ہے" یہ جملہ کوئی پیچیدہ اور مغلق نہیں ہے بلکہ صاف اور واضح ہے کہ صوفیہ مسلمان نہیں تھے معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ۔ اگر یہ پاک ہستیاں دائرہ اسلام سے خارج ہیں (جن کی رفتار وگفتار، نشست وبرخاست اور عبادات ومعاملات کتاب وسنت کے عین مطابق تھے) تو اسلام اور مسلمانی کہاں ہے؟ کیا اس طرح کی ہرزہ سرائی کرنے والے نبی آخر الزماں ﷺ کے اس ارشاد کے مصداق نہیں۔

لایرمی رجلٌ رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الاارتدت علیه ان لم

یکن صاحبه کذالك۔
ترجمہ :- کوئی شخص کسی کی تفسیق اور تکفیر نہ کرے کیونکہ اگر وہ آدمی فاسق اور کافر نہیں تو وہ بات اسی پر عائد ہو جاتی ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ باب حفظ الایمان)

اس مضمون کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے اب وہ لوگ جو حضرات صوفیہ، رحمہم اللہ کے معتقدات اور اعمال کو ہدف بنا کر ان کو دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں وہ اپنے بارے میں اس حدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ سواد اعظم ان کو کس نام سے پکارے؟ اس لیے کہ امت مسلمہ حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کو متقی اور پرہیزگار کتاب و سنت کا متبع سمجھتی ہے اور سواد اعظم ان قدسی صفات بزرگوں کے دعوتی کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے احسان مند ہیں کہ ان حضرات نے ظلمت کدہ کفر و شرک میں اسلام کا چراغ جلا کر ہدایت کا سیدھا راستہ دکھایا۔ اب کسی کور چشم کو یہ خدمات نظر نہ آئیں تو قصور کور چشمی کا ہے نہ کہ ان بزرگوں کا۔ اسی طرح بات اپنے غیر اسلامی افکار و نظریات پر پردہ ڈالنے اور عیوب کو چھپانے کی ہے۔ ورنہ حضرات صوفیہ پر الزام لگانے والے بھی جانتے ہیں کہ ان مشائخ کے عقائد و اعمال کج نہیں کتاب و سنت کے مطابق ہیں اور انہوں نے دیدہ و دانستہ نہ ترکِ سنت کیا ہے نہ ہی سہواً سنت چھوٹ جانے پر ڈھٹائی کی ہے۔

مگر اس عناد کو کیا کیا جائے کہ تزکیہ نفس کے ان سالکین پر انگلی اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی کوتاہ عملیوں کا کھلے بندوں مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی محسوس نہیں کرتے کہ وہ اقامتِ دین کی علم برداری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے اس خود ساختہ مسلک کے اعتقادی کمزور پہلوؤں کو دبانے کی یہ ایک تدبیر ہو۔ مثال کے طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو ہی سامنے رکھ لیجئے جمہور امت انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو دل و جان سے تسلیم کرتی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اس مقدس گروہ سے کبھی کوئی خطاء سرزد نہیں ہوئی۔ ان کا دامن ہر چھوٹے بڑے گناہ اور معصیت سے پاک ہے۔ لیکن جماعت اسلامی انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ اس مقدس گروہ کو بھی اپنی تنقیص کا نشانہ بناتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس جماعت نے یہ عقیدہ یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔ یا اس کی اپنی ذہنی کد و کاوش کا نتیجہ ہو بہر حال عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں۔

مودودی صاحب نبی آخر الزماں ﷺ کا منصب اور آپ کی حیثیت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"وہ نہ فوق البشر ہے اور نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے"

ترجمان القرآن جلد ۸۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء

مودودی صاحب کی یہ عبارت جس مضمون "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے" سے نقل کی گئی ہے علیحدہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ ذرا تیور تو دیکھئے اس گستاخی کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حاکم وقت کسی ادنیٰ محکوم کے بارے میں فیصلہ صادر کررہا ہے۔ اور صاف الفاظ میں بتارہا ہے کہ تم اچھے اخلاق و کردار کے حامل نہیں ہو۔ بشری کمزوریوں کا مفہوم اہل زبان یہی بتاتے ہیں کہ سونے جاگنے، کھانے پینے، اور بھول چوک کو بشری کمزوری نہیں کہتے یہ تو فطری ضروریات ہیں جو ہر شخص سے وابستہ ہیں۔ لیکن بشری کمزوری اس کے علی الرغم گندے اخلاق اور ناشائستہ حرکتوں کے لیے بولا جاتا ہے یہی الفاظ اگر اگر کسی موقعہ پر مودودی صاحب کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھ دیئے جائیں تو بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔

ہاں مگر ٹھہریئے۔ مودودی صاحب کا انتہائی خطرناک اور بدترین حملہ نبی آخر الزماں ﷺ کے فرائض نبوت کے سلسلہ میں ہے ان کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ فرائض نبوت کی ادائیگی میں غلطی کررہے تھے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اور حضور کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی غلطی سمجھائی گئی ہے جو اپنی رسالت کے کام کی ابتداء میں آپ اختیار فرمارہے تھے۔

(تفہیم القرآن سورہ عبس)

مفہوم بالکل صاف اور واضح ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں نبی آخر الزماں ﷺ کا طریقہ تبلیغ غلط تھا۔ لیکن ذرا غور کیجئے تو یہ پہلو بھی آئینہ ہوجاتا ہے کہ آپ کا طریقہ تبلیغ طبع زار تھا اور اللہ تعالیٰ نے بہت دیر میں اس غلط طریقہ پر تنبیہہ فرمائی (العیاذ باللہ)

کیا کوئی صحیح العقیدہ انسان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے کہ آپ کا طریقہ تبلیغ غلط تھا۔ اور اسلام کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ اس طریقہ کار کو دیکھتے رہے اور تنبیہ نہ فرمائی۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا جذبہ تنقید ان کے عقائد و افکار پر اس درجہ مسلط ہے کہ جب تک یہ لوگ حضراتِ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اور اولیاء عظام

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید و حرف گیری کے ہاتھ نہ دکھادیں سکون سے نہیں بیٹھ سکتے۔ پھر حضرات صوفیہ رحمہم اللہ ان کی تنقید سے کیسے بچ سکتے تھے؟ چنانچہ اس گروہ نے جس قدر ان قدسی صفات بزرگوں کو نشانہ بنایا ہے۔ اور جتنی جولانی طبع ان کو مطعون کرنے میں دکھارہے ہیں وہ نہایت افسوس ناک ہے۔ حالانکہ یہ حضرات اتباع سنت کو حرز جان بنائے ہوئے تھے اور ان سے زیادہ سنت کی پاسداری اور اس پر عمل کے نمونے کہیں اور مشکل سے نظر آتے ہیں۔

آیئے چند مشہور عالم بزرگان دین حضرات صوفیہ کے اتباع سنت کو دیکھیں کہ ان کے یہاں سنن و مستحبات کی ادائیگی کا اہتمام کس حد تک تھا اور اپنے مریدین کو اتباع سنت کی کس قدر تاکید فرماتے تھے۔

دیکھئے یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ۔ حضرت چشتیؒ نے اپنے شیخ کے ملفوظات کو اپنی انیس الارواح میں جمع کیا ہے اسی کتاب کی نویں مجلس کا چوتھا قول ہے۔

کسب کرنے والا دوست خدا کا ہے مگر وہ کسب کرنے والا جو نماز کے وقت سستی نہ کرے اور فوراً نماز میں حاضر ہو اور حد شرع سے ایک ذرہ قدم باہر نہ رکھے۔

پابندیٔ شرع کی اس سے بڑھ کر اور کیا تاکید ہوگی؟ مگر مودودی صاحب اور ان کے متبعین کو یہ پابندی نظر نہیں آئی اور ان بزرگان دین کو تارکین شریعت کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجکتے۔

اب ذرا حضرت خواجہ معین الدینؒ کے دو ایک فرمودات پر نظر ڈال لیجئے اور دیکھئے کہ حضرت خواجہ اپنی مجلسوں میں کیا فرماتے ہیں۔

جو شخص خدا عزوجل کا فرض ادا نہیں کرتا خدا کی پناہ و حمایت سے نکل جاتا ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سنتیں ادا نہ کرے اور ان سے تجاوز کرے وہ شفاعت رسول ﷺ سے محروم رہے گا۔ (دلیل العارفین بحوالہ السنۃ الجلیہ ص: ۱۰)

فرائض و سنن کی ادائیگی کی تاکید بھلا اور کس طرح کی جائے؟ عصر حاضر کا کوئی نقاد ہی بتائے۔ اسی کتاب دلیل العارفین کی مجلس دوم کا پندرہواں قول ملاحظہ فرمایئے۔

اول سلوک کی یہ ہے کہ جو آدمی شریعت پر ثابت قدم ہو اور جو کچھ احکام شرع کے

ہیں ان کو بجالایا اور سرِ مو ان سے تجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے کو بڑھتا ہے اور دوسرے مرتبہ میں پہنچ جاتا ہے۔

یعنی تزکیۂ نفس کی ترقی کا دارومدار شریعت پر ثابت قدم رہنے میں ہے شریعت کے احکام کی تعمیل کے بغیر تزکیہ و تقویٰ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب ایک اور صوفی حضرت خواجہ قطب الدین کاکی کا بھی ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اے فرید تونے دیکھا اگر منصور کامل ہوتا سرِ دوست کو ظاہر نہ کرتا۔ اسرار دوست سے صرف ایک ذرہ برابر ہی راز ظاہر کیا تھا کہ سر دے بیٹھا اور دنیا سے سفر کر گیا۔

(فوائد السالکین بحوالہ السنۃ الجلیہ ص: ۱۸)

دیکھا آپ نے کہ حضرت خواجہ کاکیؒ، منصور (انا الحق کہنے والے) کو کامل نہیں ناقص بتارہے ہیں اس لیے کہ اس نے ایسی بات کہی جو خلاف شریعت تھی۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایسے اسرار کے جو ظاہر شریعت پر منطبق نہ ہوں ظاہر کرنے کو کس قدر ناپسند فرمایا۔ اب راحۃ القلوب سے ایک ارشاد حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکرؒ کا بھی پیش خدمت ہے فرماتے ہیں کہ :

اہل سلوک فرماتے ہیں کہ جو مرید یا شیخ قانون مذہب اہل سنت والجماعت پر نہ ہوگا اور اس کی کیفیت وحالت وحکایت موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہ ہوگی وہ اس معنی میں راہزن ہے (السنۃ الجلیہ ص: ۲۰)

کیا کتاب وسنت کے اس درجہ اتباع کرنے کی تاکید کے باوجود حضرات صوفیہ پر بدعات کو فروغ دینے کا الزام دھرایا جائے گا؟

ایک اور صوفی حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

مرید کو وہی کرنا چاہیے جو پیر حکم فرمائے اور پیر ایسا ہونا چاہیے جو احکام شریعت و طریقت کا عالم ہو تاکہ مرید کو کسی غیر مشروع چیز کا حکم نہ دے اور اگر کسی مختلف فیہ چیز کا حکم دے تو مرید بجالائے کیونکہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے مرید اپنے شیخ کو مجتہد سمجھ کر اس کا فرمان بجالائے۔ (دور نظامی بحوالہ السنۃ الجلیہ ص: ۳۶)

اس ملفوظ کے ذیل میں عصر حاضر کے سب سے بڑے شیخ اور عالم حضرت حکیم الامت

تھانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہی پیش کر دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اطاعت کو اختلاف کے ساتھ مقید کرنے میں تصریح ہے کہ اگر وہ فعل بالاتفاق خلاف شرع ہے تو اس میں پیر کی اطاعت نہیں البتہ قواعد سے اس میں دوسری تفصیل ہے کہ اگر احیاناً ایسا ہوتا ہے تو ادب کے ساتھ عذر کر دے اور تعلق قطع نہ کر دے اور اگر بکثرت ایسا ہوتا ہے تو تعلق قطع کر دے مگر گستاخی پھر بھی نہ کرے۔

اب ملاحظہ فرمایئے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کا ایک ارشاد حضرت تھانویؒ نے اس کو خیر المجالس کی مجلس پنجم سے نقل کیا ہے کہ حضرت چراغ نے فرمایا۔

متابعت پیغمبر ﷺ کی ضرور ہے قولاً فعلاً وارادۃً ہر طرح سے تا محبت حق تعالیٰ کی دل میں قرار پکڑے اس واسطے کہ محبت خدا بے متابعت حضرت محمد ﷺ کے حاصل نہیں ہوتی اور یہ آیت پڑھی۔ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یُحببکم الله۔

کتنی صاف اور صریح تاکید ہے اتباع شریعت کی کہ اس کے بغیر باطنی کمالات حاصل نہیں ہوسکتے انہی شیخ کا ایک قول مجلس ۷۹ میں یہ بھی مذکور ہے۔

جس نے سنن رسول اللہ ﷺ کو ترک کیا اس پر مواظبت نہیں کی اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا خصم یعنی مدعی کیا ہے (السنۃ الجلیہ ص: ۴۰)

کتنی شدید تاکید اور سخت وعید ہے سنتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی پھر بھی الزام ہے کہ حضرت صوفیہ تارکین سنت اور مبتدع ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس طرح کا الزام عائد کرنے والے لوگ کون ہیں؟ جی یہ وہ لوگ ہیں جن کو مس فاطمہ جناح میں کوئی عیب نظر نہیں آیا سوائے عورت ہونے کے اور جنرل ایوب میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی سوائے مرد ہونے کے" یہ الفاظ جماعت اسلامی کے بانی علامہ مودودی صاحب کے ہیں۔ اور انہیں علامہ مرحوم کے زیر اہتمام لاہور میں غلاف کعبہ کی نمائش کا جلوس بڑی شان و شوکت کے ساتھ نکالا گیا تھا۔ اور کیا کچھ ہوا اس جلوس میں اس کی تفصیل پاکستان کے امیر جماعت سے پوچھی جاسکتی ہے۔ یقیناً غلاف کعبہ کا کوئی حصہ ان کے ہاتھ میں بھی رہا ہوگا یہ تو ہے ان الزام عائد کرنے والوں کی ایک معمولی جھلک آئندہ سطروں میں کچھ اور نمونے سامنے آسکتے ہیں۔ سر دست ایک مشہور صوفی حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ کی ایک غیر مسلم جوگی کو اسلام کی دعوت دینے کا ایک منظر ملاحظہ فرمایئے واقعہ یوں ہے کہ :

ایک جوگی نے حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ کو پارس کی ایک پتھری دی تھی۔ شیخ کی برکت سے اس ایک پتھری سے بیشمار پتھریاں پیدا ہو گئیں۔ وہ جوگی پشیمان اور شرمندہ ہو کر اس جگہ سے نکلا اور وہ دونوں پتھریاں شیخ کے روبرو رکھ دیں اور سر کو قدموں پر ڈال دیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو بھی کچھ اپنے علوم و معارف میں سے عطاء فرما دیجئے کہ جن کی وجہ سے آپ ایسی چیزوں سے مستغنی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دولت بدون مسلمان ہوئے نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر جوگی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا حضرت کی توجہ سے اس زمانہ کے اولیاء میں سے ہو گیا (اقتباس الانوار بحوالہ السنۃ الجلیہ ص : ۴۲)

غور کیا آپ نے ؟ شیخ نے حقیقی کمالات کے لیے اسلام کو شرط قرار دیا اور اس طرح اسلام کی دعوت دیکر حلقہ بگوش اسلام بنالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر جادوگروں نے بھی شکست تسلیم کر کے اسلام قبول کیا تھا۔

اب ایک نظر سلسلۂ چشتیہ کے مشہور ترین شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ۳۶ پر بھی نظر ڈال لیجئے فرماتے ہیں۔

ہوشیار رہو اور کام میں استقامت رکھو اور شریعت پر قائم اور جمے رہو جب تک شریعت میں استقامت ہے اور کام میں لگا ہوا ہے انوار ہی انوار ہیں اور اسرار سے بھید کی باتیں پیدا ہوتی ہیں (السنۃ الجلیہ ص : ۴۸)

دیکھا آپ نے انوار الٰہی کو شریعت کی پابندی پر موقوف کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ استقامت کے بغیر انوار حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہی شیخ اپنے مکتوب ۳۷ میں فرماتے ہیں کہ۔ ولی ہر چند ولی ہوتا ہے اور محقق بن جاتا ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی ہو جائے اور ذرہ برابر نبی کی اتباع کے خلاف کر سکے۔ یعنی ولی کا کوئی کام خلاف شریعت نہیں ہو سکتا۔ ولایت کا مقام شریعت کے اتباع سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ انہیں کا ارشاد ہے کہ ہر ولی کو سید المرسلین ﷺ کے اتباع کا ایک عالی درجہ حاصل ہوتا ہے کہ دوسرا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

پھر بھی ان حضرات مشائخ پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ان کا دین بھی اسلام سے الگ ہے اور ان میں اتباع شریعت کا پاس و لحاظ نہیں تھا یہ اپنے وضع کردہ طریق کے پابند تھے۔ کتنی

بڑی جسارتؒ اور تاریخی دھاندلی ہے کہ سب کچھ دیکھتے ہوئے لب کشائی کی جائے اور ہر نوع کے تصوف کو نشانہ بنایا جائے۔ یہی شیخ اپنے مریدوں کو تاکید فرماتے ہیں۔

"پس طاعت میں ثابت قدم رہو اور شریعت پر قائم رہو کیونکہ باطن کی صفائی اور اس جہاں کی نجات کے لیے اس وقت بجز شریعت کے کوئی شئ صحت اور سبب نہیں" (السنۃ الجلیہ ص: ۴۹)

حضرات صوفیہ رحمہم اللہ پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتاہے کہ شیخ کے کسی عمل پر مرید نکیر نہیں کرسکتا بلکہ شیخ کے خلاف شرع عمل کو اپنا معمول بنانا پڑے گا۔ یہ الزام بھی سراسر بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (یہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے اجل خلفاء میں شمار کئے جاتے ہیں)۔ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ایک روز سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے بعض مرید کسی مجلس میں جمع تھے اور عورتوں کا دُف سے گانا سنتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود مجلس میں تھے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ باہر چلے جائیں۔ یارانِ طریقت نے بیٹھنے پر زور ڈالا تو کہا کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سماع کا انکار کرتے ہو اور پیر کے طریقہ کو چھوڑتے ہو کیا پیر کا طریقہ دلیل اور حجت نہیں قرآن اور حدیث سے دلیل بیان کرنی چاہیے۔ بعض مخالفوں نے اس واقعہ کی خبر شیخ کو کردی کہ شیخ محمود ایسا کہہ رہے ہیں۔ شیخ کو ان کا صدق معاملہ معلوم تھا فرمایا شیخ محمود صاحب درست کہتے ہیں حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں"۔

اس واقعہ کی روشنی میں ہوسکتا ہے۔ الزام تراشی کرنے والے اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اگر وہ اپنی روش پر گامزن رہتے ہیں تو کم از کم ان کی ہرزہ سرائیوں پر کان نہ دھریں۔ ہاں ایک الزام یہ بھی ہے کہ حضرات صوفیہ نماز اور دیگر ارکان اسلام کی طرف توجہ نہیں دیتے صرف اوراد و وظائف میں مشغول رکھتے ہیں۔ یہ الزام بھی سراسر بے بنیاد اور حضرات صوفیہ کے صاف وشفاف دامن پر بدنما داغ لگانے کی جسارت ہے آیئے واقعات کی روشنی میں نماز و دیگر عبادات و معاملات میں حضرات صفیاء رحمہم اللہ کا موقف دیکھیں۔ گذشتہ صفحات میں آپ نے صرف حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے اقوال

ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اب پیش خدمت ہیں اعمال۔ ایک نظر ان پر بھی ڈال لیجائے۔

دیکھئے یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہیں ان کے تذکرہ نگار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔ یہ حضرت چشتیؒ کی خدمت گرامی میں رہا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت چشتیؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم اور خواجہ اجل (عثمان ہارونیؒ) بیٹھے تھے نماز مغرب کا وقت تھا۔ خواجہ تازہ وضو کرتے تھے انگلیوں میں خلال کرنا ان سے سہواً فراموش ہو گیا ہاتف غیبی نے آواز دی اور ان کے کان مبارک میں کہا کہ اے اجل ہمارے رسول اللہ ﷺ کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی امت سے کہلاتے ہو۔ ان کی سنت کو تم نے ترک کیا۔ اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ جس دن سے میں نے ندا سنی موت کے وقت تک کوئی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متروک نہ ہو گی۔ پھر فرمایا کہ ایک وقت خواجہ اجل کو از حد متردد دیکھا اور پوچھا کیا حال ہے۔ فرمایا کہ جس روز سے انگلیوں کا خلال مجھ سے فوت ہوا ہے۔ مجھ کو حیرت ہے کہ کل کے روز قیامت میں خواجہ کائنات ﷺ کو یہ منہ کیوں کر دکھاؤں گا۔

حضرت تھانویؒ اس واقعہ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> دیکھئے خلال کے ترک پر (اور وہ بھی سہواً پھر سنت مؤکدہ بھی نہیں صرف مستحب) کس قدر قلق ہوا ہے؟ کیا یہ حضرات احکام شریعت کے تارک ہو سکتے ہیں۔ (السنۃ الجلیہ ص:۱۱)

لیجئے خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام عبادت اور بھول چوک کا کفارہ بھی دیکھ لیجئے۔

> ایک مرتبہ وضو کے وقت دوبارہ ہاتھ دھونا بھول گئے اور نماز ادا کی۔ اسی رات حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا حضرت نے فرمایا اے فضیل بن عیاض تعجب ہے کہ وضو میں تجھ سے نقصان واقع ہو۔ خواجہ مارے ہیبت سے نیند سے جاگ پڑے اور از سر نو تازہ وضو کیا اور اس جرم کے کفارہ میں پانچ سو رکعت نماز ایک برس تک اپنے اوپر واجب کیں (دلیل العارفین بحوالہ السنۃ الجلیہ)

پہلی بات تو یہ کہ ہاتھ کا دوبارہ دھونا فرض ہے نہ واجب۔ ایک سنت چھوٹی وہ بھی بھول کر پھر بھی اس کا کفارہ ادا کیا کہ آخر چوک ہوئی کیوں؟ کتنی سنتیں دانستہ چھوڑے ہیں

یہ الزام عائد کرنے والے، کیاان کو بھی کبھی خفت محسوس ہوئی ؟جی نہیں خفت تو کیا محسوس ہوتی۔ ڈھٹائی سے ترک سنت کی ترغیب دیتے ہیں۔ آخر داڑھی کے معاملہ میں مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا کیارویہ ہے ؟یہی خواجہ صاحب نماز کی تاکید اپنے مسترشدین کو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> اور جو نماز کا حق نہیں بجالاتا ہے اور ارکان نماز کے نگاہ میں نہیں رکھتا تو اگر فرشتے چاہتے ہیں اس کی نماز کو اوپر لے جاویں تو اس کے لیے دروازے آسمان کے نہیں کھلتے اور حکم آتا ہے کہ اس کی نماز کو یہاں سے لے جاؤ۔ (السنۃ الجلیہ ص :۱۲)

اور کسے کہتے ہیں اتباع شریعت ؟ کیا نماز اسلام کی اہم ترین عبادت نہیں ہے ؟ اور مقصود کے ساتھ تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہے لیکن یہ معترضین نماز کو پریڈ اور جہاد تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جی ہاں سیاسی اور دینوی نقطۂ نگاہ سے اسلام کو سمجھنے کا دعویٰ کرنے والے یہی کہیں گے خیر اس جماعت کے لوگ نماز اور دیگر راکان اسلام کی کچھ بھی تعبیر کریں۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنہم اجمعین کو جو کچھ سمجھایا وہ یہی ہے کہ نماز اہم ترین عبادت ہے۔ **(باقی آئندہ)**
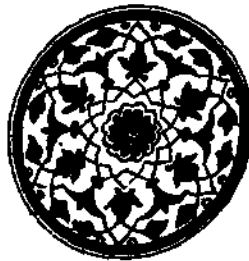
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور فن شعر

سید اختیار جعفری (ایڈیٹر) نیا وکلپ (ہندی ماہنامہ) آگرہ

فاطر فطرت نے نفس انسانی کی اصلاح اور ارتقاء کے لیے جو مقتضائے وقت اور مقام رہنما بھیجے ان کو ایک نظام اور اس نظام عمل کی تعمیل کے ذرائع بھی دیئے۔ تاکہ اس سے مخالف قوتوں کو دبا سکیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ اپنے عصا کو چلتا پھرتا اژدہا بنادیں۔ اور جادوگروں کی آنکھیں کھولیں۔ یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جادو اور جادوگروں کا بہت زور تھا، جو رسی اور لکڑی کو سانپ ظاہر کر کے دکھا سکتے تھے۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جالینوس کے اصول طب پر بڑا ناز کیا جاتا تھا، جس سے خدا فروشی اور مادہ پرستی عام ہو چلی تھی۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا روحانی معجزہ ملا کہ وہ بیماروں کو صرف چھو کر اور مردوں کو دو حرف کہہ کر زندہ کر سکتے تھے۔

پیغمبر عالم اور رسولِ عربی ﷺ کے زمانے میں کہانت اور شاعری کا بڑا زور تھا۔ خاص طور پر شعراء عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں دیگر تمام ممالک کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ بعض کو تو یہ زعم تھا کہ ان جیسے شعر کہنا نا ممکن ہے۔ چنانچہ سات قصیدہ کعبۃ اللہ کے دروازے پر اسی دعوٰی سے لٹکائے گئے تھے ایسے زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سنانا شروع کیا تو۔ فصاحت و بلاغت اور جامعیت دیکھ کر دنگ رہ گئے، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے تھے، اس لیے کہ اس کا انداز بیان شعراء کے اصولِ موضوعہ کے مطابق نہ تھا۔ نہ یہ ممکن تھا کہ اس کو شعر نہ کہیں، اس لیے کہ الفاظ اور معانی کا حسن، ترتیب کلمات کی متانت، ہم قافیہ جملوں کا تواتر، تشبیہ

، کنایہ، استعارہ اور تمثیل کی دل کشی، حقائق وجذبات کا اہتمام غرض ان کے مسلمات کے مطابق جو امور کسی کلام کو شعر بناسکتے ہیں بجز ایک مفروضہ وزن کے وہ سبھی اس میں موجود تھے اور اعلی درجے کے نمونے موجود تھے۔ بلکہ کہیں کہیں متفرق جملے انتہائی موزونیت کے ساتھ بھی موجود تھے۔

ان میں بھی سب سے اہم بات یہ کہ ہر بات تاثیر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی جو پیشین گوئیاں کی جاتی تھیں وہ بھی بالکل صحیح ثابت ہوتی تھیں۔ اس لیے سب نے آپ کا اعجاز کلام تسلیم کرلیا۔ اور وہ آپ (ﷺ) کو کاہن اور شاعر کہنے پر مجبور ہوئے۔

کاہن اور شاعر

کہانت اور شاعری ان میں معیوب نہ تھی۔ بلکہ موجب فخر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن چونکہ اعجاز نبوت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور شاعر کہتے تھے۔ اس لیے اس فریب کو بھی قرآن نے توڑدیا۔ اور کہانت تو کہانت آپ کی ذات سے شعر کی بھی نفی کردی۔ اور کاہنوں اور شاعروں پر اس طرح تنقید کردی "یہ کاہن تو باتیں اڑالیتے ہیں۔ ادھر اُدھر کی باتیں سن کر یا اپنی معلومات پر قیاس کرکے پیشین گوئی کرتے ہیں اور، غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں"۔

"ناقابل اعتبار اور بدکار ہوتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں" اور شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا قرار دے کر ارشاد فرمایا "یہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ہر قسم کی اچھی بری بات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور بیشتر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں" "جو کہتے ہیں، کرتے نہیں"۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہر شاعر اس حکم میں داخل نہیں۔ جو صاحب ایمان اور نکوکار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں"۔

مختصر یہ کہ نہ کاہنوں کی قیاس آرائی کو احکام نبوت سے کوئی نسبت ہے نہ شاعرانہ موہومات اور واہی تباہی باتیں حقائق اور مکارم اخلاق کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ لیکن مخالفین یہی سمجھتے تھے کہ ایسی حیرت انگیز باتیں کرنے والا یا تو کاہن ہوسکتا ہے یا شاعر، یا جادوگر یا دیوانہ۔ بہر حال وہ آپ کی نبوت کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ اس لیے اتمام حجت کے لیے ان سے کہا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسی کوئی سورت یا اس کی جیسی

کوئی عبارت تم بھی بنالاؤ۔ اور ساتھ ہی یہ چیلنج بھی دے دیا گیا کہ تم سب مل کر بھی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکوگے۔ چنانچہ سب مدعیان فصاحت اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر رہ گئے۔ اور جب ان چند کلمات میں اعجاز فصاحت و بلاغت کا مشاہدہ کیا: انا اعطینك الکوثرo فصلّ لربّك وانحرo انّ شانئك ھوالابترo تو ماننا پڑا: ماھذا قول البشرo" نتیجہ یہ ہوا کہ سبعہ معلقات جو معجزات فصاحت سمجھے جاتے تھے کعبہ کے دروازہ سے اتار لیئے گئے۔ اور شعرائے عرب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

سیرت نبوی کا یہ وہ پہلو ہے جس سے کہانت کا اس طرح ابطال ہو گیا جس طرح اعجاز موسوی سے جادو کا۔ اور شعر کی اصلاح کی ایسی بنیاد پڑی جیسی تن بیمار کی اعجاز مسیحائی سے کہانت کا دارومدار چونکہ قرائن و قیاس پر تھا جو اکثر غلط ہو جاتے تھے اور چونکہ اس قسم کی اوہام پرستی کا قوت عمل پر مہلک اثر پڑتا تھا، اس لیے اس کا تو تختہ ہی الٹ دیا گیا۔ اور کاہنوں کو بلا استثناء ناقابل اعتبار اور ان میں سے اکثر کو جھوٹا کہہ دیا گیا۔ لیکن شاعری چونکہ بیکار چیز نہ تھی۔ بلکہ اس فن کا استعمال غلط کیا جاتا تھا، شعرائے جاہلیت آپس میں ایک دوسرے کو بھڑکانے اور آپس میں لڑانے کیلیے اپنا سارا زور کلام صرف کرتے تھے۔ اور خو کسی زندگی کے اصول کے پابند نہ ہوتے تھے، اس لیے ان کی اس قسم کی لاابالی اور بے عمل زندگی کے مقابلے میں ایک راہِ عمل بنا کر سمجھا دیا گیا کہ جو اس راہ پر چلیں گے اچھے شاعر سمجھے جائیں گے۔

ایک شبہ

سیرتِ رسول اللہ ﷺ کا شعر سے یہ علاقہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ لیکن بعض قرینے ایسے بھی ہیں، جن سے شعر کی نسبت مخالف و موافق دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کا یہ ارشاد :وما علمنه الشعر وما ینبغی له،ان ھو الاذکرٌ وقرآن مبینo لینذر من کان حیاًویحق القول علی الکافرینo واضح کرتا ہے کہ۔

۱۔ آپ کو شعر کا علم نہیں دیا گیا۔

۲۔ نہ یہ علم آپ کے لائق تھا۔

۳۔ بلکہ آپ کا منصب تو تعلیم قرآن اور تبلیغ احکام دینا تھا۔

۴۔ تاکہ ہر ایسے شخص کو جو زندہ ہو، یعنی جس میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو، پاداش

عمل سے ڈرائیں۔ اور اگر کوئی آپ کی بات نہ بھی مانے تو کم سے کم اس پر حجت پوری ہو جائے۔ تاکہ وہ یہ نہ کہہ پائے کہ مجھ سے تو کسی نے حق بات کہی ہی نہ تھی۔ اس قرینے سے شعر کا منافی منصب نبوت اور خلاف منشائے ہدایت ہونا پایا جاتا ہے۔

۵- اس کے علاوہ شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہنا (الشعراء یتبعهم الغاوون) اور آپ کا ایسے لوگوں کا رہنما ہونا جن میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو (لینذر من کان حیاً) ایسا قرینہ ہے جس سے مذکورہ بالا نظریے کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شعر اور نبوت میں وہی تقابل ہے جو ضلالت اور ہدایت میں ہے۔

دوسرا نظریہ

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں نفس شعر کی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ ان شعراء کی مذمت ہے، جو شعر کا غلط استعمال کرتے ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **والشعراء یتبعهم الغاوون○ الم تر انهم فی کل وادیهیمون○ وانهم یقولون مالا یفعلون○ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا الله کثیراً وانتصروا من بعد ماظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون○**

ان آیات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں: ۱- شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بے راہ ہوتے ہیں۔ ۲- شاعر ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ۳- شاعروں کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ ۴- البتہ ان شاعروں میں سے وہ مستثنیٰ ہیں جو ایمان اور حسن عمل سے متصف ہیں۔ بیشتر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اگر ان پر ظلم ہوتا ہے تو اس کی مدافعت کرتے ہیں۔ (خود ظلم نہیں کرتے) یعنی کوئی اگر شعر کے ذریعہ سے ان کی مخالفت یا ہجو وغیرہ کرتا ہے تو ہی وہ اس کا جواب شعر سے دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر کا عیب و صواب شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ نہ کہ نفس شعر کی طرف۔ چنانچہ امراءالقیس کو جو دور جاہلیت کا جلیل القدر شاعر تھا، حضور ﷺ نے **اشعر الشعراء وقائدهم الی النار** فرمایا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی نسبت جو عہد رسالت کے شاعر تھے، ارشاد ہوا **ان الله یؤید حساناً بروح القدس**، لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ از روئے قرآن و حدیث شعر میں فی نفسہ کوئی عیب نہیں ہوتا۔ جیسا شاعر ہوتا ہے ویسا ہی شعر ہوتا ہے۔

لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب شعر میں فی نفسہ کوئی قباحت نہ تھی۔ جس کے لیے ایمان والوں کو اجازت ہوئی تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس فن کو شائستۂ نبوت نہ سمجھا گیا۔ اور اگر یہ فن محل قباحت ہونے کی وجہ سے، یعنی اس وجہ سے آپ کے لائق نہ تھا کہ عموماً شعر میں جھوٹی اور بے سروپا باتیں کہی جاتی ہیں اور شاعر اکثر بے عمل ہوتے ہیں، تو جب ان عیوب کے نہ ہونے پر اہل ایمان عام شعراء سے مستثنیٰ کر دیئے گئے، تو آپ بسبب سر چشمۂ ایمان وہدایت ہونے کے بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر میں شعراء کے مذکورہ عیوب کے علاوہ فی نفسہ کوئی نہ کوئی بات ایسی بھی ہے جو منافی منصب نبوت اور خلافت منشائے ہدایت ہو۔ پھر سیرت نبوی سے شعر کی اصلاح اور ترقی کیا معنیٰ؟

شعر کی حقیقت

اس شبہ کو رفع کرنے کی غرض سے اول ہم کو شعر کی حقیقت پر ایک تفصیلی نظر ڈالنا چاہیے۔ دراصل شعر کلام کی اس مخصوص ترتیب کا نام ہے، جس کے لفظوں میں اصول موسیقی کی تصویر اور معنیٰ میں جذباتِ انسانی کی تاثیر پائی جائے۔ شعر کے اجزائے ترکیبی چار ہیں: لفظ، معنیٰ، وزن اور قافیہ۔ غالباً، ہمیشہ ہر جگہ انہی عناصر اربعہ پر شعر کی بنیاد رہی ہے۔ آج کل جو شعر کی نئی نئی تعریفیں سننے میں آتی ہیں، انہی اجزاء میں سے کسی نہ کسی کی تفصیل یا تحلیل ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: (۱) دلکش الفاظ کا مجموعہ شعر ہے۔) (۲) حسن معانی کا اثر شعر ہے۔ (۳) کلمات کی متناسب الحرکات ترتیب شعر ہے۔ (۴) مشترکہ جزو کلمات کی تفصیل تکرار شعر ہے۔ (۵) کبھی ان تمام تعریفوں کو جمع کر کے کہا جاتا ہے کہ شعر ایسے بامعنیٰ الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس میں وزن اور قافیہ پایا جائے۔ (۶) کچھ اس پر اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ایسا کلام جو ارادہ سے کہا گیا ہو تو وہ شعر ہے ورنہ نہیں۔ کبھی بطریق تفریق اس میں سے بعض اجزاء کی نفی کی جاتی ہے۔ مثلاً شعر کے لیے ارادہ ضروری نہیں۔ (۲) شعر کے لیے نہ ارادہ ضروری ہے نہ قافیہ (۳) شعر وزن کا محتاج نہیں ہے۔ (۴) شعر کسی معنیٰ یا مفہوم میں مقید نہیں ہو سکتا (۵) شعر کے لیے لفظ کی بھی قید نہیں ہے، محسوسات بھی شعر ہو سکتے ہیں۔ (۶) ان آزادیوں کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ

شعر کو بھی شعر نہیں کہا جاسکتا۔

شعر کی تعریف

جو لوگ شعر کو لفظ، معنی، وزن اور قافیہ کی قید سے آزاد کہنا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ شعر چونکہ شعور سے مشتق ہے، اس لیے ہر وہ چیز جو کسی قسم کا معین یا غیر معین شعور پیدا کرے۔ شعر ہوگی۔ مثلاً مرئیات، مشمومات، مسموعات، مذوقات، ملموسات، متخیلات، متوہمات، متمیزات، وغیرہ سب شعر ہیں۔ پانی کی صفائی ہو یا کیچڑ کا میلا پن، گلاب کی خوشبو ہو یا کھاد کا تعفن، بلبل کا ترانہ ہو یا الو کی آواز، آم کی شیرینی ہو یا اندرائن کی تلخی، پھول کی نرمی ہو یا کانٹے کی خلش سب شعر ہیں، جن سے کوئی خوشی یا رنج، رحم یا غصہ، ہمت یا ڈر یا اور کسی قسم کا تاثر پیدا ہو۔ اس نظریہ کی رو سے شعر صرف احساس کا نام ہے۔ اظہار اس میں شامل نہیں۔ لیکن چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سے ایک طبیعت متاثر ہو دوسری نہ ہو یعنی وہ چیز کسی کے لیے شعر ہو کسی کے لیے نہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز سے کسی وقت ایک ہی طبیعت متاثر ہو، کسی وقت نہ ہو، یعنی وہی چیز کبھی شعر ہو کبھی نہ ہو، اس لیے اس تعریف سے شعر متعارف نہ ہوگا۔ اور ضرورت ہوگی اس میں احساس کے ساتھ اظہار بھی شامل ہو۔ لیکن چونکہ احساسات کی طرح اظہار کے ذریعے بھی متعدد ہیں۔ اور ہر ذریعۂ اظہار کو شعر کہنے میں وہی دشواری ہے جو ہر احساس کو شعر کہنے میں تھی۔ اس لیے شعر کے تعین کی غرض سے کوئی ایسا ذریعۂ اظہار تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو شعور سے ناشی ہو۔ اور دوسروں میں شعور پیدا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ الفاظ و معانی یعنی کلام ہی کا ہے پھر چونکہ جنس کلام کا اطلاق اس کی ہر نوع پر ہوتا ہے۔ یعنی جس نوع کو شعر فرض کیا جائے وہ بھی اور جس کو شعر فرض نہ کیا جائے وہ بھی دونوں برابر کلام ہیں اس لیے یہ تعریف بھی کہ شعر ایسا کلام ہے جس سے اظہارِ احساس ہو، کافی نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ کسی ایسی قید کی اور ضرورت ہوگی جس سے شعر کی صورتِ نوعیہ متعین ہوتی ہے۔ قافیہ بھی اس کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ قافیہ شعر کا زیور تو ضرور ہے لیکن نفسِ شعر میں داخل نہیں ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ نہ قافیہ کے اضافے سے نثر پر شعر کا اطلاق درست ہو سکتا ہے، نہ قافیہ کی کمی سے شعر میں فرق آتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تک کلام میں وزن تسلیم نہ کیا جائے گا، شعر کا مصداق سمجھ میں نہ آئے گا۔ اور شعر کی سب سے زیادہ محکم اور جامع ومانع تعریف یہی ہوگی کہ کلام موزوں کو شعر کہا جائے۔

وزن شعر کا جزو لاینفک ہے

کسی قوم کی شاعری وزن کی قید سے خالی نہیں پائی جاتی۔ یہ بات ہے کہ زمین کے فاصلے زبانوں کے اختلاف اور زمانوں کے انقلاب سے شعر کی صورت مختلف نظر آئے۔ اور ایک ملک کا شعر دوسرے ملک میں ناموزوں سمجھا جائے، مثلاً قدیم ہند کے علوم وفنون خاص کر مذہبی کتابوں کا وہ ذخیرہ جو نظم میں ہے اور جس کی سب سے پہلی اور بڑی کتاب "وید" ہے، اس کو پڑھ کر یا سن کر ایران وعرب میں کوئی موزوں نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ خود ہندوستان کی موجودہ شاعری کے اصول اب اس سے مختلف ہوچکے ہیں۔ قدیم ایرانی شاعری کا وہ دفتر جو "گاتھا" اوسنا" اور "ژند" کے اوراق میں دستیاب ہوا ہے، وہ موجودہ فارسی شاعری کے لحاظ سے بالکل ناموزوں نظر آتا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں کا نظم ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح عبرانی شاعری کے وہ نمونے جو "اناشید" اور مزامیر داؤد" کی صورت میں موجود ہیں، ان کے نظم ہونے کا دعویٰ ان کے نام، ان کی ترتیب کلام، اور تاریخی شہادت سے ثابت ہے۔ لیکن ان کو نہ موجودہ عروض عرب کی رو سے شعر کہہ سکتے ہیں نہ مغرب ومشرق کے کسی اور اصول شعر کے لحاظ سے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے باوجودیکہ ہر ملک میں تناسب اعضاء کا نام ہی حسن ہے لیکن معیار تناسب میں ملک تو ملک ایک جگہ کے دو آدمیوں کا مکمل اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ چین میں جس ناک نقشہ کو حسن کہا جاتا ہے، ہندوستان میں اس کو بدصورتی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص جس صورت کا دیوانہ ہے، دوسرے کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ وہ یہی کہتا ہے :-

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

اسی طرح شعر جو کلام متناسب کا نتیجہ ہے، اگر اس کا موجودہ معیار تناسب گذشتہ سے

لور ہندوستان کا انگلستان سے مختلف پایا جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ زمانہ قدیم میں شعر نہ تھا۔ لور اگر تھا تو اس میں وزن نہ تھا۔ یا انگریزی شاعری جو ہمارے اصول سے مختلف ہے ناموزوں ہے۔

شعر کا ماخذ نغمہ ہے

اس کے علاوہ یہ امر مسلم ہے کہ شعر کی فطرت میں نغمہ مضمر ہے لور چونکہ نغمہ کا دارومدار صرف آواز کے توازن پر ہوتا ہے، اس لیے شعر اس توازن سے خالی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ شعر کا وجود اصل نغمہ پر اسی طرح مبنی ہوتا ہے جس طرح لفظوں کا وجود آواز پر۔ انہی لوزان غنائی کے مطابق شعر کے اوزان بنتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ انہی لوزان کے اختلاف کی وجہ سے کبھی کلام موزوں ناموزوں اور ناموزوں ناموزوں نظر آتا ہے مثلاً موجودہ اردو شاعری کا یہ اصول ہے کہ شعر کے دونوں مصرعہ برابر ہوں لیکن انگریزی میں کبھی دونوں مصرعہ برابر ہوتے ہیں، کبھی ایک مصرعہ ایک انچ لور دوسرا مصرعہ سات انچ کا۔ اس کی مثال عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں یک رکنی دور کنی شعر بھی ہیں لور کئی کئی رکن کا ایک مصرعہ بھی۔ اس کو اردو کی شاعرانہ طبیعت موزوں نہیں سمجھتی۔ لیکن بہ حیثیت فن اس کی موزونیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رفع اشتباہ

ان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ جن اجزاء سے شعر مرکب ہوتا ہے، ان میں سے الفاظ کا وزن ہی ایسا جزء ہے، جس سے کلام میں شعر لور غیر شعر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعر کا بیرونی پہلو ہے۔ دوسرے ہر حال لور ہر خیال جس سے جذبات انسانی کو تحریک ہو، شعر ہے۔ یہ شعر کا اندرونی پہلو ہے، جس کو عموماً شعریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شعر کے اجزائے ترکیبی جواب ہیں وہی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی تھے۔ بلکہ کم وبیش ہمیشہ انہی پر شعر کا انحصار رہا ہے۔ ان سے نفس شعر کا تعلق فطرت سے ہے۔ لور اس کی صورت کا صنعت سے۔ فطرت کا کون سا راز ہوگا جو رسول اللہ ﷺ پر منکشف نہ ہوا ہو۔ لیکن صنعتیں بے شمار ہیں جن سے آپ کو سروکار نہ تھا۔ من جملہ

ان کے ایک صنعتِ شعری بھی ہے۔ جس کا آپ کو علم تو تھا، یعنی آپ کی طبیعت میں شعریت تو تھی، لیکن آپ شاعر نہ تھے۔ اور نہ یہ فن آپ کے لائق تھا۔ اس لیے کہ اول تو الفاظ کی موزونیت ہویا تخیل کی پرواز، فن شعر ہر حالت میں انسان کی کوشش اور صناعت سے متعلق ہے۔ اور نبوت انسانی کوشش سے بالاتر مرتبہ ہے۔ جس کی اصل فطرت حق ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ شاعر ہوتے اور دینِ فطرت صنعت کا لباس پہن لیتا تو دنیا کی نظر میں وہ بھی مصنوعی بن کر رہ جاتا۔ پھر یہ بھی کہ شعر کا مقصد تحریک جذبات ہے۔ اور نبوت کا منشاء تہذیب جذبات، اگر آپ کا دستور العمل موعظت وحکمت کے بجائے شعر وشاعری ہوتا یعنی آپ کا پیغام صرف محرک جذبات ہوتا، مفید تعقل نہ ہوتا تو اصلاح نفس اور احقاق حق کا نتیجہ بر آمد نہ ہوتا۔ جس کی صراحت قرآن کریم میں آپ کی ذات سے شعر کی نفی فرماکر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ تو ذکر حق اور قرآن یعنی نصاب دین ہے تاکہ ہر ایسے شخص کو ڈرائیں جس کا دل زندہ ہو۔ اور جو منکر ہوں، ان پر حق ثابت ہوجائے۔ تیسرے آپ کا منصب صرف یہ تھا کہ جو احکام آپ پر نازل ہوں وہ بعینہ لوگوں کو پہنچادیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں۔ جیسا کہ شاعروں کا طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپ شاعر ہوتے تو قرآن کو بھی انسانی خیالات اور حسن تفکر کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔ تو بھی آپ کا شاعر ہونا کس کام آتا۔ جب کہ قرآن کے علاوہ بھی احکام دین میں آپ کے تخیل یا تفکر اور جذبات کا بالکل دخل نہ تھا۔ بلکہ آپ صرف وہی بات فرماتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوتی تھی۔ جس کی وضاحت قرآن میں اسطرح فرمائی گئی۔ وما ینطق عن الھویٰ○ان ھو الا وحی یوحی ○ اسی لیے فن شعر آپ کے کسی کام کا نہ تھا۔

لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کے لائق نہ ہونے کی وجہ سے فن شعر سرے سے معیوب ہوجائے اور کسی کو بھی شعر کہنا جائز نہ ہو۔ اس لیے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ جو امر آپ کے لیے مناسب نہ ہو وہ کسی کے لیے بھی مناسب نہ ہو۔ یا جو بات آپ کو روا ہو وہ سب کے لیے روا سمجھی جائے۔ مثلاً آپ کسی کے شاگرد نہ تھے، نہ کسی کی شاگردی آپ کو زیبا تھی۔ تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کا شاگرد ہونا کسی کو زیبا نہ ہو۔ اس لیے آپ تو براہ راست سرچشمہ علم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کو کسی کی شاگردی نہ ضروری تھی

نہ مناسب۔ لیکن جو لوگ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے ان کو اکتساب علم کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ اس لیے کہ اکتساب علم کی ہدایت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اسی طرح اگر حامل وحی ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے شاعری مناسب نہ تھی۔ تو جن پر وحی نہ آتی ہو ان کے لیے یہ فن ناز یبایا بیکار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی اجازت موجود ہے۔ پھر شعر کو فی نفسہ معیوب، موجب غوایت یا منافی ہدایت کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس جہت سے تو سرکار دوعالم ﷺ نے شعر کو ایسا نوازا کہ قرآن کریم میں شعر کی ذاتی صلاحیت کی بناء پر اس فن کا اچھایا برا استعمال کرنے والوں کی جو اصولی تقسیم کی گئی تھی۔ اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ ان من الشعر لحکمۃ یعنی ہر شعر موجب غوایت نہیں بلکہ بعض شعر سراسر حکمت بھی ہوتے ہیں۔ تاکہ شعر کے فی نفسہ معیوب ہونے کا اندیشہ یا شبہ ہی نہ رہے۔

شعر اور حکمت

حکمت دراصل قول وفعل کی راستی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً نفسِ انسانی کا علم و عمل میں امکانی کمال حاصل کرنا اور جو مختلف قوتیں فطرت نے اس کو دی ہیں، ان کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لانا حکمت ہے۔ لیکن چونکہ صحیح اعتدال مزاج کا ہر شخص کو علم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ وہ مرتبہ کمال ہے جس پر حضرات انبیاء علیہم السلام تائید الٰہی سے فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے حکیم کامل دراصل نبی ہوتا ہے۔ جس کا منصب یہ ہوتا ہے کہ جو ہر نفس کی ایسی حفاظت کرے جس سے اس کی جملہ قوتوں میں خواہ وہ نظری ہوں یا عملی افراط و تفریط سے خلل نہ واقع ہو۔ بلکہ ہر قوت دوسری قوت کی اس طرح مدد کرتی رہے کہ ان کے باہمی امتزاج سے نفس میں وہ کیفیت متوسطہ پیدا ہو جائے جس کو عدالت کہتے ہیں اور جس پر نفس کی صحت کا اوار و مدار ہے۔ اور اگر صحت نفس میں فرق آئے تو وہ اس کو بحال کرنے کی تدبیر کر سکے۔ اور اس طرح اس جوہر شریف کو شریف تر بنا کر خلافت الٰہی اور حیات ابدی کا مستحق بنا دے۔

اِس مقصد یعنی صحیح اعتدال مزاج کے قائم رکھنے یا حاصل کرنے کے لئے حکیم کامل جو اصول تجویز کرتا ہے ان کا ضمنی نتیجہ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس کے بعض خاصوں یا ان

کے عواطف میں، جن کو جذبات یا واردات قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک قسم کی غیر معتدل حرکت یا سکون پیدا ہو جائے۔ جو دراصل شاعر کا نصب العین ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح حکمت کا اصل منشاء تہذیب قوائے انسانی ہے اور اس کے احکام سے ضمناً بعض جذبات کا برانگیختہ ہونا اور بعض کا افسردہ ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح اگرچہ شعر کا مطمح نظر جذبات انسانی کو مشتعل یا مضمحل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ضمناً اس سے اصلاح نفس کا نتیجہ بھی بر آمد ہوتا رہتا ہے۔ شعر کا یہی پہلو ہے جس کو دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے شریکِ حکمت ہونے کی سند ملی ہے۔ اگر شعر کی اس فطری صلاحیت میں شاعر کا ارادہ بھی شامل ہو جائے تو ایسا شاعر الشاعر تلامیذ الرحمن کا مصداق ہو جاتا ہے۔

پردۂ رازے کہ سخن پروریست
سایہ از پردۂ پیغمبر یست

اسی وجہ سے دربارِ رسالت میں شعراء کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمائی جاتی تھی۔

آپ کا ذوقِ سخن

جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا، نہ شعر کہنا آپ کو زیبا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو شاعرانہ کلام سے دلچسپی تھی، شعر سنتے تھے، شعر پر تنقید رماتے تھے، شعراء کی حوصلہ افزائی کے لئے مناسب داد و انعام دیتے تھے۔ آپ کی خدمت یں جمع ہو کر شعراء مشاعرے کرتے تھے اور کبھی کبھی زبانِ مبارک سے ایسے کلمات ادا رتے جو شعر سے مشابہ ہوتے۔ کبھی کبھی کسی شاعر کا کلام بھی آپ کی زبان پر آجاتا تھا۔ ؛انچہ شمائل ترمذی میں "صفة کلام رسول الله فی الشعر" کے عنوان سے ایک اب اسی قسم کی احادیث کا ہے۔ جس میں سے چند نمونے یہ ہیں :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثال دینے کے لئے اکثر ابن واحہ کے شعر پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا "شعرائے عرب میں لبید نے کیا ہی تر (اشعر کلمة) کہا ہے۔

الا کل شئ ما خلا الله باطل

یک مرتبہ پتھر کی چوٹ سے حضرت کی ایک انگلی زخمی ہو گئی اور خون بہہ نکلا آپ نے فرمایا

هل انت الا اصبع دميت
وفی سبیل الله ما لقيت

فتح مکہ کے بعد بنی ہوازن اور بنی ثقیف وغیرہ آس پاس کے چند قبائل جمع ہو کر چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اُن کی بے خبری کی حالت میں حملہ کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی۔ آپ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت لے کر اُن کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ فریقین کے دلوں کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف مسلمانوں کو اگرچہ اپنی جمعیت پر ناز تھا، لیکن یہ بھی مانے ہوئے تھے کہ اہلِ ہوازن کے تیر خطا نہیں کرتے۔ دوسری طرف اہلِ ہوازن کو اپنی تیر اندازی پر ناز تو تھا مگر یہ بھی اندیشہ تھا کہ عبدالمطلب کا وہ خواب اسی وقت صحیح نہ ہو جائے کہ رسول اللہ آخر کار ہم پر غالب آجائیں گے۔ بہر حال دونوں طرف کے ان امید وبیم کے جذبات کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ بنی ہوازن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صورتِ حال کا اندازہ لگا کر حضور پاک ﷺ اپنی فوج کو جمع کرتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے ہوئے فرماتے تھے۔

انا النبی لاکذب
انا ابن عبدالمطلب

یہ سن کر ایک طرف تو مسلمانوں کو جوش آیا کہ جب نبی برحقؐ ہمارے ساتھ ہیں پھر ہم کو کیا خطرہ ہے۔ دوسری طرف کفار کا دل ہل گیا کہ عبدالمطلب کے خواب کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اور ابن عبدالمطلب ہمارے سر پر آن پہنچا غرض زبان مبارک سے جو کلمات نکلے وہ دونوں طرف کے دلوں میں پیوست ہوگئے اور لڑائی کا نقشہ فوراً بدل گیا۔

عمرۃ القضا کے سال آپ مکہ تشریف لائے، جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو ابن رواحہؓ آگے آگے چلتے اور شعر پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "ابن رواحہؓ تم حرم میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے" آپ نے فرمایا "عمر! اسے چھوڑ دو! واقعی ان لوگوں میں شعر پڑھنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

آپ کے سامنے صحابہ آپس میں شعر پڑھتے۔ اور جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ کرتے تو کبھی آپ چپ رہتے کبھی مسکراتے۔

عمر بن شرید کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں رسول اللہ

ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھ کر کہیں گیا۔اور امیہ بن ابی الصلت کے سوشعر آپ کو سنائے۔جب کوئی شعر پڑھتا آپ فرماتے ہاں! (اور سناؤ) یہاں تک کہ میں نے سوشعر سنائے۔ آپ نے فرمایا"قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہو جاتا۔

حضرت عائشہؓ فرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسانؓ بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر بچھواتے جس پر حضرت حسانؓ کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر فخر کرتے۔اور جو آپ پر اعتراض ہوتے،ان کا جواب دیتے۔ آپ ارشاد فرماتے کہ جب تک حسانؓ کا فروں کا اس طرح مقابلہ کرتے ہیں۔اللہ تعالی روح القدس کے ذریعے ان کی مدد کرتا ہے۔

ان کے علاوہ شعر وشاعری کی نسبت اور احادیث بھی پائی جاتی ہیں،جیسے یہ واقعہ کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام جو حضور پاک ﷺ نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔عبداللہ بن رواحہ جو شاعر تھے،وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے۔اور جس طرح مزدور کام کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا
ویقرء القرآن قائما وقاعدا
ولایبیت اللیل عنه راقدا

وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے)"آنحضرت ﷺ بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے"۔

اسی سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ سیرت النبی ﷺ میں نقل کیا گیا ہے۔مسجد کی تعمیر جاری ہے۔حضورؐ (فداہ ابی وامی وروحی) مزدوروں کے ساتھ شریک مشقت ہیں۔صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور رجز پڑھتے جاتے ہیں۔آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے ہیں۔اور فرماتے ہیں۔

اللهم لاخیر الاخیر الاخرة
فاغفر الانصار والمهاجرة

(اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔اے خدا مہاجرین اور انصار کو بخش دے،بخش دے)

یہ وہ اسباب تھے جن سے شاعری کا نیادور شروع ہوا۔ اور جن کی وجہ سے ابتک دنیائے ادب میں اسلامی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور بہت سے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابرین امت نے شعر کہے۔ جن میں سے دور اولیں میں حضرت علیؓ کا دیوان، حضرت حسان بن ثابتؓ کے بہت سے اشعار حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ "بانت سعاد" جس پر حضور ﷺ نے اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی۔ کافی مشہور ہیں۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص وعام ہے جس کا مطلع ہے۔

ان نلت یاریح الصبایوماً الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضةً فیھا النبی المحترم

(اے بادِ صبا! اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گذر ہو جائے تو روضۂ مبارک تک میرا سلام پہنچادینا، جہاں نبی محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام استراحت فرماتے ہیں)

کتب عربی

۱۔ الامام محمد اسماعیل بخاری الجامع للبخاری مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۸ھ
۲۔ امام مسلم الصحیح لمسلم مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۹ھ
۳۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی شمائل ترمذیؒ
۴۔ علامہ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون
۵۔ حماد الراویہ المعلقات السبع دار صادر بیروت ۱۹۵۸ء
۶۔ اسیر ادروی المقدمہ لشرح دیوان المتنبی مکتبہ حسینیہ دیوبند ۱۹۸۳ء
۷۔ سید محمد رابع الحسنی الندوی منثورات من ادب العرب ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۱۴۱۱ھ
۸۔ عبداللطیف حمزہ ادب المقالۃ الصحفیۃ فی مصر دار معارف مصر
۹۔ ابن قتیبہ الشعر والشعراء (مرتبہ احمد محمد شاکر) مصر
۱۰۔ ڈاکٹر محمد غنیمی الہلال النقد الادبی الحدیث بیروت
۱۱۔ محمد ابوالفضل ابراہیم دیوان امرأ القیس دارِ معارف مصر

اردو کتب

۱۔ علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی (ﷺ)
۲۔ مولانا ابوالحسن علی الندوی رسول رحمت (ﷺ) مکتبہ تحقیق و نشریات اسلام، لکھنؤ
۳۔ سید جہانگیر گیلانی شعر چیست؟ مکتبہ مجیدیہ، ملتان ۱۹۵۰ء
۴۔ علامہ شبلی نعمانی شعر العجم
۵۔ محمد رفیع سودا کلیات سودا ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۸۵۔ ۱۹۸۴ء
۶۔ شمس بریلوی سرور کائنات کی فصاحت
۷۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی۔ شعر الہند (جلد اول) مکتبہ معارف، اعظم گڑھ ۱۹۸۷ء
۸۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی تاریخ اسلام مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۹۔ مظفر علی اسیر زر کامل عیار (ترجمہ) معیار الاشعار از نصیر الدین محقق طوسی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء
۱۰۔ مسعود حسن رضوی ادیب ہماری شاعری کتاب نگر، لکھنؤ ۱۹۸۷ء
۱۱۔ رئیس احمد نعمانی فکر و نظر (آج کی ایرانی شاعری) ج: ۳۳، شمارہ ۲ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۱۲۔ استاذ احمد حسن زیات، (ترجمہ اردو) تاریخ ادب عربی، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی، ایوان کمپنی، الہ آباد، ۱۹۸۵ء

آیات واحادیث کے اردو ترجمے

۱-انا ..... الایة "(اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کو (حوض) کوثر عطا کیا ہے۔ تو آپ اپنے رب کے لیے ہی نماز پڑھیں اور قربانی کریں" الکوثر ۱۰۸: ۱، ۲، ۳،

۲- یہ کسی آدمی کا کلام نہیں۔ یہ جملہ سبعہ معلقہ میں شامل ایک شاعر کا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس جملے کے اوزان اور ترتیب الفاظ میں قرآن سے بہت کچھ مناسبت ہے اور فصاحت کلام کا بہترین نمونہ ہے مگر عربی داں واقف ہیں کہ اعجاز بلاغت میں یہ جملہ بھی قرآن کے ان جملوں کے کہیں پاسنگ نہیں۔

۳- "اور ہم نے انہیں (پیغمبرؐ کو) شعر کا علم نہیں دیا اور نہ وہ آپ (کی شان) کے مناسب

ہے۔ وہ تو محض ایک نصیحت اور ایک آسمانی کتاب ہے۔ جو احکام کو ظاہر کرنے والی ہے۔ تاکہ ایسے شخص کو ڈرادے جو زندہ ہو۔ اور تاکہ کافروں پر عذاب کی) حجت ثابت ہو جائے" یٰسٓ، ۳۶: ۶۹، ۷۰

۴۔ "اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ ہی چلا کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر لوگ) تو (خیالی مضمون) کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔ اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اپنے اشعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔ اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے (اس کا) بدلہ لیا۔ اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے۔ کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے" الشعراء، ۲۶: ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے تفسیری حاشیے میں اس موقعہ پر لکھتے ہیں" مراد راہ سے شعر گوئی ہے۔ یعنی مضامین خیالی شاعرانہ نثراً یا نظماً کہنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو مسلک تحقیق سے دور ہوں، چنانچہ خیالی مضمون کہتے ہی اس کو ہیں جو تحقیق کے خلاف ہو" (مولانا اشرف علی تھانوی، ترجمہ قرآن و تفسیری حاشیہ، بیان القرآن" ص: ۳۴۰، مطبع تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔

۵۔ "اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد ایزدی وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے" النجم، ۵۳: ۳، ۴۔

علم اور حکمت کی باتیں

ابراہیم یوسف باوا رنگونی، برطانیہ

اہل اللہ کی صحبت کی اہمیت و ضرورت

مولانا ابراہیم یوسف باوا رنگونی برطانیہ

(۱) حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ: ”میں تو اس زمانہ میں (یعنی ان کے دور میں) اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس دور میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کو فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ فرمایا کہ ہم کیا چیز ہیں؟ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ اور مسکینوں کے ساتھ موت دے اور میرا حشر مسکینوں کے ساتھ ہو یہ نہیں فرمایا کہ مسکینوں کا حشر میرے ساتھ ہو بلکہ فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ہو جاؤں“ (البصائر حکیم الامت)

(۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بزرگان دین کی متابعت کے بغیر نجات ناممکن ہے اور ان کی آراء کی پیروی کے بغیر فلاح محال ہے۔ دلائل عقلی و نقلی اس امر پر شاہد ہیں جس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص رائی کے دانہ کے برابر بھی ان بزرگوں کی صراط مستقیم سے دور ہے ایسے آدمیوں کی صحبت زہر قاتل سمجھے اور ان کے پاس بیٹھنے کو سانپ کا زہر جانے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کی اور یہ لوگ راہ ہدایت پر نہیں ہیں (الخیرج ۱۳، ش :۱)

خانقاہ کی اہمیت و ضرورت

(۳) بڑے حضرت جی، بانی و شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ

الحدیث مہاجر مدنی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھا کہ میری ایک تمنا ہے کہ تبلیغی جماعتوں کو خانقاہوں کے آداب و شرائط کیساتھ فیض اندوز ہونے کیلئے خانقاہوں میں بھیجا جائے (سلوک و احسان)

(۴) ایک بار اپنے علاقہ میوات کے ذمہ داران تبلیغ کو لکھا کہ کارکنان تبلیغ جو ذکر بارہ تسبیح کررہے ہیں انہیں ایک ایک چلہ رائے پور (خانقاہ حضرت رائے پوری) میں گذارنے پر آمادہ کرو۔ یہی نہیں بلکہ آپ خود خانقاہ رائے پور تشریف لیجاتے تھے۔

(۵) حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ فضائل ذکر ص: ۳۴، میں لکھتے ہیں کہ آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں آج انھیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کرلے گئے۔ جب وہ ان (نورانی) منبروں اور بالاخانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کرلے گئے

فَسَوْفَ تَرَىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ   اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

(یعنی غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

(۶) ایک بار آپ نے (بڑی تاکید سے) فرمایا کہ (میں تبلیغ والوں سے کہتا ہوں، غور سے سن لو، یہاں بہت سے تبلیغ والے بھی ہونگے اچھی طرح سن لیں کہ ان کو بالکل اجازت نہیں کہ وہ اس بات کو کہیں...... تبلیغی کام کرنے والوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اس تبلیغی کام کو مدارس یا خانقاہوں پر فضیلت دیں، زبان سے نہ اشارہ کنایہ سے، خوب سمجھ لو اور غور کرلو اور ایک بات مولویوں سے کہتا ہوں کہ تم منکرات پر ضرور ٹوکو (ملفوظات شیخ)

دعوت تبلیغ کا کام

(۷) حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت شریفہ ولتکن منکم الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت و تبلیغ کا کام ایک خاص جماعت کا کام ہے اور وہ خاص جماعت علماء و صلحاء کی ہے اور یہ بھی فرماکر مہر لگادی کہ یہ کام ساری امت کا نہیں، اس کے لیے عالم کا ہونا بھی لازم ہے۔ یہ ہے دعوت عامہ (یعنی لوگوں میں دعوت و تبلیغ کرنا) اور ایک ہے دعوت خاصہ (یعنی خاص دعوت) یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم الآیۃ کہ اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو (دین و شریعت کے احکام پر

پوری طرح عمل کرکے) اور شرعی بنیادی ٹھوس تعلیم وتربیت کرکے) اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ اس کی کوتاہی غفلت اور لاپرواہی سے سخت گرفت اور باز پرس ہوگی۔(مفہوم)(دعوت و تبلیغ، ج: ۱۳)

(۸) ایک بار فرمایا کہ علماء نے آج کل یہ (دعوت وارشاد) والا کام بالکل چھوڑ دیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ واعظ جہلاء (یعنی غیر عالم، غیر تربیت یافتہ) زیادہ نظر آتے ہیں جب علماء یہ محاذ چھوڑ دیں گے تو ظاہر ہے کہ جہلاء مسلط ہوں گے۔جب علماء تعلیم (عوام) کے محاذ پر کوتاہی اور غفلت کا مظاہرہ کریں گے تو وہ مسند بھی جہلاء کے زیر قدم آجائے گی تو وہی ہوگا جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جہلاء مقتداء و پیشواء ہوں گے تو لوگ ان سے دین سمجھنے کے لیے رجوع کریں گے جس سے وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے اس لیے ضروری ہے کہ علماء کرام کو تعلیم ودرسیات کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا بھی موثر و مسلسل اہتمام کرنا چاہئے (پیغام حق وصداقت)

(۹) ایک بار تبلیغی کام کی کارگزاری سنی تو فرمایا کہ آہ! کام تو یہی کرنا ہے لیکن اس کے اہل (یعنی علماء و صلحاء کریں)

(۱۰) مروجہ تبلیغی کام کو اللہ پاک نے حضرت جی مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعہ جاری فرمایا۔ اس کے بارے میں ہم تمام حضرات کو جو تبلیغی کام میں حصہ لے رہے ہیں، مشورہ دیں گے کہ ایک بار بڑے غور اور توجہ سے حضرت جی کے ملفوظات مکتوبات اور دینی دعوت پڑھی جاوے تاکہ معلوم ہو کہ اس کام کو جاری کرنے کا آپ کا کیا مقصد تھا (خصوصاً ملفوظ نمبر ۲۴/اور ۳۸ حفظ کرلیا جاوے)

(۱۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بڑے حضرت جی نے اس کام کو اٹھایا۔ ایک مجلس میں حضرت جی نے فرمایا جس میں خود حاضر تھا کہ میرا مقصد اس دعوت و تبلیغ سے یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت کو محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جاکر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جاکر اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں ہم نے تو صرف (شوق، احساس اور) جذبہ پیدا کردیا ہے کہ اپنے اخلاق درست کرو(مجالس حکیم الاسلام)

(۱۲) مسیح الامت، حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تبلیغ

تشویق (شوق پیدا کرنے) کے لیے ہے اور مدارس علم (وفہم) کے لیے ہیں اور خانقاہیں تکمیل کے لیے ہیں (تحریر یہ خلیفہ حاجی محمد ابراہیم تسبیح والا مدظلہ)

علم وفہم کی فضیلت

(۱۳) قرآن پاک کی سورہ البقرہ : ۲ کی آیت شریفہ ۲۶۹ / اور ال عمران : ۳ / کی آیت شریفہ ۷ / اور سورہ توبہ : ۹ کی آیت شریفہ ۱۲۲ / سے علم وفہم کی فضیلت کا خوب پتہ چلتا ہے ہر قاری سے درخواست ہے کہ ان آیات کی تفسیر دیکھی جاوے

(۱۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب اللہ تعالی کسی سے خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ (بوجھ اور فہم) عطا فرمادیتے ہیں (بخاری)

ف : ظاہر ہے کہ یہ نعمت عظمی اکثر وارثین انبیاء کو نصیب ہوتی ہے جو دین کی بنیادی وٹھوس تعلیم مدارس اسلامیہ میں حاصل کرتے ہیں۔

(۱۵) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ تمام فقہاء تمام علماء وصلحاء تمام مجتہدین تمام محدثین کے نزدیک، جس میں کسی کا اختلاف نہیں، تمام دینی شعبوں میں سب سے افضل وبہتر کام علم دین کی مشغولیت ہے (ماہنامہ البلاغ)

ف : اور یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ پاک، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمارہے ہیں کہ کہئے اللھم زدنی علما یعنی اے میرے اللہ! مجھے علم وفہم دین عطا فرما اس لیے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے کہ اللہ پاک نے دنیا میں علماء کرام کی مجلس سے بہتر کوئی مجلس ہی پیدا نہیں فرمائی ہے ۱۲ / ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس مجلس میں شرکت فرما ہوں جہاں علم وفہم کی باتیں ہورہی تھیں

طلباء اور اساتذہ کا تعلق

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ایک بار فرمایا کہ ہمارے زمانے میں طلباء پر اپنے (نیک وعامل) اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ واثر جمتا نہ تھا۔ طلباء کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت ومحبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔ اب مزاج اور مذاق بدل گئے ہیں، طلباء واساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا اس لیے علمی ذوق ورنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی (دینی) رنگ میں بھی وہ پختہ

نہیں ہوتے علمی استعداد و عملی تربیت بھی کمزور ہو گئی ہیں اس لئے مدارس میں طلباء کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہے کہ طلباء اور اساتذہ میں باہمی ربط و مناسبت پیدا ہو اور استعداد کی کمی پوری کرنے کے لیے میرے نزدیک اس وقت بہت ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر جلالین سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ اہتمام سے پڑھایا جائے (مجالس حکیم الامت بہ شکریہ راستہ ۱-۱-۱۱)

تعلیم اور طریقہ تبلیغ

(۱۶) بڑے حضرت جی مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

(ملفوظ نمبر ۵۶ میں) فرمایا کہ حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بس! میرا دل چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور تبلیغ کا طریقہ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی الخ (۱)

ایک بار (ملفوظ نمبر ۸۶ میں) فرمایا ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لیے خصوصیت سے جانا چاہیے۔

۱- علماء و صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لیے

۲- اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعہ اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لیے۔

۳- مختلف گروہوں (دین کی صحیح و مستند جماعتوں) میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لیے

ایک بار فرمایا (ملفوظ نمبر ۶۷) کہ میں بھی اپنے کو چونکہ اہل سمجھتا ہوں، اس لیے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ میری اس کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچادے اور پھر اس کے کام کو جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو، وہ مجھے بھی عطاء فرمادیا جائے۔

(سبحان اللہ! یہ بات شیخ و بانی التبلیغ فرمارہے ہیں اور آج کے تبلیغیوں کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور کسی صلاحیت و قابلیت والے کو آگے بڑھانا تو درکنار، اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں تاکہ ان کی گدی سلامت رہے)

بڑے حضرت جی کے ملفوظ نمبر ۲۴/ اور ۳۸/ کو بھی بغور پڑھا جاوے۔

---

(۱) یاد رہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ساری ہی تصانیف تبلیغی نصاب میں داخل ہیں (مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ) (موجودہ دور میں جزاء الاعمال اور حیوۃ المسلمین جیسی اہم قیمتی انفرادی اور عمومی تعلیم میں ضرور پڑھی جاوے۔ ابراہیم یوسف باوا)

جنت و جہنم میں دخول کے اسباب

قسط (۱)

ابو جندل قاسمی دار العلوم ٹانڈہ بادلی رامپور

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آدمی کو جنت میں اکثر کون سی چیزیں داخل کریں گی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "تقوی اللہ و حسن الخلق تقوی اور اچھے اخلاق و عادات.......... ان صحابیؓ نے پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہنم میں زیادہ کون سی چیزیں داخل کرینگی؟۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الفم والفرج۔" منھ اور شرمگاہ۔
(ترمذی شریف ص :۲۱ ج :۲، ابو ہریرہؓ)

تشریح:۔ لفظ تقوی اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی بچنے اور اجتناب کرنے کے آتے ہیں۔ اس کا ترجمہ ڈرنا بھی اسی مناسبت سے کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں کے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ڈرنے ہی کی چیزیں ہوتی ہیں

تقوی کے کئی درجات ہیں۔ (۱) پہلا درجہ کفر و شرکت سے بچنا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے اگر چہ گناہوں میں مبتلا ہو۔ اس معنی کے لیے بھی قرآن کریم میں کئی جگہ لفظ تقوی اور متقین آیا ہے (۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، یہی درجہ دراصل مطلوب ہے۔ نیز تقوی کے فضائل و برکات جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔ (جن کو آگے تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ مستقل عنوان سے ذکر کیا جائے گا۔)

(۳) تیسرا درجہ تقوی کا اعلی مقام ہے جو انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلاۃ والتسلیم اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے یعنی اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ تعالی کی یاد اور اس کی رضاجوئی سے معمور رکھنا۔

(تفسیر مظہری، ج :۱، ص : ۱۸، وغنیۃ الطالبین اردو، ص : ۲۸۵، ومعارف القرآن پ :۴، تفسیر آیت "یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته"۔

تقویٰ کے متعلق سلف کے ارشادات :۔(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقی وہ شخص ہے کہ جو شرک، کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کسی سے بہتر نہ جانے۔ (تفسیر مظہری ص : ۱۸، ج ،۱)

(۳) شہر بن حوشبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسے کام کو جس میں کوئی خطرہ نہ ہو اس ڈر سے چھوڑ دے کہ کہیں وہ خطرہ میں نہ پڑ جائے وہ متقی ہے (ایضا) (قلت : یہ حدیث بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "لایبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذراً لما به بأس" (مشکوۃ ص : ۲۴۲، ج ،۱)

(۴) بکر بن عبید اللہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی کا کھانا حرام اور شبہ سے ، اور اس کا غصہ افراط و تفریط سے پاک نہ ہو وہ متقی نہیں بن سکتا۔

(۵) سفیان ثوریؒ اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ شخص ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے ایسی چیز کو پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۶) ابو ترابؒ کا کہنا ہے کہ تقویٰ سے پہلے پانچ گھاٹیاں ہیں، جن کو طے کئے بغیر آدمی متقی نہیں بن سکتا۔ (۱) نعمت پر سختی اور مصیبت کا قبول کرنا۔ (۲) زیادہ پر تھوڑے کو قبول کرنا۔ (۳) عیش و آرام پر ذلت و خواری کو قبول کرنا۔ (۴) آسودگی پر رنج و غم کو قبول کرنا۔ (۶) زندگی پر موت کو قبول کرنا۔

(۷) نصر آبادیؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سوا ہر شی سے علیحدہ رہنا تقویٰ ہے۔

(۸) ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو خلاف شرع باتوں سے اپنے ظاہر کو آلودہ نہ کرے اور نہ خدائے تعالیٰ سے غفلت میں ڈالنے والی چیزوں کو اختیار کرے۔

(۹) ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ حلال محض میں تقویٰ ہے۔ اس کے بغیر نہیں

(۱۰) بعض لوگوں کا قول ہے کہ تقویٰ تین چیزوں سے جانا جاتا ہے۔ (۱) جو چیز نہ ملے اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ (۲) جو کچھ مل جائے اس پر راضی رہنا۔ (۳) جو چیز ضائع ہو جائے اس پر صبر کرنا۔ تلك عشرة كاملة۔(۱)

---

(۱) در منثور میں اس کو حضرت داؤد کی طرف منسوب کیا ہے (در منثور للسیوطی ص : ۵۸، ج ،۱) (غنیۃ الطالبین ص :۲۸۱، ۸۵)

تقوی کے فضائل وبرکات :۔ قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر تقوی کے فضائل بیان کے کیے ہیں جن میں سے چند کو عنوانات کے ساتھ ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

-مدح وثناء کا استحقاق۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے :-وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الأمور۔ (آل عمران آیت ۱۸۶)

ور اگر تم نے صبر کیا اور تقوی اختیار کیا تو بلا شبہ یہ ہمت کے کاموں سے ہے (حضرت تھانویؒ)

۱- دشمنوں سے حفاظت۔ ارشاد خداوندی ہے :- وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا۔ (آل عمران آیت ۱۲۰)

ور اگر تم نے صبر کیا اور تقوی اختیار کیا تو ان (کفار ومشرکین) کی تدبیریں اور چالیں تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

۳- تائید ونصرت ومعیت۔ ارشاد باری ہے :-ان اللہ مع الذین التقوا والذین ھم محسنون (النحل آیت ۱۲۸)

اللہ تعالی ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور نیک کردار ہوتے ہیں۔ (حضرت تھانویؒ)

۴- دنیاو آخرت کے تمام مصائب ومشکلات سے نجات۔ اور رزق (ہر ضرورت کی چیز) کے دروازوں کا کھلنا۔ ارشاد مبارک ہے :-ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب (الطلاق آیت ۲،۳)

اور جو شخص اللہ تعالی سے ڈرتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے (مضرتوں) سے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

۵- تمام کاموں میں آسانی وسہولت۔ گناہوں کا کفارہ اور اجر کا بڑھادیا جانا۔ حق تعالی کا ارشاد ہے :- ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا۔ ذلك امر اللہ انزلہ إلیکم ومن یتق الہ یکفر عنہ سیاتہ ویعظم لہ اجراً (الطلاق آیت ۴-۵)

اور جو شخص اللہ تعالی سے ڈریگا اللہ تعالی اسکے ہر کام میں آسانی کر دیگا یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ تعالی سے ڈریگا اللہ تعالی اسکے گناہ دور کر دیگا اور اسکو بڑا اجر دیگا۔

۶- حق وباطل کی پہچان۔ باری تعالی کا ارشاد ہے :-یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (انفال آیت ۲۹)

اے ایمان والو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا۔ یعنی تقوی کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایک نور ڈال دیگا جس سے ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد میں فیصلہ اور تمیز کر سکو گے (روح المعانی ص :۱۹۶، ج،۵۔ بیروت)

۷- رحمت کے دو حصے اور قیامت کے دن نور۔ ارشاد ہے :۔ يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وآمنوا برسوله يؤتكم كفلين من رحمته ويجعل لكم نورا تمشون به. (الحدید آیت ۲۸)

اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دیگا اور تم کو ایسا نور (قیامت کے دن۔ کمافی الروح) عنایت کریگا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے۔

۸- جنت میں بالاخانے ارشاد ہے :۔ لكن الذين اتقوا ربهم لهم غرف من فوقها غرف مبنية تجرى من تحتها الانهار (الزمر آیت ۲۰)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں، ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔

۹- انتفاء خوف وحزن دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی كمافي المظهرى. ارشاد ہے :۔الاان اولياء الله لاخوف عليهم ولاهم يحزنون الذين آمنوا وكانو يتقون (یونس آیت ۶۳)

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں (اور وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز کرتے ہیں۔

۱۰- آسمان وزمین کی برکتوں کا کھلنا۔ ارشاد ہے :۔ ولوأن اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض. (اعراف آیت ۹۶)

اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھولدیتے (حضرت تھانویؒ) تلك عشرة كاملة

یہ تو قرآن کریم سے مختصراً تقوی کے دس فضائل بیان کئے گئے اب صرف تین حدیثیں بھی نقل کرتا ہوں ورنہ احادیث بھی اس سلسلہ میں بے شمار ہیں۔

حدیث (۱) :۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ :۔ "اتقھم لله" جو لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو (بخاری ص :۴۷۹،ج،۱۔ مسلم، ص :۲۶۸، ج،۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا جواب اصل میں اس آیت سے ماخوذ ہے "إن أكرمكم عند الله اتقاكم"

ترجمہ :۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو (الحجرات آیت ۱۳)

حدیث (۲) :۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا :۔

یاایها الناس اتخذوا تقوی الله تجارة یأتیکم الرزق بلابضاعة ولاتجارة ثم قرأ ومن یتق الله الخ (رواہ الطبرانی۔ درمنثور ص :۳۵۵، ج،۶۔ بیروت)

اے لوگو اللہ کے تقویٰ کو تجارت بناؤ (پھر دیکھو) تمہارے پاس رزق بغیر پونجی اور بغیر تجارت کے آئے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد) یہ آیت پڑھی "ومن یتق الله یجعل له مخرجاً ۔الخ

(۳) :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ :

أوصیك بتقوی الله فانك إن اتقیت الله كفاك الناس وان اتقیت الناس لم یغنوا عنك من الله شیئاً۔ (رواہ ابن ابی شیبہ۔ درمنثور ص :۳۵۶، ج،۶)

میں تم کو اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنے کی وصیت کرتی ہوں۔ اس لیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف سے تمہارے لیے کافی ہو جائیں گے اور اگر تم لوگوں سے ڈرے تو (یاد رکھو کہ) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے ذرا بھی کام نہیں آسکتے

تقویٰ اور خوف الٰہی کے حصول کا طریقہ

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ تین طریقوں سے حاصل ہوتا ہے

۱۔ پہلا طریقہ علم و معرفت ہے۔ یعنی جب بندہ خود کو اور خدا تعالیٰ کو پہچانیگا تو یقیناً اس سے ڈرے گا کیونکہ جب کوئی شخص شیر کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے اور شیر کے بارے میں اس کو علم و معرفت ہے تو پھر ڈرنے کے لیے کسی اور ذریعہ کی ضرورت نہیں بلکہ پنجہ میں پھنس جانا ہی عین خوف ہے

۲- دوسرا طریقہ جبکہ معرفت الٰہی کا حوصلہ اپنے اندر نہ پائے تو بزرگان دین اور خوف خدا رکھنے والے حضرات کی صحبت میں بیٹھا کرے تاکہ ان پاک نفوس کی صحبت کی برکت سے خدا کا خوف اور تقوی دل میں سرایت کرجائے اور اہل غفلت سے دور رہے کیونکہ یہ خوف تقلیدی ہوگا، جس کے زوال کا اندیشہ ہے۔ لہذا ایسا مقلد غافلوں سے پرہیز کرے۔

۳- اگر بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو جیساکہ اس زمانہ میں کمیاب (بلکہ نایاب) ہے، تو پھر تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بزرگوں اور متقین کی تصنیفات کا مطالعہ کرے اور ان کے تذکرے سنے۔ (کیمیائے سعادت ترکی ص: ۱۲-۱۳)

تقوی کی تکمیل:۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تقوی اور پرہیزگاری کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان کے اندر دس خصوصیات نہ پیدا ہو جائیں۔

۱- زبان کو غیبت سے بچائے خدا تعالی فرماتا ہے:۔ ولا یغتب بعضکم بعضا (الحجرات)
اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو

۲- بدگمانی سے بچے۔ ارشاد مبارک ہے:۔ یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم (الحجرات)

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، اس لیے کہ بعض بدگمانی گناہ ہیں۔

۳- ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرنے سے بچو۔ ارشاد باری ہے:۔ یاایھا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم (الحجرات)

اے ایمان والو! ایک گروہ دوسرے گروہ سے ٹھٹھا نہ کرے

۴- حرام کی طرف نہ دیکھے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے:۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم (النور)

(اے نبی) مومنوں کو کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

۵- زبان سے حق بات کہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:۔ واذا قلتم فاعدلوا (الانعام)

اور جب بات کہو تو حق کی کہو۔

۶- اللہ تعالی کا احسان مانے، اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے اور نہ ہی اسے اچھا جانے۔ ارشاد ہے:
یمنون علیك ان اسلموا، قل لاتمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان (الحجرات)

وہ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے، تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی۔

۷- اپنے مال کو مستحق افراد پر خرچ کرے نہ کہ غیر مستحق پر، اور نہ باطل کاموں میں۔ ارشاد ہے :۔ والذین اذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا (الفرقان)

اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرنے لگیں تو بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں (یعنی گناہوں میں خرچ نہیں کرتے اور اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنے میں سستی نہیں کرتے)

۸- بلند مرتبے اور عہدے حاصل کرنے کی خواہش نہ کرے۔ فرمان باری ہے :۔

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لایریدون علواً فی الارض ولافساداً (القصص)

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو ملک میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ بگاڑ ڈالنا

۹- پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرے اور رکوع و سجدہ اچھی طرح کرے فرمان مبارک ہے

حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی وقوموا لله قانتین۔(البقرہ)

تم نمازوں کو نگاہ میں رکھو خاص کر درمیانی نماز کو اور کھڑے رہو اللہ تعالی کے آگے ادب سے

۱۰- سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ حق تعالی کا فرمان ہے :۔

وأن هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله (الانعام)

اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو، اور مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ تعالی کے راستہ سے (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تلك عشرة کاملة (غنیۃ الطالبین اردو ص: ۵۷۲، دہلی)

مذکورہ بالا دس چیزوں میں (جن کو متحملات تقوی کہا گیا ہے) اگر ایک اور چیز کو بڑھا دیا جائے تو شاید بہت مناسب ہو واللہ اعلم اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۱- حلال روزی کھائے برتے اور اسی کی تلاش میں رہے۔ ارشاد ہے :۔

یا ایها الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیبا۔ (البقرہ)

اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

واللہ تعالی اعلم

(باقی آئندہ)

امتِ اسلامیہ کے خلاف یہودی سازشیں

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں اوس و خزرج کے قبائل کی خاصی تعداد اسلام قبول کر چکی تھی۔ آپ کی آمد سے اہل مدینہ میں دین و شریعت پر عمل کرنے اور اس کے مطابق معاشرہ کو ڈھالنے کا جذبہ مزید گہرا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ہجرت کے پہلے سال کچھ ایسے اجتماعی فیصلے فرمائے جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مدینہ منورہ میں امن و سلامتی کے قیام میں مدد ملی بلکہ قبائلیت، علاقائیت اور لسانیت سے بالاتر ایک عالمگیر امت مسلمہ کا تشخص نمایاں ہو گیا۔

اسلام کا پیغام تو آغاز سے ہی عالمگیر تھا، اور کسی خاص علاقہ، نسل یا قبیلہ کے لوگوں تک محدود نہیں تھا۔ اس کے دامن میں قبائل قریش کو بھی پناہ ملی اور اوس و خزرج کے باہم متحارب گروہوں کو بھی امن و سکون ملا، بت پرستوں کے لیے بھی اس کے دروازے اس طرح کھلے ہوئے تھے جس طرح یہود و نصاریٰ کے لیے کھلے ہوئے تھے، چنانچہ شروع سے ہی مختلف علاقوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں نے اسلام کی حقانیت کو سمجھا اور اسے قبول کیا۔

یہودیوں کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ وہ نسل پرستی کے اندھے تعصب میں مبتلا رہے ہیں، اسلام کے ابدی پیغام کے بارے میں بھی ان کا رد عمل معاندانہ اور متعصبانہ تھا انھوں نے مدنی دور کے آغاز سے ہی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ ان کی سازشوں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو خاص طور پر جزیرۃ العرب میں اور عام طور پر دنیا بھر میں پھیلنے سے روکا جائے نیز دین کی بنیاد پر امت مسلمہ کو عالمی طور پر ابھرنے نہ دیا جائے، چنانچہ یہودیوں نے شروع سے ہی خفیہ طور پر سازشیں کیں، امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ امت کی عالمگیر وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے بہت سی سازشیں کیں۔

عبد اللہ بن ابی جو منافقین کا سرکردہ لیڈر تھا یہودیوں کے ساتھ خاص راہ و رسم رکھتا تھا، اس نے مدینہ منورہ میں علاقائی تعصب پھیلانے کی پوری پوری کوشش کی، اہل مدینہ کو

بارہا شہ دی کہ وہ بیرونی عناصر (مہاجرین) کو مدینہ منورہ کی سرزمین سے نکال دیں اور اس کی قیادت کو تسلیم کرلیں تاکہ وہ ان کی قومی حکومت قائم کرسکے۔ عبداللہ بن ابی نے نیشنلزم کا پرچار یہودیوں کی ملی بھگت سے کیا تھا۔ بنو حنیفہ کے لیڈر مسیلمہ کذاب نے بھی علاقائی بنیاد پر نبوت کا دعوی کیا، اس نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا کہ آپ اپنی قوم (قریش) تک اپنی قیادت محدود رکھیں اور اس کے علاقے کے لوگوں کی حکومت اس کے حوالے کردیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے قومیت کے اس نظریہ کو رد فرمایا تھا، مورخین لکھتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے علاقائی تعصب ابھار کر اپنی قیادت چمکانے کی کوشش کی تھی۔

یہودی قبائل اس حد تک اپنی سازشوں میں آگے بڑھے کہ انہوں نے جس طرح حضرت عیسی علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی سازش کی تھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی قتل کرنے کا گھناؤنا منصوبہ بنایا، لیکن عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی مستحکم قیادت اور رسالت کی وجہ سے یہودیوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ دین اسلام کو ہر شعبہ زندگی میں غلبہ ہوا اور امت مسلمہ کا اجتماعی نظم رسول اللہ ﷺ کی زیر قیادت مزید مستحکم ہوا نتیجتاً ملت اسلامی نے ایک مضبوط اور عالمگیر تہذیب و تمدن اسلامی عقیدہ و اخلاق کی بنیادوں پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔

یہودی سازشوں کا سلسلہ عہد رسالت کے بعد بھی جاری رہا، لیکن عہد خلافت میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہوسکی، عہد رسالت و خلافت میں امت مسلمہ کا اجتماعی شعور بیدار تھا۔ اخلاص دیانت داری، اخلاقی اقدار اور جذبہ علم و عمل مضبوط تھا، امت مسلمہ کی قیادت جن ہاتھوں میں تھی وہ بھی مخلصانہ طور پر اسلامی اقدار کے محافظ تھے ان کے ملی احساس و شعور اور ذہانت و فراست کی وجہ سے یہودیوں کو اپنے سازشی منصوبوں میں کامیابی نہیں ہوسکی دین اسلام اپنی پوری قوت و عظمت کے ساتھ دنیا میں پھیلتا رہا۔

انیسویں صدی کے اختتام پر بیسوصدی کے آغاز میں یہودیوں نے زیادہ منظم طریقہ سے اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کردیا۔

ان سازشوں میں تین نمایاں محاذ تھے:

۱- اسلام کے بنیادی عقائد و ماخذ کو چیلنج کرنا ایسے لوگ باقاعدہ تیار کیے گئے جو دین کی بنیادوں کو مشکوک بناکر پیش کریں اور خاص طور پر سنت کی آئینی حیثیت کو تبدیل کریں اس کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرکے انہیں دین سے دور کیا جائے مستشرقین کا ایک گروہ کافی عرصہ سے اس مقصد کے لیے کام کررہا ہے

اور ان کی تحریروں اور کتابوں کی اشاعت کا کام بہت منظم طریقہ سے ہو رہا ہے

۲- قوموں کی زندگی میں اجتماعی اخلاقی اقدار کی بہت اہمیت ہے، جو قومیں اجتماعی طور پر اخلاقی پستی کا شکار ہو جاتی ہیں اور اپنی اقدار کو پامال کر کے بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہیں وہ ہمیشہ زوال پذیر ہوتی ہیں۔ امت مسلمہ میں بے راہ روی اور بد کرداری کو فروغ دینے کے لیے نہ صرف یہ کہ خفیہ طریقوں کو استعمال کیا گیا بلکہ ثقافت و کلچر کے نام پر بہت سی تنظیموں کو یہ کام سونپا گیا ہے۔

مسلمانوں کی تعلیمی نظام کی بنیادیں بھی تبدیل کرنے کی کوششیں کی گئیں تاکہ سوچ و فکر کا انداز بھی بدل جائے "اپنے علاوہ تمام اجتماعی قوتوں کو ختم کرنے کے لیے ہم اجتماعیت کی پہلی بنیاد کو تباہ کر دیں گے یعنی جامعات کو"

۳- امت مسلمہ کے سیاسی مقام اور بین الاقوامی امور میں ان کے کردار کو ختم کرنے کے لیے بھی بہت سی خفیہ تنظیمیں قائم کی گئیں، ان کا مقصد امت کے سیاسی اداروں کو تباہ کرنا تھا، گذشتہ صدی میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ خلافت کے ادارہ کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جائے امت کے مفہوم کو بھلا کر علاقائی اور نسلی تصورات کو ابھارا جائے۔ جہاد، اجتہاد، شوریٰ اور اجماع وغیرہ کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے نکال دیا جائے جس کے بعد امت اسلامیہ میں جسد واحد کا تصور ایک خواب بن کر رہ جائے یہودی تنظیمیں اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے مسلسل کام کر رہی ہیں یہودیوں کو اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کی وضاحت کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، امت مسلمہ کی موجودہ حالت زار اور ماضی قریب کی تاریخ سب کے سامنے عیاں ہے۔

خلافت کا ادارہ ملت اسلامی کی سیاسی و اجتماعی عظمت کا نگہبان رہا ہے جب تک یہ ادارہ قائم رہا اس وقت تک دنیا بھر میں امت مسلمہ کو ایک باعزت نمایاں مقام حاصل تھا بین الاقوامی معاملات میں کوئی اہم فیصلہ ملت اسلامی کی شرکت کے بغیر ممکن نہیں تھا کمزور سے کمزور خلیفہ کی بات بھی بڑا وزن رکھتی تھی اس لیے کہ خلیفہ کی بات دنیا بھر میں مسلمانوں کی بات سمجھی جاتی تھی امت مسلمہ کو بھی خلافت کے ساتھ دینی، تہذیبی، تمدنی اور تاریخی تعلق رہا ہے۔

نظم خلافت کی وجہ سے امت مسلمہ کو اقوام عالم میں جو مقام اور عزت حاصل ہوئی ہے، اس کے بنیادی سبب دو تھے ایک تو یہ کہ خلافت اقامت دین کے لیے رسول اللہ ﷺ

کی جانشینی کا نام ہے، دوسرے یہ کہ خلافت کے ساتھ امت کی وحدت کا تصور بھی وابستہ ہے، خلافت میں رسول اللہ ﷺ کی جانشینی اور امت واحدہ کے شعور نے خلیفہ کو دنیا بھر کے مسلمانوں میں بہت عزت اور احترام کا مقام عطا کردیا تھا۔ خلافت بعض ادوار میں غیر متحرک ہونے کے باوجود امید کی کڑی تھی جو مسلمانوں کا وفاق اور نقطہ اتحاد بن سکے

یہودی مسلمانوں کی اس عظمت و قوت کو ختم کرنا چاہتے تھے اور اس لیے بھی کہ خلافت ان کے لیے بے جا عزائم کی راہ میں رکاوٹ تھی۔

انیسویں صدی کے اخیر میں صہیونیت کے سیاسی پروگرام کا آغاز ہوا۔ تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl - 1860-1904) نے اس منصوبہ کی بنیاد رکھی اس نے اپنی کتاب (Der Juden Stovat یہودی ریاست) میں یہودیوں کی علیحدہ ریاست کا تصور دیا اور ساتھ ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع ہوگئی 1897ء میں پہلی عالمی صہیونی کانگریس کا انعقاد باسل (Basle) میں ہوا، اس کے ذریعہ بظاہر تو بنیادی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا تھی کہ یہودیوں کے کچھ قومی و سیاسی مسائل ہیں، اقوام عالم کو ان مسائل کو حل کرنے میں مبذول کرنا چاہیے اگر معاملہ اسی حقیقت تک محدود ہوتا تو اس میں کوئی ہرج بھی نہیں تھا لیکن یہودیوں کا اصل پروگرام خفیہ تھا، یہودی نسل اور ریاست کی تعمیر میں بہت سی اقوام کی تباہی کا منصوبہ مضمر تھا، یہودیوں کے ان سازشی منصوبوں میں استعماری قوتیں بھی شریک ہوگئیں تھیں۔

یہودیوں کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کا نظم خلافت تھا، یہودی اسے ہر صورت میں ختم کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ اپنے مزاج، عناصر اور جذبہ ایمانی کی بدولت اگر کوئی قوم یہود اور شر کے مقابلہ کی قوت رکھتی ہے تو وہ فطری حریف صرف ملت اسلامیہ ہے، ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے صہیونی طاقتوں نے دو محاذوں پر کام شروع کیا ایک طرف ترکی کے اندرونی محاذ پر زیر زمین کام شروع کیا اور داخلی مسائل پیدا کرکے حکومت کو کمزور کرنے کی کوششیں کیں دوسری طرف عربوں میں نیشنل ازم اور علاقائیت کے جراثیم پیدا کرکے انھیں خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔

صہیونی طاقتوں نے مشرق وسطی میں اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے برطانوی نژاد ایک فرد تھامس ایڈورڈ لارنس (1888ء1935) کو خاص طور پر یہ ذمہ داری سپرد کی کہ وہ فلسطین، شام اور جزیرہ عرب میں شیوخ اور امراء کو بغاوت پر آمادہ کرے

لارنس آثار قدیمہ کا ماہر تھا۔ آثار قدیمہ کے مطالعہ کے بہانے اس نے بارہا عرب ممالک کا دورہ کیا۔ کالج کے زمانہ میں اسے قرون وسطی میں فوجی فن تعمیر سے خاص دلچسپی رہی، اس نے فرانس میں صلیبی دور کے قلعوں کا مطالعہ کیا، شام اور فلسطین کی جنگی اہمیت کی عمارتوں پر تحقیق کی اور اس موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ جیسس کالج آکسفورڈ میں پیش کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ 1942ء کے آغاز میں لارنس نے اپنے ساتھیوں وولی (Wolley) اور کیپٹن نیوکومب (Newcomb) کے ساتھ صحرائے سینا کی سیاحت کی اور اس سارے علاقے کا بغور مطالعہ کیا، خاص طور پر نہر سویز کے مشرق میں ترکی کی سرحد سے متصل علاقوں کا سروے کیا غزہ اور عقبہ جیسے علاقے جو حربی نقطہ نگاہ سے بہت اہم تھے کا جائزہ لیا اور ان علاقوں کے نقشے تیار کئے۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو لارنس لندن کے جنگی ہیڈ کوارٹر میں ماہر نقشہ نویس کی حیثیت سے بھرتی ہو گیا، جہاں اس نے صحرائے سینا کے نقشے تیار کر کے فوج کے حوالے کئے لارنس نے نہ صرف یہ کہ نقشوں کی تیاری میں حکومت برطانیہ کی مدد کی بلکہ مشرق وسطی سے متعلق اپنی معلومات و تجربہ کی روشنی میں ایسے مشورے بھی دیے جس پر عمل کر کے خلافت عثمانیہ کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا لارنس کی ان خدمات کے پیش نظر حکومت نے اسے فوج کی خفیہ سروس کے محکمہ میں لیفٹیننٹ کی حیثیت سے بھرتی کر کے قاہرہ بھیج دیا جہاں اس نے ترک افواج کے بارے میں راز حاصل کیے اور ترکی کے زیر انتظام عرب علاقوں کے نقشے بنائے عربوں میں رہ کر لارنس نے عربی زبان پر مہارت حاصل کر لی اور وہ عرب تہذیب اور ثقافت سے بھی خوب واقف ہو گیا تھا خفیہ ایجنسیوں نے جلد ہی اسے گرین سگنل دے دیا کہ وہ عربوں میں عرب قومیت اور علاقائیت کے نظریہ کو ابھارے اور اس کی بنیاد پر عربوں کو ترکی کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے

لارنس نے تو پہلے سے ہی عربوں سے اچھے تعلقات بنا رکھے تھے اس نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر کے عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا، اس بغاوت میں سب سے نمایاں کردار امیر مکہ حسین بن علی کا تھا جسے یہ لالچ دیا گیا کہ وہ سارے عرب کا حکمران بنا دیا جائے گا اس سازش میں امیر مکہ کے بیٹے عبداللہ اور فیصل بھی شریک ہو گئے، فیصل ان دنوں عرب فوج کے ایک دستہ کا کمانڈر تھا کچھ اور با اثر شیوخ بھی امیر مکہ کے ساتھ شریک ہو گئے ان کی مدد سے لارنس نے ترکوں کے خلاف گوریلا جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا

اور دمشق سے مدینہ منورہ تک پلوں، شاہراہوں اور ریلوے لائن کو نقصان پہنچایا جس سے ترکوں کی سپلائی بری طرح متاثر ہوئی ایسی افواہیں بھی پھیلائی گئیں جو عربوں اور ترکوں میں باہم نفرت پیدا کرسکتی تھیں ادھر یہودی جنگ عظیم اول کے دوران اپنے خفیہ منصوبوں پر عمل در آمد میں مصروف تھے اور اس جنگ سے ایسے نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے جو ان کے صہیونی عزائم کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ لارنس کو دونوں کا تعاون حاصل تھا، برطانوی استعمار کا بھی اور صہیونی قوتوں کا بھی لارنس کو جلد ہی فیصل کی فوج میں لیفٹننٹ کرنل کا عہدہ دے دیا گیا حکومت برطانیہ کی جانب سے باغی قوتوں کو مالی امداد بھی دی گئی اور اسلحہ بھی سپلائی کیا گیا ادھر امیر مکہ کو یہ لالچ دیا گیا کہ یہ سب کچھ اس کی آزاد مملکت کے قیام کے لیے کیا جارہا ہے اور یہ کہ بہت جلد اس کی تاج پوشی کی تقریب کی جائے گی۔

یہودیوں کی سازشیں رنگ لائیں اور بالآخر 1918ء میں ترکوں کا شام پر اقتدار ختم ہوگیا، لارنس اور اس کے گوریلوں نے ترکوں کو اس محاذ پر سخت نقصان پہنچایا لارنس نے اس جنگ میں بہت ہی سفاکی کا مظاہرہ کیا اس نے عرب فوج کو حکم دیا کہ وہ ترکیوں کو جنگی قیدی نہ بنائیں بلکہ انہیں موقع پر ہی گولی مار دیں اس طرح ترکوں کا بہت بڑا جانی نقصان ہوا۔

ترکوں کا اقتدار ختم ہوتے ہی لارنس اور استعماری قوتیں اپنے وعدوں سے پھر گئیں امیر مکہ سے جو وعدے کئے وہ پورے نہیں ہوئے بلکہ ایک خفیہ معاہدہ کے تحت عراق و فلسطین پر برطانیہ قابض ہوگیا اور شام کے علاقہ پر فرانس نے تسلط جمالیا۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف اندرونی محاذ پر یہودیوں نے جو سازشی جال پھیلایا اس کی ایک جھلک دکھانے کے لیے ہم خلیفہ عبدالحمید ثانی کا ایک تاریخی خط پیش کررہے ہیں جو انھوں نے اپنے شیخ حضرت ابوالشامات محمود آفندی علیہ الرحمہ کو اس وقت لکھا تھا جب عبدالحمید کو خلافت سے معزول کرکے جلاوطنی اور قید تنہائی پر مجبور کردیا گیا تھا

قارئین کرام اس خط کے مندرجات سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ امت مسلمہ کے نظم خلافت کو منہدم کرنے کے لیے صہیونی طاقتوں نے کیسی کیسی سازشیں کیں اور یہ کہ ان سازشوں میں کون کون شریک رہے خط کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

یاھو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین وافضل الصلوۃ واتم التسلیم علی سیدنا محمد

رسول رب العلمین ﷺ وعلی اله وصحبه اجمعین الی یوم الدین

میں انتہائی نیاز مندی کے ساتھ طریقہ شاذلیہ کے اس عظیم المرتبت شیخ ابوالشامات آفندی کی خدمت اقدس میں جن کے روحانی فیوض و برکات سے اپنے دور کے بڑے بڑے مشائخ کو روحانی جلا اور بالیدگی حاصل ہوئی یہ عرضداشت پیش کرتا ہوں

اولاً میں اپنے محترم شیخ کے بابرکت ہاتھوں کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ حضرت والا مجھے اپنی نیک دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

تقدیم احترام کے بعد عرض گذار ہوں کہ مجھے آپ کا اس سال (۱۹۱۳) ۲۲ مئی کا لکھا ہوا گرامی نامہ موصول ہوا میں تہ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں حمد وثنا کرتا ہوں کہ اس نے آنجناب کو ہر طرح خیر وعافیت سے رکھا۔

سیدی! اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل وکرم ہے اور انہی کی توفیق سے میں طریقہ شاذلیہ کے وظائف پابندی کے ساتھ دن رات پڑھ رہا ہوں جناب والا سے یہ میری عاجزانہ درخواست ہے کہ میرے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا فرماتے رہیں میں ہمیشہ سے آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

اس مختصر سی درخواست کے بعد میں جناب محترم اور آپ جیسے مخلص علماء کرام دینی قیادت رکھنے والوں، امت مسلمہ کے تمام سنجیدہ اور عقل سلیم رکھنے والوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کی خدمت میں درج ذیل تاریخی امانت پیش کرتا ہوں :

جناب والا! میں یہ بات صاف صاف بتانا چاہتا ہوں کہ امت مسلمہ کی خلافت کی ذمہ داریوں سے از خود دست بردار نہیں ہوا بلکہ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے، یونینسٹ پارٹی جو جوانان ترک کے نام سے مشہور ہے، نے میرے راستہ میں بے شمار رکاوٹیں پیدا کردی تھیں، مجھ پر بہت زیادہ اور ہر طرح کا دباؤ ڈالا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مجھے دھمکیاں دیں اور سازشوں کے ذریعہ مجھے خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا یونینسٹ پارٹی نے پہلے تو مجھ پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالا کہ میں مقدس سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کے قیام سے اتفاق کرلوں۔ مجھے اس پر مجبور کرنے کی کوششیں بھی کیں لیکن ان کے تمام دباؤ کے باوجود میں نے اس مطالبہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا۔ میرے اس انکار کے بعد ان لوگوں نے مجھے ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا دینے کی پیش کش کی میں نے اس پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کردیا کہ یہ ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا تو ایک طرف اگر تم یہ کرہ ارض

سونے سے بھر کر پیش کرو تو میں اس گھناؤنی تجویز کو نہیں مان سکتا میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک امت محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کرتا رہا ہوں اس تمام عرصہ میں میں نے کبھی بھی اس امت کی تاریخ کو داغدار نہیں کیا اس طرح میرے آباؤ اجداد اور خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے بھی ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے اس کی تاریخ کو تابناک رکھا ہے لہذا میں کسی صورت اور کسی حالت میں بھی اس تجویز کو نہیں مان سکتا

میرے اس طرح واضح انکار کے بعد مجھے خلافت سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس فیصلہ سے مجھے مطلع کر دیا گیا کہ مجھے سلانیک میں جلاوطن کیا جا رہا ہے مجھے اس فیصلہ ہی کو قبول کرنا پڑا۔ کیونکہ میں خلافت عثمانیہ اور ملت اسلامیہ کے چہرے کو داغدار نہیں کر سکتا تھا۔ خلافت کے دور میں فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کا قیام ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی شرمناک حرکت ہوتی اور دائمی رسوائی کا سبب بنتا۔

خلافت ختم ہونے کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہوں اور ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا ہوں (کہ اس رسوائی کا داغ میرے ہاتھوں نہیں لگا) میرے خیال میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ واقعات کو سمجھانے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ بس اس غرض کے ساتھ میں اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر آپ کے متبرک ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور پوری پوری امید کرتا ہوں کہ جناب میرے آداب و تسلیم کو قبول فرمائیں گے تمام احباب اور دوستوں کو بھی میرا سلام پیش کر دیجئے۔

میرے مرشد! میں نے پوری دیانت داری کے ساتھ اس معاملہ کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے یہ میری دلی خواہش تھی کہ میں آپ اور آپ جیسے مخلص احباب کی توجہ اس معاملہ کی طرف مبذول کرلوں۔ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ والسلام ۲۲ ایلول 1329 (عثمانی کیلنڈر کے مطابق ستمبر ۱۹۱۳ء)

ملت اسلامیہ کا خادم عبدالحمید بن عبدالمجید

خلیفہ عبدالحمید کے اس خط کا بغور مطالعہ کریں تو بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں سب سے پہلی بات تو یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین تھا یہ یقین ان کے ایمان کامل کی دلیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایمان کا یہ درجہ جس کی جھلک ان کے مکتوب میں نظر

آرہی ہے انہیں قید تنہائی میں حاصل ہوا ہو۔ لیکن اس پورے خط کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان ویقین کا مضبوط درجہ قید وبند کی صعوبتوں سے پہلے بھی انہیں حاصل تھا یہ ایمان کی قوت ہی تو تھی جس کی وجہ سے انہوں نے یہودیوں کی اتنی بڑی مادی پیش کش ٹھکرادی اور ملت اسلامیہ کی تاریخ کو اپنے عہد میں داغدار ہونے سے بچائے رکھا دوسرے نہ کہ اہل اللہ اور اہل علم سے انہیں گہرا قلبی تعلق تھا خلیفہ ان کا جس قدر احترام کیا کرتے تھے اس کا اظہار ان کے اس خط کے ایک ایک لفظ سے ہوتا ہے۔ تزکیہ قلب وروح کے لیے وہ باقاعدہ سلسلہ شاذلیہ سے وابستہ تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہود اور مغرب کی سامراجی قوتوں کے سامنے عزم واستقامت کے ساتھ ڈٹے رہے اور اپنے دور خلافت میں یہودیوں کو سرزمین فلسطین میں قطعہ زمین کسی قیمت پر بھی خریدنے کی اجازت نہیں دی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب تک ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم رہی اس وقت تک استعماری قوتوں کا فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

یہ ایسے حقائق ہیں جس پر امت مسلمہ کو غور وفکر کرنا چاہئے کہ کس قدر عیاری کے ساتھ اغیار نے ہمارا اجتماعی نظم تباہ کیا اس کے ساتھ ہی ہمارا تعلیمی، تربیتی، معاشرتی نظام منتشر ہوکر رہ گیا فاعتبروا یااولی الابصار.

(۱) المنافقون ۶۳-۷، ۸ مزید تفصیلات کے لیے ان آیات مبارکہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں (۲) الطبری، تاریخ ج ۳، ص: ۱۴۶...... (۳) مصباح الاسلام فاروقی Jewish Conspiracy پروٹوکول نمبر ۱...... (۴) ایضاً پروٹوکل نمبر ۱۶، (اس میں تعلیمی ادارے خصوصاً جامعات میں نصاب تعلیم، نظام تعلیم، طرز تعلیم اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں کو تباہ کرنے کے یہودی منصوبہ کا ذکر ہے)...... (۵) از گارودی، (The Case of Israel (شروق انٹر نیشنل، لندن ۱۹۸۳ء، ص: ۷)...... (۶) تفصیلات کے لیے جدید انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ لارنس، ٹی ای۔

مولانا عبدالحمید نعمانی

سلمان رشدی کے ناول "شیطانی کلمات" سے قارئین واقف ہی ہوں گے۔ اس پر آئے دن بحث وگفتگو یا اس کے تعلق سے کوئی نہ کوئی بات سامنے آتی رہتی ہے۔ اس میں مزید شدت وشہرت اس وقت آئی تھی جب ایران کے فرقہ شیعہ اثنا عشری کے مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی نے رشدی کے لئے فتویٰ قتل جاری کیا تھا اور اس پر انعام بھی رکھا تھا ناول کو لے کر مسلم ممالک، خصوصاً ہندستان میں ممبئی جیسے شہر میں جو ہنگامے ہوئے، نیز حکومت نے جس سمجھداری سے پابندی لگادی یہ سب بھی علم میں ہوگا جامعہ ملیہ کے پروفیسر مشیر الحسن کی بات تو اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ جیسے بھی کچھ ہے یہ معلوم ہے خمینی نے جو رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تھا، اس تعلق سے اس بات پر تو بحث ہو سکتی ہے کہ آیا جس ملک پر سرے سے کوئی اثر ورسوخ یا اقتداری اہمیت نہ ہو وہاں کے کسی شہری کے لئے فتویٰ قتل کس حد تک دانشمندانہ اور سمجھداری پر مبنی ہے لیکن اس مسئلہ پر اس انداز میں بحث وگفتگو کرنا کہ مجرم کا جرم ہلکا ہو جائے اور جو لوگ اس طرح کی ادبی دہشت گردی کے خلاف احتجاج کریں وہ اصل مجرم سے زیادہ مجرم نظر آنے لگیں۔ اور ارتداد یا توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے قرآن وسنت فقہ اسلامی اور امت اور اس کے ائمہ کا آج تک جو موقف رہا ہے اس میں تشکیک پیدا ہو جائے یا محدثین وفقہاء کی تحقیر وتخفیف کا پہلو نکلے ظاہر ہے یہ سب انتہائی مذموم وملعون کام ہے۔

مولانا وحید الدین صاحب نے ہی کچھ اپنی تازہ تصنیف "شتم رسول کا مسئلہ" میں کیا ہے انکی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ ایک باقاعدہ عالم نہ ہونے اور بے سند ہونے کے باوجود ہر

مسئلے پر خود کو سند اور اتھارٹی سمجھتے ہیں۔ میں بارہا تحریر کر چکا ہوں کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی نظر مغرب کے افکار و مسائل اور جدید نظریات پر اچھی ہے۔ لیکن حدیث و فقہ کا مطالعہ بہت ہی غیر مربوط اور ناقص ہے ان کی اس قسم کی بیشتر باتیں اسلام اور مسلم دشمن طاقتوں کے حق میں جاتی ہیں اور مثبت کے بھیس میں منفی ہوتی ہیں مولانا سید ابوالحسن ندوی دامت برکاتہم جیسے کچھ مسلم اہل علم اور رہ نماؤں سے نامعلوم اختلافات کے پیش نظر خاں صاحب کو پوری ملت اسلامیہ سے ایک چڑ سی ہو گئی ہے اور ہر مسئلے میں پوری دنیا میں وہی قصوروار اور مجرم ہے حتی کہ چیچنیا، بوسنیا کے مسلمان ہی قصوروار ہیں انہوں نے سارے مسائل خود پیدا کیے۔ ورنہ حقیقت میں ان کے لئے اپنے ملک میں دودھ شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ مطلب یہ کہ سرب دودھ کے دھلے تھے اور ہیں سربوں نے تو جو کچھ کیا اپنے دفاع اور رد عمل میں کیا ہندوستان میں ہونے والے فسادات کی انکوائری کمیشن کی رپورٹ میں قصوروار پولیس اور ہندو فرقہ پرست ہیں لیکن مولانا وحید الدین کے نزدیک قصوروار مسلمان ہیں۔

رشدی کے معاملے میں انھوں نے اپنی تحریر سے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قصوروار مسلمان ہی ہے اور انھوں نے رشدی کے خلاف احتجاج کر کے غیر شرعی فعل کا ارتکاب کیا ہے اس کے ساتھ اصل مجرم کا جرم ہلکا کرنے یا ایک حد تک بے قصور باور کرانے کے لئے غیر متعلق طور پر امت کے قابل احترام اکابر کا حوالہ بھی سپرد قلم فرما دیتے ہیں مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی کے شیطانی الہامات کا ڈانڈہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الہامات سے ملا دیتے ہیں جو فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ میں ہیں۔ اپنی تازہ تصنیف "شتم رسول کا مسئلہ" میں ایک عنوان "ناقابل فہم" کے تحت مرزا غلام احمد قادیانی کے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صریح توہین پر مبنی شعر کے ساتھ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور علامہ اقبالؒ کے شعر بھی دے دیے ہیں۔ جبکہ دونوں طرح کے شعر میں لفظی و معنوی طور پر کوئی مناسبت ویکسانیت نہیں پائی جاتی ہے

میں یہاں تینوں حضرات کے شعر نقل کر رہا ہوں ان تینوں کے ملاحظہ کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا تینوں حضرات کا تینوں شعر کو کسی معنی میں ایک دوسرے کی مثال میں کوئی سنجیدہ آدمی پیش کر سکتا ہے؟ دماغ چل جانے سے قبل ہمیں تو ایسی توقع ہرگز نہیں ہے

(۱) ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔اس سے بہتر غلام احمد ہے (مرزاغلام احمد قادیانی)
(۲) فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا۔ مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا (علامہ اقبال)
(۳) مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم۔

مولانا وحید الدین خاں نے ذری کو ذرا لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے یا تو انہوں نے شیخ الہندؒ کا شعر نہیں دیکھا یا انھیں شعر یاد نہیں ہے۔ذری ذرا کے معنی ہی میں ہے لیکن بات نقل صحیح ہو رہی ہے۔علامہ اقبال کا یہ شعر کلیات اقبال میں "التجائے مسافر" کے عنوان کے تحت موجود ہے اور حضرت شیخ الہند کا یہ شعر مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں موجود ہے جسے اب ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے کلیات شیخ الہند میں شامل کر کے کراچی پاکستان سے شائع کیا ہے۔

مولانا وحید الدین خاں کی ذہنیت اور سوچ پڑھنے کے لئے نقل اشعار کے ساتھ یہ تبصرہ بھی پڑھئے۔

"مرزاغلام احمد قادیانی کے اس قسم کے سب وشتم کی بنا پر اس کے بارے میں مولانا انور شاہ کشمیری نے یہ شعر کہا ہے کہ (غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں) ایک اولو العزم پیغمبر کو تمہارے سامنے گالی دی جارہی ہے یہ ایسا جرم ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ پڑیں

یسب رسول من اولی العزم فیکم تکاد السماء والارض تنفطران

رسولؑ پر اس سب وشتم کے باوجود مولانا کشمیری نے اور نہ دوسرے علماء نے یہ کہا کہ غلام احمد قادیانی کو قتل کردو۔

آگے لکھتے ہیں کہ :۔ "یہ صرف مرزاغلام احمد قادیانی کی بات نہیں ہے بلکہ دنیا میں بسنے والے بیشتر انسانوں کی بات ہے، سب وشتم کے جرم کا تعلق یکساں طور پر تمام پیغمبروں سے ہے اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اشارہ اور کنایہ کے درجہ میں بھی اگر کسی کے کلام سے کسی پیغمبر کی تحقیر ظاہر ہو تو وہ شاتم رسول قرار پاتا ہے اور وہ قانون کی نظر میں واجب القتل قرار پاتا ہے نہ صرف معروف قسم کے بددین شاتم رسول کے مجرم قرار پائیں گے بلکہ کتنے ہی صلحاء اور علماء کو بھی اس صف میں کھڑا کرنا پڑے گا"

اس تبصرے کے بعد انہوں نے اقبال اور حضرت شیخ الہند کے شعر نقل کیے ہیں اس

سے قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ جب دنیا کے بیشتر انسان سب وشتم رسول اور توہین انبیاء کا ارتکاب کر رہے ہیں تو پھر سلمان رشدی کی بات کیوں کی جاری ہے۔ چھوڑو اسے بھی اور اسے نہیں چھوڑتے تو ان صلحاء وعلماء کو بھی مت چھوڑو، مثال کے طور پر کم از کم حضرت شیخ الہندؒ اور اقبالؒ کو۔

حالانکہ زبان اور ادب اور شعر وشاعری سے جسے ذرا بھی دلچسپی ہے وہ جانتا ہے کہ فقہ اور شاعری کی زبان میں فرق ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنا عقیدہ شعری زبان میں ظاہر کرتا ہے اور کبھی آدمی کا عقیدہ اور عمل اور ہوتا ہے لیکن شعر میں کچھ اور ہی نظر آتا ہے اس کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ظاہر ہے کہ بدذوقی اور غیر ذمے دارانہ عمل ہے مثال کے طور پر فارسی کے سب سے بڑے غزل گو شاعر حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور اردو کے مشہور شاعر ریاض خیر آبادی کا نام لے سکتے ہیں دونوں کا عملاً، عقیدتاً مئے نوشی سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن دونوں کا کلام مے کدہ اور مے نوشی کی تعریف وتحسین سے مملوومُر ہے جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ بالکل دوسرا ہے ان کا عقیدہ وعمل اور شعری انداز بیان میں مکمل یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کے پورے عقیدے وعمل کی روشنی میں یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ صریح طور پر توہین رسول کا مرتکب ہوا ہے لہذا اسلامی حکومت اگر ہو تو وہ ارتداد کی سزا کا مستحق ہوگا لیکن چوں کہ انھوں نے توہین انبیاء کے جرم کا ارتکاب اپنے آقا کے حکومت میں کیا ہے۔ اس لئے حکومت سے انہیں واجب القتل قرار دینے کا مطالبہ کرنا کوئی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ہے اس سے لازم نہیں آتا ہے کہ علماء اسلام نے حکومت سے واجب القتل کا مطالبہ نہ کر کے قادیانی کی توہین وارتداد کو موجب قتل جرم ہی نہیں سمجھا۔

رہے شیخ الہندؒ اور علامہ اقبالؒ تو دونوں عقیدتاً اور عملاً پکے مسلمان تھے۔ اور ان دونوں نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرثیہ میں جو کچھ کہا ہے توہین رسول سے دونوںؒ کے دونوں شعر کا کوئی تعلق نہیں ہے اقبال نے مسیح وخضر کو صفاتی معنی میں استعمال کیا ہے مسیح سے مراد اقبال کی سیدنا حضرت مسیح نہیں بلکہ صفت مسیح ہے۔ بیماروں کی مسیحائی کرنے والے یعنی روحانی حکیم وطبیب اور خضر سے مراد رہ نما اور اردو میں رہ نما کے لئے "خضر راہ" بولا بھی جاتا ہے یہاں بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے والے مراد ہیں۔ اقبال نے ..... سے بہتر کچھ نہیں کہا ہے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد

نے صراحتاً کہا ہے۔

البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صوفیاء کے یہاں جو ولایت و نبوت کی بات آتی ہے اس سے ہوسکتا ہے اقبال متاثر ہوئے ہوں کوئی اور اسلوب بیان اپنایا جاسکتا تھا جس سے ظاہری طور پر بھی کوئی ابہام و مغالطہ پیدا نہ ہوتا۔ اس پر راقم الحروف نے چند سال پہلے جناب کوثر نیازی مرحوم کی کی کتاب نقش رہ گزر پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا۔ لیکن شعر و شاعری میں ویسے بھی جام مینا اور بادہ ساغر کی بات خواہی نخواہی آہی جاتی ہے فقہی ذہن سے شعر و ادب کا مطالعہ آدمی کو غلط سمت میں لے جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا معاملہ تو بالکل صاف ہے ان کے شعر میں سرے سے ہی توہین کا کوئی شائبہ و اشارہ تک نہیں ہے۔ بشرطیکہ آدمی مخلص اور زبان و ادب کا ذوق رکھتا ہو۔

حضرت شیخ الہندؒ کے شعر کا تو بالکل سادہ سا مفہوم ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے روحانی، دینی طور پر بھٹکے لوگوں کو راہ دکھائی (مردوں کو زندہ کیا) اور جن کے بھٹک جانے کا خدشہ تھا انہیں گمراہ ہونے سے بچالیا (زندوں کو مرنے نہ دیا) سیدنا حضرت عیسیٰؑ دیکھ کر شاداں و فرحاں ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی نے یہ کارنامہ انجام دیا یہ آپ انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہی کا تو نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر امتی کا کوئی بھی کمال بالواسطہ طور پر نبی ہی کا کمال ہوتا ہے اس لئے ذرا آپ علیہ السلام ملاحظہ تو فرمالیں کہ آپؑ کا مشن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی نے کس حسن اسلوبی سے جاری رکھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے شعر میں تو سرے سے ہی وہ سوچ کارفرما نہیں ہے جو مولانا وحیدالدین خاں کی خود سری اور سوچ کی کجی نے پڑھ لیا ہے۔ لوگ رنگین چشمہ لگا کر چیز کی غیر واقعی صورت دیکھتے ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ دوسروں کو وہی صورت باور کرانا چاہتے ہیں ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ مولانا وحیدالدین خاں مناظرہ باز اہل بدعت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے ہیں۔ اہل بدعت بھی تو حضرت شیخ الہندؒ کے شعر کو اسی معنی میں لیتے ہیں جس معنی میں خاں صاحب لے رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۱۲۴۸ھ---------۱۲۹۷ھ

مولانا عبدالقیوم حقانی

در دست نہ تیر یست نہ در دست کمان است ایں سادگی لوست کہ بسمل دو جہاں است
در مدرسہ از جنبش لعل توحکایت در میکدہ از مستی چشم تو نشان است

ترجمہ :۔ تیر ہاتھ میں ہے اور نہ کمان، اس کے باجود کائنات مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی ہے۔ مدرسہ میں آپ کی موتیوں کی طرح کی حکایات ہیں اور میکدہ میں آپ کی مستیٔ چشم کی نشانیاں ہیں۔

آج صبح سے یہ اشعار زبان پر تھے طبیعت میں نشاط تھا، بار بار فرحت وانبساط کی کیفیات کا ورود تھا۔ خود اپنے پر حیرت تھی کہ اس کیفیت کا سبب کیا ہے؟ خلاف معمول آج یہ کیا ہوگیا ہے؟ تخیل کی وسعتوں میں کتنے کتنے میدان سر کرڈالے مگر فرحت بڑھتی گئی اور حیرت بھی بڑھتی گئی کہ اچانک ان اشعار کے مصداق کے طور پر قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کی شخصیت کا تصور غالب ہوگیا۔

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

ؔ میرے ذوق و شوق کی تحریر میں ڈوبی ہوئی ان کی تصویر خیالی سامنے آتی رہی

ایسا محسوس ہونے لگا گویا وہ میرے سامنے موجود ہیں اب دل کی بے تابیاں بڑھنے لگیں۔ شدت اشتیاق نے بے قرار کردیا قدرے فرصت کے لمحات میسر آئے تو ان سے کتابی ملاقات کی تقریب کے انعقاد میں کامیاب ہوگیا۔ ع تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

حضرت نانوتویؒ کی عظمتیں، خدمات علوم، تصنیفات، سلسلہ درس و تلمذ اور فیوض وبرکات کے اصل اسباب کا تجسس تو پہلے ہی سے تھا اب کی بار یہ معلوم ہوا کہ یہ اللہ پاک کے

ازلی فیصلے اور قدرت کے تکوینی امور ہوتے ہیں جس کو جس کام کے لئے چاہتے ہیں منتخب فرمالیتے ہیں۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

اللہ کی گود میں

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ بھی قدرت کا اجتبائی معاملہ تھا خود ارشاد فرمایا۔ "ایام طفلی میں خواب دیکھا کہ میں گویا اللہ تعالی کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں تو ان کے دادا نے (جو تعبیر خواب میں مشہور تھے) یہ تعبیر بتائی کہ تم کو اللہ تعالی علم عطا فرمادے گا اور بہت بڑے عالم بنو گے"۔

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ خدا تعالی کی یہ خاص عنایت بشارت اور انتخاب پر مجھے عارفی مرحوم یاد آگئے غالباً انہوں نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

کسی کے حسنِ رنگیں کا مرقع بن گیا گلشن
ہزاروں جلوہ ہائے نو بنولے کر بہار آئی

خدا کا ہاتھ

لو مجھے بھی اپنے خواب کی تعبیر مل گئی اہل اللہ کے ہاں محض حاضری سے بھی کتنے لاینحل عقدے حل ہو جاتے ہیں، احقر نے بھی بچپن میں خواب میں اللہ تعالی کا ہاتھ دیکھا تھا یہ شعور کی ناپختگی کا زمانہ تھا مگر ہاتھ دیکھنے کے خواب کا جب بھی تخیل سامنے آیا تو دل نے ہمیشہ یہ تعبیر دی کہ اللہ پاک کی نصرت شامل حال رہے گی اس کی غیبی مدد کے کرشمے ظاہر ہوں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا بچپن میں والد گرامیؒ کا انتقال ہو گیا غربت و افلاس کے ایام تھے، یتیمی کی زندگی تھی کوئی پرسان حال نہ تھا مگر اللہ کا ہاتھ سر پر رہا-----دینی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا، پھر کچھ خانگی حالات بگڑے قتل مقاتلے تک نوبتیں آئیں تھانوں کچہریوں کے ایام دیکھنے پڑے مگر اللہ کے ہاتھ نے دستگیری کی اور علم دین کے راستے پر استحکام عطا فرمایا اور اب سب اللہ ہی کی عنایت ہے کہ درس و تدریس خطابت و تبلیغ اور صحافت و تحقیق کے ساتھ ساتھ بہت ہی قلیل عرصہ میں پچیس سے زائد کتابیں میری لکھی جا چکی ہیں کئی کئی

ایڈیشن طبع ہو کر ختم ہو گئے ہیں یہ جو کچھ بھی ہے خدا ہی کا فضل ہے اور اب حضرت نانوتویؒ کے تعبیر خواب سے مجھے مزید ڈھارس ملی۔ یقین بڑھا کہ اللہ کریم مزید خدمتِ دین کی توفیق رفیق بنائے گا والحمد لله علی ذالك۔

بن رہا ہے دل میں جو یوں پہلو میں برق مضطرب
کس کے انداز تبسم اس میں پنہاں ہو گئے
مرحلے راہ فنا کے مجھ سے آساں ہو گئے
داغہائے درو ہستی شمع عرفاں ہو گئے

علم دین کا فیض بہ کثرت جاری ہوگا

بات خوابوں کی آگئی دارالعلوم دیوبند بھی تو حضرت نانوتویؒ کے ایک سچے خواب کی تعبیر ہے خود ارشاد فرمایا

"ایام طالب علمی میں میں نے ایک اور خواب دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں اپنے استاذ مولانا مملوک علیؒ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا"۔

مرشد کی زبان

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی قابلیت و تقوی بے مثل اور بے نظیر تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد قاسمؒ کے بارے میں فرمایا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے ایک دن حضرت حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالی کبھی اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتا ہے چنانچہ حضرت شمس تبریز کے واسطے مولانا رومؒ کو لسان بنایا تھا اور مجھ کو مولانا محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ اور جو میرے قلب میں آتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔

کمال باطن

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے میرٹھ میں مثنوی مولانا رومؒ پڑھانی شروع کی

جس سے سننے والوں پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی آپ کے سننے والوں میں ایک شخص ایسے بھی تھے جو رنگ باطنی رکھتے تھے ان کی خواہش ہوئی کہ مولانا محمد قاسمؒ کو فیض باطنی دیا جائے، خود حضرت مولانا محمد قاسم سے درخواست کی کہ آپ کبھی تنہا ملئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے چھاپہ خانہ کے کام اور طلباء کے پڑھانے سے فرصت نہیں ملتی تنہائی کہاں میسر ہوتی ہے آپ جب چاہیں تشریف لائیں۔ یہ بزرگ ایک روز مولانا صاحب کے پاس تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ میری طرف متوجہ ہوں، آپ نے پڑھانا چھوڑ دیا۔ یہ بزرگ آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے اور توجہ دینی شروع کی ان بزرگ کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ کبھی گرنے کے قریب ہو جاتے تھے اور کبھی سنبھل کر بیٹھتے تھے کچھ دیر یہ سلسلہ چلا اس کے بعد یہ اٹھ کر اور نیچی نگاہ کر کے چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد مولانا سے معذرت کی۔

عمدہ اخلاق اور خوش مزاج

مطالعاتی ملاقاتوں میں احقر نے ہمیشہ اپنے اکابر اور سلف صالحین کی عملی زندگی سے استفادہ اور اپنے قارئین تک افادہ کی نیت رکھی، حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حضرت بڑے خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے مزاجاً تنہائی پسند تھے اور عنفوان شباب ہی سے اللہ پاک نے انہیں یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر ساکت رہتے تھے اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا ان کے حال سے بھلا ہو یا برا ہو کسی کو اطلاع نہ ہوتی اور نہ آپ از خود کسی سے کچھ کہتے یہاں تک کہ اگر بیمار ہو جاتے تب بھی شدت مرض کے وقت کسی نے آثار سے کچھ جان لیا تو جان لیا ورنہ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی اور دوا کرنا کہاں؟

قاسم نانوتویؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ

عجز و انکسار تواضع، کسرنفسی، خود فراموشی اور فنائیت کے جو مناظر احقر نے اپنے شیخ و مربی اپنے محسن استاذ محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ میں دیکھے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ متوارث تھے اکابر علماء دیوبند کے، حضرت نانوتویؒ چونکہ اس سلسلہ کے منبع اور نقطۂ آغاز ہیں لہٰذا ان میں وہ بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں جو ان سے نقل در نقل ہوتے ہوئے

ہمارے حضرتؒ میں بھی منتقل ہوگئے تھے۔ ہمارے حضرتؒ تو اکابر علماء دیوبند کے جان نثار تھے بلکہ ان ہی کا پر تو اور عکس کامل تھے۔

آنکھوں سے میں نے بھر لیا سب دل میں عارفی
ساقی کی چشم مست میں جتنا خمار تھا

فنائیت

حضرت نانوتویؒ جن دنوں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے چھاپہ خانہ میں کام کرتے تھے تو مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے تعظیم سے نہایت گھبراتے۔ ہر کسی سے بے تکلف رہتے۔ شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ بھی دوستوں کی طرح رہتے علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے ایک روز فرمایا کہ "اس علم نے خراب کر دیا ورنہ اپنی وضع کو خاک میں ملاتا تاکہ کوئی بھی نہ جانتا۔" واہ! کیسے موقع پر حضرت عارفی مرحوم یاد آگئے۔

رہا دل کو رضائے یاد سے کام	نہ سمجھے ہم جفا کیا ہے وفا کیا ؟
فنا ہوجائیں تیرے آستاں پر	سوا اس کے ہمارا مدعا کیا

احقر حضرت کی عظمتیں، شخصیت عادات، خصائل اور نفس کشی کے مختلف مناظر دیکھتا رہا۔۔۔ دل نے یہی فیصلہ دیا کہ اس شہرت پر کسی نے آپ کو کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے ؟ کیا کیا ان میں ظاہر ہوئے ؟ پھر آخر سب کو انہوں نے خاک میں ملادیا اور اپنا کہنا کر دکھایا۔

ایک خاص وصف اور نمایاں عادت یہ دیکھی کہ مسئلہ کبھی نہ بتلاتے سائل آتا تو کسی کے حوالے فرماتے۔۔۔ آج لوگوں کو نام کی اور مہر کی پڑی ہوئی ہے اور ابھی مفتی تو در کنار دارالافتاء بھی نہیں دیکھا ہوتا کہ پیڈ بھی چھپ جاتا ہے اور مہر بھی بن جاتی ہے

مگر حضرت تو بحر العلوم تھے علم کے بحر ناپید اکنار تھے مگر اس کے باوصف فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر کرنا تو در کنار اول امامت سے بھی گھبراتے تھے آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھادیا کرتے تھے۔

اتباع سنت کا اہتمام

حضرت نانوتویؒ کی زندگی شریعت محمدی اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھی اس لئے ان کی ہر ادا سے انسانیت نمایاں تھی کیونکہ اصل انسانیت دنیا کے سب سے بڑے انسان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے جو آدمی دنیا کے سب سے بڑے انسان کی جتنی اتباع کرے گا وہ اتنا ہی انسانیت سے قریب تر ہوگا۔ چونکہ حضرت نانوتویؒ متبع سنت تھے اس لئے دیکھنے والا پہلی ہی نگاہ میں بھانپ لیتا تھا کہ واقعی انسان ایسے ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ جب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے ان ہی ایام میں حضرت نانوتویؒ احباب کے اصرار پر تین دن تک روپوش رہے۔

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم نکل آئے اور کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے لوگوں نے پھر نسبت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا! تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک روپوش رہے تھے

والد کی شکایت اور حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ کا جواب

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی معاشی حالت اچھی نہ تھی ان کو رنج تھا کہ میرے بھائی پڑھ کر نوکر ہوگئے کوئی پچاس کا کوئی سو کا کوئی کم کوئی زیادہ سب خوش و خرم ہیں آپ نے حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا ہے اور مجھے اس سے کیا کچھ امیدیں تھیں؟ کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دور ہوتا تم نے اس پر خدا جانے کیا کر دیا ہے نہ کچھ کماتا ہے اور نہ نوکری کرتا ہے حضرت تو اس وقت ہنس کر چپ ہوگئے پھر کہلوا بھیجا کہ قاسم کو وہ مرتبہ ملے گا کہ وہ سو پچاس والے سب اس کی خدمت کریں گے اور ایسی شہرت ہوگی کہ اس کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی معاش کی شکایت کرتے ہو خدا تعالی بے نوکری ہی اسے اتنا دے گا ان نوکروں سے اچھا رہے گا چنانچہ مولانا محمد قاسمؒ کے والد کی حیات میں مالی حالت ایسی ہوگئی کہ شکایت نہ رہی

ادب اور احترام نبوت

ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفتاً لادیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب وگریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرور کائنات آقائے دوجہان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کا رنگ سبز ہے پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں میں کیسے اور کیونکر استعمال کیے جاسکتے ہیں ؟ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حجۃ الاسلام حضرت نانا تویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ

”تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی دوسرے کو دے دیا۔“

اندازہ کیجئے اس نظر بصیرت اور فریفتگی کا گنبد خضرا کے ظاہری رنگ کے ساتھ کس قدر عقیدت والفت ہے جس کے اندر عظیم المرتبت مکین آرام فرما ہیں۔ جنکی نظیر جن کی مثال اور جن کا ثانی خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ تاقیامت آسکتا ہے علامہ اقبال مرحوم نے شاید اسی کی ترجمانی کی ہے ۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

عشق رسولؐ

لوگوں نے اکابر علماء دیوبند کو گستاخ رسول ثابت کرنے کے لئے خدا جانے کتنے جتن کئے اور کیا کیا پاپڑ بیلے مگر جنہیں حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت شیخ الہند، حضرت مدنیؒ کو قریب سے دیکھنے یا مطالعہ کرنے کا موقع ملا وہ جانتے ہیں کہ یہ اکابر تو فنافی الرسول تھے، ان سب کے گل سرسبد اور منبع فیض وہدایت حضرت نانوتویؒ کا کیا حال تھا مجھے آج کی مطالعاتی ملاقات میں حضرت کے عشق واحترام رسولؐ کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں نظر آیا۔

حضرت نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے پابرہنہ چلتے رہے آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیارِ حبیبؐ میں جوتا پہن کر چلیں حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگریزے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علی خان صاحب حیدر آبادیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو اس سفر میں حجۃ الاسلام کے رفیق سفر تھے کہ

مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب تاریک میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے یااللہ! یہ کیسے لوگ تھے ان کے دلوں میں کس قدر عشق رسولؐ تھا، ان کا جذب شوق کس قدر قابل رشک تھا ان کے دل یاد خدا سے اور قلبی کیفیات عشق رسولؐ سے معمور تھے

اللہ رے جذب شوق کا اعجاز رہبری
اک اک قدم کو حاصل منزل بنادیا
مجھ کو تو اس آل محبت پہ ناز ہے
اب دل کو ان کے رحم کے قابل بنادیا

احقر کے طالب علمی کا دوسرا یا تیسرا سال تھا اپنے استاذ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہ سے خطبہ جمعہ میں حضرت نانوتویؒ کے عشق رسول پر مبنی اشعار سنے، موصوف خود بھی بڑے پیارے طرز عاشقانہ انداز سے پڑھ رہے تھے سامعین بھی عشق و محبت کی کیفیات سے لطف اندوز ہو رہے تھے اس وقت معانی اور مقاصد تو سمجھ میں نہ آسکے مگر ذہن میں اتنی بات بیٹھ گئی کہ حضرت نانوتویؒ ایک بڑے اور سچے عاشق رسول تھے۔ حضرت سے تو صرف دو تین اشعار سن لئے تھے پھر اپنی بے تابی کا کیا پوچھنا۔ قصائد قاسمی کی تلاش شروع ہوگئی، کئی روز کی محنت شاقہ کے بعد قصائد مل گئے، شب و روز میرے سینے پر رہنے لگے اشعار نوک زبان تھے صبح و شام کا یہی ورد تھا دل تو نانوتویؒ والا نہ تھا عشق میں کب ان کی نقل کی جاسکتی تھی مگر الفاظ ان کے تھے ان میں کس قدر شیرینی اور عذوبت و حلاوت تھی یہ تو وہی بتاسکتے ہیں جو اس راہ میں کبھی عملاً چل کر مبتلائے درد ہو چکے ہوں۔

بہرحال حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے نظم اور نثر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدح اور تعریف بیان کی ہے اور جس خلوص و عقیدت سے اس کا اظہار کیا ہے ان کی کتابوں کو پڑھنے اور دیکھنے والا بجز کسی متعصب کے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمام کتابوں کی

عبارتیں جو نظم ونثر میں آپ نے سرورکائنات کی توصیف وتعریف میں بیان فرمائی ہیں نقل اور پیش کرنا تو کارے دارد صرف بطور نمونہ ہم قصائد قاسمی کے پہلے قصیدہ سے چند اشعار نذر قارئین کررہے ہیں۔

فلک پہ عیسیٰ وادریس ہیں تو خیر سہی — زمین پہ جلوہ نما ہیں محمدؐ مختار
فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانی احمدؐ — زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار
تو فخر کون و مکاں، زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار
خدا تیرا تو خدا کا حبیب اور محبوب — خدا ہے آپکا عاشق تم اس کے عاشق زار
تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی — تو نور شمس اگر اور انبیاء ہیں شمس نہار
کہاں بلندی طور اور کہاں تیری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار
جمال کو ترے کب پہنچے حسن یوسفؑ کا — وہ دل ربائے زلیخا تو شاہد ستار

قرآن، قرآن کی تلاوت، قرآن سے محبت، قرآن کا شغل اور قرآن سے شغف انکی زندگی کی متاع عزیز تھی بچپن میں حفظ القرآن کی صورت نہ بن سکی تو بڑی عمر میں اس دولت کو حاصل کرنے پر توجہ دی پھر مشاغل بھی تو کثیر تھے تصحیح کتب اور دینی بحث مباحثہ اور سرگرمیوں میں ایسے منہمک رہتے تھے کہ ان اہم دینی کاموں سے فراغت کا موقعہ ہاتھ نہ آتا تھا اور دل میں قرآن کریم کے حفظ کا جو شوق تھا وہ کب چین لینے دیتا تھا بالآخر دو سال کے صرف دو رمضان میں قرآن پاک یاد کرلیا اور ایسی روانی کے ساتھ سناتے تھے کہ کوئی کہنہ مشق پختہ کار حافظ بھی شاید ایسا نہ سنا سکتا ہو چنانچہ خود ان کا اپنا بیان ہے "فقط دو سال رمضان میں میں نے قرآن یاد کیا ہے اور جب یاد کیا پاؤ سیپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کرلیا اور جب سنایا اچھے پرانے حافظ کی طرح" یہ کلام اللہ کی عظمت اور اس کی طرف پوری توجہ اور محبت کا نتیجہ تھا کہ اس کا ایک ایک حرف سینہ میں نقش ہوگیا۔

ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرف محبت نہ ترکی نہ تازی

دنیا نانوتویؒ کے جوتوں میں

حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں حاضری واستفادہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ میرے

اس یقین اور ایمان میں مزید پختگی آگئی کہ دنیا طلب سے نہیں آتی بلکہ استغناء سے آتی ہے۔ یہ سمجھ کا کھیل ہے لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ جتنا طالب بنیں گے اتنی ہی دنیا آئے گی، اس کے اگر آپ طالب بن گئے تو اس کے سامنے ذلیل ہو گئے دنیا آئی تو کیا ہوا آپ کو ذلیل کر کے آئی۔ عزت داری یہ ہے کہ استغناء ہو پھر دنیا آئے اتت الدنیا وھی راغمۃ...... دنیا سر پر خاک ڈالتی ہوئی قدموں پر آئے، میں اس تصور میں تھا کہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی روح پکار اٹھی کہ حضرتؒ چھتہ کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے شیخ الٰہی بخش صاحب میر ٹھی جو لکھ پتی لوگوں میں سے تھے اور حضرتؒ کے معتقد تھے، ملنے کے لئے آئے اور بہت بڑا ہدیہ لے کر آئے ---- دو تھیلیاں جس میں اشرفیاں اور ہزاروں روپے کا مال تھا --- مگر دل میں یہ سوچتے ہوئے آئے کہ حضرت کو آج اتنا بڑا ہدیہ دوں گا کہ اب تک کسی نے نہیں دیا ہوگا تو اپنے ہدیہ کے اوپر ایک فخر کی کیفیت موجود تھی۔

مگر پیش اہل دل نگر وار یہ دن تانہ باشد از گماں بہ خجل

اہل اللہ کے سامنے دل تھام کے جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں احساس پیدا کر دیتا ہے کہ فلاں کے دل میں کیا چیزیں کھٹک رہی ہیں وہ علاج بھی کرنا جانتے ہیں۔ حضرتؒ کے دل میں اس کا ادراک ہوا کہ ان کے دل میں فخر و ناز کی کیفیت ہے یہ بڑی چیز سمجھ رہے ہیں۔ حضرت حجامت بنوا رہے تھے اب وہ بیٹھ تو سکتے نہیں تھے جب تک کہ حضرت اجازت نہ دے دیں تو کھڑے رہے اور ہاتھ میں دونوں تھیلیاں تھیں ان میں وزن تھا کھڑا ہوا نہیں جاتا اور کپکپا رہے ہیں۔ حضرتؒ ان کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو حجامت بنوالتے ہوئے چہرہ کو نیچے کر دیا۔ دیکھا ہی نہیں کون آیا؟ تجاہل عارفانہ کے طور پر، پھر دائیں طرف کو منہ پھیر کے وہ پشت کی طرف سے چکر کھا کر دائیں طرف آئے تو آہستہ سے بائیں طرف منہ پھیر لیا۔ پھر وہ ادھر کو آئے تو ادھر کو منہ پھیر لیا غرض ان کو اسی طرح چکر دیئے۔ یہاں تک کہ حضرت حجامت سے فارغ ہو گئے تب ان کی طرف دیکھا انہوں نے سلام عرض کیا حضرت نے معمولی جواب دیا رسمی مزاج پرسی کے بعد بیٹھ گئے اور وہ ہدیہ پیش کیا

حضرت نے فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کو ضرورت نہیں ہمیں پیش کرنے کی ضرورت ہے اگر حضرت قبول نہ فرمائیں یا حاجت مند نہ ہوں تو طلبہ میں تقسیم کر دیں فرمایا کہ الحمد للہ! میری آمدنی ساڑھے سات روپے مہینے کی ہے اور

میرے گھر کی ساری ضروریات اس میں پوری ہو جاتی ہیں۔ اگر کبھی روپیہ آٹھ آنہ بچ جاتا ہے تو میں پریشان رہتا ہوں کہ کہاں رکھوں گا؟ کس طرح حفاظت کروں گا؟ کیسے بانٹوں گا؟ میں حاجت مند نہیں ہوں۔ آپ واپس لے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت طلباء کو تقسیم کر دیں، فرمایا کہ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ میں طلبہ کو بانٹوں؟ آپ ہی جا کر تقسیم کر دیں غرض انہوں نے مختلف عنوانوں سے چاہا کہ قبول فرمادیں مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا ---لیکن اس زمانے کے رئیس غیرت دار تھے تو یہ غیرت آئی کہ یہ مال پھر اپنے گھر کو واپس لے جاؤں۔ وہاں سے اٹھے، مسجد کی سیڑیوں پر حضرت کی جوتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان جوتیوں میں وہ روپیہ بھر کر روانہ ہو گئے (غالباً جوتیوں کے اوپر نیچے روپے ڈال دیے ہوں گے) حضرت اٹھے اور جوتیوں کی تلاش ہوئی۔ جوتے نہیں ملتے اودھر اودھر جب سب جگہ دیکھا تو حافظ انوار الحق صاحب حضرت کے خادم تھے انہوں نے دیکھا اور عرض کیا کہ حضرت جوتیاں تو روپوں میں دبی ہوئی یہاں پڑی ہیں۔ فرمایا لاحول ولاقوة الا بالله، آئے ۔ آکر ان جوتیوں کو جھاڑا جیسے مٹی جھاڑ دیتے ہیں اور اس کے بعد جوتے پہن کر روانہ ہو گئے۔ وہ روپیہ مسجد کی سیڑیوں پر پڑا رہا حافظ انوار الحق مرحوم ساتھ ساتھ تھے تھوڑی دور آگے جا کر مسکرا کر دیکھا تو حافظ جی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ حافظ جی دیکھا آپ نے؟ دنیا ہم بھی کماتے ہیں دنیادار بھی کماتے ہیں فرق اتنا ہے کہ دنیا ہماری جوتیوں میں آکر گرتی ہے ہم ٹھوکریں مارتے ہیں اور دنیادار دنیا کی جوتیوں میں جا کے سر رگڑتے ہیں وہ انکو ٹھوکریں مارتی ہے۔ تو کماتے ہم بھی ہیں دنیادار بھی۔ فرق اگر ہے تو عزت اور ذلت کا فرق ہے "غناء" اور "احتیاج" کا فرق ہے۔
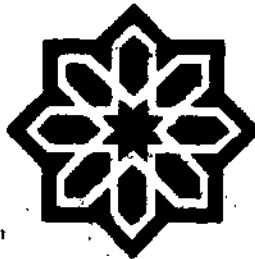
مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ
بانی مدرسہ صولتیہ

محمد عزیر احمد عبدالحمید القاسمی

گذر جائیں گے اہل درد رہ جائیگی یاد انکی وفاکا درس جب ہوگا تو انکے ذکر سے ہوگا

دنیا میں مذھبی اور قومی مقتدروں کی سوانح نگاری کا معمول قدیم سے چلا آرہا ہے اور ان میں ایسے ممتاز و مقتدر شخصیتوں کے احوال سیرت وسوانح کا تحفظ اور بھی زیادہ ضروری سمجھا گیا جو اپنے ذاتی اوصاف و کمالات کیساتھ کوئی خاص نصب العین اور نظریہ لے کر اٹھے ہوں

ایسی شخصیتوں کے احوال زندگی دنیا کے سامنے صرف اسلئے نہیں پیش کئے جاتے کہ وہ زندہ رہیں۔ یعنی رہنمائے ملت کو مرنے کے بعد اسلئے زندہ نہیں رکھا جاتا کہ صرف اس کا نام باقی رہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا کام باقی رہے اور کام سے اس کی قوم کامیاب ہو کر باقی رہے اور پھر ایسی شخصیت جس نے اپنی قوم کو ناہموار اور بگڑے ہوئے حالات میں سامنے آکر قریب المرگ قوم کو سہارا دیکر سبھال لیجائے تو ایسی شخصیتوں کا مدام باقی رکھنا در حقیقت اسکے اصلاحی نقوش کو قائم رکھنا ہے تاکہ ان سے اس جیسی شخصیتیں آئندہ بھی بنتی رہیں۔ ایسی منفرد شخصیتوں کا اس کے اصول و نظریات کے پردہ میں قائم رکھنا حقیقتاً شخصیت سازی کی فیکٹری قائم کرنا ہے جس سے ڈھل ڈھل کر شخصیتوں کے بنتے رہنے کا غیر منقطع سلسلہ قائم رہے

مجاہد اعظم وجیہ الاسلام مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (مصلح الدین) بارھویں صدی ہجری کی ایسی منفرد و ممتاز شخصیت ہیں۔ جو نہ صرف اپنے منتخب علم و عمل۔ ممتاز اخلاق و کردار، مثالی کمالات و فضائل کے ساتھ ہندوستان کی سرزمین پر نمایاں ہوئے

مولانا کی ولادت ۱۲۳۳ھ میں قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی حضرت مولانا کیرانویؒ ایک مسیحائے ملت کی حیثیت سے اس وقت نمایاں ہوئے جبکہ ہندوستان اپنی آٹھ سو سالہ اسلامی عظمت و شوکت سے محروم ہو رہا تھا اسکی سیاست کے ساتھ اسکی دیانت کے چہرہ پر بھی

مردنی چھاچکی تھی مشرق کا آفتاب مغرب میں ڈوب رہا تھا۔ ایشیائیت کے ساتھ اسلامیت بھی رخصت ہو رہی تھی نئی شوکت کے زیر اثر اسلامی نظام کو مانع ترقی اور مخرّب قومیت باور کرانیکی کوشش و آوازیں خود مسلم حلقوں سے اٹھنی لگیں تھیں اسلامی علوم وفنون پر سفاکانہ اور قاتلانہ حملہ منظم طریقہ پر شروع کر دیا گیا تھا اسلامی تہذیب وشائستگی کی راہیں بے نشان اور ناقابل گذر بنائے جانی لگیں تھیں ملی استقلال نصرانیت کے پر فریب ڈپلومیسوں کے دھارہ میں بہا جارہا تھا۔

انگریز اپنے فکری و تہذیبی اثر ورسوخ کے لئے بہت سے حربے استعمال کر رہے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور دینی زبانوں کو ختم کر دیا جائے اور اس کوشش میں سرگرداں رہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا رشتہ اپنے اسلامی تمدن اور تہذیبی اقدار سے کاٹ دیا جائے تاکہ وہ آسانی سے مغربی افکار اور مسیحیت کے لئے لقمۂ تر بن جائیں۔

اور انگریز۔ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا حریف اور حقیقی دشمن سمجھتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایشیاء اور افریقہ میں کہیں بھی انکے دین و تہذیب کو کوئی علمی محاذ پر چیلنج کر سکتا ہے تو وہ مسلمان ہی ہوں گے۔ پہلے اسلامی تعلیم و دینی امور کو انجام دینے سے روکا پھر اسلامی اوقاف چھین لئے، مشینری کے مطالبہ پر جمعہ کو سرکاری چھٹی کا دن منسوخ کر کے اتوار کو سرکاری چھٹی کا دن قرار دیا تاکہ کسی حال میں سرکاری اداروں میں ملازمین کو اسلامی آداب وروایات کے سامنے جھکنا نہ پڑے اس میں ناکامیابی پر دیکھا کہ علماء کی دعوتی جدوجہد، اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور نور قرآن سے مستفیض ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا تو علماء پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، انھیں بدنام کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے اور دردناک سزائیں دیں ایک ایک عالم کو پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، ان کو پھانسی دینے کے بعد گردنوں کو درختوں پر لٹکاتے اور طرح طرح کی تذلیل واہانت کرتے

تلاش کر کے ایسے علماء وافراد کو ڈھونڈتے جنکی مسلمانوں کے درمیان توقیر وعزت ہوتی اور لوگ جنکی بات سنتے۔ اگر کبھی کسی عالم سے جواب طلب کرنا ہوتا تو اسکو عدالت میں حاضر کیا جاتا کوئی افسر قرآن کریم اور حدیث کی کوئی کتاب لاتا، جہاد سے متعلق آیات اور احادیث نکالی جاتیں، پھر اس سے وہ افسر پوچھتا کہ ان آیات اور احادیث کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر جواب دیتا کہ یہ سب صحیح ہیں۔ تو افسر کہتا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے خلاف جہاد کرنے کو واجب سمجھتے ہو، اس پر اگر اس عالم کا موقف یہ ہوتا کہ میں ایک

گوشہ نشین انسان ہوں، ان آیات اور احادیث کی صحت کا عقیدہ صرف اسلئے ہے کہ یہ قرآن اور حدیث میں وارد ہوئی ہیں، تو اسکو چار یوم کی مہلت دی جاتی، اس دوران اگر وہ اپنا موقف بدلدیتا، اور کسی اخبار میں اسکا اعلان کر دیتا تو اسکو چھوڑ دیا جاتا، اسکے برعکس کی صورت میں پھانسی دیدی جاتی یا پھر دائمی جلاوطنی ایک انگریز مصنف ہلنٹ کے الفاظ میں "شہرت پانے والے مولوی پر حکومت کی سخت نگاہ ہوتی تھی، ہر طرح سے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا اس پر بھی اگر وہ اپنے موقف پر قائم رہتا اسکو جزائر انڈمان جلاوطن کر دیا جاتا،،

علماء کے شوق شہادت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک انگریز جج نے علماء کی ایک جماعت کو پھانسی دیئے جانیکا فیصلہ صادر کیا تو وہ شہادت کے تصور سے بے انتہاء خوش ہوئے، قاضی کو یہ بات پسند نہ آئی کا اسکا کوئی فیصلہ ان کے لئے مسرور کن ہو چنانچہ اسنے فیصلہ بدلدیا اور کہا اے باغیو! پھانسی تمکو عزیز ہے راہ خدا میں تم اسکو شہادت تصور کرتے ہو، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ذریعہ تمہاری کوئی امید بر آئے، یا ہم کسی مسرت کا باعث نبیں، اس لے ہم پھانسی کے حکم کو منسوخ کرتے ہیں اور جزائر لنکا میں دائمی جلاوطنی کا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ تو ایک تاریخی چٹھی جسکی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی تھی "وہ وقت آگیا ہے کہ اس مضمون پر سرگرمی سے غور کیا جائے کہ سب لوگوں کو ایک ہی مذہب اختیار کرنا چاہئے" اگرچہ حکومت نے اسکا بعد میں انکار کیا کہ اسکا حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن سب جانتے تھے یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں ہندوستان کو پادریوں سے بھر دیا گیا تھا انکی روپیہ پیسہ اور کتابیں بانٹنے کو دیکر ہر قسم کی مدد و اعانت کی جاتی۔ آفیسر ان اپنے ملازمین کو حکم دیتے کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادریوں کا وعظ سنو! پادری لوگ وعظ میں صرف انجیل مقدس ہی کے بیان پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں اور مقدس مقاموں کو بہت برائی اور ہتک سے یاد کرتے جس سے سننے والوں کو نہایت تکلیف ہوتی۔ اسوقت ایک قدیم و طویل مضمون شائیلہ نے مشنری کی غیرت کو بھڑکانے اور ان کے عزائم کو بیدار کرنے کے لئے اپنے پرچہ میں لکھا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ صرف پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مشنری کی سرگرمیوں سے اگر ہم چاہیں کہ مسلمانوں کے دل اسلامی عقائد سے خالی ہو جائیں تو یہ ممکن نہیں اسکی صرف ایک صورت ہے کہ یورپی افکار پھیلائے جائیں۔

انگریزی۔ جرمن ہالینڈی اور فرانسیسی زبانوں کے پھیلانے سے اسلام یورپ کے

پرچوں میں کسی طرح جگہ پاسکتا ہے اور ایک مادی اسلام کے لئے راہ ہموار ہو گی، اسی طرح مشنریاں اسلامی دینی افکار کو ناپید کرنے میں مصروف عمل رہیں آگے لکھتا ہے کہ - عیسائی مشنریاں اگر یہ دیکھیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی جدوجہد کے نتائج سست ہیں اس سے ان کو مایوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یورپ کے علوم وفنون اور آزادی نسواں کی طرف شدید میلان بڑھتا جارہا ہے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی قدس سرہ نے اسلام کی وکالت وحمایت کا فریضہ ایسے نازک حالات وصبر آزمازمانہ میں ایسے انجام دیا جو مسلمانوں کے لئے انتہائی آزمائش کا دور تھا ان کا حریف وہ تھا جسکو اس زمانہ کے سب سے بڑے فاتح گروہ کی پشت پناہی حاصل تھی اور بڑی دنیاوی طاقت اسکی سرپرست تھی، جس کے قلمرو میں آفتاب نہیں غروب ہوتا تھا جسکے تمدن وتہذیب تعلیم کی پوری دنیا میں دھاک تھی دوسری طرف مولانا کیرانوی اپنے حریف کے برعکس ایسے قوم کے فرد تھے جو شکست خوردہ اور شکستہ دل آزمائش وابتلاء کے دور سے گذررہی تھی۔

عموماً علماء کی خاموشی سے پادریوں نے فائدہ اٹھانا چاہا تو قائد اول مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے پادرویوں سے مسیحیت کے عقائد کی تردید اور عیسائی مشنریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جواب میں زبردست مناظرے کئے جبکہ انگیریزوں کا پورا زور مسلمانوں کی حوصلہ مندیوں کو مٹانے اور انکی معنوی قوت کو کمزور کرنے پر صرف ہورہا تھا، یورپ کی عیسائی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنا جال بچھائے ہوئے تھیں سیکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد "اقبال مند فاتح قوم" کا مذہب اختیار کررہے تھے اس وقت حضرت مولانا کیرانویؒ نے اپنے عیسائی حریف کو مناظرہ میں شکست فاش دی اور ایسے علمی دلائل سے کام لیا جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں منتقل ہوتا تھا وہ اپنے فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے جسکا اعتراف تمام معاصر علماء کو تھا اور آج تک عالم اسلام کا پڑھا لکھا اور باخبر آدمی انکے کارنامے سے واقف ان کی علمی عظمت اور مجاہدانہ کارنامہ کا قائل ہے انہوں نے اسلام کی مدافعت اسطرح کی کہ حق وباطل کو آئینہ کی طرح روشن کرکے دکھادیا اسلام کے خلاف غلط بیانیوں، تہمتوں اور شکوک واوہام کا جو طوفان دشمنوں نے کھڑا کردیا تھا مولانا نے نہ صرف یہ کہ ان تہمتوں کی حقیقت واضح کردی بلکہ مسلمانوں کے اندر دین پر یقین واعتماد کو پختہ سے پختہ تر کردیا، مسلمانوں کو اپنے دین کی

صداقت اور اپنے رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت پر از سر نو غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا

اس زمانہ میں ایک مشہور عیسائی پادری عیسائیت کا مبلغ اعظم فنڈر (Fander) نے ہندوستان میں آکر علماء کو للکار اور علانیہ مناظرہ کی دعوت دینے لگا اور ملک کے ہر صوبہ ہر ضلع میں دورہ کرتا جلسوں میں تقریر کر کے اپنے مذہب کی پیروی کی دعوت دیتا، اسے کتاب میزان الحق پر ناز تھا حضرت مولانا کیرانوی نے خط وکتابت کر کے مقام عیسائیت کے مرکزی شہر آگرہ میں اس سے ۱۸۵۴ء میں مناظرہ طے کیا جس میں مختلف پادری اور مولانا کے مترجم کے طور پر ڈاکٹر محمد وزیر خاں شریک تھے حضرت مولانا، کا دعوی تھا کہ جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو، اس کی آسمانی کتاب اپنی اصل حالت میں نہیں ہے۔ جسکو تم آسمانی و مذہبی کتاب کہتے ہو اسمیں پیشوان مذہب نے بہت کچھ تحریف کر دی ہے اس لئے آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے خود پادری فنڈر نے اعتراف کر لیا کہ آٹھ مقامات میں بائبل کے اندر تحریف موجود ہے اور پھر مناظرہ کے لئے تیسرے دن نہ آیا جس سے ثابت ہو گیا کہ وہ میدان میں شکست کھا گیا اور مسلمانوں نے اپنے اندر ایمانی قوت میں اضافہ پایا پادریوں کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت عام مسلمانوں نے اپنے اندر محسوس کی عیسائیت کے عقلی اور علمی دبدبہ بلند بانگ دعووں اور اسلام پر تہمتوں کی حقیقت سب کی سمجھ میں آگئی۔

حضرت کے فیصلہ کن مناظرہ و بے باک جرأت کو دیکھ کر انگریزی تسلط واقتدار نے حضرت ہی کو اپنا سب سے بڑا دشمن جانا جسکی وجہ سے مولانا کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، ایمانی عزم وہمت اور صبر واستقلال کے ساتھ سے پور دجود ھپور راجستھان کے مہیب ریگستانی جنگلوں اور خطرناک راستوں کو پاپیادہ طے کر کے سورت کی بندرگاہ بادبانی جہاز سے بلاد مقدسہ کی طرف ہجرت کر لی۔

ادھر انگریز فوج کو جب مولانا کا کچھ پتہ نہ چلا تو آپکو مفرور باغی قرار دیکر ایک ہزار روپیہ کا اعلان کیا۔ اور روانگی کے بعد فوجداری مقدمہ قائم کر کے حکومت نے تمام جائیداد ضبط کر لی جو خاصی بڑی تھیں ان کو نیلام کر دیا گیا۔

مولانا مرحوم کے مناظرہ نے برصغیر ہند میں عیسائیت کا سیلاب روکنے میں بڑا اہم رول ادا کیا جب مکہ مکرمہ میں پہنچے تو رحمت خداوندی نے آپکے لئے خدمت دین کے لئے ایسے اسباب پیدا فرمائے جو سر اسر اعزاز و تکریم کی لائن سے تھے حرم مکہ کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد زینی دحلانؒ نے علمی منزلت کی وجہ سے انہیں حرم شریف میں تدریس کا اعزاز بخشا۔

کہ حیثیت ایک ہندی عالم کے سب سے پہلے آپکے لئے تھا

اتفاقی بات یہ پیش آئی کہ پادری فنڈر مناظرہ میں شکست کے بعد عرصہ تک یورپ کے مختلف ملکوں جرمنی، سوئزرلینڈ، انگلینڈ میں رہا۔ اسکے بعد اسکو لندن کی تبلیغی انجمن (مشنری) نے قسطنطنیہ بھیجا کہ مسلمانوں کے مرکزی مقام خلافت میں جاکر عیسائی تبلیغ کی مہم چلائے اس نے سلطان عبدالعزیز سے جو کہ اس وقت خلیفہ المسلمین تھے ملاقات کی اور ہندوستان کے مناظرہ کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ عیسائیت کو اسلام پر فتح ہوگئی خلیفہ المسلمین کو اس بیان سے سخت حیرت ہوئی، انھوں نے شریف مکہ کو لکھا کہ ہندوستان سے آنے والے حاجیوں سے معلوم کریں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کس طرح پیش آیا۔ اور اس مناظرہ وانگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت ۱۸۵۷ء کی صحیح نوعیت کیا ہے شریف مکہ کو شیخ العلماء شیخ احمد دحلان سے پورا واقعہ معلوم ہوچکا تھا انھوں نے دارالخلافہ کو مطلع کیا۔

"کہ اصل واقعہ کیا ہے اور اس مناظرہ کے "بطل" ہیرو جو عالم دین ہیں وہ حسن اتفاق سے مکہ مکرمہ میں موجود ہیں،،

سلطان نے حضرت مولانا کو دارالخلافہ آنیکی دعوت دی چنانچہ مولانا وہاں ۱۲۸۰ھ میں تشریف لے گئے۔ جب پادری فنڈر کو معلوم ہوا کہ شیخ (مولانا کیرانویؒ) قسطنطنیہ آرہے ہیں اسی وقت وہاں سے فرار ہوگیا۔

سلطان نے وہاں کے علماء واعیان ملک کو جمع کرکے مولانا کیرانوی سے اس مناظرہ کا حال سنا کہ کسطرح انھوں نے عیسائیت پر اسلام کو فتح یاب کیا پھر ۱۸۵۷ء کی داستان سنی پھر سلطان عبدالعزیز نے اسوقت عیسائی مبلغوں پر پابندی لگادی اور اس سلسلہ میں سخت قانون نافذ کئے سلطان اکثر وبیشتر نماز عشاء کے بعد مولانا سے ملکر آپکی نصائح وارشادات سنا کرتا وہاں کے بڑے علماء وصدر اعظم خیر الدین پاشا تیونسی بھی اس مجلس میں ہوتے

مولانا سے صدر اعظمؒ اور خلیفہ عبدالعزیزؒ نے مناظرہ کا قصہ سنا اور انکی علمی عظمت دوسعت مطالعہ اور مسیحیت پر انکی ناقدانہ بصیرت کا اندازہ کیا تو یہ درخواست کی وہ عربی زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھدیں جو مناظرہ کے لیے موضوع بحث قرار پائے تھے، مولانا نے اس تجویز کو قبول فرماکر معرکۃ الاراء کتاب تالیف فرمائی جسکو اظہار الحق کے نام سے دیا جاتی ہے۔

جس پر برطانیہ کے ایک اخبار نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا "اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے تو دنیا میں عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا پھر سلطان نے مولانا مرحوم کی

جلیل القدر دینی مجاہدانہ خدمات کی قدر افزائی فرمائی انھیں رتبہ پایہ حرمین الشریفین اور مرصع تلوار تمغہ مجیدی درجہ دوم زریں خدمت کے ساتھ عطاء فرمایا اور اس کے ساتھ مکہ مکرمہ کے شریف مکہ کی مجلس شوری کا اعزازی رکن نامزد کیا۔ قسطنطنیہ سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں حرم مکی میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اسکے بعد رمضان ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ صولتیہ قائم فرمایا

۱۴ شعبان ۱۲۹۲ بروز چہار شنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طالب علموں کو لائے ادھر انگریزی کونسل جدہ کو یہ خیال وہم پریشان کرتا رہا کہ حضرت مولانا اس مدرسہ کے پس پردہ انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ اور کوئی باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں چونکہ مولانا پر غیر وفاداری کا الزام لگ چکا تھا اس وجہ سے مدرسہ کے لئے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے میں دریغ نہ کیا کچھ زمانہ کے بعد حقیقت حال کی روشنی میں تمام شکوک وشبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولانا نے اپنے خلوص وللہیت اور استقلال کی بدولت آئندہ کے لئے راستہ صاف کرلیا۔

آخری وقت میں سلطان کی خواہش ہوئی کہ مولانا قسطنطنیہ میں سلطان کے پاس رہیں مولاناؒ نے معذرت کردی ایک مرتبہ سلطان حضرت مولانا کو جوتا پہنانے کو جھکے تو حضرت مولانا نے آبدیدہ ہوکر سلطان کو اس سے باز رکھنا چاہا تو سلطان نے کہا کہ جب سے ہم نے علماء کے جوتے سیدھے کرنے چھوڑ دیئے ہم پر جوتے پڑنے لگے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را

مدرسہ کا قیام صولت النساء بیگم جو کہ ایک مخیر خاتون تھیں انکے مال عطیہ اور مجاہد کبیر شیخ وقت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کیرانوی کی مسلسل قربانیوں جاں فشانی کے نتیجہ میں ہوا الحمد اللہ ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ میں اس کا فیض پورے عالم میں محیط ہے ۲۲ر رمضان ۱۳۰۸ھ میں مولانا اس دنیا سے رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون موجودہ وقت میں مدرسہ کے مدیر مولانا حشیم صاحب اپنے اسلاف وبزرگوں کے نقش قدم پر چلتے، اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے علمی مقام کو باقی رکھے ہوئے ہیں اللہ ہر قسم کے شرور فتن سے ان سب حضرات کی حفاظت فرمائیں انھیں خیر خلف بنائیں۔ آمین

یا خدا ایں مدرسہ قائم بدار فیض او جاری بود لیل ونہار

عارف باللہ حضرت شاہ سلیمان لاجپوریؒ

متوفی ۱۳۴۳ھ - ۱۹۲۴ء

از جناب مولانا عبدالقدوس لاجپوری

سرزمین گجرات کے دو زریں عہد تو مشہور ہو چکے ہیں ایک وہ دور جو شاہان احمد آباد وپٹن کا تھا جس میں حکام کی علم دوستی اور علماء کی قدردانی کی وجہ سے احمد آباد اور اس کے نواح علماء کا مرکز بن گئے تھے دور دور سے علماء اور صوفیاء کھچ کھچ کر چلے آئے تھے اور علم و عمل کے خوب خوب چرچے ہوئے اس سے اگرچہ پورا گجرات مستفیض ہوا لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کا اصل مرکز شمالی گجرات ہی تھا اور وہی پورے طور پر مستفید ہوا۔

پھر گجرات کا دوسرا علمی دور حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء کی آمد سے شروع ہوا جو کسی حکومت سے متعلق نہ تھا بلکہ قوت لایموت پر قناعت کے ساتھ خدمت علم و تبلیغ کے جذبۂ صادق پر مبنی تھا اللہ تعالیٰ نے اس میں پوری برکت عطا فرمائی۔ دیکھتے دیکھتے یہ فیض پورے گجرات میں پھیل گیا اور ہر علاقہ میں اسلامی درسگاہیں سرگرم عمل نظر آنے لگیں۔

اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ فترت دو وقفہ کا درمیانی زمانہ بھی علماء وصلحاء سے یکسر خالی نہ تھا آج کی مجلس میں ایسی ہی ایک شخصیت کا تذکرہ مقصود ہے جس کے ذریعہ بہت سے گم کردہ راہ کو سیدھا راستہ میسر ہوا بدعت وجہالت کی اندھیریاں کافور ہوئیں اور ان کی جگہ علم اور سنت نے لے لی۔

قریہ لاجپور ڈابھیل سے شمال مغرب میں کوئی ۵ میل کی مسافت پر ڈابھیل ہی جیسا ایک گاؤں ہے جہاں کی کل آبادی اس وقت بھی ۴ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی آج سے سو سال قبل یہاں ایک اسلامی مدرسہ بھی تھا جس میں متوسطات تک کی تعلیم ہوتی تھی اس مدرسہ کی نشأۃ ثانیہ صاحب تذکرہ ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

ولادت

شاہ صاحب کے صحیح تاریخ ولادت تو معلوم نہیں لیکن بعض تاریخی واقعات سے یہ متعین ہے کہ ۱۲۱۷ھ سے قبل ولادت ہوچکی تھی اور سن مذکورہ میں آپ اتنے باشعور ہوچکے تھے کہ اس زمانہ کے بعض واقعات اخیر تک یاد تھے۔

آپ کے والد ماجد (حافظ احمد بن شیخ دیوان) حافظ اور مجود تھے بچوں کو حفظ و تجوید اور اردو زبان میں دین کی ابتدائی ضروری تعلیم دیتے تھے اپنے اس فرزند کو بھی حافظ قرآن بنایا اور ضروریات دین سے روشناس کرلیا۔ صوفی صاحب میں بچپن ہی سے یادالٰہی کا شوق غالب تھا اور ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے اس لیے اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا گیا

تعلیم

حضرت فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ قاضی ریاست سے بچپن سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی ذکی الطبع اور فہیم ہونے کی وجہ سے قلیل عرصہ میں اکثر علوم فارسی وعربی سے فراغت حاصل کرلی، اور اپنی خدداد صلاحیت اور تقوی وطہارت کی وجہ سے استاذ کے چہیتے بن گئے ادھر والد صاحب نے بھی ستارۂ اقبال بلند دیکھ کر دنیاوی کاروبار اور مشاغل سے آپ کو علیحدہ رکھا حضرت فقیر اللہؒ کے یہاں وقت کے تمام ہی علماء و صلحاء کا ورود ہوتا رہتا تھا اس لیے صوفی صاحب بہت جلد عوام وخواص میں مشہور ہوگئے

اذکار و اشغال اور مجاہدہ مراقبہ سے آپ کو حظ وافر حاصل ہوا تھا لیکن کبھی دامن شریعت ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور ہمیشہ متبع سنت رہے آپ کے زماہ میں صوفیوں کا ایک فرقہ "بھگت" نامی بہت مشہور تھا جو وحدۃ الوجود کا قائل تھا لیکن جہالت کی وجہ سے نماز اور شریعت سے اپنے کو برتر تصور کرتا تھا صوفی صاحب کے ہاتھوں اس کو توفیق ایزدی شامل ہوئی تائب ہوکر صوم وصلوۃ کے پابند ہوگئے

بیعت

صوفی صاحب کو مولانا شاہ نظام الدینؒ (۱) سے چاروں طریقوں میں اجازت وخلافت

۱۔ شاہ نظام الدین مولانا غلام علی شاہ دہلوی کے خلیفہ مولانا جان محمد سے بیعت تھے مولانا جان محمد مکہ معظمہ کے مفتی اور شیخ حرم تھے۔

حاصل تھی شاہ نظام الدین کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت موسی جیؒ ترکیسری بہت مشہور ہیں ان کا تذکرہ مصنفہ مولانا عبد الشکور لکھنوی زیر اہتمام مولانا عبد اللہ کاپودروی مہتمم فلاح دارین شائع ہوچکا ہے مولانا عین القضاۃ لکھنویؒ انہیں حضرت موسی جیؒ سے بیعت تھے موسی جیؒ ترکیسری صوفی صاحبؒ کے باوجود پیر بھائی ہونے کے بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور جوگی بابا کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ صوفی صاحب ہمیشہ گیروا رنگ کا کپڑا پہنا کرتے تھے

صوفی صاحب کو بزرگوں سے ملنے کا بہت شوق تھا اس کے لیے تن تنہا دور دراز سفر کی زحمت بھی اٹھایا کرتے تھے حاجی وارث علی شاہؒ اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے ملاقت کے لیے اسفار کئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

اسارت

غدر ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کا اثر گجرات پر تو نہیں ہوا لیکن بعد میں ایک بزرگ مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ جو غدر میں شریک تھے دہاں سے روپوش ہوکر کسی طرح لاجپور پہنچ گئے۔ ریاست سچین کے نواب عبد الکریم صاحب کی قدردانی سے لاجپور میں علماء و صلحاء کا اجتماع رہتا تھا مولانا لیاقت علی صاحب بھی عالم و فاضل اور ولی کامل تھے صوفی صاحب سے اچھے تعلقات ہوگئے ابتک کسی کو مولانا لیاقت علی کا حال معلوم نہیں تھا ان دونوں بزرگوں کے مواعظ ونصائح سے عوام کی بہت اصلاح ہوئی لوگ صوم وصلوۃ کے پابند ہوگئے خصوصاً عورتوں میں ہندولنہ لباس رائج تھا اس کا خاتمہ ہوا اور کرتہ پاجامہ کا رواج ہوا ۱۸۶۸ء ۱۲۸۴ھ میں جب نواب ابراہیم تخت نشین ہوئے تو اسلامی رنگ اور غالب آیا۔ احکام شریعت کا نفاذ ہوا شرعی قانون کے مطابق مذکور الصدر دونوں بزرگوں کے ذریعے مقدمات کا فیصلہ ہونے لگا حدیں قائم ہوئیں بدمعاشوں اور نشہ بازوں کے درّے لگائے گئے نواب صاحب کے یہاں علمی مجالس قائم ہوتیں علمی مذاکرے ہوتے لیکن آہ افسوس! خلافت راشدہ کا یہ چھوٹا سا نمونہ زیادہ دن نہ رہ سکا دشمنان اسلام کو مولانا لیاقت علی صاحب کا حال کسی طرح معلوم ہوگیا انگریزوں کو اطلاع مل گئی ان دونوں حضرات کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا یہ حضرات تو روپوش ہوگئے لیکن متعلقین کی گرفتاری عمل میں آئی سال بھر کے بعد مولانا لیاقت علی مکہ معظمہ کے ارادہ سے بمبئی پہونچے تو گرفتار ہوگئے اور کالا پانی

بھیج دیے گئے۔

صوفی صاحب کے تمام اہل خانہ گرفتار ہو گئے تھے اس لیے آپ خود حاضر ہو گئے ۶ ماہ سورت کے قلعہ میں قید رہے پھر رہا کر دیے گئے یہ خلوت معارف وحقائق میں مزید ترقی کا باعث بنی، رہائی کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور اس والہانہ انداز میں کہ حدود حرم شروع ہوتے ہی پاپیادہ ہو گئے بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی حواس باختہ ہو گئے اور تمام شب ایک ہی جگہ بیٹھے رہے رفقاء تلاش کرتے رہے صبح کو ملاقات ہوئی تو ان کی مدد سے طواف کیا حرمین شریفین کے صوفیوں اور بزرگوں سے نیاز حاصل کرتے رہے حضرت شیخ محمد معصوم مجددیؒ حضرت مولانا محمد شیخ عمرؒ اور مولانا محمد مظہر مجددیؒ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں شیخ محمد مظہر سے آپ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ عجوہ کھجور جس کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے کون سی ہے ؟ شیخ نے جواب دیا کہ وہ تو اب تک ہم کو بھی نصیب نہیں ہوئی پھر اندر تشریف لے گئے اور بہت سی کھجوریں عنایت کیں اور فرمایا کہ برنی کھجور ہیں اس کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے مکہ میں خاص طور سے شیخ ابراہیم الرشید قدس سرہ سے بہت متاثر ہوئے بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی اور ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے پھر خلافت واجازت سے نوازے گئے

غلام احمد قادیانی سے آپ کی ملاقات

آپ کی ملاقات مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی ہوئی کچھ سوال وجواب بھی ہوئے مختصر اً وہ یہ ہے :

بارش کا زمانہ تھا قادیانی مکان کی تیسری منزل پر رہا کرتا تھا لوگ نماز کے لئے اوپر ہی جایا کرتے تھے نماز کے بعد الہامات بیان ہوتے تھے ایک روز تو صوفی صاحب نے اس کی بکواس سنی پھر ضبط نہ ہو سکا۔ حواری خاص حکیم نور الدین سے کہا میں غلام احمد سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں حکیم نے کہا نہیں مل سکتے ایک نماز کے بعد مجلس منعقد ہوئی وہاں کا معمول یہ تھا کہ مجلس ہوتی رہتی ایک شخص اٹھ کر کہتا مجلس برخاست بس مجلس ختم ہو جاتی مرزا اندر حجرہ میں چلا جاتا اور لوگ نیچے آجاتے۔ آج بھی ایسا ہی ہوا سب لوگ نیچے چلے گئے مگر صوفی صاحب وہیں بیٹھے رہے لوگوں نے کہا اٹھو پھر بھی نہیں اٹھے تھوڑی دیر کے بعد مرزا متوجہ ہوا اور یہ سوال وجواب ہوئے۔

صوفی صاحب :- میں لوگوں کو آپ کے متعلق کیا خبر دوں؟

مرزا :- عیسیٰ بیٹے مریم کے مر گئے

صوفی صاحب :- تو کیا آپ ان کے اوتار ہیں؟ کیا تناسخ باطل نہیں ہے؟

مرزا :- یہ مطلب نہیں بلکہ خداتعالیٰ ان کا کام میرے ہاتھ سے لیں گے۔

صوفی صاحب :- وہ تو دجال کو قتل کریںگے آپ نے کس دجال کو قتل کیا؟

مرزا :- یہ نصاری جن کی ایک آنکھ حق کی پھوٹی ہوئی ہے یہ گویا دجال ہیں ان کو رد کرنا گویا قتل کرنا ہے۔

صوفی صاحب :- آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے۔

مرزا :- قرآن مجید میں ہے فلمّا توَفَّيْتَنِىْ

صوفی صاحب :- پھر وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ

کے کیا معنی ہیں؟ بس ساکت ہو گیا اور دیر تک مراقبہ کے بعد بولا :

مرزا :- يا احْمَدْ انِّىْ مُبَشِّرُكَ

صوفی صاحب :- وحی اور الہام میں کیا فرق ہے؟

مرزا :- کچھ فرق نہیں

صوفی صاحب :- میں نے سنا ہے کہ وحی میں فرشتہ روبرو ہوتا ہے اور الہام میں صرف پس پردہ آواز ہوتی ہے اس لئے وحی میں خطا نہیں ہو سکتی اور الہام میں غلطی ہو سکتی ہے

مرزا سنی ہوئی بات کا کیا اعتبار

صوفی صاحب :- کیا الہام رحمانی اور شیطانی بھی ہوتا ہے؟

مرزا :- ہاں ہوتا ہے

صوفی صاحب :- پھر تو الہام میں غلطی بھی ہو سکتی ہے

مرزا :- مگر اہل اللہ کے پاس ایک مقیاس ہوتا ہے جس سے وہ خطا اور صواب کو پہچان لیتے ہیں۔

صوفی صاحب :- مقیاس کے کیا معنی؟

مرزا :- ترازو یا کانٹا

صوفی صاحب :- ترازو یا کانٹا خراب ہو گیا تو پھر کیسے تمیز کر سکیں گے؟ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا

مرزا :- اہل اللہ اُسے پہچان لیتے ہیں۔
صوفی صاحب :- شیخ محی الدین بن عربیؒ کا کشف کیسا ہے ؟
مرزا :- صحیح ہے !
صوفی صاحب :- وہ اپنے الہام میں فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں بہت دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔
مرزا :- قرآن کے سامنے سب کاالہام باطل ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ
صوفی صاحب :- اس کے معنی موت کے کیسے ہوئے جب کہ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ موجود ہے
مرزا :- بخاری نے ابن عباس سے اس کی تفسیر نقل کی ہے تمیتنی (ا) (کذا فی الاصل)
صوفی صاحب :- بخاری نے تو حضرت عیسیٰؑ کے شام میں نازل ہونے کا باب باندھا ہے وہاں قادیان کا ذکر تو نہیں

پس چپ ہوگیا اور پسینہ پسینہ ہوگیا پھر غصہ میں بولا عیسیٰ بیٹے مریم کے ہوگئے صوفی صاحب کہتے ہیں کہ مجھے بھی جوش آگیا میں نے کہا : یا تم مجھ کو عیسیٰ کے پاس لے چلو یا میں تم کو ان کے پاس لے چلوں ان ہی سے پوچھ لیں کہ آپ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ ابتو ٹھنڈا ہوگیا میں نے کہا خاتمہ کا ڈر ہے یا نہیں ؟ اس نے کہا خاتمہ کا تو سب کو ڈر ہے میں نے کہا بس دعا کرو خدا ہمارا تمہارا خاتمہ ایمان پر کرے۔

سفر رنگون

آپ نے رنگون کا سفر بھی کیا گجرات کے بہت سے تجار وہاں مقیم تھے حرص وطمع آپ کو تھا نہیں اس لئے رؤساء اور امراء کی بلا کسی رعایت کے اصلاح فرماتے آپ کے نصائح سے بہت سے تجار نے سودی پیسہ ترک کیا اور بہت سے لوگ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوگئے۔
وہاں ایک مسجد "سورتی مسجد" کے نام سے مشہور تھی آپ نے خواب میں دیکھا کہ اس پر ہاتھی پھر رہے ہیں آپ نے کہا یہاں سے چلو کوئی آفت آنے والی ہے عید الاضحیٰ قریب تھی عید ہی کے دن ایک بڑا فساد ہوا وہاں سے آپ شہر "مانڈلہ" آئے وہاں ایک درویش تھے جو اپنے مریدوں کے ساتھ شرعی قیود سے اپنے کو آزاد تصور کرتے تھے صوفی صاحب کے سمجھانے سے راہ راست پر آگئے۔

ایک مرزائی کو بھی آپ کے ہاتھ پر توبہ کی توفیق ملی کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں آپ کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچا آپ کی بہت سی کرامات بھی مشہور ہیں جن کے ذکر کی اس مختصر میں کہاں گنجائش ہو سکتی ہے قصہ مختصر یہ کہ آپ اسی طرح لوگوں کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا اسمیں بھی ہر ایک کے مرتبہ کی رعایت پوری پوری فرماتے کہ کسی کو تنگی اور حقارت کا احساس نہ ہو متعدد تصانیف بھی آپ کی یادگار ہیں۔

آخیر وقت موعود قریب آگیا بخار لاحق ہوا ایک مرتبہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی زور سے ہاتھ زمین پر مار کر فرمایا ابھی ٹھہر جا حاجیوں سے ملنا ہے پھر طبیعت میں کچھ افاقہ ہو گیا اور اس وقت آپ کے بعض خاص اعزہ حج کو گئے ہوئے تھے ضعف اگرچہ تھا لیکن نماز جماعت سے مسجد میں تشریف لاکر ادا فرماتے تھے جب بالکل ہی معذور ہو گئے تو حجرہ کے اندر ہی نماز پڑھنے لگے ۱۹ / جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء بروز سہ شنبہ ضعف بہت بڑھ گیا لیکن حسب معمول فجر کے بعد مراقب رہے اشراق پڑھی اس کے بعد متواتر نمازیں پڑھنے اور دعا کرتے رہے عشاء کے بعد اللہ اللہ کا ذکر زور سے شروع فرمایا جب یٰسین پڑھی جانے لگی تو خاموش ہو گئے ختم یٰسین پر خود دعا فرمائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب وصلحاء اور تمام مؤمنین کو ایصال ثواب کیا پھر اللہ اللہ کا ذکر شروع فرمایا خود ہی آنکھیں بند کر لیں آواز آہستہ اور پست ہوتی گئی یہاں تک کہ روح جسم سے جدا ہو گئی اور کچھ پتہ بھی نہیں چلا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وصیت کے مطابق سورت اسٹیشن کے قریب صوفی باغ کی مسجد سے متصل ایک حجرہ میں دفن کیا گیا بے شمار خلقت نے نماز جنازہ پڑھی ریل میں بھر بھر کر مال گاڑیوں میں بیٹھ کر دور دور سے لوگ آتے اسٹیشن کا پورا میدان بھر گیا بہت دور تک سڑکیں بند ہو گئیں بڑی مشکل اور دقت سے بعد مغرب دفن کیا جاسکا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (۱)

☆ ☆ ☆

۱- یہ ساری تفصیلات صوفی صاحب کی ایک تصنیف "معارف الصوفیہ" کے آخر سے ماخوذ ہیں یہ حالات صوفی صاحب کے نواسے مولانا محمد یوسف صاحب نے لکھے ہیں۔

محمد عثمان معروفی غفرلہ ۱۴۱۷ھ

بقلم راقم الحروف محمد عثمان معروفی ۱۹۹۷ء

رفیع الشان لوح تاریخی
۱۹۹۷ء

بسم اللہ الحسیب الفتاح الرحمن الرحیم
۱۴۱۷ھ

نحمدہ اللہ المجید العظیم ونصلی علی النبی الکریم
۱۹۹۷ء

قبر خدا دوست زاھد پاک
۱۴۱۷ھ

باآہ حضرت ٥ مقبول طبع مولانا محمد منظور صاحب نعمانی٥ صاحب فہم مناظر
۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء ۱۴۱۷ھ

زیب عالم مصنف خوش کلام٥عالی نژاد رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند
۱۴۱۷ھ ۱۴۱۷ھ

رحمہ العدل الحفیظ٥برد مضجعہٗ الحی الباری٥ نور مرقدہ اللطیف العلیم العظیم
۱۴۱۷ھ ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء

زہے قطعہ تاریخ
۱۴۱۷ھ

ماہ ذوالحجہ کی چھبیس چودہ سوستر سنہ رحلت مولانا منظور جری حق گو ہوئی
تھی مئی کی چار، سنہ انیس سو ستانوے ادخلوا الجنۃ کی خوشخبری عطا ان کو ہوئی
عمر بھر کی خدمت دیں خلد میں لب ہیں کھیں یہ خبر ہاتف سے اے عثمان بس مجھ کو ہوئی

صنعت مربع بوفات زیرک مولانا نعمانی
۱۹۹۷ء

یہ مصرعہ چونسٹھ طریقے سے پڑھا جاسکتا ہے اور چاروں طرف سے تاریخ رحلت ۱۹۹۷ء بر آمد کی جاسکتی ہے (محمد عثمان معروفی)

	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	
۱۹۹۷ء	رہبر	لائق	سرور	فائق	ناقد	صادق	عارف	کامل	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	لائق	سرور	فائق	ناقد	صادق	عارف	کامل	رہبر	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	سرور	فائق	ناقد	صادق	عارف	کامل	رہبر	لائق	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	فائق	ناقد	صادق	عارف	کامل	رہبر	لائق	سرور	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	ناقد	صادق	عارف	کامل	رہبر	لائق	سرور	فائق	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	صادق	عارف	کامل	رہبر	لائق	سرور	فائق	ناقد	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	عارف	کامل	رہبر	لائق	سرور	فائق	ناقد	صادق	۱۹۹۷ء
۱۹۹۷ء	کامل	رہبر	لائق	سرور	فائق	ناقد	صادق	عارف	۱۹۹۷ء
	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	۱۹۹۷ء	

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

ماہ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۹۷ء

جلد ۸۲	شمارہ ۷	فی شمارہ ۔/۹	سالانہ ۔/۹۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند	استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یو، پی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ۔/۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم ۔/۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ۔/۸۰ ہندوستان سے ۔/۹۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Mamaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔
- ● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- ● پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کر دیں۔
- ● ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- ● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

راجدھانی دہلی میں قادیانی ریشہ دوانیوں کا زبردست تعاقب

۱۴؍جون ۱۹۹۷ء جامع مسجد شاہجہانی دہلی کے اردو پارک میں عظیم الشان تاریخ ساز

تحفظ ختم نبوت کانفرنس

رپورٹ :- محمد عثمان منصورپوری

مرکزی دفتر تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند ملک کے مختلف صوبوں میں قادیانی فتنہ کی سرگرمیوں کی رپورٹ اپنی ذیلی شاخوں کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے، اور قادیانی فتنہ کے مکر و فریب سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے حسب ضرورت کارروائی کرتا رہتا ہے۔

راجدھانی دہلی میں بھی قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر تغلق آباد ہمدرد یونیورسٹی کے برابر میں مسلمانوں کی مسجد کی شکل میں بنا ہوا ہے جس کا مقصد ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ دہلی کے قادیانی ہیڈ کوارٹر سے مختلف کالونیوں میں اور یوپی میں جو ریشہ دوانیاں کی جاتی ہیں اس کی اطلاعات دفتر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کو پہنچ جاتی ہیں اور ان کے سد باب کے لئے مقامی ذمہ داران کے مشورے سے مناسب حکمت عملی اپنائی جاتی ہے۔ ۵؍اکتوبر ۱۹۹۶ء کو قادیانیوں نے ماؤلنکر ہال دہلی میں پہلی بار کھلا اجلاس کیا جس کو دہلی و یوپی کی سالانہ احمدیہ کانفرنس کا نام دیا اور عام مسلمانوں کو اس میں شرکت کی اجازت و دعوت دی۔ کانفرنس کے اناؤنسر صاحب نے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے بتلایا کہ اس کانفرنس کا مقصد لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ جماعت احمدیہ (قادیانی گروہ) کن کن طریقوں سے اسلام کی خدمات انجام دے رہی ہے۔ جس میں قرآن مجید اور احادیث کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا بھی شامل ہے۔ اس طرح کھلم کھلا ناواقف مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنے کا منصوبہ بنا کر اس کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ قرآن کریم کی آیات اور احادیث کے تحریف کردہ ترجمے و تفسیریں شائع کر کے اس کو اسلام کی خدمت قرار دیا جارہا

ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ ایسی صورتحال میں ملت اسلامیہ کے درد مند حضرات خاموش تماشائی بنے نہیں رہ سکتے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند اور دہلی کے ذمہ دار حضرات نے طے کیا کہ جامع مسجد شاہجہانی کے سامنے اردو پارک میں ۱۴ر جون ۱۹۹۷ء کو ساڑھے سات بجے شام عظیم الشان تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد کی جائے جس میں عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت واہمیت عام مسلمانوں کو سمجھائی جائے، اور بتایا جائے کہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کا عقیدہ ایجاد کر کے اپنے آپ کو حضور کی بعثت ثانیہ کی شکل میں محمد قرار دیا اور نبوت کو کسبی مان کر لوگوں کو ورغلایا کہ حضور کی اتباع کامل کر کے آپ کی مہر سے میں نبی بن گیا ہوں، یہی کفریہ عقائد آج تک مرزا قادیانی کی جماعت پھیلا رہی ہے، اس لئے شروع ہی سے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کا ایک ہی فتویٰ ہے کہ یہ لوگ کافر مرتد، زندیق ہیں نیز مسلم وغیر مسلم حکومتوں کی عدالتوں نے مکمل بحث وتمحیص کے بعد تاریخی فیصلے کئے ہیں کہ قادیانیوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا قادیانیوں کا کفر بالکل طے شدہ امر ہے مزید کسی بحث ومباحثہ کی ضرورت ہی نہیں، اس کے باوجود قادیانی گروہ کا اصرار ہے کہ مرزا قادیانی کو نبی، مہدی، مسیح، مان کر بھی ہم مسلمان ہیں، بلکہ ہمارا اسلام ہی حقیقی اسلام ہے اور مرزا قادیانی کے نہ ماننے کی بنا پر دنیا کے کروڑوں مسلمان پکے کافر ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) قادیانیوں کا یہ اصرار فریب کاری تو ہے ہی، مذہب اسلام پر زبردست حملہ اور اس کے خلاف خطرناک سازش بھی ہے جس کو مسلمان کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام ۱۴ر جون کی کانفرنس کی تیاری اور عام مسلمانوں میں قادیانی فتنہ کے بارے میں بیداری کرنے کے لئے بڑی بڑی جامع مسجدوں میں خطبہ سے پہلے ہر جمعہ کو تقریباً آدھا گھنٹہ تحفظ ختم نبوت ورد قادیانیت کے موضوع پر مدلل وپرمغز تقریروں کا سلسلہ اجلاس سے چار ہفتہ قبل شروع ہوا، علاوہ جمعہ کی تقریروں کے محلوں میں، سڑکوں پر روزانہ اسی موضوع پر متعدد علاقوں میں اجلاس عام ہونے جن کو تمام مسلمانوں نے بہت غور وفکر اور اہمیت کے ساتھ سنا، تقریروں کے ساتھ ساتھ ہر پروگرام کے موقع پر ہزاروں کی تعداد میں رد قادیانیت کے کتابچے اور پمفلٹ اردو، ہندی، انگلش میں مسلمانوں کو تقسیم کئے گئے جن سے لوگوں

نے قادیانیوں کے مکر دفریب کو خوب سمجھا اور پختہ عزم کا اظہار کیا کہ نام نہاد احمدی جماعت کے لوگوں (قادیانیوں) سے مکمل سماجی، معاشرتی بائیکاٹ رکھیں گے، اور ۱۴ر جون کی کانفرنس میں شریک ہوکر اپنی ایمانی غیرت وحمیت کا بھرپور مظاہرہ کریں گے۔

ان پروگراموں میں تقریر کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور (دار جدید) مدرسہ مظاہر علوم (وقف)، مدرسہ شاہی مراد آباد، مدرسہ امدادیہ مراد آباد، مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ، مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مدرسہ حسینیہ تاؤلی کے اساتذۂ کرام تشریف لاتے رہے، اور دارالعلوم کے آٹھ صاحبان مع راقم الحروف کے جناب مولانا محمد یامین صاحب، جناب مولانا محمد عرفان صاحب، جناب مولانا محمد راشد صاحب (مبلغین) جناب مولانا شاہ عالم صاحب، جناب مولانا ادریس صاحب اور دو زیر تربیت طلبہ مولوی خالد گیاوی اور مولوی ثناء اللہ دربھنگوی تقریباً ایک ماہ مستقل طور پر دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مقیم رہے اور جمعیۃ علماء ہند کے آرگنائزر حضرات کے ساتھ مسلسل پروگراموں میں مشغول رہے۔

دہلی کے مشہور قدیم مدارس عربیہ۔ مدرسہ امینیہ، مدرسہ عبدالرب، مدرسہ حسین بخش، مدرسہ فتحپوری سمیت جمناپار اور مختلف کالونیوں کے مدارس و مکاتب اسلامیہ نیز خطباء ائمہ کرام وذمہ داران مساجد نے پر خلوص تعاون دیا۔ اساتذہ مدارس اور خطیب حضرات نے تقریریں فرمائیں اور ۱۴ر جون کے اجلاس کی کامیابی کے لئے جدوجہد فرمائی۔

اس سلسلہ میں خصوصیت سے جناب مولانا اسجد میاں مدنی صاحب سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کا مخلصانہ تعاون قابل ذکر ہے۔ موصوف نے اپنے دفتر کے تمام عملے کو ہدایات دے رکھی تھیں، اور خود بھی روزانہ اور جمعوں کے پروگراموں کی تشکیل کے لئے شب وروز انتھک محنت فرماتے رہے۔ تقریباً ایک بجے شب میں روزانہ جلسوں میں شرکت کرکے واپس آتے تھے۔

اس موقع پر جناب مولانا قاری شوکت علی صاحب مہتمم مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ کے خصوصی تعاون کا تذکرہ بھی ضروری ہے، موصوف نے تقریباً چار ہفتے دہلی میں قیام فرماکر زبردست جدوجہد فرمائی۔

اس طرح سب حضرات کی مشترکہ محنت اور مخلصانہ تعاون سے کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے دو سو سے زیادہ جلسے منعقد کئے۔ اور لاکھوں مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت سمجھا کر قادیانی مغالطہ انگیزیوں سے بچنے کی تلقین کی ۱۴ر جون کی کانفرنس کیلئے

مجلس استقبالیہ تقریباً ایک سوافراد کی تشکیل دی گئی۔ جس کے صدر جناب الحاج بابو دوست محمد صاحب قریشی اور جنرل سیکریٹری جناب الحاج فیاض الدین (حاجی میاں) حاجی ہوٹل والے بنائے گئے جب کہ جناب الحاج عیسیٰ شفیق صاحب (پتنگ والے) خزانچی مقرر کئے گئے۔

حاجی میاں صاحب نے مینابازار کے تاجران کی یونینوں کے صدر صاحبان اور رفقاء سے رابطہ قائم کرکے اردوپارک میں اجلاس عام کے انتظامات کی تفصیلات طے فرمائیں، مینابازار کے تاجران صاحبان نے جلسہ گاہ کے تمام انتظامات اپنے ذمہ لے لئے۔ اور کانفرنس کے شایان شان تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ کانفرنس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے اہم شخصیات اور امت مسلمہ کے مختلف مکاتب فکر کے حضرات کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ حسب توقع ان حضرات نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لئے کانفرنس کے انعقاد کو بروقت ایک ضروری اقدام قرار دیا۔ اور مکمل تائید فرمائی، اور شرکت کا وعدہ فرمایا، خوش قسمتی سے عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ نے اپنے انتہائی مصروف و قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر رد قادیانیت کی اس تاریخی کانفرنس میں تشریف لانے کا پروگرام بنالیا۔

۱۳ر جون کو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و صدر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند اور حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے رد قادیانیت کے موضوع پر پریس کانفرنس بلائی۔ جس میں تقریباً ۶۲ اخباری رپورٹروں نے شرکت کی۔ ہر دو حضرات نے پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ۱۴ر جون کی کانفرنس قادیانیوں کے خلاف ملک گیر تحریک کا آغاز ہے۔ جس کا مقصد قادیانیوں کی فریب کاریوں کو بے نقاب کرکے امت مسلمہ کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کرنا ہے۔ اردو، ہندی، انگلش تمام اخبارات نے اس پریس کانفرنس کی خبروں کو اہمیت سے نشر کیا۔

کانفرنس میں شرکت کے لئے مسلمانوں کا جوش و خروش

بہرحال مختلف ذرائع سے عموماً اور محلہ محلہ، مسجد مسجد پروگراموں سے خصوصاً ۱۴ر جون کی کانفرنس کی زبردست تشہیر ہوئی اور مسلمانوں میں ذوق و شوق بڑھتا چلا گیا اور نہایت بے تابی کے ساتھ اس مبارک ساعت کا انتظار کرنے لگے جب کہ قصر نبوت کے محافظین

کے قافلے اردو پارک میں جمع ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴ر جون کا مبارک دن آگیا۔ آج جامع مسجد شاہجہانی کا ماحول بدلا ہوا ہے۔ ہر روز کی طرح نہ ہنگامہ ہے نہ شور، مینا بازار کی دوکانوں پر سامان خریدنے والوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہے نماز عصر کے بعد ہی سے ہر طرف سے شمع رسالت کے پروانے اردو پارک کی طرف بڑھنے لگے۔ جامع مسجد کے اونچے اونچے مینار ان کے استقبال کر رہے تھے۔ مغرب کا وقت ہوا اور ہر طرف سے اللہ اکبر کی دلکش صدائیں بلند ہونے لگیں۔ شاہجہانی مسجد اور قرب و جوار کی مساجد اللہ کے نیک بندوں سے بھر گئیں۔ نماز ختم ہوتے ہی عجیب پُر رونق منظر بن گیا۔ جسے دیکھو اردو پارک کا رخ کئے ہوئے تیز چلا جارہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان عاشقان ختم رسالت سے کھچا کھچ بھر گیا اور آزادی کے بعد پہلی مرتبہ اردو پارک کے میدان میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر تقریباً پچاس ہزار شمع رسالت کے پروانوں نے عقیدت و اخلاص کے جذبات سے معمور قلوب کے ساتھ جوق در جوق پہنچ کر سارقان ختم رسالت کے حوصلے پست کر دیئے۔

ادھر کانفرنس کا اسٹیج بھی اپنی رونقوں اور دیدہ زیبیوں میں اضافہ کر رہا تھا اکابر علماء اسلام، بزرگان دین، شیوخ طریقت ایک ایک کر کے اسٹیج پر جلوہ افروز ہونے لگے۔

اجلاس عام کا پروگرام

قاری سید محمد عفان منصور پوری متعلم دارالعلوم دیوبند کی تلاوت کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد تحریک صدارت پیش کرنے کے لئے جناب مولانا قاری شوکت علی صاحب مہتمم مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ مانک پر تشریف لائے اور عظیم الشان کانفرنس کی صدارت کے لئے حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ العالی کا نام نامی پیش کرنے سے پہلے حضرت موصوف کی طویل ملکی و ملی خدمات کا مختصر اور جامع تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ

ہندوستان میں دس بارہ سال قبل جب قادیانی فتنہ نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سعادت حضرت اقدس کے حصہ میں آئی کہ ہندوستان میں قادیانی فتنہ کا منظم تعاقب کرنے کا عملی پروگرام مرتب فرمائیں۔ چنانچہ موصوف کی تحریک

پر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۸۶ء میں سہ روزہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت، دارالعلوم دیوبند میں منعقد کیا جانا طے کیا۔ چنانچہ یہ اجلاس انتہائی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس موقع پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ہوئی۔ جس کے تحت تقریباً ۱۱ سال سے پورے ملک میں قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے کامیاب پروگرام چل رہے ہیں اور یہ شاہجہانی جامع مسجد کی تاریخی تحفظ ختم نبوت کانفرنس بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ جس سے قادیانی فتنہ ارتداد کے خلاف پرزور تحریک کا آغاز بھی ہو رہا ہے۔

اس لئے اس عظیم الشان کانفرنس کی صدارت کے لئے ہمارے درمیان سب سے زیادہ موزوں شخصیت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی ہے۔

قاری صاحب موصوف کی تحریک صدارت کی تائید کرتے ہوئے حضرت مولانا قاری محمد میاں صاحب شاہی امام عیدگاہ دہلی نے فرمایا کہ جس ذات گرامی کا نام نامی صدارت کے لئے پیش کیا گیا ہے اس کی میں پرزور تائید کرتا ہوں۔

اس کے بعد جناب قاری عبدالرؤف صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے تلاوت کلام پاک سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ تلاوت کے بعد بھاگلپور کے مشہور شاعر جناب غلام قاصر صاحب نے نعتیہ کلام اور رد قادیانیت پر نظم پیش فرمائی۔

اس کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی سے کانفرنس کا افتتاح کرنے کی گذارش سے پہلے جناب مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی جنرل سیکریٹری جمعیۃ علماء ہند نے حضرت موصوف کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ موصوف ندوۃ العلماء کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر محترم اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی بیسیوں تنظیموں کے اہم رکن ہیں، خصوصاً رد قادیانیت کے موضوع سے حضرت موصوف کا گہرا ربط ہے، چنانچہ اپنے شیخ و مرشد کے حکم ہی پر موصوف نے لاہور قیام کے زمانہ ۱۹۵۲ء میں "القادیانی والقادیانیه" عربی میں تصنیف فرمائی۔ پھر اس کا اردو ایڈیشن بھی تیار فرمایا اور انگلش میں یہ کتاب آئی اور ہر زبان میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت موصوف نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ تاریخی حوالوں سے یہ بات

ثابت ہو چکی ہے کہ قادیانی نبوت انگریزی سامراج کا خود کاشتہ پودا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ تحریک انگریزوں نے اس لئے شروع کرائی تھی تاکہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایشیا اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جو انتظامی و اخلاقی انحطاط در آیا تھا اس کا فائدہ اٹھا کر اسلامی ملکوں پر قبضہ کرلیا جائے۔ یہ یورپ کا ایک پلان تھا جسے وہ اکثر صلیبی جنگوں کی صورت میں ظاہر کرتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں آپ نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریک کا ذکر فرمایا جو علماء کرام کے ذریعہ اس طرح کے فتنوں کی سرکوبی کے لئے چلائی گئی تھی۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب نے مسلمانوں کے جذبۂ جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ انگریزوں کے نزدیک مسلمانوں کا ذوق شہادت اور جذبۂ جہاد ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لئے انگریزوں نے مسلمانوں کو ملک و قوم سے خطرناک سمجھا اور یہ ہی وہ خوف تھا جس کی وجہ سے انگریزی سامراج نے مسلمانوں کو کمزور اور منتشر کرنے کے لئے یہ فتنہ کھڑا کیا۔ جس کی شہادتیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں۔

اس کے بعد قومی شاعر جناب حافظ اسحاق سہارن پوری نے رد قادیانیت پر اپنا کلام پیش فرمایا۔ حافظ سہارنپوری کی نظم کے بعد دہلی کے مشہور سماجی کارکن جناب بابو دوست محمد قریشی صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا، جس میں آپ نے شرح وبسط کے ساتھ دہلی کی عظمت، اس کی دینی و مذہبی خدمات، اور اہم شخصیات کا تذکرہ فرماتے ہوئے فتنۂ قادیانیت کی دسیسہ کاریوں کا بھرپور تعاقب کرنے کی اپیل کی اور بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ، اپنے احباب، رفقاء و اراکین مجلس استقبالیہ کی طرف سے سبھی مہمانان عظام، اور حاضرین گرامی کا تہہ دل سے استقبال فرمایا، اور معاونین کا شکریہ ادا فرمایا۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد صدر کانفرنس پاسبان ختم نبوت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مد ظلہٗ نے اپنی پر مغز طویل تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا۔ آپ نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

آج ہم اسلام کے جس بنیادی عقیدہ کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنی ایمانی غیرت و حمیت کے اظہار کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ ہر مسلمان کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ شریعت اسلامیہ اور اس کی بنیادوں سے ادنی واقفیت رکھنے والا انسان بھی بخوبی جانتا ہے کہ

عقیدہ ختم نبوت ایمان کا جزو، دین اسلام کی اساس اور تا قیامت امت کی شیرازہ بندی اور اتحاد کی اصل بنیاد ہے۔

قادیانیت انگریزی سامراج کا بویا بیج ہے جس کا مقصد ملت کی شیرازہ بندی کو ختم کر کے انتشار پیدا کرنا اور اپنی حکومت کے دن بڑھانا تھا۔ موصوف نے تاریخی حوالوں سے واضح کیا کہ نبوت کے دعویٰ کے لئے چند افراد کا انٹرویو انگریزوں نے لیا اور مرزا قادیانی کو اس ملعونیت کے لئے منتخب کیا۔

حضرت امیر الہند نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اخیر میں انتہائی دل سوزی کے ساتھ مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ اگر پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ اس فتنہ پر بندنہ لگایا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملک کے ہزاروں مسلمان لالچ اور جہالت کی بنا پر ارتداد کے قعر ضلالت میں گر پڑیں گے۔

خطبہ صدارت کے بعد اجمیر سے آئے ہوئے مشہور صاحب طرز شاعر جناب راہی شہابی نے رد قادیانیت پر ایک منظوم کلام پیش فرمایا، اس کے بعد ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند محمد عثمان منصور پوری نے تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں جانفشانی کرنے والوں کے حق میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی منامی بشارتوں کے دو ایک واقعہ بسلسلہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سنا کر توجہ دلائی کہ ہم سب کا مقصد اصلی یہی ہونا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہات حاصل کریں۔

جلسہ کے اناؤنسر جناب مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب نے عالمی شہرت یافتہ اسلامی یونیورسٹی ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے مہتمم گرامی قدر اور صدر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند سے گذارش کی کہ کانفرنس کی تاریخی قرار داد جو چار اہم تجاویز پر مشتمل ہے۔ پیش فرمائیں۔

حضرت موصوف نے یہ تجاویز خود پڑھ کر سنائیں۔ جن میں قادیانیوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کلمۂ طیبہ اور اسلامی اصطلاحات کا استعمال فوراً بند کریں۔ کیوں کہ وہ مرتد و زندیق ہیں اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ قادیانی زندیقوں سے سماجی و معاشرتی بائیکاٹ رکھیں، اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ قادیانی لوگوں کو غیر مسلم قرار دے۔

تجاویز کی تائید کے سلسلہ میں پہلی تقریر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

استاذ حدیث و ناظم اعلیٰ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے فرمائی۔ موصوف نے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے، حدیث شریف کی روشنی میں واضح فرمایا کہ جھوٹی نبوت کی دوکان مال وزر کے بل بوتے پر چلتی ہے۔ خدائی تائید سے خالی ہوتی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت رحمت ہے اس کی بغاوت زحمت و آزمائش ہے اس لئے قادیانی فتنہ کا جم کر مقابلہ کرنا ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب مولانا طلحہ صاحب مد ظلہ نے مائک پر تشریف لاکر تجاویز کی تائید فرمائی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین۔

تجاویز کی تائید کے سلسلہ میں جناب مولانا عبدالوہاب خلجی جنرل سیکریٹری جمعیۃ اہل حدیث نے حضرات علماء دیوبند و علماء اہل حدیث کی رد قادیانیت کے بارے میں زریں خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا اور فرمایا کہ میں مرزا طاہر کو (جو قادیانیوں کا آجکل سربراہ ہے) مباہلہ کی دعوت دیتا ہوں۔

اخیر میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مد ظلہ نے تمام سامعین سے سوال کیا کہ آپ کو یہ تجاویز منظور ہیں؟ سب نے بالاتفاق ہاتھ اٹھاکر تائید کی۔

تجاویز کی تائید کے لئے مختلف مکاتب فکر کے اہم حضرات کے نام طے تھے مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا، کیونکہ سوا گیارہ بجے کے بعد جلسے کی اجازت نہیں تھی۔

تائیدی سلسلہ کے بعد جناب حاجی میاں فیاض الدین صاحب مالک حاجی ہوٹل نے بحیثیت جنرل سیکریٹری مجلس استقبالیہ تمام مہمانوں اور معاونوں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ یہ پہلا اجلاس ہے۔ آخری نہیں ہے۔ ہم آئندہ بھی ایسے پروگرام کرتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اخیر میں ناظم اجلاس جناب مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب نے اراکین مجلس استقبالیہ، شہر دہلی کے ہمدردان، دور دراز سے تشریف لانے والے علماء کرام اور سامعین کا شکریہ ادا فرمایا اور ٹھیک سوا گیارہ بجے یہ تاریخی کانفرنس حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم کی پرتاثیر دعا پر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

کانفرنس میں ملک کے تقریباً تمام صوبوں کے علماء کرام نے شرکت فرمائی۔

☆ ☆ ☆

قطب الدین ملا ایم،اے،بی-ایڈ
مسجد کریم داد خان باغبان گلی،بیلگام

معجزات

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام، انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں لیکن بعض منکرین یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ یہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت انہیں معجزات عطا فرماتا ہے کہ ان کی بشریت کی وجہ سے کوئی دھوکہ نہ کھائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بشر اور انسان ہونے کے باوجود اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے معجزہ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے۔ ہر نبی کے چھوٹے بڑے بہت سارے معجزات ہیں علمائے نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ستائیس۲۷ معجزات گنائے ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار تک ہیں۔امام نوویؒ فرماتے ہیں ایک ہزار دو سو تک ہیں۔ اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتائی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب وغریب حکمتوں سے پُر ہونے کی وجہ سے معجزہ ہی ہے۔ بہر حال ہمارے نبیؐ کے معجزات تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کل معجزات سے زیادہ ہیں۔(۱)

معجزات دو طرح کے ہوتے ہیں۔(۱) عقلی (۲) حسی

۱۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے سیرت مصطفیٰ ص: ۸۸-۵۸۶ جلد دوم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عقلی معجزات میں

۱- آپؐ کی صورت، آپؐ کی سیرت، آپؐ کے اخلاق حمیدہ، آپؐ کے اعمال حسنہ اور آپ کے کمالات علمیہ وعملیہ ہیں۔

۲- قرآن کریم آپ کا سب سے بڑا علمی معجزہ ہے۔

۳- خود آپؐ کے حالاتِ زندگی بھی ایک عقلی معجزہ ہیں۔

۴- کتب سابقہ میں آپ کا ذکر۔

۵- اس وقت کے موجود مذاہب کا دلیل وبرہان کے ساتھ رد کرنا۔

۶- آپؐ کی پیشین گوئیاں اور۔

۷- آپ کا مستجاب الدعوات ہونا۔ یہ سب معجزات عقلیہ ہیں۔

معجزات حسیہ میں

۱- انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کرنا۔

۲- آپؐ کی انگلیوں سے پانی کے چشمہ کا اُبل پڑنا۔

۳- تھوڑے سے طعام میں پورے لشکر کی سیری ہو جانا۔

۴- آپؐ کے بلانے سے درختوں کا حاضر ہونا۔

۵- شجر وحجر کا آپ کو سلام کرنا۔

۶- آپؐ کے دست مبارک میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ ہیں۔(۱)

پس منظر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے دین کے سلسلہ میں ابتلاء وآزمائش کی سب منزلیں طے کیں شعب ابی طالب کی محصوری میں اور سفر طائف میں مصائب وشدائد کا برداشت کرنا انتہا کو پہنچ گیا۔ راہ خدا میں ذلت اور رسوائیوں کو برداشت کرنے کا صلہ عزت ورفعت اور معراج وترقی ہی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالی نے آپ کو اسراء ومعراج کی عزت سے سرفراز فرمایا۔ اور آپ کو اس قدر بلند کیا کہ افضل الملائکہ جبرئیلؑ امین بھی پیچھے اور نیچے رہ گئے۔ یعنی عرش عظیم تک یہ رفعت وبلندی یہ شرف وکرامت کسی بھی نبی کے حصہ میں نہیں آئی

۱- تلخیص از سیرۃ المصطفی جلد دوم ص: ۹۹-۵۸۸

اور حق کی آواز دبانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ آواز لگانے والوں کا مقام کیا ہوتا ہے۔

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

آپ کو معراج کس سال ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے اس بارے میں دس قول ہیں (۱)
تمام اقوال کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر طائف کی واپسی کے چند مہینے بعد سن ۱۱ر نبوی میں معراج ہوئی۔

معراج کے مہینے کے بارے میں بھی اختلاف ہے اس سلسلہ میں بھی پانچ قول ہیں۔ "ربیع الاول میں" ربیع الآخر میں، رجب میں، رمضان میں، شوال میں مشہور یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب میں معراج ہوئی (۲)

واقعہ کی تفصیلات

قرآن مجید میں اس واقعہ کا بہت ہی مختصر ذکر ہے پندرہویں پارہ کی اور سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلیَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصاَ الَّذِی بٰرَکْناَ حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِناَ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

ترجمہ:۔ وہ پاک (ذات) ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصی (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد (یعنی ملک شام میں) ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات (قدرت) کو دکھلادیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں (بیان القرآن)

احادیث میں البتہ اس واقعہ کی تفصیل آئی ہے اس مبارک اور عظیم سفر کے دو حصے ہیں ایک مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا جسے "اسراء" کہتے ہیں۔ دوسرا مسجد اقصیٰ سے عرش عظیم تک کا اسے "معراج" کہتے ہیں۔ اس پورے سفر کو اسراء و معراج کہتے ہیں۔ احادیث میں جو کچھ آیا ہے ان کا خلاصہ صاحب سیرۃ المصطفیٰ نے لکھا ہے اسی کو اختصار کے ساتھ یہاں

۱۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ المصطفیٰ جلد اول ص: ۲۸۷

۲۔ ایضاً ص: ۲۸۸

پیش کیا جارہا ہے۔

مسجد حرام سے روانگی

ایک رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانیؓ کے مکان میں آرام فرمارہے تھے۔ نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکایک چھت پھٹی اور حضرت جبرئیلؑ امینؑ فرشتوں کے ساتھ اترے اور آپ کو جگا کر مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جاکر آپ حطیم میں لیٹ گئے اور سوگئے۔ (۱) پھر جبرئیلؑ اور میکائیلؑ فرشتوں نے آکر آپ کو جگایا۔ بیر زمزم پر آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کرکے قلب اطہر کو زمزم سے دھویا اور اس میں ایمان وحکمت کو بھر کر سینۂ مبارک کو ٹھیک کیا۔ اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی اس کے بعد براق لایا گیا۔ براق ایک بہشتی جانور کا نام ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور حمار سے کچھ بڑا، سفید رنگ اور برق رفتار تھا۔ جس کا ایک قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ حضرت جبرئیلؑ اور میکائیلؑ آپؐ کے ہمرکاب تھے (۲) اس شان کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔

دوران سفر کے واقعات

(۱) سفر (۳) کے دوران جبرئیل امینؑ کے کہنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جگہوں پر اتر کر نماز پڑھی۔ مدینہ میں، وادیٔ سینا میں، شجرۂ موسیٰ کے قریب، مدین (حضرت شعیب کا مسکن) میں اور مقام بیت اللحم (جائے ولادت حضرت عیسیٰؑ میں (۴)

(۲) سفر کے دوران آپؐ کا گذر ایک بڑھیا پر (جو دنیا تھی) ایک بوڑھے پر جو (شیطان تھا) ہوا۔ حضرت جبرئیلؑ کے کہنے پر آپؐ نے ان کی طرف توجہ نہیں کی اور آگے

۱۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ حضرت ام ہانیؓ کے مکان پر آرام کررہے تھے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے کہ جبرئیلؑ آئے اور آپ کو جگایا صاحب سیرت مصطفیٰ نے دونوں کی تطبیق اس طرح کی ہے جس طرح کہ مضمون میں تحریر کیا گیا ہے۔

۲۔ سیرت مصطفیٰ ص: ۲۹۰

۳۔ واقعات نمبر ۱ تا ۱۱ سیرۃ المصطفیٰ (۲۹۳-۲۹۱) سے ماخوذ ہیں بحوالہ الخصائص الکبریٰ فتح الباری تفسیر ابن کثیر اور زرقانی وغیرہ

۴۔ دوران سفر کے تمام واقعات کے بارے میں یہ ملحوظ رہے کہ ان کو ہم نے مختصراً تحریر کیا ہے۔

بڑھے۔

(۳) تو آپ کا گزر ایک جماعت پر ہوا جس نے ان الفاظ میں آپ کو سلام کیا السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر۔ یہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی جماعت تھی۔ آپؐ نے ان کا جواب دیا۔

(۴) سفر میں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(۵) سفر کے دوران آپؐ نے غیبت کرنے والوں اور لوگوں کی آبرو پر حرف گیری کرنے والوں کو تانبے کے ناخن سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیلتے دیکھا۔

(۶) سود خواروں کو نہر میں تیرتے ہوئے اور پتھروں کو لقمہ بنا بنا کر کھاتے دیکھا۔

(۷) آپؐ نے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کرتی تھی اور فصل بھی کاٹ لیتی تھی کاٹنے کے بعد وہ کھیتی پھر پہلے جیسی ہو جاتی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر جبرئیل امینؑ نے بتایا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، ان کی ایک نیکی سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

(۸) آپؐ نے دیکھا کہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والوں کے سر پتھروں سے کچلے جارہے ہیں۔ سر پھر پہلے جیسے ہو جاتے ہیں اور پھر کچلے جاتے ہیں۔

(۹) مالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی شرم گاہوں پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ اونٹ و بیل کی طرح چر رہے تھے اور ضریع وز قوم (یعنی کانٹے اور جہنم کے پتھر) کھا رہے تھے۔

(۱۰) آپؐ نے زانی مردوں و عورتوں کو دیکھا کہ وہ پکا ہوا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔

(۱۱) آپؐ نے دیکھا کہ حقوق اور امانت ادا نہ کرنے والوں نے لکڑیوں کا گٹھا جمع کر رکھا ہے جس کو اٹھانے کی طاقت ان میں نہیں ہے اس کے باوجود اس میں اور لکڑیاں لا کر جمع کر رہے ہیں۔

(۱۲) آپؐ نے دیکھا کہ ایسے واعظوں کی زبانوں اور لبوں کو لوہے کی قینچیوں سے کاٹا

جارہا تھا جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے تھے۔

یہ سارے واقعات ہماری عبرت کے لئے دکھائے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان رذائل سے ہماری حفاظت فرمائے اور مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

نشر الطیب میں حضرت تھانویؒ نے عالم برزخ کے چند مزید واقعات تحریر فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔(۱)

(۱۳) آپؐ نے دیکھا کہ ایک چھوٹے پتھر سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے۔ وہ بیل اس پتھر میں دوبارہ جانا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا۔ یہ اس شخص کی مثال تھی جو ایک ایسی بات منہ سے نکالتا ہے جس کو واپس لینے پر وہ قادر نہیں ہے اور اسے نادم ہونا پڑتا ہے۔

(۱۴) پھر آپ کا گذر ایک وادی پر ہوا جہاں پاکیزہ ٹھنڈی ہوا اور مشک کی خوشبو تھی اور ایک آواز سنی۔ یہ آواز جنت کی آواز تھی کہتی ہے کہ اے رب جو مجھ سے وعدہ کیا ہے مجھ کو دیجئے یعنی جنتیوں کو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ہر مسلم و مسلمہ اور ہر مومن و مومنہ اور جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنت نے کہا کہ میں راضی ہو گئی۔

(۱۵) پھر آپ کا گذر ایک ایسی وادی پر ہوا جہاں آپ نے بدبو، محسوس کی اور ایک وحشت ناک آواز سنی یہ جہنم تھی جو کہہ رہی تھی کہ اے رب مجھ سے جو وعدہ کیا ہے (یعنی دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ کو عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مشرک و مشرکہ اور ہر کافر و کافرہ اور ہر متکبر معاند جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا اس کو جہنم میں داخل کیا جائے گا، دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہو گئی۔

(۱۶) آپ کے سفر کے دوران ایک نے دائیں طرف سے اور ایک نے بائیں طرف سے پکارا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک عورت پر نظر پڑی جس پر ہر قسم کی آرائش ہے اس نے بھی آواز دی۔ آپؐ نے ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ جبرئیلؑ نے فرمایا کہ پہلا، یہود کا داعی تھا۔ دوسرا نصاریٰ کا داعی تھا اور وہ عورت دنیا تھی اگر آپ ان کا جواب دیتے تو آپ کی

۱۔ واقعات نمبر ۱۳ تا ۲۲ کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ہم نے کہیں نشر الطیب کی عبارت ہی کو نقل کر دیا ہے اور کہیں تلخیص [illegible] کر دی ہے (نشر الطیب [illegible] فصل [illegible] ملخصاً)

امت یہودیت، نصرانیت اور دنیا کو ترجیح دینے والی ہوتی۔

بعض واقعات کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعات بعد عروج پیش آئے اور بعض کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان واقعات کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کہ عروج کے پہلے پیش آئے یا عروج کے بعد بہر حال چونکہ یہ تمام واقعات عالم مثال کی تمثیل سے تعلق رکھتے ہیں ان تمام واقعات کو اس جگہ تحریر کیا جارہا ہے جن واقعات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ بعد عروج پیش آئے ان کا خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے۔

(۱۷) پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں بہت سے خوان لگے ہوئے تھے جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے مگر اس خوان پر کوئی نہیں اور دوسرے خوانوں پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہے جس پر بہت سے آدمی بیٹھے کھارہے ہیں یہ وہ لوگ تھے جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

(۱۸) آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ کو ٹھڑیوں جیسے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے یہ سود خوار لوگ تھے۔

(۱۹) آپؐ نے یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ لونٹ کے سے تھے اور جن کے اسفل سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

(۲۰) آپ نے زنا کرنے والیوں کو دیکھا کہ وہ پستانوں سے (بندھی ہوئی) لٹک رہی تھیں

(۲۱) آپ نے چغل خور اور عیب چینی کرنے والوں کو دیکھا کہ ان کے پہلو کا گوشت کاٹ کر انہیں کو کھلایا جارہا تھا۔

وہ واقعات جن کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کہ قبل عروج پیش آئے یا بعد عروج، ان کو یہاں درج کیا جارہا ہے۔

(۲۲) معراج کے موقع پر آپ کا گذر بعض ایسے نبیوں پر ہوا جن کے ساتھ بڑا مجمع تھا۔ اور بعض ایسے نبیوں پر ہوا جن کے ساتھ چھوٹا مجمع تھا اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ آپ کا گذر ایک بڑے مجمع پر ہوا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تھی جبرئیل امینؑ کے کہنے پر آپ نے اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھا کہ اتنا عظیم الشان مجمع تھا کہ سب آفاق کو گھیر رکھا تھا یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تھی اور حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ کی امت میں ان کے علاوہ ستر ہزار اور ہیں جو جنت میں بے حساب داخل ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو داغ نہیں

لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہمیں ایمان کی حقیقی دولت عطا فرما کر اپنے رضا والے اعمال میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے اسی لیے اس موقع پر ان واقعات کو عالم مثال میں دکھلایا گیا ہے۔

بیت المقدس میں

الغرض (۱) ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہوئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے اور براق سے اتر کر براق کو باندھا بعد ازاں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پہلے سے انتظار میں تھے۔ کچھ دیر نہ گذری کہ ایک موذن نے اذان دی اور پھر اقامت کہی حضرت جبرئیل امینؑ علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ اور آپؐ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ نماز سے فارغ ہونے پر جبرئیلؑ نے فرمایا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں ان سب نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ نے ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی۔ سب نے اللہ کی حمد و ثنا کی۔

آپؐ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے (۲) پانی کا، دودھ کا اور شراب کا، آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار فرمایا۔ جبرئیلؑ نے فرمایا کہ آپؐ نے دین فطرت کو اختیار کیا شراب کو لیتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی اور پانی کو اختیار فرماتے تو غرق ہو جاتی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کے سامنے شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے بھی کچھ نوش فرمایا۔ (۳)

۱- واقعۂ معراج کے تمام ہی مراحل میں ترتیب واقعات کے لئے سیرت مصطفیٰ کے مباحث پر اعتماد کیا گیا ہے سیرت مصطفیٰ ص: ۹۹-۲۹۵

۲- صاحب سیرت مصطفیٰ نے حاشیہ (ص: ۲۹۹) میں تحریر فرمایا کہ "بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کئے گئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کئے گئے ہوں ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر اور اختیار لبن کی تصویب کی تاکید مزید مقصود ہو واللہ اعلم زرقانی ص: ۴۸، ج: ۶

۳- صاحب سیرت مصطفیٰ نے تحریر (۲۹۹) فرمایا کہ "تمام روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار پیالے پیش کئے گئے تفصیل کے لئے زرقانی کی مراجعت کی جائے" (زرقانی ج: ۶، ص: ۴۷)

آسمانوں کی طرف عروج

اس کے بعد زمرد اور زبرجد کی جنتی سیڑھی لائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر میں نے کوئی سیڑھی نہیں دیکھی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر اسی سیڑھی سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ (۱)

پہلے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی دیکھا کہ حضرت آدمؑ دائیں جانب کی صورتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اور ہنستے ہیں۔ اور بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں جو اصحاب یمین اور اہل جنت ہیں ۔ بائیں جانب اولاد بد کی صورتیں ہیں یہ اصحاب شمال اور اہل نار ہیں۔

دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے۔

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے۔

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ بیت معمور فرشتوں کا قبلہ ہے۔ اگر یہاں سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے تو ٹھیک خانہ کعبہ پر آجائے گی روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ پھر ان کی دوبارہ نوبت نہیں آتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی کو سلام کرتے اور جواب لیتے آگے بڑھتے گئے۔

آسمانوں میں مخصوص انبیاء سے ملاقات کی حکمت

حضورؐ کی انھیں چند حضرات انبیاء سے ملاقات کیوں ہوئی علماء فرماتے کہ انھیں چند

۱۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے براق پر سوار ہو کر عروج فرمایا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیڑھی کے ذریعہ عروج فرمایا براق پر سوار ہو کر سیڑھی سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کے قول سے دونوں قولوں میں تطبیق ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں ان خاص حالات کی طرف اشارہ تھا جو بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے۔ علماء تعبیر کا قول ہے کہ جس نبی کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ ان جیسے حالات اس کو پیش آئیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اسی طرح حضور مکہ المکرمہ سے مدینۃ المنورہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ اور حضور کو حضرت آدمؑ کی طرح وطن مالوف کی جدائی شاق گذرے گی۔

حضرت عیسیٰ، حضورؐ سے زیادہ قریب ہیں ان کے اور نبی پاکؐ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ حضرت عیسیٰ اخیر زمانہ میں دجال سے مقابلہ کریں گے اور امت محمدیہ میں ایک مجدد کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کو جاری فرمائیں گے اور قیامت کے دن تمام اولین و آخرین کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کبریٰ کی درخواست کریں گے۔ حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ کے خلیرے بھائی ہیں اس ملاقات میں یہود کی تکالیف کی طرف اشارہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کی طرح حضور کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو یہود بے بہبود کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ حضور کی بھی حفاظت فرمائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جس طرح اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھائی مگر ان سے درگذر کا معاملہ فرمایا اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے تکلیفیں اٹھائیں گے لیکن ان کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ نے فتح مکہ کے دن سب کو معاف فرمادیا نیز امت محمدیہ، حضرت یوسف کی صورت پر جنت میں داخل ہوگی۔

آپؐ، حضرت ادریس علیہ السلام کی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائیں گے۔ حضرت ادریسؑ سے ملاقات میں اسی کا اشارہ تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے ارشاد پر سامری اور گوسالہ پرستوں نے عمل نہ کیا جس کی سزا میں وہ قتل کردیئے گئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ستر سردار مارے گئے اور ستر قید کیے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے ملک شام میں جہاد و قتال کیا تھا اور اللہ نے آپ کو کامرانی عطا کی تھی پھر یہ

ملک حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شام میں غزوۂ تبوک میں تشریف لے جائیں گے۔ حضورؐ جب شام چلے گئے تو دومۃ الجندل نے جزیہ دے کر حضورؐ سے صلح کرلی اور یہ ملک حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ ہیں اس لئے اس ملاقات میں حجۃ الوداع کی طرف اشارہ تھا۔ علماء تعبیر کے نزدیک کوئی خواب میں حضرت ابراہیمؑ کی زیارت کرے تو یہ حج کی بشارت ہے۔

سدرۃ المنتہی

بیت معمور میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہی کی طرف بلند کیا گیا۔ یہ ایک بیری کا درخت ہے زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ یہاں آکر منتہی ہوتی ہے پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملاء اعلی سے جو چیز نیچے اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہی پر آکر ٹھہرتی ہے پھر نیچے اترتی ہے اس لئے اس کا نام سدرۃ المنتہی ہے۔ یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب وغریب انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے، سونے کے پتنگے اور پروانے دیکھے جو سدرۃ المنتہی کو گھیرے ہوئے تھے اسی مقام پر حضورؐ نے جبرئیل امین علیہ السلام کو بھی ان کی اصل صورت میں دیکھا۔

جنت و جہنم کا مشاہدہ

جنت سدرۃ المنتہی کے قریب ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں نے سدرۃ المنتہی پر عجیب وغریب الوان اور رنگتیں دیکھیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا تھی پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو دیکھا کہ اس کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی مشک کی تھی آپؐ نے جہنم کو بھی دیکھا۔

مقام حریف الاقلام

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حریف الاقلام تک پہنچے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے حریف الاقلام کہتے ہیں۔ قضاء وقدر کے قلم مشغول کتابت تھے یہ مقام گویا تدابیر الٰہی اور تقادیر خداوندی کا مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے۔

بارگاہ قدس میں

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی۔ آپؐ اس پر سوار ہوئے اور مقام حریف الاقلام سے چل کر اور سارے حجابات کو طے کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں پہنچے حضرت انس بن مالکؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا......

"میرے لئے آسمانوں کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور عظیم (یعنی نور الٰہی) کو دیکھا اور پردہ میں سے موتیوں کی ایک رفرف کو دیکھا اور پھر اللہ تعالی نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھ سے کلام فرمایا" (۱)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو رویت قلبی (۲) اور رویت بصری دونوں حاصل ہوئیں یہ وہ مقام بلند تھا کہ اس تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام دنو و تدلی اور حریم قرب میں پہنچے تو بارگاہ بے نیاز میں سجدۂ نیاز ادا کیا (۳) صلی اللہ علیہ وسلم

مدارج معراج

"ابن منیر فرماتے ہیں کہ (سات آسمانوں تک) سات معراجیں ہوئیں آٹھویں معراج سدرۃ المنتہی تک ہوئی اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا جو ۸ھ میں ہوا۔ نویں معراج سدرۃ المنتہی سے مقام حریف الاقلام تک ہوئی۔ اس معراج میں غزوۂ تبوک کی طرف اشارہ تھا جو ۹ ہجری میں پیش آیا اور دسویں معراج رفرف اور مقام قرب اور دنو تک ہوئی جہاں دیدار خداوندی ہوا اور کلام ربانی سنا۔ اس دسویں معراج میں چونکہ لقاء خداوندی حاصل ہوا اس لئے اس میں اشارہ تھا کہ ہجرت کے دسویں سال حضورؐ کا وصال ہوگا اور خداوند ذوالجلال کا لقاء ہوگا

۱۔ سیرۃ المصطفی (ص: ۳۰۶) بحوالہ الخصائص الکبری ج: ۱، ص: ۱۸۷

۲۔ بعض امور میں اختلاف ہے جیسے رویت قلبی و بصری رفرف، سدرۃ المنتہی، حریف الاقلام جنت و جہنم کے مقام تقدیم و تاخیر وغیرہ یہ مباحث عوام کے کام کے نہیں ہیں اس لئے پیش نظر مضمون میں ان امور کو تحریر کیا گیا ہے جس پر جمہور کا اتفاق ہے اختلافی مباحث کی تفہیم کے لئے سیرۃ المصطفی الخصائص الکبری فتح الباری، زرقانی اور دیگر کتب سیرت کی طرف مراجعت کی جائے۔ ق،م،

۳۔ سیرۃ المصطفی ص: ۳۰۶ ج: ۱

۔اور آپؐ دنیا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جاکر ملیں گے" (صلی اللہ علیہ وسلم)(۱)

امورِ راز و نیاز

یہاں تک تو واقعہ کی مختصر روداد ہوئی۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ خداوند ذوالجلال نے اتنے مقامِ قرب تک کیوں بلایا؟ کیا کہنا تھا؟ کیا دیا تھا؟ راز و نیاز میں کیا باتیں ہوئیں؟ یہ خدا جانے یا احمدؐ جانے ہمیں تو بس اتنی بات معلوم ہے کہ اللہ نے کلام کیا جو کرنا چاہا تھا۔ حضورؐ نے وہ سنا جسے سنانے کے لئے بلایا گیا تھا۔ جو کہنا تھا کہا گیا۔ جو سننا تھا وہ سنا گیا جسے نہ ہم جانیں نہ جبرئیل نہ کوئی اور، بلا کر کیا دیا گیا؟ کیا عنایات ہوئیں؟ کیا الطاف تھے اور کیا عطایا تھے اس کو بھی کوئی اور بتا نہ سکے معاملہ راز و نیاز کا تھا اس لئے کوئی اور جاننا بھی چاہے تو کیا جان سکے۔ سب کو بتانا ہی مقصود ہوتا تو پھر پردۂ راز میں کیوں رکھا جاتا اور پھر تخلیۂ خاص میں بلانے کی ضرورت بھی کیا تھی وحی کے ذریعہ بتایا جاتا اس لئے کسی نے جانا بھی تو اتنا ہی جانا کہ اس نے کچھ نہیں جانا۔

اس حریم قدس میں سب کچھ بھلایا جاسکتا ہے اور امکان بھی بھلائے جانے کا تھا۔ لیکن اس بھلائے جانے کے موقع پر بھی جو چیز بھلائی نہ جاسکی وہ یہ تھی کہ ....

"مخلوق پر کمال شفقت تھی" جو خدا کی طرف سے بندوں کی طرف متوجہ ہوئی اور "نجات امت" کی بات تھی جو رسول خدا کی طرف سے یاد رکھی گئی۔ عرش پر خدا اپنے بندوں کو اور نبی اپنی امت کو یاد رکھیں اور فرش پر بندے اپنے خدا کو۔ اور امتی اپنے نبی کو یاد نہ رکھیں یہ کتنی حرماں نصیبی کی بات ہے۔

ہاں! جو بات بندوں اور امتیوں سے متعلق تھی اسے پردۂ راز سے باہر نکالا گیا اور امت تک پہنچایا گیا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ عرشِ خداوندی پر طے شدہ امور کو بندے اپنے لئے سرمۂ چشم بنالیں اسے دل سے لگالیں اور اس کی ایسی قدر کرلیں جیسا کہ اس کا حق ہے اور خدانہ کرے کہیں ناقدری ہوئی تو یہ مجرمانہ ناقدری ہوگی جو بڑی سے بڑی سزا کا مستحق بنا سکتی ہے۔

عطیات معراج

جو چیزیں اس اہم تقریب کے موقع پر عطا کی گئیں ان میں سے چند ایمان و بشارت سے

۱۔ سیرۃ المصطفیٰ ص: ۲۰-۳۱۹ ج: ۱ بحوالہ رسالۃ الحافظ السیوطی فی قصۃ الاسراء ص: ۴۵

تعلق رکھتی ہیں۔ چند اعمال سے تعلق رکھتی ہیں۔ چند چیزیں دعاء سے اور چند چیزیں دعوت دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حق جل شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تین عطیے مرحمت فرمائے۔

(۱) پانچ نمازیں

(۲) خواتیم سورۂ بقرہ (یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں)

(۳) شرک سے اجتناب پر کبائر سے درگذر۔ یعنی حضور کی امت میں جو شخص بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگذر فرمائے گا۔ یعنی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کو کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا ان میں سے کسی کی معافی انبیاء کی شفاعت سے ہوگی کسی کی معافی فرشتوں کی شفاعت سے اور کسی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ سے معاف کریگا بہر حال جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ بالآخر جہنم سے نکالا جائے گا

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے خاص کر سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آتیں عنایت فرمائیں جو آپؐ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہیں دی گئیں سورۂ فاتحہ میں ہدایت کی طلب ہے تو سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں میں اللہ کی کمال رحمت ولطف وعنایات کا اور امت کے لئے تخفیف وسہولت کا اور عفوو مغفرت کا اور کافروں کے مقابلہ میں فتح ونصرت کا مضمون آگیا ہے جو دعاء کے رنگ میں امت کو اس کی تعلیم دی گئی ہے کہ اس کو مانگا جائے۔

سب سے اہم عطیہ نماز

معراج کا خاص تحفہ امت کے لئے نماز ہی ہے بلکہ اللہ کے نبیؐ نے نماز کو مومنین کی معراج فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے پچاس وقت کی نمازوں کا حکم دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان عطایا کو لے کر واپس ہوئے واپسی میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اوقات میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ خاموش رہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ

پچاس نمازوں کا حکم ہوا ہے تو انہوں نے فرمایا میں بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کر چکا ہوں (دو وقت کی نماز پڑھنا مشکل تھا) آپؐ کی امت ضعیف اور کمزور ہے آپ واپس جا کر اللہ سے تخفیف کی درخواست فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر حضورؐ نے اللہ سے درخواست کی اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ حضرت موسیٰؑ نے حضور کو دوبارہ واپس کیا۔ پھر پانچ کم ہوگئیں کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اور کم کرانے کے لئے فرمایا تو حضورؐ کم کرانے کی بار بار درخواست کی وجہ سے شرما گئے۔ دوسری طرف یہ بات بھی تھی کہ ہر بار پانچ نمازیں کم ہو رہی تھیں اب کی بار یہ پانچ بھی کم ہوگئیں تو امت کے لئے کیا لے جاؤں گا بہر حال حضور پانچ نمازیں لے کر واپس ہوئے تو غیب سے آواز آئی۔

یہ پانچ ہیں مگر پچاس کے برابر ہیں (یعنی ثواب پچاس نمازوں کا دیا جائے گا (اور میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں۔

نمازوں کو کم کرانے کے سلسلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس بار خدا کی بارگاہ میں پہنچے ظاہر میں یہ نظر آرہا ہے کہ حضرت موسیٰ حضورؐ کو بار بار بھیج رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس بہانے خود خدا ہی اپنے محبوب کو بار بار اپنے پاس بلا رہا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جو نماز حضور کو عرش پر بلا کر اور بار بار بلا کر دی گئی وہ کتنی بڑی چیز ہوگی یہ کتنا عظیم الشان تحفہ ہے یہ ملائکہ کی عبادتوں کا خلاصہ ہے معراج کے خاص خاص احکامات میں سب سے اہم حکم نماز ہی کا ہے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جائے گی اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا۔

نماز کے بڑے فائدے ہیں اس میں بڑی حکمتیں ہیں یہ خدا کے قرب کا بہترین وسیلہ ہے اللہ تعالیٰ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر دانی کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے آمین واقعتاً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی بالغ ہونے کے بعد ایک بھی وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی اور وہ لوگ بھی خوش نصیب ہیں جن کی نمازیں کسی وجہ سے فوت ہوگئی تھیں لیکن انھوں نے ان کی قضاء پڑھ لی اور وہ صاحب ترتیب بن گئے ایک وقت کی نماز میں سستی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جہنم کی آگ میں جلنے کا سبب بنتی ہے تو پھر ان کا کیا ہوگا جنہوں نے بے شمار نمازیں چھوڑ رکھی ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے آج ارادہ کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد ایک

وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑیں گے اور چھوٹی ہوئی نمازوں کو فوراً ادا کریں گے ذہن میں رہے نماز کا چھوڑنا ایک گناہ ہے اور چھوٹی ہوئی نمازوں کی فوراً قضا پڑھ نہ لینا دوہرا گناہ ہے اس لئے قضائے عمری کی نمازوں کے مسائل علماء (حضرات سے معلوم کر کے پڑھنا شروع کر دیں اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور ان کی قضاء پڑھنے کی ابھی نوبت نہیں آئی تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے نہیں تو گناہ ہوگا۔ (۱)

جس کی زندگی میں نماز صحیح نہ نکلی اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور جس کی نمازیں صحیح نکلیں اس کو حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کر دیا جائے گا معراج کی اصل قدر دانی یہی ہے۔ کہ ہم پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کیساتھ ادا کرنے کا ارادہ کرلیں اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

دیگر عطیاجات

حضرت ابو ھریرۃؓ سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ شب معراج حق جل شانہ نے اثنائے کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا......

"آپ سے آپ کے پروردگار نے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا خلیل اور حبیب بنایا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور تیرا سینہ کھولا اور تیرا بوجھ اتار اور تیری آواز کو بلند کیا میری توحید کے ساتھ تیری رسالت اور عبدیت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اور تیری امت کو خیر الامم اور امت متوسطہ اور عادلہ اور معتدلہ بنایا شرف و فضیلت کے لحاظ سے اولین اور ظہور اور وجود کے اعتبار سے آخرین بنایا اور آپ کی امت میں سے کچھ لوگ ایسے بنائے کہ جن کے دل اور سینہ ہی انجیل ہونگے یعنی اللہ کا کلام ان کے سینوں میں اور دلوں پر لکھا ہوگا اور آپ کو وجود نورانی و روحانی کے اعتبار سے اول النبیین اور بعثت کے اعتبار سے آخر النبیین بنایا اور آپ کو سورۂ فاتحہ اور خواتیم سورۂ بقرہ عطاء کئے جو آپؐ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے اور آپؐ کو حوض کوثر عطا کی اور آٹھ چیزیں خاص طور پر آپ کی امت کو دیں اسلام اور مسلمانوں کا لقب

۱۔ بہشتی زیور (حصہ دوم) (قضا نمازوں کے پڑھنے کا بیان) ۲۔ ہر وقت کی نماز کا اتنا ہی فدیہ ہے جتنا ایک روزہ کا فدیہ ہے اور ایک روزہ کا فدیہ صدقۂ فطر کے برابر ہے صدقۂ فطرہ آدمی چھٹانک اور پونے دو سیر گیہوں بلکہ احتیاطاً پورے دو سیر یا کچھ اور زیادہ دیدینا چاہیے بہشتی زیور حصہ سوم (فدیہ کا بیان صدقۂ فطر کا بیان صدقۂ فطر تقریباً پونے دو کلوگرام گیہوں کے برابر ہے فرائض خمسہ اور واجب الوتر کے لئے ایک دن کی چھ قضا نمازوں کے لئے تقریباً گیارہ کلو گیہوں فدیہ میں دینا پڑیگا۔

اور ہجرت اور جہاد اور نماز اور صدقہ اور صوم رمضان اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا یعنی اول الانبیاء اور آخر الانبیاء بنایا(۱)

بہر حال اس حدیث کے ذریعہ معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کو خاص طور پر آٹھ چیزیں دی گئی ہیں اور چونکہ یہ چیزیں بھی تخلیہ خاص میں عطا کی گئی ہیں اس لئے بہت ہی مہتم بالشان ہیں اور ان کا حق اور تقاضہ بھی یہی ہے کہ ان آٹھ باتوں پر ہم اپنی زندگی کو لگائیں اور ان پر عمل کریں اور خدا کی خوشنودی کو حاصل کریں اللہ تعالیٰ ان امور کی ہم سب کو قدر دانی نصیب فرمائے آمین۔

واپسی

سیر ملکوت السموٰات والارض کے اس عظیم المرتبت سفر سے آپؐ واپس ہوئے اور پہلے بیت المقدس میں آکر اترے اور وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکۃ المکرمہ پہنچے (۲) صلی اللہ علیہ وسلم۔
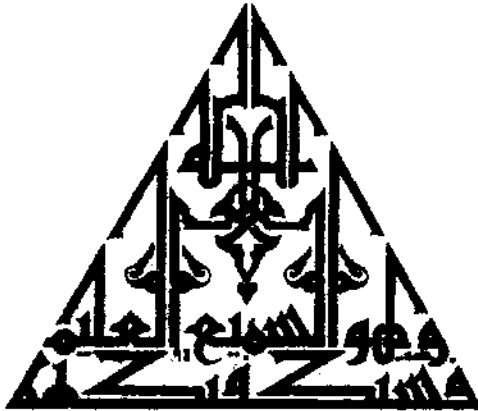
۱۔ سیرۃ المصطفیٰ بحوالہ الخصائص الکبریٰ

۲۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا واقعہ کی تفصیلات سیرۃ المصطفیٰ سے ماخوذ ہیں۔

خطبۂ صدارت

کل ہند اجلاس دوم رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۵؍صفر ۱۴۱۸ھ یوم پنج شنبہ

از حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

امابعد! خداوند رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں دین صحیح کی نعمت عطا کی، صراطِ مستقیم پر قائم وبرقرار رکھا اور صراطِ مستقیم کے روشن میناروں یعنی مدارس عربیہ کے مسائل پر دل سوزی کے ساتھ غور وفکر کی توفیق ارزانی کی اور ہم رابطۃ المدارس العربیۃ کے کل ہند اجتماع میں شریک ہو کر نیک مقاصد کے حصول کی پاکیزہ سعی میں شریک ہیں۔

مہمانانِ گرامی قدر! یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ علم کے حصول اور اس کی ترویج و اشاعت کو، اقوامِ عالم کے درمیان، اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسی وجہ سے قرنِ اوّل سے اس امت کا یہ امتیاز ہے کہ سرزمین عالم پر جہاں جہاں ان کے کارواں پہنچے وہاں کی فضائیں علم کی روشنی سے منور ہوتی چلی گئیں۔

ہندوستان کی تاریخ میں بھی مسلمانوں کے علمی احسانات کا باب بہت مفصل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ مدارس عربیہ کا مقصد، اسلامی وراثت کے صرف گوشۂ علمی کی حفاظت نہیں ہے، آپ حضرات کے علم میں ہے کہ جب یہ ملک اسلامی اقتدار کی نعمت سے محروم ہو گیا اور مخالفین اسلام نے خدا کی اس سرزمین سے اسلامی علوم، اسلامی شعائر، اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلام اور مسلمانوں کی تمام علامتوں کو ختم کرنے کا پروگرام مرتب کر کے

اس پر مرحلہ وار عمل شروع کر دیا تو اکابر امت نے اسلامی اقدار کی ہمہ گیر حفاظت کے لیے مدارسِ عربیہ کے قیام کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ چناں چہ دارالعلوم کے قدیم دستور اساسی میں قیام کے مقاصد کو مندرجہ ذیل پانچ دفعات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان علوم سے متعلقہ ضروری اور مفید فنونِ آلیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دینا۔

۲۔ اعمال و اخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلبہ کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

۳۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین کا تحفظ و دفاع اور اشاعتِ اسلام کی خدمت بذریعہ تقریر و تحریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ خیر القرون اور سلفِ صالحین جیسے اخلاق و اعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

۴۔ حکومت کے اثرات سے اجتناب و احتراز اور علم و فکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

۵۔ علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔

ان مقاصد عالیہ پر غور کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دارالعلوم کا سنگ بنیاد محض تعلیمی ادارے کے طور پر نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ دارالعلوم اسلام کی سربلندی، اسلامی علوم کی ترقی اور اسلامی اقدار کی حفاظت کے لیے تیار کردہ جامع منصوبہ کا پہلا مرکز ہے اور ان مقاصد کی دفعہ (۵) میں جگہ جگہ مدارس قائم کرکے قدیم مرکز سے الحاق کی ضرورت واضح کی گئی ہے، گویا مدارس عربیہ کے درمیان رابطہ کا قیام ہمارے اسلاف کے جامع منصوبہ کا بنیادی حصہ ہے۔

علماء ذی مرتبت! رابطہ کا یہ سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اس کی تقویت کے لیے مختلف صورتوں پر عمل ہوتا رہا ہے، لیکن چند سال پہلے کچھ ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کی وجہ سے مدارسِ عربیہ کے اتحاد و اتفاق، تعاون باہمی اور ان کے درمیان رابطہ کے قیام کی ضرورت کا شدید احساس ہوا۔

چناں چہ اس موضوع پر بصیرت حاصل کرنے کے لیے ابتدائی طور پر باہمی مشورے ہوئے، دیگر مدارس سے تشریف لانے والے واردین و صادرین سے تبادلۂ خیال ہوتا رہا پھر یہ

رائے قائم ہوئی کہ پورے ہندوستان سے مدارس عربیہ کا ایک نمائندہ اجتماع بلا کر مشورہ کیا جائے اور مشورہ کے بعد مناسب ہو تو کام کو آگے بڑھایا جائے۔

یہ نمائندہ اجتماع ۲۰، ۲۱ / محرم الحرام ۱۴۱۵ھ کو دارالعلوم میں ہوا جس میں ستر مدارس کے نمائندوں کو دعوت دی گئی تھی، اجتماع میں شریک نمائندگانِ محترم نے مسائل پر غور و خوض کے بعد متعدد تجاویز منظور کیں، جن میں مدارسِ عربیہ کے کل ہند اجتماع اور مدارس عربیہ کے درمیان ربط و اتحاد قائم کرنے کی ضرورت پر تجاویز منظور ہوئیں۔

نمائندہ اجتماع کی تجویز کے مطابق چند ماہ بعد جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ میں مدارس عربیہ کا کل ہند اجتماع بلایا گیا، اس اجتماع نے اتفاقِ رائے سے دارالعلوم دیوبند میں رابطہ کا دفتر قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا، رابطہ کے رہنما اصول طے کیے اور رابطہ کے سالانہ اجتماع میں زیر بحث آنے والے موضوعات کا تعین کیا۔

اس اجتماع کی تجویز کو قبول کرتے ہوئے مجلس شوریٰ نے دفتر قائم کرنے کی اجازت دی اور اس وقت سے رابطہ کے تمام کام اسی دفتر کے ذریعہ انجام دیے جارہے ہیں چناں چہ رابطة المدارس العربية کے زیر انتظام پہلا اجلاس ۲۰ / رجب ۱۴۱۶ھ کو طلب کیا گیا جس میں کل ہند اجتماع کے لیے مقرر کردہ موضوعات پر گفتگو کی گئی اور اب الحمدللہ رابطة المدارس العربية کا یہ دوسرا اجتماع ہے۔

دانشمندانِ محترم! ان اجتماعات میں غور و فکر اور گفتگو کے لیے جو عنوانات طے کیے گئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ نظام تعلیم و تربیت
۲۔ نصاب تعلیم
۳۔ مسلم معاشرہ کی اصلاح اور اسلام کی حفاظت میں مدارس کا کردار
۴۔ ربط باہمی کے استحکام کی تجاویز
۵۔ مدارس کے لیے ضابطہ اخلاق

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اربابِ علم و تدریس کے اس اہم اجتماع میں ان موضوعات کو قدرے روشنی میں لے آیا جائے تاکہ غور و فکر، بحث و گفتگو اور صحیح نتائج تک پہنچنے میں سہولت ہو۔

نظام تعلیم وتربیت

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ نمائندہ اجتماع (منعقدہ محرم ۱۴۱۵ھ) نے اس موضوع پر جامع ہدایات مرتب کرنے کے لیے کمیٹی تشکیل کرنے کی سفارش کی تھی، کمیٹی کا مرتب کردہ مجوزہ نظامِ تعلیم وتربیت، کل ہند اجتماع (منعقدہ جمادی الاول ۱۴۱۵ھ) میں پیش کردیا گیا تھا اور اس کو نصابِ تعلیم کے آخر میں طبع کردیا گیا تھا، تمام شرکاء اجتماع نے اس کو ملاحظہ فرمایا، اس پر تبادلۂ خیال ہوا، پھر اس کے استحسان کی تجویز منظور کی گئی۔

پھر رابطۃ المدارس کے پہلے اجلاس (منعقدہ ۲۰؍رجب ۱۴۱۶ھ) میں اس نظامِ تعلیم وتربیت کو موثر بنانے کے لیے تدریب المعلمین کا نظم کرنے کی سفارش کی گئی، مجلس شوریٰ نے اس کی منظوری دے دی، لیکن ابھی تک اس کی تفصیلات اور طریقۂ کار کا تعین نہ ہونے کے سبب اس کو نافذ نہیں کیا جاسکا ہے، آپ حضرات باہمی مشورے سے ان باتوں کو طے کریں تاکہ کام کو آگے بڑھایا جائے۔

نصاب تعلیم

اجتماع کا دوسرا موضوع نصابِ تعلیم ہے، آپ حضرات کے علم میں ہے کہ نصاب، مدارس عربیہ کے مقاصد عالیہ کے لیے رجالِ کار تیار کرنے کا موثر ذریعہ ہے اور اس میں مقاصد کو تقویت دینے والے تغیرات کا عمل برابر جاری ہے، چناں چہ قیام دارالعلوم کے ابتدائی سالوں میں عربی وفارسی کا دس سالہ مخلوط نصابِ تعلیم جاری تھا پھر چند سال کے بعد فارسی وعربی کو الگ الگ کردیا گیا۔

حضراتِ اکابر کے طرزِ عمل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے نصابِ تعلیم کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا: پہلا مرحلہ شعبۂ فارسی وریاضی تھا جسے اس وقت کی اصطلاح میں مدرسہ ابتدائیہ کہنا چاہیے اور چوں کہ اُس زمانے میں فارسی زبان رائج تھی اس لیے مدرسہ ابتدائیہ کے نصاب میں فارسی ادب، بلاغت اور انشاء پر زور تھا اور اس کے ساتھ تمام ضروری مضامین حساب، تاریخ، جغرافیہ، اقلیدس، اخلاق اور تصوف وغیرہ کو شامل کردیا گیا تھا، تاکہ اس ابتدائی نصاب کے ذریعہ ہر طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہوجائے جو ہر انسان کی بنیادی

ضرورت ہے، مدرسہ ابتدائیہ کی تکمیل کے بعد عربی کا آٹھ سالہ نصاب تعلیم شروع ہوتا تھا جس کے ذریعہ مدارس کے مقاصد عالیہ پر محنت کرنے والے رجالِ کار تیار ہوتے تھے۔

پھر یہ ہوا کہ عربی کے سال اوّل کو، تعلیم کا سالِ اوّل سمجھتے ہوئے معمولی اردو پڑھنے والے طلبہ کو حفظ و ناظرہ کے بعد عربی کے سال اول میں لیا جانے لگا جس کا استعداد کے نقصان میں نمایاں اثر ظاہر ہوا۔ نیز یہ کہ عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم میں ناتجربہ کار ساتذہ سے کام لیا جانے لگا تو اس کا مزید نقصان ہوا، اور ان نقصانات کے اصل اسباب تک نہ پہنچنے والے ذہن نے انحطاط کا اصل ذمہ دار نصاب تعلیم کو قرار دے دیا۔

یہ تو ہمارے اندرونی مسائل تھے، بیرونی سطح پر یہ ہوا کہ بعض دانش وروں کی جانب سے نصاب تعلیم میں علوم عصریہ کو شامل کرنے کا مطالبہ شدت کے ساتھ سامنے آیا، ان دانش وروں کے خیال میں تعلیم کے جو مقاصد ہیں ان کو بروئے کار لانے کے لیے علوم عصریہ کی ضرورت بھی ہے، لیکن جب اُن کے سامنے یہ بات واضح اور مدلل کی گئی کہ ان مضامین کا داخل کرنا مدارسِ عربیہ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ مضرت رساں ہے تو دانشوروں کے سنجیدہ طبقے کی غلط فہمی دور ہوئی اور اس کے بعد ان کے مطالبہ کی شدت میں بھی کمی آگئی۔

نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کے مقاصد کو بروئے کار لانے میں طریقۂ درس کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس سلسلے کی ہدایات نصاب کمیٹی کے مرتب کردہ "نظام تعلیم وتربیت" میں درج ہیں جنھیں مطبوعہ نصاب تعلیم کے ساتھ شائع کردیا گیا ہے۔

اس سلسلے کی ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ نصاب تعلیم کے پہلے مرحلے میں طویل تقریروں سے اجتناب کرتے ہوئے قواعد کے حفظ، عبارت فہمی اور استعداد سازی پر پوری توجہ مرکوز کردی جائے، نیز مسائل میں تحلیل و تجزیہ اور نقد و تبصرہ کی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے اور نصاب تعلیم کے دوسرے مرحلہ میں مسائل پر مفصل گفتگو کا وہ انداز اختیار کرنا مناسب ہے جو آج کل رائج ہے کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں مسائل کا احاطہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور زیر بحث مسئلہ کی مکمل تصویر ان کے ذہن میں آجاتی ہے۔

نصاب تعلیم کے سلسلے میں ایک یہ بات بھی عرض کرنی ہے کہ چند جزوی تبدیلیوں کے ساتھ جس نصاب کے اجراء کی سفارش کی گئی تھی عملی تجربہ میں وہ درست ثابت ہولیا

س میں غور و فکر کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں آپ حضرات اپنے تجربات اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

نیز مختلف فنون سے متعلق جن چند رسائل کے مرتب کرنے کی سفارش کی گئی تھی، ان میں سے بعض تیار ہوگئے ہیں اور بعض تیار کیے جا رہے ہیں۔

مسلم معاشرے کی اصلاح اور تحفظ دین کی مساعی

رابطۂ مدارس کے زیر بحث موضوعات میں یہ تیسرا موضوع ہے اور اس کے تین پہلو ہیں:

(الف) مسلک صحیح کی اشاعت

(ب) باطل نظریات کی تردید

(ج) مسلم معاشرہ کے لیے اصلاحی جدوجہد

جہاں تک مسلک صحیح کی اشاعت کا تعلق ہے تو جہاں بھی کوئی درس گاہ قائم ہے وہاں ہدایت کی ایک قندیل روشن ہے اور تجربات شاہد ہیں کہ جہالت و بدعات کے بدترین ماحول میں بھی مسلمانوں کو مسلکِ صحیح اور جادۂ قویمہ پر لانے کے لیے یہ طریقہ بہت کامیاب رہا ہے کہ وہاں کے مسلمان آہستہ آہستہ مرکز ہدایت سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔ عوام و خواص نے اس پر اعتماد کا اظہار کیا اور اپنے تمام دینی معاملات میں اپنے یہاں کے خدمت گذار علماء کو اپنا پیشوا بنالیا۔

اسی طرح دوسرے پہلو یعنی باطل نظریات کی تردید کے سلسلے میں مدارس عربیہ کا کردار بہت اہم رہا ہے، شیعیت، قادیانیت، بدعت، مودودیت اور عدم تقلید کی تردید کے سلسلے میں مدارس عربیہ کے ذریعہ انجام پانے والی خدمات کی تفصیل کی جائے تو ہر موضوع پر ضخیم مجلدات بھی ناکافی رہیں گی۔

کئی سال سے ان تمام نظریات کی تردید کا ذہن تیار کرنے کے لیے محاضرات کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، الحمد للہ اس کے مفید نتائج سامنے آرہے ہیں، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض دیگر مدارس بھی اس طرح کے سلسلے قائم کرنے پر غور کررہے ہیں۔ ان تمام فتنوں سے ہمہ وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، آج کل قادیانیت اور عدم تقلید کے فتنوں نے نئی

کروٹ لی ہے۔

قادیانیت نے ہندوستان کی جمہوریت میں آزادیٔ رائے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا ہے۔ فرزندان دارالعلوم اور مخلصین کے ذریعہ ہندو بیرون ہند سے اس طرح کی خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ تین ماہ پہلے برطانیہ کے ختم نبوت کے خدام کی جانب سے ایک خط ملا تھا جس میں درج ہے۔

”عرض ہے کہ بھارت میں قادیانی سرگرمیوں میں اضافے کی خبریں مسلسل مل رہی ہیں، دسمبر ۹۶ء میں قادیان میں منعقدہ سالانہ جلسہ سے قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے قادیانی سٹیلائٹ چینل کے ذریعہ لندن سے براہ راست خطاب کیا۔

”مرزا طاہر نے اپنی تقریر میں دعویٰ کیا ہے کہ گذشتہ ایک سال میں ایک لاکھ افراد کو قادیانی بنالیا گیا، گذشتہ ایک سو سال میں اتنی بیعتیں نہیں ہوئی تھیں۔ ملک بھر میں ۱۰۵ جماعتیں قائم ہوئیں ۲۱۹ مقامات پر قادیانیت کا جھنڈا پہلی بار گاڑا گیا، نئے علاقوں کے لحاظ سے صوبۂ پنجاب میں ۵۷ دیہات میں پہلی بار جماعتیں قائم ہوئیں اور یوپی میں ۵۹ مقامات پر قادیانیت کا نفوذ ہوا، قادیانی عبادت گاہوں کے بارے میں بتلایا گیا کہ پورے بھارت میں ۲۸۱ کی تعداد میں عبادت گاہیں موجود ہیں، حال ہی میں ۳۱ کا اضافہ ہوا ہے اور ۷ امسجدیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی تھیں لیکن ان تمام مساجد کے امام اور نمازی قادیانی بن گئے، اس لیے یہ مسجدیں قادیانیوں کی تحویل میں چلی گئیں۔

”مرزا طاہر نے اپنی تقریر میں بیعتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ۹۷-۱۹۹۶ء میں بھارت میں دو لاکھ افراد کو بیعت کرنے کا ہدف بنایا تھا ۵ ماہ میں تقریباً ۵۲ ہزار لوگوں کو بیعت کرکے قادیانیت میں داخل کیا گیا۔ سب سے زیادہ بیعتیں آسام اور بنگال میں ہوئیں ۲۷ ہزار کی تعداد میں، یوپی میں ۱۰ ہزار، پنجاب میں ۵ ہزار، کرناٹک میں ۵ ہزار، ہریانہ میں ۳۶۳، مہاراشٹر میں ۵، تامل ناڈو میں ۵، اڑیسہ اور بہار بیعتوں کے لحاظ سے سب سے پیچھے ہے، یوپی کے بارے میں بتلایا کہ ایک سو سال سے قادیانی سوتے رہے ہیں۔ اب بیدار ہوئے ہیں، بہار کے بارے میں مایوسی کا اظہار کیا کہ وہاں قادیانی جماعتیں کام نہیں کررہی ہیں اس لیے نئی منصوبہ بندی کے تحت قادیان سے ایک ٹیم تشکیل دی گئی جو براہ راست بہار میں قادیانی بنانے کا کام انجام دے گی، مرزا طاہر نے اس ٹیم سے کہا کہ بہار پر عام ہلہ بول دیں اس سلسلے

میں جو ضروریات ہوں گی وہ پوری کی جائیں گی۔ مرزا طاہر نے کہا کہ "وقف جدید" کے تحت جو آمدنی ہوگی وہ بیشتر رقم بھارت اور افریقہ پر خرچ کی جائے گی۔"

مرزا طاہر کی اس تقریر سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قادیانیوں کی سرگرمیوں میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے اور ہندوستان میں اس فتنہ کے تعاقب کے لیے بہت زیادہ فعّال ہونے کی ضرورت ہے، خدا تمام مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں، اداروں، خصوصاً مدارسِ عربیہ اور ان کے خدام کو حریم ختم نبوت کی حفاظت میں کامیابی سے ہمکنار کرے، دارالعلوم آپ حضرات کی مدد سے اپنی استطاعت کے بقدر یہ فریضہ انجام دے رہا ہے اور اس سلسلے میں ایک اہم اجتماع مورخہ ۱۴ر جون کو دہلی میں ہونے والا ہے۔

اسی طرح اباحیت پسندوں یعنی مدعیانِ عدم تقلید کی جانب سے کیے جانے والے جارحانہ حملوں سے چشم پوشی بھی ممکن نہیں ہے، ماضی قریب میں ان کی جانب سے مسلک صحیح کے رد میں دجل و تلبیس کا ایک نمونہ "الدیوبندیہ" کے نام سے شائع ہوا، اہل علم اس کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں اور مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ خداوند تعالیٰ مسلک صحیح کے تحفظ و اشاعت میں کی جانے والی ان تمام خدمات کو تاثیر کی نعمت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

اس موضوع کا تیسرا پہلو مسلم معاشرے کی اصلاح ہے، یہ کام بھی الحمدللہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور تمام مدارس اپنے اپنے حلقہ اور دائرہ کار میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں لیکن مادیت کا سیلاب، عقیدہ و عمل کی برائیوں کو جتنی قوت کے ساتھ معاشرہ میں داخل کررہا ہے اتنی ہی قوت کے ساتھ اصلاحی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے۔ اگر مدارس عربیہ اپنے سالانہ اجتماعات کے موقع پر اصلاح معاشرہ کمیٹیاں تشکیل دیں اور یہ کمیٹیاں اصلاح معاشرہ کے لیے ایسی حکمت عملی وضع کرلیں کہ وہ ادفع بالتی ھی أحسن کا اصول سامنے رکھ کر اپنی خدمات کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکیں تو انشاءاللہ کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

رابطہ کے استحکام کی تجاویز

اجتماع کا چوتھا موضوع، رابطہ کے استحکام کی تجاویز ہے۔ مدارس عربیہ کے درمیان رابطہ کی ضرورت پر روز اول سے توجہات مبذول کی گئی ہیں، اور یہ کہ مقصد کا اتحاد خود ایک فطری رابطہ پیدا کرتا ہے، اس لیے یہ رشتہ اتحاد تعلقات کو ہمیشہ استوار رکھے ہوئے ہے

پھر اس کے ساتھ ماضی قریب میں داخلی اور خارجی مسائل کی بنیاد پر اس کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس لیے کل ہند اجتماع نے رابطہ کا دفتر قائم کرنے کی تجویز رکھی، اور اس کے مطابق الحمد للہ کام شروع کر دیا گیا ہے۔

رابطہ کے دفتر کو جو ہدایات دی جاتی ہیں وہ اس کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں پیش رفت اور مزید استحکام کے لیے آپ حضرات کے ذہن میں جو تجاویز ہوں ان کو پیش فرمائیں۔ انشاء اللہ ان کی روشنی میں کام کو آگے بڑھایا جائے گا۔

مدارس کے لیے ضابطۂ اخلاق

اجتماع کا یہ پانچواں موضوع ہے۔ ظاہر ہے کہ مدارس عربیہ کے رجال کار، اخلاق کے معلم ہیں اور ان کی تربیت میں انسان، اخلاقِ فاضلہ کے سانچوں میں ڈھالے جاتے رہے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے کسی ضابطۂ اخلاق کی چنداں ضرورت نہیں۔ تاہم ضابطۂ اخلاق کی تیاری تقاضائے بشریت میں پائی جانے والی غفلت سے بچنے میں مددگار ہوگی۔ اس لیے اگر اپنے ماحول میں پائی جانے والی کوتاہیوں کو سامنے رکھ کر کچھ مفید اصول مرتب کر لیے جائیں اور انہیں ضابطۂ اخلاق کا نام دے دیا جائے تو انشاء اللہ یہ عمل افادیت سے خالی نہیں ہوگا۔

وارثان علوم نبوت! اجلاس میں زیر بحث آنے والے موضوعات پر اختصار کے ساتھ چند معروضات پیش کرنے کا مقصد سلسلۂ گفتگو کا آغاز اور مسئلے کو قدرے روشنی میں لے آنا ہے۔ اب آپ حضرات عالمانہ بصیرت کے ساتھ گفتگو کو آگے بڑھائیں، اور مقاصد کو تقویت دینے کے لیے خاکے مرتب کریں۔ تجاویز پیش کریں اور لائحہ عمل ترتیب دیں۔ اللہ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے بہتر سے بہتر کام کی توفیق دے۔ مشکلات کو دور فرمائے اور ہماری جدوجہد کو موثر بنائے آمین۔

میں آخر میں پھر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور واجبات کی ادائیگی میں ہونے والی تقصیرات پر چشم پوشی اور عفو و در گذر کا خواستگار ہوں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين.

یورپ میں حفاظت قرآن کا خدائی کرشمہ

از مولانا شیر الدین قاسمی برنلی
استاذ حدیث الجامعۃ الاسلامیہ نوٹینگھم

ڈیڑھ سو سال پہلے کا زمانہ تھا کہ انگلینڈ کا ستارہ عروج پر تھا، ایشیاء اور برصغیر پر ان کی حکومت تھی، وہ زمین کے ایک بڑے حصے پر چھائے ہوئے تھے، اس زمانے میں ان کی یہ خواہش رہی تھی کہ غریب ملکوں پر اپنی سلطنت وحکومت کا رعب ڈال کر ان کے مسلمانوں کو مرتد کرکے انہیں عیسائیت میں تبدیل کرلیں، اس مہم کے لیے انہوں نے ہزاروں ماہر اور تربیت یافتہ پادریوں کی کھیپ تیار کی اور مشاق قسم کے ہزاروں پادریوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے برصغیر روانہ کیا، انہوں نے مختلف طریقوں سے تبدیل مذہب کے لئے انتھک کوششیں کیں ان میں سے تین طریقے زیادہ استعمال کئے۔

(۱) مالی امداد دیکر غریب مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا، اپنے طرز کے اسکول کالج اور ہسپتالوں کا جال بچھایا اور بڑے پیمانے پر رفاہی کام کو فروغ دیا اور پس پردہ بڑی حسن اسلوبی سے مسلمانوں کو عیسائیت کی خوبیوں سے آگاہ کرنا شروع کیا۔

(۲) سنجیدگی اور خوب صورتی سے عقلی دلائل دے کر مسلمانوں کے اہم عقائد میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی اس پر مختلف قسم کے اعتراضات کرکے طلبہ اور نوجوانوں کے ذہن کو بگاڑنا شروع کیا۔ ان کے خام اور کچے فہم سے فائدہ اٹھا کر ان کو اسلام کے خلاف صف آرا کرنے کی کوشش کی۔

(۳) حکومت اور سلطنت کا رعب ڈال کر ذہنوں کو مسموم اور متاثر کرنے کی ناکام کوشش کی، لیکن

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

مسلمانوں نے ان میں سے کسی کی پرواہ نہیں کی اور ان کے کسی جھانسے میں نہیں آئے اپنے فقر وفاقہ کے باوجود اپنے ابدی اور لافانی دین پر جمے رہے اور اتنی زبردست کوشش کے باوجود ایک فیصد مسلمان نے بھی عیسائیت قبول نہیں کیا۔ اگر کیا تو غیر مسلم اور ہندوؤں نے تھوڑی بہت عیسائیت قبول کی۔

حالات کی تبدیلی

پھر ایک زمانہ آیا کہ برصغیر اور مسلم ممالک سے برطانیہ کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی، اور بالآخر اس کی حکومت نے ان ممالک سے ڈیرا ڈانڈا اٹھالیا، اس وقت یہ حکومت انگلینڈ تک ہی سکڑی پڑی ہے اور یہیں اپنا ہاتھ پیر مار رہی ہے۔

جب برصغیر سے واپس آرہی تھی تو خدا جانے ان کو کیا ہوا کہ باہر کے ملکوں سے بہت سے لوگوں کو برطانیہ میں بلانا اور ان کو بسانا شروع کیا، ایک چھوٹی سی وجہ تو ضرور تھی کہ دوسری جنگ عظیم میں بے پناہ لوگ مارے گئے تھے جس کی وجہ سے برطانیہ کی زمین آدمیوں سے خالی ہوگئی تھی، خصوصاً مرد کافی تعداد میں جنگ میں کام آگئے تھے اور یہاں فیکٹری چلانے کے لئے مزدوروں کی بڑی کمی واقع ہوگئی تھی جس کے لئے باہر سے لوگوں کا منگوانا ضروری تھا لیکن جس کثرت اور بہتات کے ساتھ لوگوں کو بلوایا اور ساری سہولتیں دے کر ان کو برطانیہ میں بسایا مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا اور ابھی تک کیوں لوگوں کو بلاتے چلے جارہے ہیں۔

خدا کا کرشمہ دیکھئے کہ انسان کے اس سیلاب میں انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش اور عرب ممالک سے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ برطانیہ میں پہنچ گئی، بلکہ یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی ان کی تعداد کثرت سے آباد ہوگئی ہے۔ یورپین لوگ یہ سمجھتے رہے کہ مسلمانوں کی اگلی نسل اسلام اور قرآن کو بھول جائے گی اور یہاں کی رنگ رلیوں میں مست ہو کر دین اور مذہب کو فراموش کردے گی لیکن حفاظت دین کے لئے اللہ کی جانب سے کچھ عجیب کرشمے ظاہر ہوئے ان مسلمانوں کو یہاں کی سہولتیں اور فراوانیاں ملیں تو فراغت میں انہوں نے دین کی طرف خصوصی توجہ دی اپنی اولاد کو تبلیغی جماعت میں بھیجنا شروع کیا ان کو مکتب میں قرآن شریف اور موٹے موٹے مسائل پڑھانا لازمی سمجھا اور علماء کی تعداد بڑھانے کے

لئے اپنی لولاد کو مدارس میں داخل کیا، ان دینی کاموں کو فروغ دینے کے لئے جہاں جہاں دیہاتوں لور شہروں میں مسلمان آباد تھے وہاں مسجدیں تعمیر کیں لوران کے ساتھ ہی اچھے اندلز میں مکاتب قائم کئے لور بڑے بڑے مدرسے قائم کئے۔ آج یورپ لور برطانیہ کے بڑے بڑے شہروں میں درجنوں مسجدیں بڑے بڑے مکاتب لور سینکڑوں دارالعلوم لور طلبہ لور طالبات کے لئے جامعات قائم ہو چکے ہیں، اور مزید قائم ہوتے چلے جارہے ہیں مساجد ومدارس کی تعمیر کی رفتار اتنی تیز ہے کہ لگتا ہے کہ دس بیس سال میں یہاں انڈیا پاکستان کی طرح کثرت سے بڑے بڑے دارالعلوم تعمیر ہو جائیں گے (خدا کرے کہ کسی کی نظر نہ لگے لور ایسا ہی ہو) یہاں علماء اور حفاظ کی تعداد اتنی ہو چکی ہے کہ اکثر وبیشتر مساجد میں تراویح کے موقع پر پہلی پوری صف تقریباً علماء اور حفاظ کی ہوتی ہے جب محراب سنانے والے زبر یا زیر کی غلطی کرتے ہیں تو ان کو لقمہ دینے کے لئے بیک وقت درجنوں آواز گونج جاتی ہے دیار غیر میں یہ سماں اور یہ صدائیں اتنی سحر آفریں ہوتی ہیں کہ آدمی وجد میں آکر جھوم جاتا ہے۔

جن چرچوں لور گرجاؤں کو انگریز نے اسلام کو تباہ کرنے کے لئے تعمیر کئے تھے اور وہاں سے اسلام پر حملہ کرنے کے لئے تشکیک واعتراضات کے بڑے بڑے بم گولے تیار کرتے تھے ان کے خالی لور غیر آباد ہونے کی بناء پر مسلمانوں نے سستے داموں خرید خرید کر ان کو مسجد بنالیا یا مدرسہ اور مکاتب میں تبدیل کر لیا، آج علماء اور حفاظ ان چرچوں میں بیٹھ کر بڑے خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہیں۔

اِناَّ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحافِظُوْنَ۔

ترجمہ :۔ ہم نے قرآن کریم کو اتارا ہے لور ہم ہی اس کی قیامت تک حفاظت کرینگے۔

مسجد میں تبدیل شدہ چرچوں میں بیٹھ کر جب اس آیت کو پڑھتے ہیں تو ہمیں تعجب کی انتہاء نہیں رہتی کہ جو چرچ والے قرآن کریم کو مٹانے کے لئے کیسی کیسی اسکیمیں بناتے تھے خداوند کریم نے آج ان چرچوں کو خالی کرادیا لور وہیں سے یہ پیغام سنایا کہ ہم نے قرآن کو قیامت تک کے لئے اتارا ہے لور ہم ہی قیامت تک اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اسکیم بنانے والوں کی اسکیمیں فیل ہو جائیں گی اور انہیں کی نام نہاد عبادت گاہوں سے آواز آئے گی کہ ہم ہی مختلف طریقوں سے قرآن کی حفاظت کریں گے۔

باقی صفحہ ۴۴ پر

اسلام کے مطالعہ کی اولین شرط

مولانا عبدالحمید نعمانی

اسلام مسلمان اور عالمی، ملکی حالات کے تناظر میں جو بات ایک طرح سے صاف ہو کر سامنے آرہی ہے۔ اور پہلے بھی آچکی ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے سوچنے کا خاص رویہ اور عملی اقدام ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس طرف ہماری نظر بہت کم جاتی ہے ہماری اس بے توجہی سے ظاہر ہے کہ اقدام و عمل میں کوئی بتدیلی نہیں آسکتی ہے ہمارے بہت سے دانش ور کچھ دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جب کہ واقعی صورت حال دوسری ہے۔ بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، فلسطین، ترکی، الجزائر، البانیہ میں جو حالات پیدا ہوئے یا کئے گئے ان پر تھوڑی سی توجہ سے بات کی تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے عیسائیوں کے لئے سرے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

یہودیوں کا بھی یہی معاملہ ہے بودھست جینی، یاہندو، پارسی کے لئے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے کیوں کہ ان میں سے کسی کے پاس سماج کو دینے کے لئے ایسا کچھ نہیں ہے جس سے سماج کے ماحول میں کوئی قابل ذکر یا موثر تبدیلی رونما ہوسکے، زندگی، عمل، یارہن سہن کے سابقہ طرز میں کوئی بنیادی تبدیلی، یا سماج کو عملی رخ دینے کے لئے کوئی فلسفہ نہیں ہے کوئی نظام، عقیدہ، نظریہ نہیں ہے،

لیکن اسلام کا معاملہ دوسرا ہے وہ اندر رہا ہر دونوں سطح پر سماج میں خوب صورت تبدیلی پیدا کرتا ہے اور زندگی کے کچرے کو نکال باہر کرتا ہے اس سے وہ لوگ بہت پریشان ہیں جو کچرے کے ڈھیر پر کھڑے ہیں اور بہت دنوں تک زندگی گذارتے رہنے کی وجہ سے تاریکی اور کچرے والی زندگی کے عادی اور اس سے مانوس ہوچکے ہیں خوشبو اور روشنی ایک غیر مانوس چیز ہو گئی ہے جو آدمی اپنے اندر جھانک کر دیکھتا ہے اسے اپنے آپ کی تلاش کی فکر ہو جاتی ہے

زروہ خود کو اسلام میں پاتا ہے اس نے بہتوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے ہندوستان درہندوستان سے باہر بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ آزاد یورپ، مغربی ممالک میں اسلام کے تعلق سے کوئی زیادہ پریشان کن صورت حال نہیں ہے وہاں جو لوگ اپنے آپ کو پانا چاہتے ہیں اور راہ میں اگر چوک گئے ہیں تو اس سدھار کے لئے خاصے مواقع ہیں ہندوستان کا معاملہ دوسرا ہے یہاں منافقت اور دوہرا پن بہت پایا جاتا ہے اخلاقی جرأت کی بھی کمی ہے اس لئے اعتراف واقرار کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ راہ چلتے ہوئے درمیان ہی میں چال بگڑ جاتی ہے، یا رخ دوسری طرف ہو جاتا ہے ووِیکانند، گاندھی جی، امبیڈکر سب کے سب کچھ دور چل کر یا تو رک گئے، یا رخ دوسری طرف ہو گیا۔ ان میں سے زیادہ جرأت اور علیت کا ثبوت اچاریہ رجنیش نے دیا ہے۔ گرچہ یہ بھی زیادہ دور تک نہیں جاسکے ہیں۔ لیکن ان سے آگے ہیں صوفیاء اور کبیر کے حوالے سے خاصے آگے نکل گئے ہیں وہ کبیر کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن کبیر چونکہ درمیان میں رہ گئے تھے اس لئے وہ بھی زیادہ آگے تک نہیں جاسکے ہر آدمی کی اڑان کی حد ہوتی ہے سر پر سے اڑنے کی سطح سب سے نیچی ہوتی ہے حوصلے سے آپ اس سے بلند جاسکتے ہیں ہندوستان میں جو لوگ ماضی قریب میں ہوئے ہیں اور مذکورہ حضرات کے حوصلے نے جہاں تک ساتھ دیا وہاں تک اڑے ستاروں کی روشنی تک گئے لیکن یہ جانتے ہوئے بھی کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے مزید آگے اور آخری منزل تک جانے کے لئے مخصوص قسم کا پر تلاش نہیں کرپائے۔ گرچہ پر کا نام کبھی کبھار لیا لیکن اسے اپنے بازوؤں میں باندھ نہیں سکتے، وہ پر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اور آپ کی رسالت پر ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے اس کائنات میں سب سے بڑے ترجمان ہیں اس لئے آپ کو مانے بغیر خدا کو ماننے کی بات مشکوک اور مشتبہ ہے۔

ذکر، فکر، سمرن، دھیان گیان، سب کے پر اور حوصلے ہیں ایمان سے اڑنے کی منزل اور سطح تک اس سے بہت بلند اور آگے ہے ہمارے پاس بہت سے ہندو آتے ہیں ہم سب سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جو دھیان گیان کرتے ہیں آس لگاتے ہیں یہ سب ادھورا سفر ہے۔ آپ حضرات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ایک بنیادی سچائی کا انکار کرتے ہوئے منزل تک پہنچانا ممکن ہے صرف چلنا کافی نہیں ہے رخ اور منزل کا تعین بہت ضروری ہے اس کے بغیر اس کا سدا امکان رہتا ہے کہ ہماری تیزی ہمیں منزل سے مزید دور کرتی چلی جائے گی۔

اور جہاں تک ہماری بات ہے ہمیں رام چندر کرشن، بودھ، مہابیر، کے حوالے سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ہم تمام قابل احترام شخصیات کا احترام کرتے ہیں رہی ان کی نبوت کے اعتراف کی بات تو یہ بڑا مشکوک معاملہ ہے اور اس میں اسلام یا مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ ہندو سماج کا قصور، بلکہ جرم ہے کہ اس نے انھیں نبی انسان نہیں رہنے دیا ہے۔ رام چندر کو رام بنادیا ہے والمیکی رامائن اور تلسی داس کی رام چرت مانس اور دیگر رامائنوں کے مطالعے سے یہ نہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ نبی رسول تھے۔ یا تو راجہ نظر آتے ہیں، یا بھگوان، نہ کہ نبی، رسول، یہی معاملہ کرشن کا ہے، کرشن گیتا میں ارجن کو اپدیش دیتے ہوئے سراپا، خدا بھگوان نظر آتے ہیں اور عملی طور پر بسا اوقات بہت نیچے نظر آتے ہیں۔ بودھ، مہابیر، کی تعلیمات میں خدا اور آخرت کا سرے سے کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے جب کہ نبی رسول، خدا پر ایمان کی سب سے پہلے دعوت دیتا ہے بودھ اور مہابیر کے ماننے والوں نے انہیں بھگوان بنا کر رکھ دیا ہے نبی رسول رہنے ہی نہیں دیا ہے

نانک، کبیر، رامانج، میرا، کا سلسلۂ نبوت ورسالت سے کوئی دینا لینا نہیں ہے۔ ان کی تعلیمات کا زیادہ سے زیادہ معاصر صوفیاء کی تعلیمات وافکار سے موازنہ کیا جاسکتا ہے نبوت کے ضمن میں ان کا ذکر بہت غیر ذمہ دارانہ ہے ہمارے بہت سے دانش ور، مفکر ایسی حماقت کر جاتے ہیں۔ یہ مقام نبوت ورسالت سے عموماً نابلد ہوتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی باتیں قطعی ناقابل التفات ہیں۔

یہ باتیں ہم نے ابھی چند دن ہوئے آر ایس ایس کے ایک صاحب سے اور دوسرے غیر مسلم حضرات سے کہیں ایک بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوستانی سماج کی جن قابل احترام شخصیات کی باتیں سامنے آتی رہتی ہیں ہم ان کا پورا پورا احترام کرتے ہیں لیکن نبوت و رسالت کا معاملہ بہت نازک ہے اس لئے نبی رسول کی شکل میں ان کی شخصیات کی دریافت کرنا ہندو سماج کی ذمہ داری ہے۔ اور ہم اس لئے حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں کہ حقیقت وقت کے تاریک جنگل میں کھو گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام و تعلیم کے سوا حقیقت تک رسائی کے لئے کوئی متبادل صورت نہیں ہے ایک اچاریہ صاحب ۱۴ر مئی ۱۹۹۷ء کو تشریف لائے ان کا آشرم دہلی ہی میں ہے، وہ کہہ رہے تھے، ہم محمد کو بھی اوتار مانتے ہیں۔ میں نے کہا آپ پھر وہی غلطی کر رہے ہیں۔ جو ہندوستان میں بار

بار کی گئی ہے۔ حقیقت کی گم شدگی کا پہلا مقام یہی ہے۔ یہیں سے غلط سفر کا آغاز ہوا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں، خدا خود پیغمبر کی شکل میں نہیں اتر آیا ہے، سفر کا پہلے رخ صحیح کیجئے پھر سفر کیجئے۔

آپ سفر شروع کر چکے ہیں، لیکن جہاں سے چلے تھے ابھی وہیں کے وہیں کھڑے ہیں اور بات یہیں ختم ہو گئی لیکن اصل سفر تو جاری ہے اور سدا جاری رہے گا خدا، رسول اکرمؐ اور ہمارے ایمان کی کوئی حد نہیں ہے باہر کا سفر تھوڑے ہی ہے کہ ایک حد تک جاکر ختم ہو جائے، ہمارا سفر اندرونی ہے یہ لامحدود ذات کی طرف ہے اس لئے نہ ہم ختم ہو سکتے ہیں نہ ہمارا سفر، یہ اور بات ہے ہجرت ہوگی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال مکانی ہوگا پھر وہاں خدا اور ہیشگی ہوگی یہاں آنے جانے کا کوئی چکر نہیں ہے ایسی زندگی لے کر ہم کیا کریں گے جس میں کوئی دوام نہ ہو اور خدا کے پسندیدہ گھر سے سدا نکلنے کا خدشہ ستاتا رہے۔ وہ راحت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے جس کے ختم ہونے کا ہر پل خطرہ رہتا ہے یہ مر کر جینا ہے اور اس سے ہمیں صرف اسلام اور ایمان نجات دے سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

بقیہ: یورپ میں حفاظت قرآن کا خدائی کرشمہ

جب برصغیر کے مسلمانوں پر پورے لاؤ لشکر کے ساتھ پادریوں کی یلغار ہو رہی تھی اور مسلمان شکست خوردگی کے عالم میں تھے تو اس وقت کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ بہت جلد انگلینڈ کے چرچ ان کے ماننے والوں سے خالی ہو جائیں گے اور مسلمان بہت سستے داموں ان کو خرید خرید کر ان میں قرآن پاک کے ابدی پیغام لوگوں کو سنائیں گے حفاظت قرآن کے اس خدائی کرشمے کو دیکھ کر ہر صاحب نظر حیران ہو جاتا ہے۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے۔
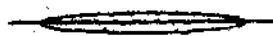
عالم اسلامی کی مشہور علمی اور روحانی شخصیت

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ

حیات اور خدمات کا مختصر تذکرہ

حافظ نثار احمد الحسینی

۶/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴/ مئی ۱۹۹۷ء عالم اسلامی نے اس خبر کو نہایت افسوس سے سنا کہ ممتاز عالم دین مصنف محدث اور مفسر اکابر دیوبند کی آخری نشانی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ وصال فرما گئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ اکابر دیوبند میں منفرد شان کے مالک تھے آپ بیک وقت مفسر، محدث، شارح حدیث، محقق مؤرخ پیر طریقت سب کچھ تھے۔ وہ اکابر کے علمی اور روحانی کمالات کے پرتو اور ان کے مزاج کے صحیح حامل تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت قاضی صاحبؒ کا خاندان صدیوں سے علوم دینیہ کی خدمت میں مشہور ہے۔ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت باز گل مرحوم حضرت سید گیسو درازؒ کی اولاد سے تھے۔ حضرت باز گل مرحوم حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلۂ جہاد میں شامل تھے۔ سقوط بالاکوٹ کے بعد ہزارہ سے نقل مکانی کرکے پنجاب کے مشہور علمی خطہ علاقہ چھچھ کے موضع شمس آباد تشریف لے آئے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے دادا قاضی نادر دینؒ اپنے وقت میں پنجابی کے مشہور شاعر اور مصلح دین تھے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے والد حضرت مولانا مفتی قاضی غلام جیلانیؒ مرحوم بر صغیر کے محقق علماء میں سے تھے۔ مناظر اور صاحب قلم عالم دین تھے۔ پچاس کے قریب علمی اور اصلاحی کتب کے مصنف تھے شہید بالاکوٹ سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ حضرت مولانا کرامت علی جونپوریؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبد

الاولؒ نے آپ کی خدمات دینیہ کے اعتراف میں آپ کو محی الدین کا خطاب دیا۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا سراج الدینؒ سے مجاز طریقت تھے۔ آپ نے متنبی قادیان مرزا قادیانی کا مقابلہ تحریر و تقریر، مناظرہ ہر میدان میں کیا۔ "تیغ غلام جیلانی بر گردن قادیانی" آپ کی مشہور لاجواب تصنیف ہے۔ جس نے علمی دنیا میں خراج تحسین حاصل کرنے کے علاوہ مرزا کی جھوٹی نبوت کی دھجیاں بکھیر دیں۔

بنگال میں مرزائیوں کی کثرت تھی ایک عرصہ وہاں گزار کر مرزائیوں کا زور توڑا آپ فقیہ النفس کے مقام پر فائز تھے۔ ۱۹۲۸ء میں وصال فرمایا اور اپنے آبائی گاؤں شمس آباد مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس علمی اور روحانی گھرانہ میں ۲/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ مطابق یکم فروری ۱۹۱۳ء بروز ہفتہ کو پیدا ہوئے قرآن پاک اور ابتدائی عربی فارسی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں شمس آباد سے مڈل پاس کیا۔ ۱۹۲۸ء میں جب آپ منیۃ المصلی اور ھدایت النحو وغیرہ ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

بچپنے کا یہ داغ یتیمی آپ کے شوق اور حصول علم کی حمیت کو کم نہ کرسکا آپ ذوق و شوق سے علوم اسلامیہ کی تحصیل میں لگے رہے اس وقت علاقہ چھچھ علمائے ربانیین کا مرکز تھا آپ شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالرحمٰنؒ حمیدی، مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے فیض یافتہ مولانا سعید الدین اور مولانا عبداللہ جان موضع جلالیہ جیسے باکمال علماء دین کے فیوضات سے مستفید ہوئے اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۳۰ء میں برصغیر کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے وہاں آپ نے مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا مفتی ظہور الحقؒ، مولانا ظریف احمدؒ، مولانا فیض الحسنؒ اور مولانا عبداللہ ہزاردریؒ جیسے جید اساتذہ کے فیوضات علمیہ سے استفادہ فرمایا بعد ازاں آپ محدث العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کے لئے ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں آپ نے بخاری شریف کا سماع حضرت شاہ صاحبؒ سے کیا۔ علاوہ ازیں مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد ادریس سکھروی وغیرہ سے درس نظامی کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران آپ نے مولانا محمد حسینؒ (حضرو) سے فلسفہ کی مشہور کتاب صدرا پڑھی جس کا ترجمہ اور تشریح البدر الکل الصدرا کے نام سے

لکھی جو ۱۹۳۶ء میں طبع ہو کر علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے دور طالب علمی میں یہ آپ کا گراں قدر علمی کارنامہ ہے جس سے آپ کی علمی استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے اس کتاب پر اپنی تقریظ میں فرمایا: "یہ کتاب خدا کے فضل و کرم اور مؤلف کی عرق ریزی اور کمالات علمیہ کی وجہ سے مستقل کتاب اور صدرا کی شرح بن گئی ہے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ اس کتاب سے شائقین علوم عقلیہ کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا۔"

آپ کے والد گرامی کی خواہش تھی کہ آپ ایشیا کی مشہور دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے مستفیض ہوں چنانچہ آپ نے ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف کے لئے داخلہ لیا۔

دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر اس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جلوہ افروز تھے آپ نے بخاری اور ترمذی حضرت مدنیؒ سے پڑھی حضرت مدنیؒ کی اردو تقریر کو آپ دوران سبق ہی عربی میں قلم بند فرماتے رہے۔ مسلم شریف مولانا رسول خان ہزارویؒ، ابوداؤد شریف مولانا میاں اصغر حسینؒ سے، طحاوی شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ سے، شمائل ترمذی مولانا اعزاز علیؒ سے موطا امام محمد مفتی محمد شفیعؒ سے، موطا امام مالک مفتی ریاض الدین سے اور مولانا قاری عتیق الرحمن سے پارہ عم کی مشق فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے ان یگانۂ روزگار مقربین بارگاہ صمدیت سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا یہ حضرات علم و تقوی میں اپنے وقت کے امام تھے جن کی تربیت باطنی نے آپ کے اوصاف حمیدہ کو نکھارا۔

کیا فیض تھا کہ پڑگئی جس پر بھی اک نظر
رشک جنید، شبلی و منصور ہوگیا

آپ کے دور طالب علمی میں ایک مرتبہ مشہور شاعر مولانا ظفر علی خاں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ دارالحدیث میں ان کے اعزاز میں تقریب استقبالیہ منعقد ہوئی۔ اساتذہ اور طلباء نے مولانا ظفر علی خاں کو نظماً اور نثراً خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر علماء دیوبند کی شان میں آپ نے ایک نظم کہی جس میں مرزا قادیانی کے خلاف اکابر دیوبندؒ کی

خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

انہی کی ذات اقدس سے بشیر الدین نالاں ہے

اس نظم سے متاثر ہوکر مولانا ظفر علی خاں نے فی البدیہہ دیوبند کی شان میں مشہور نظم کہی جسکا پہلا شعر مندرجہ ذیل ہے:

شاد باش وشادزی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا پرچم بلند۔

صوفیانہ مسلک:۔ قیام سہارنپور کے زمانہ میں حضرت مدنیؒ سے عقیدت پیدا ہوگئی جو بالآخر حضرت مدنیؒ کے دامن فیض سے وابستگی کا سبب بنی حضرت قاضی صاحبؒ خود اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت (مدنیؒ) کانگرس یا جمعیۃ العلماء کی دعوت پر سہارنپور تشریف لاتے اور فرودگاہ میں تقریر فرماتے۔ اسی وقت سے آئینہ دل میں حضرت کا نقش اس طرح ثبت ہوگیا کہ آج تک باقی ہے، اور انشاء اللہ باقی رہے گا مگر زیادہ قرب دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے داخلہ پر نصیب ہوا۔ کئی بار (بیعت کی) درخواست کی مگر یہی جواب ملا کہ استخارہ کرلیا جائے ایک رات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت کا حکم ملا۔ وہ پورا خواب لکھ کر ارسال کر دیا تو جواب میں فرمایا کہ ملاقات پر انشاء اللہ بیعت کرلی جائے گی۔ آخر وہ سعادت آفرین گھڑی آگئی کہ مورخہ ۲۶ / شعبان ۵۵ھ ۱۳ / نومبر ۳۶ء بروز جمعرات نماز مغرب کے بعد اسی مسجد میں چند دیگر سعادت مندوں کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل ہوگیا۔"

تمہیں سے پاؤں گا یہ نعمت دنیا ودیں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

کہیں ملاقاتوں اور کہیں خط وکتابت سے منازل سلوک طے ہوتی رہیں تسبیحات، اذکار، اشغال، اور مراقبات کی تکمیل کے بعد آپ کی باطنی ترقیات اور ازلی سعادت مندی تھی کہ حضرت مدنیؒ نے سلسلۂ چشتیہ کے اذکار واشغال کی تلقین کی اجازت عنایت فرمادی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشندہ

۱۹۳۶ء میں جب آپ حضرت مدنیؒ کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے تو

وہاں سے واپسی پر حضرت مدنیؒ نے حضرت لاہوریؒ کے نام آپ کو دستی رقعہ عنایت فرمایا جس میں آپ کے متعلق بھی ایک جملہ لکھا "علمی اور عملی حالت ماشاء اللہ قابل اطمینان ہے "اب حضرت لاہوریؒ کے یہاں بھی آپ کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کو جارہے تھے۔تو حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی حضرت لاہوریؒ نے آپ کو اپنے قلمی دستخطوں سے مزین اپنا ترجمۂ قرآن پاک عنایت فرمایا یہ محض ایک تحفہ نہ تھا بلکہ حضرت لاہوریؒ نے بقول آپ کے اپنا فیض قرآنی آپ کو منتقل فرمادیا۔ ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری زیادہ ہو گئی ۱۹۶۱ء میں جب حضرت لاہوریؒ ایبٹ آباد تشریف لائے تو از خود فرمایا میں چاہتا ہوں کہ سلسلۂ قادریہ میں آپ کی تکمیل کرادوں۔ابتدائی اسباق بھی تلقین فرمائے اس سال ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء ایبٹ آباد تشریف آوری پر آپ کو اجازت بیعت سے نوازتے ہوئے اپنا مجاز فرمایا۔

حضرت لاہوریؒ آپ سے انتہائی محبت اور غایت درجہ اعتماد فرماتے تھے آپ کی تصنیف معارف القرآن کی تقریظ میں حضرت لاہوریؒ نے لکھا "محترم المقام حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب موجودہ دور کے ان علماء کرام میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے کتاب و سنت کے سمجھنے کے لئے ایک خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے"

اب تک ہزارہا لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، بے شمار سینے اللہ تعالیٰ کی محبت سے گرمائے گئے، ہزارہا گھروں اور خاندانوں میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی ضربیں لگ رہی ہیں۔ مسجد کا منہ نہ دیکھنے والوں سے آج تہجد بھی قضا نہیں ہوتی۔

سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
رہے گا رنگ عالم میں یہی تا یوم دیں ساقی

تدریسی خدمات

۱۹۴۳ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر اپنے آبائی گاؤں شمس آباد تشریف لائے تو گاؤں میں "مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی اللہ تعالیٰ نے الہام و تفہیم اور فصاحت

نعمت کا ملکہ عطا فرمایا تھا عظیم علمی خوبیوں والدین کی دعاؤں اور اساتذہ کی شفقتوں کی برکت سے طلباء دور دور سے آتے تھے یہاں آپ نے بخاری سے لے کر کافیہ تک علوم و فنون کی تمام کتب پڑھائیں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ علاقہ کی مذہبی ضروریات کا خیال رکھا باطل کا مقابلہ بھی فرمایا۔ ۱۹۳۵ء میں کامرہ میں مشہور شیعہ مناظر شبیر احمد فاضل لکھنؤ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صداقت پر مناظرہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔ ۱۹۴۱ء میں امام الادب مولانا اعزاز علیؒ کے فرمانے پر ڈالوال ضلع جہلم تشریف لے گئے وہاں قادیانیوں کی کثرت تھی خوب کام کا موقع ملا۔ ۱۹۴۹ء میں اٹک تشریف لائے جامع مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیئے اسی دوران جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں بطور صدر مدرسہ بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھائی علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ارشاد پر ۱۹۵۱ء میں بطور عربی اور اسلامیات پروفیسر کالج میں آگئے یہاں آپ کی برکت سے پروفیسر صاحبان اور نواجوان طبقہ میں دین کے جو اثرات پھیلے اور عقائد کی اصلاح ہوئی اس کی بہار آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں آپ اٹک کالج سے ریٹائرڈ ہوئے کالج کے زمانہ ہی میں ۱۹۵۲ء میں آپ نے مدینہ مسجد کی بنیاد رکھ دی تھی کالج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد زندگی کی آخری ساعتوں تک یہیں مدینہ مسجد میں علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور تصوف و سلوک کی خدمت اور مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی۔

درس قرآن مجید سے خصوصی شغف :۔ اللہ تعالیٰ نے اکابر دیوبند سے دین کے ہر شعبہ میں جو کام لئے ہیں، ان میں سے ایک امت محمدیہ صاحبہا التحیہ والسلام کو قرآن پاک کے قریب کرنا بھی ہے حضرت شیخ الہندؒ حضرت سندھیؒ اور حضرت لاہوریؒ کے تراجم قرآن پاک اور درس قرآن مجید کے ذریعہ امت مسلمہ کی جو اصلاح ہوئی ہے عالم اسلامی میں اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا تصنیف و تدریس اور ہر اعتبار سے علوم قرآنیہ کی خدمت کی۔ بیس کے قریب مختلف قرآنی اسالیب پر وقیع علمی کتابیں لکھیں اور حیات مستعار میں جہاں بھی رہے درس قرآن مجید کا ناغہ نہیں فرمایا بلکہ ایبٹ آباد کے زمانہ میں تو دن میں تین تین مقامات پر عرصہ تک درس دیتے رہے۔ شمس آباد، ڈالوال، ایبٹ آباد، کوہاٹ، تربیلہ، نوشہرہ، نجوال، پشاور لارنسپور کامرہ،

ہ کینٹ اور اٹک وغیرہ کے در و دیوار آج بھی آپ کے زمزمہ ہائے قرآن کے گواہ ہیں۔ ولہ
یٹ میں ۱۹۶۴ء تا ۱۹۹۷ء ۳۳ سال پابندی سے درس قرآن مجید دیا یہاں تک کہ اس
رصہ میں ایک درس کا ناغہ بھی نہیں ہوا یہ درس ۲۸ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔

نظیمی اور ملی خدمات

علمائے عصر میں اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیاز شان بخشی ہے کہ انہوں نے معاشرہ
ں ہر وقتی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے رہنمائی فرمائی۔ درس و تدریس، دعوت والرشاد،
صنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اگر سیاست میں ضرورت ہوئی تو سیاست میں حصہ لیا اگر
یدان جہاد نے تقاضا کیا تو تلوار اٹھا کر امت مسلمہ کے مسائل کے دوش بدوش چلے حضرت
اضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا آپ کی مصروفیت
رچہ زیادہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور ذکر و تصوف میں رہی مگر آپ نے وقت کے
م مسائل میں مسلمانوں کی ہر ضرورت کا ساتھ دیا۔ جب ۱۹۳۲ء میں آپ دارالعلوم دیوبند
سے فارغ ہو کر گھر آئے تو علاقہ کے علماء اگرچہ کام کر رہے تھے مگر کوئی تنظیم اور جماعت نہ
فی جمیعۃ علمائے ہند کی طرز پر جمیعۃ علمائے اٹک کی بنیاد رکھی جس نے گراں قدر دینی
دمات انجام دیں بعض مذہبی مسائل پر علماء کی اختلاف رائے کی وجہ سے مذہبی انتشار پیدا
و جاتا تھا۔ آپ نے علاقہ کے علماء کو مجلس تنقیح فتویٰ کے نام سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔
۱۹۴۷ء میں پہلی بار مؤثر اسلامی کانفرنس جو نواب زادہ لیاقت علی خاں کے زیر
صدارت ہوئی آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ پاکستان میں سعودیہ کے مشہور سفیر عبد الحمید
خطیبؒ کے ساتھ مل کر پاکستان کے کئی ملکی اور ملی مسائل کا حل کیا۔
پاکستان کے پہلے آئین کی تدوین میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں نیشنل اسلامک اقتصادی
کانفرنس میں شرکت کی پاکستان میں اہل سنت کے حقوق کے تحفظ کے لئے بنائی جانے والی
لی جماعت تنظیم اہل سنت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔
۱۹۴۷ء سے پہلے لکھنؤ سے نکلنے والے ایک ہفت روزہ "نظام اسلام" کے لئے بحیثیت
یر اعلیٰ کے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۴ء میں اٹک سے ایک ہفت روزہ "اذان" جاری کیا جو
۱۹۶۲ء تک جاری رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ماہنامہ الارشاد جاری کیا۔ جو ۱۹۸۱ء تک جاری رہا۔ وقتی

سیاسی ضروریات میں بھی ہمیشہ علمائے کے حق کا ساتھ دیا۔

تصنیفی خدمات

اللہ تعالی نے تحریر و تصنیف کا بھی اعلی سلیقہ آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے آپ کو بہترین حافظہ سے نوازا تھا۔ اس لئے آپ کی ہر تحریر دلائل و براہین سے مزین ہے۔ علمی اور اصلاحی ہر میدان میں آپ کی سینکڑوں تصانیف یادگار ہیں بخاری کے ترجمۃ الباب، تفسیر کے مشکل مسائل، فلسفہ کلام کی اور کتب عقائد کی شرح سے لے کر وضو سجدہ کے فضائل اور عوامی دروس تک آپ کی تصانیف ہر طبقۂ فکر کے لئے رہنما ہیں یہاں مختصراً آپ کی چند کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے ورنہ یہ عنوان خود ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے۔

تفسیر

۱۔ آسان تفسیر ۲ : درس قرآن عزیز ۲۸ جلدوں میں ۳ : معارف القرآن ۴ : ضرورۃ القرآن ۲ جلدوں میں۔ ۵ : احکام القرآن۔ ۶ : راہ نمائے ترجمۃ القرآن۔ ۷ : قواعد ترجمۃ القرآن۔

حدیث

۱ : الرسالۃ المدنیہ (عربی میں۔ ۲ : ضرورت حدیث۔ ۳ : روح الباری علی تراجم البخاری۔ ۴ : انوار الحدیث ۲۸ جلدوں میں۔ ۵ : مقدمہ انوار المشکوۃ۔ ۶ : جواہر البخاری۔ ۷ : انمول موتی۔ ۸ : زادِ آخرت۔

فقہ و اصول فقہ

۱ : خلاصہ فقہ حنفی۔ ۲ : اصول حسینی (اصول الشاشی کا فارسی نظم میں ترجمہ) ۳ : آئین وراثت۔ ۴ : فقہ اسلامی۔ ۵ : حج بیت اللہ و زیارۃ الرسول۔

علم کلام و فلسفہ

۱ : احسن الفوائد اردو شرح شرح عقائد نسفی۔ ۲ : البدر الحل الصدر۔

تصوف

۱ : نجات دارین۔ ۲ : کشکول رحمت۔ ۳ : شجرۃ الحسینیہ چشتیہ صابریہ۔ ۴ : روحانی تحفہ

سیرت

۱ : رحمت کائنات۔ ۲ : با محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوقار۔ ۳ : شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۴ : مقام محمود۔

تاریخ

۱ : پاک بندے۔ ۲ : تذکرہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۳ : تذکرۃ المفسرین (اردو۔ انگریزی) ۴ : سیرتِ صحابہؓ۔ ۵ : چراغ محمد (سوانح حضرت مدنی)

فضائل

۱ : شان صحابہؓ۔ ۲ : برکات وضو۔ ۳ : ظل رحمانی۔ ۴ : روحانی گلدستہ۔ ۵ : سنت الانبیاء۔ ۶ : رحمتوں کا خزانہ

لغت

۱ : دینی لغات۔ ۲ : محبوب زبان

اوراد و وظائف

۱ : آغوش رحمت۔ ۲ : (الحزب الاعظم کا ترجمہ و توضیح) ۳ : دامان رحمت

تردید فرق باطلہ

۱ : رحمت کائنات (مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) ۲ : عقائد حقہ۔ ۳ : درہ زاہدیہ بر فرق احمدیہ۔ ۴ : قادیانی کیوں کافر ہیں۔ ۵ : اصلاح الرسوم۔ ۶ : بھوک اور اسلام۔ ۷ : ضرورۃ القرآن۔ ۸ : خلافت نبوی۔ ۹ : اپنی امت کے نام حضرت مسیح کا پیغام۔

۱۰: گانا بجانا۔

وفات حسرت آیات

۱۵/اگست ۱۹۸۹ء میں آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا آٹھ دن کمپلیکس اسلام آباد میں زیر علاج رہے۔ پھر دوبارہ تکلف ہوئی تو کمپلیکس اسلام آباد میں مزید چند دن زیر علاج رہے ڈاکٹروں نے کام سے منع کر دیا تھا مگر آپ باوجود انتہائی نقاہت کے کہ مسلسل کام کرتے رہے بیماری کے دوران چراغ محمد، سوانح حضرت مدنیؒ لکھی۔ درس قرآن مجید اور درس حدیث بنام انوار الحدیث کا کام کیا علاوہ ازیں بھی کئی عنوانات پر لکھا خطوط کے جوابات روزانہ اپنے قلم سے لکھتے درس نظامی کی انتہائی کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کئی مختلف جگہ درس قرآن مجید اور مجالس ذکر کے لئے بھی تشریف لے جاتے آپ کی خواہش تھی کہ میرے معمولات میں کسی بھی چیز کا ناغہ نہ ہو اللہ تعالی نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا چنانچہ حیات مستعار کے آخری روز بھی صلوۃ خمسہ، تہجد، چاشت، اشراق، صلوۃ الزوال، اوابین کے علاوہ بے شمار نوافل پڑھے ذکر واشغال تسبیحات و مراقبات تمام ادا فرمائے ترجمۃ القرآن، بخاری شریف، پند نامہ کا سبق پڑھایا۔ تصنیف کا کام کیا۔ ڈاک لکھی، بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا عشاء کی نماز باجماعت مسجد سے پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ رات بارہ بجے اچانک دل کی تکلیف ہوئی سی۔ ایم۔ ایچ۔ اٹک لے جائے گئے خود پیدل چل کر گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے ہسپتال تک بھی خود چل کر گئے ڈاکٹر آکسیجن کی تیاری کر رہے تھے کہ دو بجکر گیارہ منٹ پر تہجد کے وقت جو آپ کے لئے تمام عمر وصال محبوب کا وقت تھا تین مرتبہ اللہ، اللہ، اللہ فرمایا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہا ہوں گے

اولاد

اللہ تعالی نے آپ کو تین بیٹے اور چار بیٹیاں عنایت فرمائیں سب آپ کے حسن تربیت

سے نیک صالح اور متقی پرہیزگار ہیں آپ کے تینوں صاحبزادے حافظ قاری اور عالم فاضل ہیں۔ بڑے صاحب زادے مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ جامعہ اشرفیہ سے فاضل ہیں منجھلے صاحب زادے مولانا قاضی محمد راشد الحسینی مدظلہ اور چھوٹے صاحب زادے مولانا قاضی محمد ابراہیم ثاقب الحسینی مدظلہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل ہیں۔

خلفائے کرام

آپ نے ہزاروں انسانوں کی تربیت باطنی فرمائی اکابر کی روحانی امانتوں کو تمام عمر نچھاور کرتے رہے منازل سلوک کی تلقین کے بعد آپ اپنے اکابر کی طرز پر اجازت بیعت سے بھی نوازتے تھے ایسے تیرہ خوش نصیبوں کو آپ نے اپنا مجاز فرمایا جن کے اسم گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱)حضرت مولانا صاحب زادہ قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ اٹک۔(۲)حضرت مولانا ڈاکٹر سید سعید اللہ جان صاحب مدظلہ پشاور (۳)حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب مدظلہ ٹیکسلا(۴)حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ نبور۔(۵) جناب کرنل محمد جمیل صاحب مدظلہ کرک کوہاٹ۔ (۶) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ شورکوٹ۔(۷)حافظ نثار احمد الحسینی غفرلہ حضرو(۸)حاجی عبدالعزیز صاحب مدظلہ ایبٹ آباد۔(۹) صاحب زادہ مولانا قاضی محمد راشد الحسینی مدظلہ اٹک (۱۰) صاحب زادہ مولانا قاضی محمد ابراہیم ثاقب الحسینی اٹک (۱۱) مولانا قاری غلام نبی مدظلہ افغانی (۱۲)حضرت حافظ عطاء اللہ مدظلہ وہاڑی۔(۱۳) مولانا قاری محمد ادریس صاحب مدظلہ اسلام آباد۔

دارالعلوم کی نئی جامع مسجد

اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی نئی جامع مسجد پروگرام کے مطابق تعمیری مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کے قریب پہونچ رہی ہے اور اب اس کے اندرونی حصوں کو دیواروں اور فرش کو سنگ مرمر سے مزید پختہ اور مزین کیا جارہا ہے، یہ کام چونکہ اہم بھی ہے اور بڑا بھی اس پر رقم بھی کثیر خرچ ہوگی محبین و مخلصین کی رائے ہوئی کہ آئے دن رنگ وروغن کرانے کے خرچ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ اچھی رقم لگادی جائے، اسی احساس کے پیش نظر اتنا بڑا کام سرانجام دینے کا بوجھ اٹھالیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ تمام حضرات معاونین نے جس طرح پہلے خصوصی تعاون دے کر مسجد کو تکمیل کے قریب پہنچایا ہے، اسی طرح بلکہ مزید سرگرمی کے ساتھ دست تعاون بڑھاکر اس مرحلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ادارہ کی مدد فرمائیں گے۔

یہ مسجد بین الاقوامی اہمیت کی حامل درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد ہے جس میں نہ جانے کس کس دیار کے نیک لوگ آکر نماز ادا کریں گے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جنکی کچھ بھی رقم اس مسجد میں لگ جائے، اس لئے اپنی جانب سے اور گھر کے ہر فرد کی جانب سے اس کار خیر میں حصہ لیکر عند اللہ ماجور ہوں اور دوسرے احباب و اقرباء کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائیں اور دن دونی رات چوگنی ہمہ جہتی ترقیات سے نوازتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے۔ آمین

پتہ

ڈرافٹ و چیک کے لئے: "دارالعلوم دیوبند" اکاؤنٹ نمبر 30076

اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کے لئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند 247554

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۹۷ء

جلد ۸۲	شمارہ ۸	فی شمارہ ۔/۶	سالانہ ۔/۶۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند	استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یوپی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ۔/۳۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم ۔/۱۰۰، بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ۔/۸۰ ہندوستان سے ۔/۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبد الستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤدوالا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

رپورٹ

کل ہنداجلاس دوم رابطہ مدارس عربیہ

دارالعلوم دیوبند

منعقدہ: ۶/صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲/جون ۱۹۹۷ء

ترتیب: شوکت علی قاسمی بستوی
ناظم دفتر رابطہ مدارس دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفے چند

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے فکر و منہاج سے وابستہ اسلامی مدارس نے علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت، اسلامی ثقافت کی بقاء و تحفظ اور ملک وملت کی تعمیر میں بے مثال کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اور علوم وفنون اور زندگی کے مختلف میدانوں میں ایسی جامع عبقری شخصیات کو جنم دیا ہے جن کی نظیر پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔

لیکن ادھر چند سالوں سے یہ احساس بڑھ رہا تھا کہ اسلامی مدارس میں مردم گری اور افراد سازی کی جو بے پناہ صلاحیت ماضی میں تھی آج اس میں نمایاں کمی آتی جارہی ہے۔ تعلیمی معیار میں انحطاط کے ساتھ تربیت کا معیار بھی تیزی سے زوال پذیر ہے۔

چناں چہ اکابر دارالعلوم نے مدارس اسلامیہ عربیہ کے ارباب بست وکشاد حضرات سے اس سلسلہ میں مرحلہ وار تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع فرمایا، تاکہ روز افزوں انحطاط کے اسباب وعوامل کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور اصلاح کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ سب سے پہلے ۲۰، ۲۱/محرم ۱۴۱۵ھ کو دارالعلوم دیوبند میں مدارس اسلامیہ کا کل ہند نمائندہ اجتماع منعقد کیا گیا جس میں اکثر کلیدی کے نمائندوں کو دعوت دی گئی، دوروزہ غور وفکر کے بعد ۶/اہم تجاویز منظور کی گئیں اور اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے مدارس اسلامیہ عربیہ

کے کل ہند اجتماع کی ضرورت پر زور دیا گیا۔

نمائندہ اجتماع کی تجویز کے مطابق ۲۰؍۲۱؍۲۲؍ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ کو یہ کل ہند اجتماع منعقد کیا گیا جس میں دو ہزار سے زائد عربی مدارس شریک ہوئے اور مدارس عربیہ کے درمیان ربط و اتحاد کو فروغ دینے، معیار تعلیم و تربیت بہتر بنانے، مدارس میں ضابطہ اخلاق نافذ کرنے اور اصلاح معاشرہ اور ختم نبوت کے تعلق سے جدوجہد تیز کردینے کی غرض سے رابطہ مدارس عربیہ کا قیام عمل میں آیا اور دارالعلوم دیوبند میں اس کا مرکزی دفتر قائم کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ رابطہ مدارس عربیہ کے زیر انتظام ۲۰؍ رجب ۱۴۱۶ھ کو دارالعلوم دیوبند میں رابطہ کا پہلا کل ہند اجتماع منعقد کیا گیا۔ جو مدارس عربیہ کا تیسرا اجتماع تھا۔ جس میں ۵؍ اہم تجاویز اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔

اجلاس دوم رابطہ مدارس عربیہ

رابطہ مدارس عربیہ کے رہنما اصول میں اجلاس رابطہ کے لئے طے کردہ نظام کے مطابق ۶؍ صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲؍ جون ۱۹۹۷ء کو دارالعلوم میں دفتر رابطہ کا دوسرا کل ہند اجلاس منعقد کرنا طے کیا گیا، تمام رکن مدارس کو مرکزی دفتر رابطہ سے دعوت نامے جاری کیے گئے، اجلاس میں زیر بحث آنے والے موضوعات کی نشاندہی دعوت نامہ میں کردی گئی تھی۔

یہ اجلاس ۶؍ صفر ۱۴۱۸ھ کو دارالعلوم میں منعقد ہوا جس میں بڑی تعداد میں صوبہ جات: یوپی، بہار، بنگال، آسام، منی پور، اڑیسہ، دہلی، پنجاب، ہریانہ، راجستھان، گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، ہماچل پردیش، تامل ناڈو، کرناٹک اور جموں وکشمیر کے نمائندگان مدارس شریک ہوئے اجلاس کی دو نشستیں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر صدارت دارالحدیث تحتانی میں منعقد ہوئیں۔ سطور ذیل میں اجلاس کی دو نشستوں کی کاروائی مختصر پیش کی جارہی ہے۔

پہلی نشست

۶؍ صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲؍ جون ۱۹۹۷ء کو صبح ۸؍ بجے پہلی نشست شروع ہوئی۔

خطبۂ صدارت

تلاوتِ قرآن کے ساتھ باضابطہ آغاز ہوا اور صدر اجلاس حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن

صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، دامت برکاتہم، خطبہ صدارت پیش کرنے کے لئے مائک پر تشریف لائے۔ اپنے وقیع خطبہ صدارت میں حضرت والا نے دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر قائم ہونے والے مدارس اسلامیہ کے مقاصد تاسیس پر روشنی ڈالی۔

نصاب تعلیم کے سلسلہ میں حضرت صدر محترم نے فرمایا:۔

"نصاب، مدارس عربیہ کے مقاصد عالیہ کے لئے رجال کار تیار کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔ اور اس میں مقاصد کو تقویت دینے والے تغیرات کا عمل برابر جاری ہے چناں چہ قیام دارالعلوم کے ابتدائی سالوں میں عربی وفارسی کا دس سالہ مخلوط نصاب تعلیم جاری تھا پھر چند سال کے بعد فارسی وعربی کو الگ کردیا گیا........ فارسی کے نصاب میں فارسی ادب بلاغت انشاء پر زور تھا، اس کے ساتھ تمام ضروری مضامین حساب تاریخ، جغرافیہ اقلیدس اخلاق اور تصوف وغیرہ کو شامل کردیا گیا تھا تاکہ اس ابتدائی نصاب کے ذریعہ ہر طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے، جو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے..... اس کے بعد عربی کا آٹھ سالہ نصاب تعلیم شروع ہوتا تھا۔ جس کے ذریعہ مدارس کے مقاصد عالیہ پر محنت کرنے والے رجال کار تیار ہوتے تھے"۔

"پھر یہ ہوا کہ سال اول عربی کو تعلیم کا سال اول سمجھتے ہوئے معمولی اردو پڑھنے والے طلبہ کو حفظ وناظرہ کے بعد عربی کے سال اول میں لیا جانے لگا جس کا استعداد کے نقصان میں نمایاں اثر ظاہر ہوا، نیز یہ کہ عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم میں ناتجربہ کار اساتذہ سے کام لیا جانے لگا تو اس سے مزید نقصان ہوا۔ اور ان نقصانات کے اصل اسباب تک نہ پہنچنے والے ذہن نے انحطاط کا اصل ذمہ دار نصاب تعلیم کو قرار دے دیا"۔

مسلم معاشرہ کی اصلاح اور تحفظ دین کی مساعی کے تعلق سے مدارس عربیہ کے کردار کو سراہتے ہوئے حضرت صدر اجلاس زید مجدہم نے فرمایا:

"جہاں بھی کوئی درسگاہ قائم ہے وہاں ہدایت کی ایک قندیل روشن ہے اور تجربات شاہد ہیں کہ جہالت وبدعات کے بدترین ماحول میں بھی مسلمانوں کو مسلک صحیح اور جادۂ قدیمہ پر لانے کے لئے یہ طریقہ بہت کامیاب رہا ہے کہ وہاں کے مسلمان آہستہ آہستہ مرکز ہدایت سے وابستہ ہوتے چلے گئے........ اسی طرح باطل نظریات کی تردید کے سلسلہ میں مدارس عربیہ کا کردار بہت اہم رہا ہے شیعیت، قادیانیت، بدعت، مودودیت، اور عدم تقلید کی تردید کے سلسلہ میں مدارس عربیہ کے ذریعہ انجام پاتے والی خدمات کی

تفصیل کی جائے تو ہر موضوع پر ضخیم مجلدات بھی ناکافی رہیں گی"۔

خطبہ صدارت کے بعد راقم السطور نے دفتر رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ پیش کی جس میں اب تک کی کارگذاری کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔

حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کا خطاب

اس کے بعد حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب برکاتہم نے مندوبین کرام سے خطاب فرمایا حمد وصلوٰۃ کے بعد انہوں نے فرمایا:

صدر محترم، بزرگو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں جو عارضی طور پر بھیجا ہے تو اصل زندگی اور وطن کے لئے کامیابی کا راستہ خود بتایا ہے۔ اس کی تعلیم و تلقین، عمل کرنے اور کرانے کی ذمہ داری انبیاء کرام اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں تمام عمر جدوجہد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مقدس کو نمونہ بناکر صفہ کی نقل میں یہ مدرسے قائم کیے جاتے ہیں۔ تاکہ اللہ کا دین لوگوں کو حاصل ہو، پھیلے اور اس پر چل کر لوگوں کو ہدایت ملے اور آخرت کی کامیابی نصیب ہو مگر اس عظیم کام کے لئے خلوص بنیادی چیز ہے۔ اگر للّٰہیت کے بجائے دنیا پیش نظر ہو اور حصول دنیا کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے توجہ کم اور تعلق کم ہو جائے تو خیر و برکت اٹھ جائے گی اور دنیا کے فساد، جھگڑے، نفس پرستی کا غلبہ ہوتا چلا جائے گا اس لئے مدارس کے حضرات کو محاسبہ کرنا، اپنی نیتوں کو درست کرنا اور مستفیدین اور کارکنان مدرسہ کو اس طرف توجہ دلانا اور اصلاح کی کوشش کرنا ازبس ضروری ہے۔ ورنہ مقصد مقصد نہیں رہے گا۔ وسائل مقصد بن جائیں گے۔ دنیا مقصد بن جائے گی۔ چند پیسوں میں مدرسہ چھوڑ کر دنیا میں لگ جائیں گے...... بیشک دنیا دارالاسباب ہے۔ اس لئے وسائل بھی ہونے چاہئیں لیکن انہیں مقصد نہیں بنانا چاہئے۔ وسیلہ کو وسیلہ بناؤ۔ وسیلہ کو مقصد نہ بناؤ، بناؤ گے تو مقصد کھو جائے گا وہ افادیت نہیں رہے گی، کوئی للّٰہیت پیدا نہیں ہوگی۔ اللہ کے دین کے خادم پیدا نہیں ہوں گے۔ کمانے والی مشینیں پیدا ہوں گے"۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا:

"دوسری بات یہ ہے کہ تمام دنیا آج اسلام کی مخالف ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے۔ لیکن اس زمانے میں تمام عالم، اسلام کو مٹانے پر آمادہ ہے۔ پوری دنیا کی طاقتیں اس پر متفق ہیں ہر مسئلہ میں اختلاف ہوگا لیکن اسلام کے دشمنوں میں اسلام کے مٹانے کے بارے میں

کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ پوری کوشش اس بات کی ہے کہ مسلمان مسلمان تو رہیں لیکن اسلام ان کے اندر باقی نہ رہے امریکہ ہو، روس ہو، برطانیہ ہو، فرانس ہو، کوئی بھی ہو اسلام کو مٹانے پر سب تلے ہوئے ہیں۔

برصغیر میں عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"کلکتہ میں ایک عیسائی عورت (مدر ٹریسا) نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "پچاس سال میں بنگلہ دیش عیسائی ملک بنادیا جائے گا" گاؤں گاؤں عورتوں بچوں اور مردوں کا دین خریدا جارہا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھی یہ کام شروع ہوگیا ہے۔

فرق باطلہ کی تردید اور اس کے لئے علمی طور پر تیار ہونے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ "ہر مدرسہ میں جمعہ کو دو گھنٹہ اس کے لئے مخصوص کریں اور طلبہ کو معلومات دیں، اس سلسلہ میں دارالعلوم کی خدمات حاضر ہیں یہاں کئی سال سے شعبہ قائم ہے شعبہ سے رابطہ قائم کر کے کتابیں حاصل کریں مشورہ کریں اور پورے عزم کے ساتھ تعلیمی و تدریسی کاموں کے ساتھ ساتھ فرق باطلہ کی تردید کا کام شروع کر دیا جائے"

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کا خطاب

حضرت مولانا دامت برکاتہم کے ولولہ انگیز خطاب کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند مائک پر تشریف لائے اور نصاب تعلیم و نظام تعلیم و تربیت و رابطہ مدارس کی اہمیت و افادیت کے موضوع پر حضرات سامعین کو اپنے جامع، مدلل اور پُر مغز خطاب سے محظوظ فرمایا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا:

"صدر محترم، علماء کرام، مندوبین عظام اور عزیز طلبہ! یہ اجتماع، مدارس عربیہ کے رابطہ کا دوسرا اجتماع ہے۔ رابطہ، وفاق اور اتحاد سے شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ تمام مدارس عربیہ کی افادیت اپنی اپنی جگہ اظہر من الشمس ہے۔ لیکن ان کا اگر اتحاد قائم ہوجائے وفاق بن جائے الحاق ہو جائے تو ان کی شان نمایاں ہو جاتی ہے، موتی اپنی جگہ پر پوری قیمت رکھتا ہے۔ قیمت میں کوئی کمی نہیں، موتی اپنی اپنی جگہ موتی ہے لیکن کچھ موتی مل کر جب ہار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی قیمت دو چند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام مدارس عربیہ جو دارالعلوم دیوبند کی گویا چھیریہ سی شاخیں ہیں اور دارالعلوم کے فضلاء اور ابناء عزیز نے ان مدارس عربیہ کو قائم فرمایا ہے وہ سب مدارس عربیہ اپنی اپنی جگہ ایک مقام

رکھتے ہیں ایک شان دار تاریخ رکھتے ہیں، بہترین کارکردگی کے حامل ہیں لیکن وفاق اور ارتباط کے فوائد کے پیش نظر آپ حضرات نے بھی اور آپ کے اکابر نے بھی مصلحت وقت سمجھ کر وقت کی آواز اور اس کے تقاضے کے پیش نظر فیصلہ کیا کہ ان سب پھولوں کو ملا کر گل دستہ بنادیا جائے۔ تمام مدارس کو رابطہ کی لڑی میں پرودیا جائے۔ تاکہ ان کی اہمیت وافادیت میں اضافہ ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام آہستہ آہستہ کافی حد تک آگے بڑھ گیا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ آگے پیش قدمی کرنی ہے

اس وقت تک ہمارے دفتر میں جو ریکارڈ ہے وہ ۶۲۵ مدارس کے مربوط ہونے کا ہے جب کہ پورے ملک میں دارالعلوم کی شاخیں اس سے بہت زیادہ ہیں، ہزاروں کی تعداد میں عربی مدارس قائم ہیں، لہٰذا کام ابھی انشاء اللہ اور آگے بڑھنا ہے۔ اور اس سے جو متوقع فوائد ہیں اور جو امیدیں وابستہ ہیں وہ انشاء اللہ جوں جوں ارتباط بڑھے گا اتنے ہی اس کے فوائد و برکات محسوس ہوں گے۔

آخر میں انہوں نے ذمہ داران مدارس کو متوجہ کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمارے مدرسوں کے اچھے اساتذہ چند سال مدرسوں میں پڑھانے کے بعد دوسرے ذرائع اختیار کر لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ذمہ داران کو اساتذہ کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے تنخواہ اتنی دینی چاہئے جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور وہ پورے دل جمعی کے ساتھ تدریس کی اہم خدمت انجام دے سکیں۔ اپنی بات کو مدلل فرماتے ہوئے حضرت مولانا نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعض فرامین کا ذکر فرمایا نیز انہوں نے فرمایا کہ "اخلاص یہ نہیں ہے کہ بھوکے رہو اور کام کرو۔ اخلاص وللّٰہیت کا مطلب ہے کہ اگر اسباب نہ ہو اور بھوکا رہنا پڑے تو بھوکے رہ کر بھی کام کرو لیکن اسباب ہوں اور پھر بھوکے رہو یہ کون سا اخلاص ہے ؟"

دفتر رابطہ کو موصولہ تجاویز

اجلاس کے دعوت میں یہ وضاحت کردی گئی تھی کہ متعلقہ موضوعات کے سلسلہ میں کوئی تجویز ہو تو دفتر رابطہ میں ارسال فرمائیں، چناں چہ جو تجاویز موصول ہوئیں انہیں مرتب کر لیا گیا تھا، اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے خطاب کے بعد راقم السطور احقر شوکت علی قاسمی بستوی، خادم دفتر رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند نے یہ تجاویز مندوبین کو پڑھ کر سنائیں۔

اظہار خیال حضرات مندوبین

اس کے بعد چند مندوبین کرام نے، نظام تعلیم وتربیت، نصاب تعلیم اور رابطہ کے استحکام کے موضوعات پر اپنے خیالات پیش کئے جناب مولانا محمد اقبال صاحب تمل ناڈو نے فرمایا کہ "رابطہ کی توسیع کے لئے منظم جدو جہد کی ضرورت ہے تاکہ ہر صوبے کے زیادہ سے زیادہ مدارس اس سے مربوط ہوں۔ نیز مجلس عاملہ کی تشکیل میں تمام صوبوں اور کن مدارس کے تناسب سے نمائندگی دی جائے تدریب المعلمین میں عصری اداروں میں رائج بی ایڈ اور ایم ایڈ کا تجربہ ہمارے لئے مفید نہیں رہے گا۔ تدریب کے لئے اکابر خود نظام بنائیں، اور تعلیم کو ابتدائیہ، متوسطہ ثانویہ اور علیا درجات میں تقسیم کرکے ہر مرحلہ کے لئے تدریب کا نظم کیا جائے۔"

جناب مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مراد آباد نے نصاب تعلیم کے عنوان پر اپنے خیالات پیش کئے فرمایا احادیث کی کتابوں میں اکثر کا آغاز کتاب الطہارۃ سے ہے، اس لئے بعض کتابیں مثلاً ابوداؤد شریف یا نسائی شریف کا آغاز جلد ثانی سے کیا جائے۔ طحاوی شریف مکمل پڑھائی جائے۔ کنز الدقائق کو داخل نصاب کیا جائے۔ ہدایۃ النحو کے ساتھ کافیہ بحث فعل وحرف مکمل نہیں ہوسکتی اس میں تخفیف کی جائے"۔

جناب مولانا قمر الحسن صاحب شاہ جنگی بھاگلپور نے فرمایا کہ "صوبائی پیانہ پر رابطہ قائم کیا جائے اور کسی ایک مدرسہ کو مرکز بناکر وہاں صوبائی اجلاس منعقد کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ اساتذہ اجلاس میں شرکت کرسکیں۔"

جناب مولانا ابن سعود صاحب کرتپور بجنور کی رائے تھی کہ "ایک مدرسہ سے پڑھ کر دوسرے مدرسہ میں داخل ہونے والے طلبہ کا داخلہ سابقہ مدرسہ کی تصدیق کے بغیر نہ کیا جائے، سالانہ امتحان میں فیل ہونے والے طالب علم کو شوال میں امتحان کا موقع دیا جائے"۔

پہلی نشست ½۱۲ بجے دوپہر تک جاری رہی۔

دوسری نشست

دوسری نشست کا آغاز بعد نماز مغرب ۸ بجے تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے درخواست کی گئی کہ حضرت مائک پر تشریف لائیں اور سامعین کو اپنی قیمتی نصیحتوں سے

مستفید فرمائیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم کا خطاب

حمد وصلوۃ کے بعد حضرت نے فرمایا:

حضرت صدر محترم، اساتذۂ کرام مندوبین حضرات! اس جلسہ کا مقصد آپ سب حضرات کو معلوم ہے، جس مقصد کے لئے آپ سب حضرات نے زحمت فرمائی ہے اس کا تذکرہ خطبۂ صدارت میں اور جن اکابر نے خطاب فرمایا ہے ان کے خطاب میں آچکا ہے، اس کے علاوہ آپ حضرات نے اپنے طور پر غور وفکر کرنے کے بعد اپنے جو خیالات قلم بند فرماکر یا زبانی پیش کئے ہیں وہ سب معلوم ہیں۔

اصل چیز یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ بڑا انعام ہے کہ باری تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لئے ہماری ہدایت کے لئے ہمارے نفع کے لیے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر جتنے حضرات ابتک ایمان لائے یا آئندہ لاے رہیں گے ان سب پر حق تعالیٰ کا انعام ہے، ورنہ دنیا کے اندر ایک سے ایک دانشور ہیں، ایک سے ایک عقلمند ہیں مگر ان کو دین اسلام قبول کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق نہ دی۔ باری تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی۔ اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ کس کا وعدہ سچا ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دین کی حفاظت، اشاعت اور تبلیغ کا کام لیتے ہیں اور برابر لیتے رہیں گے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اللہ نے جو امانت ہمارے بڑوں کو عطا فرمائی، ان حضرات نے اس کی حفاظت فرمائی اور اپنی کوششوں سے وہ امانت ہم تک پہنچائی، ہم اس امانت کی حفاظت کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ شریعت کی حفاظت ان مدارس کے ذریعہ ہورہی ہے۔ ان مدارس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم اسلامیہ پڑھائے جاتے ہیں، یہ مدارس فیکٹریاں ہیں۔ یہاں سے علماء اسلام تیار ہوتے ہیں۔ محافظین اسلام، مبلغین اسلام، مصنفین اور مولفین، مناظرین اور قرّاء تیار ہوتے ہیں"۔

تدریب المعلمین کے سلسلہ میں حضرت نے فرمایا: آج ہم تدریب کے بارے میں فکر مند ہیں کہ مدرس کیسے تیار کریں، نصاب کیسا ہو، شرم کی بات ہے، ہمارے اکابر نے یہی کتابیں پڑھ کر اور اساتذہ سے علم حاصل کرکے دوسروں کو پڑھایا اور کامیاب اور اعلیٰ درجہ

کے مدرس ہوئے، آج بھی الحمدللہ آپ حضرات اپنے اپنے مدرسوں میں کامیاب اساتذہ ہیں، اسی طرح دارالعلوم میں ہمارے اساتذہ، حدیث تفسیر فقہ اور تمام علوم متداولہ پڑھا رہے ہیں کیا انہوں نے کہیں ٹریننگ حاصل کی؟ نہیں! دارالعلوم میں دن میں پڑھا اور رات کو تکرار (مذکراۂ درس) کرائی ایک ایک طالب علم کی تکرار میں سو سو دو دو سو طلبہ شریک ہوتے تھے۔ وہ اسی انداز میں تکرار کراتا جیسے استاذ پڑھا رہا ہو۔ استاذ کی نقل کرتا آج ہم تدریب کے طریقے دوسروں سے معلوم کر رہے ہیں"۔

حضرات مندوبین کا اظہار خیال : حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم کا بصیرت افروز خطاب سامعین نے پوری توجہ سے سنا۔ اس کے بعد چند مندوبین حضرات نے اپنے خیالات پیش کئے۔

جناب مولانا سید احمد صاحب : پڈرونہ ضلع دیوریا یوپی نے "ہر ضلع میں یا چند اضلاع کو ملا کر مقامی رابطہ دفتر قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔

جناب مولانا عبداللہ شکیل صاحب نوادہ نے فرمایا کہ : "تعلیم کے تین عنصر ہیں، طلبہ، اساتذہ اور نصاب، طلبہ سے محنت لی جائے ان کو برداشت نہیں۔ اساتذہ بھی تیار نہیں۔ اس لئے صرف نصاب تختہ مشق بنتا ہے"۔

جناب مولانا منیر احمد صاحب پرتاپ گڑھی نے تجویز پیش کی کہ "دارالعلوم میں داخلے کے لئے شروع سال میں امتحان لینے کے بجائے، مربوط مدارس سے دارالعلوم آنے والے طلبہ کو دارالعلوم کے سالانہ امتحان میں شریک کیا جائے اور اسی کی بنیاد پر داخلہ لیا جائے"۔

جناب مولانا عبداللہ صاحب کاشمیری نے فرمایا کہ "تدریب کا نظم قائم کرنے کے بجائے اکابر کا طریقۂ درس اپنایا جائے۔ اکابر سے ربط رکھا جائے۔ اکابر کی نقل کی جائے"۔

جناب مولانا سلطان احمد مدرسہ قاسم العلوم نہٹور بجنور نے فرمایا : دارالعلوم اور غیر مدارس میں دورۂ حدیث کی تعلیم ہوتی ہے ان کے فضلاء کے لئے تربیتی کورس شروع کئے جائیں اور ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جائے۔

جناب مفتی وسیم احمد صاحب نگینہ نے فرمایا "استعداد کی کمزوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مدرسہ معیار تعلیم بلند کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے سختی کی جاتی ہے تو طلبہ اس مدرسہ سے نکل کر دوسرے مدرسہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مرکزی دفتر سے ذمہ داران معائنہ کے لئے مربوط مدارس میں پہنچے چاہئیں تاکہ تعلیمی معیار کا جائزہ لیا جائے اور اصلاح

کی کوشش کی جائے"۔

جناب مولانا اسلم جاوید صاحب قیصر العلوم رام پور نے فرمایا کہ رابطہ اجلاس ہر سال بلایا جائے۔ اور ہر سال مختلف مقامات میں کبھی دارالعلوم دیوبند میں اور کبھی دوسرے مربوط مدرسہ میں۔ تاکہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی نقصان نہ ہو۔ دارالعلوم کی طرف سے سمینار منعقد کیے جائیں اور آزادی کی پچاسویں سال گرہ کے موقع پر مجاہدین آزادی کا تعارف کرلیا جائے۔

تجاویز کمیٹی

ان ساری کارروائیوں کے بعد اجلاس سے پہلے موصولہ اور اجلاس میں پیش کردہ تجاویز اور زیر غور موضوعات کی بابت اجلاس میں ہوئے اظہار خیال کی روشنی میں پانچ اہم تجاویز مرتب کی گئیں جنہیں دوسری نشست میں پیش کیا گیا اور تمام مندوبین کرام نے اتفاق رائے سے انہیں منظور کیا۔

ہر اس موقع پر حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری نے اپنی مختصر گفتگو میں فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کے لئے علمی طور پر تیار ہونے پر زور دیا اور "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" نامی کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی دعا پر $10\frac{1}{2}$ بجے شب میں اجلاس بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

اجلاس میں منظور شدہ تجاویز کا متن درج ذیل ہے۔

تجـــاویـــز

منظور شدہ کل ہند اجلاس دوم رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۶ر صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲ر جون ۱۹۹۷ء بروز جمعرات

تجویز ۱: مجلس عاملہ کی تشکیل

رابطہ مدارس عربیہ کا یہ دوسرا کل ہند اجلاس رابطہ کے لیے ۵۱ رکنی مجلس عاملہ کی تشکیل کو ایک مناسب اقدام تصور کرتا ہے۔ یہ اجلاس رابطہ کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت مہتمم

صاحب دارالعلوم دیوبند سے درخواست کرتا ہے کہ مجلس عاملہ کی تشکیل میں رابطہ سے منسلک مدارس عربیہ کی تعداد کے تناسب سے صوبوں کی نمائندگی کا لحاظ رکھا جائے۔

یہ اجلاس زیر تشکیل مجلس عاملہ کے ارکانِ گرامی سے توقع کرتا ہے کہ وہ رابطہ کے لیے دستور العمل اور ضابطۂ اخلاق کی ترتیب اور نصابِ تعلیم و نظام تعلیم و تربیت سے متعلق مشکلات اور قابلِ غور امور کے حل کی جانب اولیت کی بنیاد پر اقدام کریں گے، تاکہ رکن مدارس رابطہ کے متوقع فوائد سے کماحقہ مستفید ہوسکیں۔

تجویز ع۲: تدریب المعلمین

یہ اجلاس مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد سے درخواست کرتا ہے کہ بطور تجربہ سالِ چہارم تک کے معلمین کی تدریب کے لیے دارالعلوم میں کم از کم یک ماہی تربیتی کیمپ کا نظم کیا جائے، جس میں رابطہ کے مدارس اپنے مدرسین کو تدریب کے لیے بھیج کر اس کیمپ سے مستفید ہوسکیں۔

تجویز ع۳: حفاظتِ اسلام میں مدارس کا کردار

اسلام کے خلاف اگرچہ ہمیشہ سے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری ہے لیکن موجودہ دور میں زیادہ منظم طریقہ پر پوری قوت اور شدت کے ساتھ باطل طاقتوں نے کام شروع کردیا ہے۔ اس لیے یہ اجلاس رکن مدارس کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ حفاظتِ اسلام کے موضوع پر حسبِ ضرورت اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق بلا تاخیر کام شروع کردیں۔ بڑی جماعتوں کے طلبہ کو فرقِ باطلہ کے رد پر مواد اور معلومات فراہم کریں۔ ممکن ہو تو دارالعلوم دیوبند کے طرز پر محاضرات کا نظم قائم کریں۔ اپنے اطراف واکناف کا جائزہ لے کر عوام میں بیداری کے لیے حسبِ ضرورت اجتماعات اور دوروں کا نظم کریں۔

تجویز ع۴: اصلاحِ معاشرہ

رابطۂ مدارس کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں فواحش و منکرات اور مذہب سے دوری کا رجحان برابر بڑھتا جارہا ہے۔ بنیادی دینی تعلیم کے بغیر عصری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والی نسل نہ صرف یہ کہ اسلام کے بنیادی عقائد، فرائض اور اعمال

سے ناواقف رہ جاتی ہے بلکہ لادینیت اور مذہب بیزاری کا شکار ہو جاتی ہے۔ مسلم معاشرہ میں پھیلے ہوئے غیر اسلامی رسم ورواج اور غیر قوم کی نقالی سے مسلمانوں کا قیمتی سرمایہ بھی ضائع ہو رہا ہے اور دیگر قوموں کے سامنے اسلام کی تصویر بھی مسخ ہو رہی ہے اس لیے یہ اجلاس مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ قرب وجوار کی معاشرتی اصلاح، فواحش ومنکرات کے سدِّباب اور دین متین کے ساتھ وابستگی کی جدوجہد کو ادارہ کے بنیادی مقاصد میں شامل قرار دے کر اس جانب مکمل توجہ دیں۔ مقامی اصلاحی کمیٹیوں کی تشکیل اور دیگر ضروری اقدامات کو عمل میں لائیں۔

تجویز ۵: تجویز شکریہ

رابطۂ مدارسِ عربیہ کا یہ اجلاس حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی، دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران، منتظمین اور کارکن حضرات کا تہ دل سے شکرگزار ہے کہ اپنی شبانہ روز انتھک محنت اور کوششوں کے ذریعہ مندوبین کی راحت رسانی، اجلاس کی نشستوں کا بہتر سے بہتر انتظام کرنے اور اسے کامیاب بنانے میں بھرپور تعاون فرمایا۔ اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

"مرادیں غریبوں کی بر لانے والا"

از : مولانا اختر امام عادل، استاذ دار العلوم حیدر آباد

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی

ہمارے حضورؐ کی ہر شان نرالی، ہر ادا بے مثال، آپ کا ہر عمل انسانیت کے لئے اسوہ، آپ کا نقش قدم دنیا کے لئے مشعل راہ، آپ ساری دنیا کے نبی، ساری انسانیت کے سب سے اونچے پیغمبر، آپ کا در ہر ایک کے لئے کھلا ہوا، کاشانۂ نبوت پر کسی کے لئے پابندی نہیں، دوست ہو، دشمن ہو، اپنا ہو غیر ہو، امیر ہو غریب ہو، کسی رنگ و نسل کا ہو، ہر ایک کو اس در سے بھیک ملتی ہے، آستانۂ نبوی سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ بس ضرورت ہے سچی طلب اور ذوق جستجو کی، یہاں دیکھا جاتا ہے تو صرف یہ کہ کون محبت سے لبریز دل لیکر آیا ہے اور کون خالی؟ کون آداب محبت کی رعایت کرتا ہے اور کون نہیں؟ یہاں ہر طلب پوری ہوتی ہے بشر طیکہ آداب و حدود کے اندر ہو۔ محبت کا ہر سودا قبول ہوتا ہے بس شرط یہ ہے کہ غلو نہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غلو سے بڑی نفرت تھی، آپ دنیا کو راہ اعتدال دکھانے آئے تھے اس لئے کوئی بھی غیر عادلانہ رد یہ آپ کے لئے نا قابل برداشت ہوتا تھا۔ آپ ہر سوالی کی جھولی بھرتے تھے۔ جتنا آپ کے لئے ممکن ہوتا۔ آپ کا مشہور قول تھا۔

انما انا قاسم والله يعطى (الحديث) دینے والا تو خدا ہے میں صرف تقسیم کر رہا ہوں۔ عطا پروردگار کی جانب سے ہے اور تقسیم سرکار کی جانب سے

بعثت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فیاض طبیعت اور جود و عطا والی فطرت لیکر آئے تھے، قبل نبوت بھی آپ کا خوان کرم، امیروں، غریبوں سب کے لئے کھلا تھا، بالخصوص یتیموں، بیواؤں اور مصیبت کے ماروں کی دستگیری آپ کی محبوب چیز تھی اور اس کی سب سے بڑی شہادت آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے وہ قیمتی جملے ہیں جو انہوں نے پہلی وحی کے نزول کے بعد تسلی کے طور پر فرمائے تھے، جن سے آپ کی اس وقت کی شخصیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے فرمایا تھا،

"میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقرباء پر شفقت فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بیواؤں، یتیموں بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ مہمان نوازی فرماتے ہیں اور مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۱۴)

یہ پندرہ سالہ رفاقت کی آنکھوں دیکھی شہادت ہے۔

بعثت کے بعد اور بعد نبوت تو کہنا ہی کیا؟ آپ تو آئے ہی تھے ساری دنیا کے مسائل کا مداوا بنکر، پھر غریب، یتیم مزدور، بے کس، بیوہ، اور مصیبت زدہ لوگ کیسے محروم رہ سکتے تھے؟

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں "نہیں" فرمایا۔
(بخاری شریف کتاب الادب باب حسن الخلق)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی اور دادودہش میں تیز ہوا سے بھی زیادہ تیز رفتار تھے (بخاری و مسلم)

بخاری شریف میں خود آپ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین دن گذر جائیں۔ اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، سوائے اس کے کہ کسی دینی کام کے لئے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں اس کو اس طرح اور اس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹادوں۔
(بخاری، کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احب الخ)

غریبوں کا خیال

غریبوں اور محتاجوں کا آپ کو اس درجہ خیال تھا کہ اس کے لئے آپ نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بھی پرواہ نہ کی۔ خود فقر و فاقہ برداشت فرما کر آپ نے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کیں۔

آپ کی لاڈلی صاحبزادی فاطمہ زہراؓ کا قصہ تو بہت مشہور ہے، کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضورؐ کے پاس کچھ باندیاں آئی ہیں۔ تو وہ حضور کے پاس حاضر ہوئیں۔ اور اپنی چکی پینے کی مصیبت کا ذکر کیا، اور خدمت کے لئے ایک باندی کی درخواست پیش کی، حضورؐ نے ان کو چند تسبیحات کی تعلیم دی اور فرمایا کہ یہ باندی سے بہتر ہے، اور بعض روایتوں لیکن یہ بھی کہا

ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ "خدا کی قسم اس حالت میں کہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گئے ہیں میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، ان کو فروخت کر کے ان کی آمدنی میں ان پر خرچ کروں گا۔
(فتح الباری ج ۷، ص ۲۳، ۲۴)

حضورؐ نے اپنے صحابہ سے فرما رکھا تھا کہ اس شخص کی حاجت مجھ تک پہونچاؤ جو اپنی حاجت خود مجھ تک نہ پہونچا سکے چنانچہ جن غرباء کا کوئی گھربار نہ ہوتا تھا وہ حضور کے ہمسایے میں آجاتے۔ آپ اپنے قلیل ماحضر میں جو کچھ بھی ہوتا، انہیں شریک فرمالیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (مخزن اخلاق ص ۴۶)

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو۔ میں اسے ادا کروں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے، وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں (اعلام النبوۃ ص ۱۵۵)

آپ غریبوں کے لئے اس قدر سہل الحصول تھے کہ حضرت انسؓ کے بقول مدینہ کی کوئی لونڈی بھی آپ کو اپنی کسی ضرورت کے لئے جہاں چاہتی لیجاتی (مشکوۃ ص ۵۱۹)

پاکیزہ کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ گوشہ نہایت اہم ہے۔ آپ نے اپنے ارشادات اور پاکیزہ کردار کے ذریعہ غریبوں اور بے کسوں کو بلند مقام دلایا اور ہزاروں وہ لوگ جن کی سماج میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی آپ کی نظر کرم سے وہ رہبر و رہنما بن گئے۔ حضورؐ کی سیرت طیبہ میں حاجت بر آئی اور کرم گستری کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ جس میں دوست دشمن کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ آپ نے ہر قوم اور ہر قبیلہ کے غریبوں کو سینے سے لگایا اور پوری ہمدردی کے ساتھ ان کی ضرورتیں پوری فرمائیں۔ اس سلسلے میں آپ کو بعض دفعہ کافی تحمل و برداشت سے بھی کام لینا پڑتا تھا اور آپ غریبوں اور سائلوں کی بڑی بڑی گستاخیوں سے بھی عفو و درگذر فرماتے تھے۔

عفوودرگذر کی مثال

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور حضورؐ کی چادر کو زور سے کھینچا، یہاں تک کہ حضورؐ کی گردن پر اس کے کھینچنے کے نشان پڑ گئے۔ اعرابی بولا، محمدؐ! خیر سے یہ

لونٹ ہیں ان پہ لادنے کا کچھ سامان مجھے بھی دو۔ کیوں کہ جو مال تیرے پاس ہے وہ نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر فرمایامال تو اللہ کا ہے اور ں اس کا بندہ ہوں، پھر آپ نے اس اعرابی سے پوچھا کہ جو برتاؤ تم نے میرے ساتھ کیا ہے کیا تم کو اس پر کوئی خوف نہیں ہے ؟ اعرابی بولا نہیں، آپ نے پوچھا کیوں ؟ اعرابی نے ا مجھے معلوم ہے کہ تم برائی کے بدلے برائی نہیں کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ُم دیا کہ ایک لونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لاددو۔ (بخاری ومسلم۔ شفاء قاضی عیاض : ص ۴۸)

آپ نے ضرورت مندوں کی ضرورتیں بھی پوری کیں اور ان کے ناز نخرے بھی ھائے، غریبوں کے ساتھ حضور کی بڑی شفقتیں رہی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک گنوار آیا اور حضورؐ سے اس نے کچھ مانگا۔ حضور نے اسے عنایت کردیا۔ اور پوچھا کہ ٹھیک ہے ؟ وہ بولا نہیں! آپ نے میرے ساتھ کچھ بھی سلوک نہیں کیا، صحابہ یہ سنکر بے تابانہ اس کی طرف ٹھے تاکہ تنبیہ کریں۔ حضور نے اشارے سے ان کو روک دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور گھر سے لاکر اور بھی کچھ دیا۔ وہ خوش ہو کر دعا دینے لگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری پہلی حرکت میرے اصحاب کو ناگوار گذری تھی کیا تم پسند کرتے ہو کہ ان کے سامنے بھی اپنی خوشی کا اظہار کرو جس طرح میرے پاس کر رہے ہو۔ تاکہ ان کے دل بھی تیری طرف سے صاف ہو جائیں، وہ بولا کے ہاں! میں کہہ دوں گا، پھر اگلے دن یا شام ہی کو وہ گنوار دوبارہ آیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اب یہ مجھ سے خوش ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟ وہ بولا، ہاں اور پھر دعا دینے لگا...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کی اونٹنی بھاگ گئی لوگ اس کے پیچھے دوڑے وہ آگے ہی آگے بھاگتی رہی۔ مالک بولا تم سب ٹھہر جاؤ، میری اونٹنی ہے اور میں ہی اسے سمجھ سکتا ہوں، لوگ ہٹ گئے، اونٹنی چرنے لگی مالک نے آگے سے جاکر پکڑ لیا...... آپ نے فرمایا میری اور گنوار کی مثال ایسی ہی تھی۔ اگر تم اسے پہلی حالت میں قتل کر دیتے تو بے چارہ جہنم میں چلا جاتا۔

(کتاب الشفاء ص ۵۵)

وقت کی قید نہیں

اس معاملہ میں آپ اس قدر وسیع الظرف تھے کہ کسی وقت کی بھی قید نہیں تھی۔ جو جس وقت ضرورت لیکر آجاتا آپ اس وقت اس کی ضرورت پوری فرمادیتے...... ایک

بار نماز کھڑی ہو چکی تھی کہ ایک اعرابی آگے بڑھااور آپ کا کپڑا پکڑ کر کہنے لگا کہ میری ایک معمولی سی ضرورت باقی رہ گئی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔ حضورؐ اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔جب اس نے اپنا کام کر لیا تو آپ واپس تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی۔
(نبی رحمت ص۵۹۶)

کوئی عار نہیں

آپ کسی شخص کی کوئی ضرورت پوری کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ اور ضرورت مندوں کی ہر طرح کی ضرورت بخوشی پوری فرماتے تھے.......... ایک صحابی جنگ میں گئے ہوئے تھے۔ان کے گھر پر کوئی مرد نہ تھااور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا آپ ہر روز ان کے گھر تشریف لیجاکر دودھ دوہ دیتے تھے (مخزن اخلاق ص ۴۶)

غریب پروری کا کمال

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ کسی سائل نے اپنی ضرورت کا اظہار کیااور آپ کے پاس خود کچھ نہیں تھا۔ ایسے موقعہ پر آپ نے دوسروں سے قرض تک لینے میں دریغ نہیں فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے آکر اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ حضور نے فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو میں بعد میں ادا کر دوں گا، حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ خدا نے آپ کو قدرت سے بڑھ کر کام کرنے کا مکلف تو نہیں بنایا؟ حضورؐ خاموش ہو گئے ایک انصاری بھی مجلس میں حاضر تھے وہ بول پڑے یارسول اللہ! جواب دیجئے کہ رب العرش مالک ہے تنگ دستی کا کیا ڈر؟ حضورؐ ہنس پڑے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار آشکارا ہو گئے، آپ نے فرمایا، ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے
(شفاء، قاضی عیاض ص ۵۰)

ایک بار ایک سائل کو آدھا وسق غلہ قرض لیکر دلایا قرض خواہ تقاضا کے لئے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ایک وسق غلہ دے دو آدھا تو قرض کا ہے اور آدھا ہماری طرف سے جود و سخا کا ہے (شفاء ص ۵۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ معلّی بن زیاد نے حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ضرورت مند آیا۔ فرمایا بیٹھو خدا دے گا۔ پھر کوئی دوسرا آیا، پھر تیسرا آیا، حضور نے سب کو بٹھالیا، حضور کے پاس دینے کو اس وقت کچھ بھی نہیں

تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے چار اوقیہ چاندی خدمت میں پیش کی، حضورؐ نے ایک ایک اوقیہ تو ان تینوں میں تقسیم کر دیا، ایک اوقیہ بچ گیا۔ کوئی لینے والا نہیں تھا رات ہوئی تو حضورؐ کو نیند نہیں آئی، اٹھتے ہیں اور نماز پڑھنے لگتے ہیں، پھر ذرا لیٹ کر اٹھتے ہیں اور نماز پڑھنے لگتے ہیں ام المومنینؓ نے پوچھا حضور کو آج کچھ تکلیف ہے۔ فرمایا نہیں، انہوں نے پوچھا تب کوئی خاص حکم خدا کا آیا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ بے قراری ہے۔ فرمایا نہیں، ام المومنینؓ نے کہا۔ پھر حضور آرام کیوں نہیں فرماتے؟ اس وقت حضورؐ نے وہ چاندی نکال کر دکھائی فرمایا یہ ہے جس نے مجھے بے قرار کر رکھا ہے مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ میرے پاس ہی ہو اور میری موت آجائے۔ (اعلام النبوۃ ص ۱۵۵)

اللہ اللہ کیا دنیا بیزاری ہے۔ آپ نے انسانیت کے لئے کیسے کیسے نمونے چھوڑے ہیں؟ دنیا کے غریبوں کو آپ نے اپنی لازوال محبتوں اور قربانیوں سے اتنا نواز دیا ہے کہ ان کو اب کسی دوسری طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ وہ کون سی بھیک ہے جو ضرورت مندوں کو حضورؐ کے آستانے سے نہیں مل سکتی۔ اور وہ کون سی دولت بے بہا ہے جو ہمارے سرکار کے خزانے میں موجود نہیں ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو سرکار کی چوکھٹ سے چمٹ جائیں اور ساری دنیا سے اپنی نگاہ موڑ لیں۔

عجیب عجیب لوگ

بڑے عجیب عجیب لوگ حضورؐ کے پاس آتے تھے اور حضورؐ سبھی کو نباہتے تھے...... ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور! میں تو تباہ ہو گیا پوچھا کیا ہوا؟ کیوں تباہ ہو گیا؟ اس نے کہا رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی، ارشاد ہوا تو کیا ہے جاؤ ایک غلام آزاد کر دو، بولا، غریب ہوں، غلام کہاں سے خریدوں؟ فرمایا اچھا دو مہینے تک مسلسل روزے رکھو، عرض کیا مجھ میں یہ طاقت بھی نہیں، فرمایا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، بولا مجھ میں اتنی استطاعت کہاں؟.......... حضورؐ نے فرمایا بیٹھو انتظار کرو...... اتنے میں کہیں سے کھجوروں کی بھری ہوئی زنبیل آگئی آپ نے یہ اسے دیکر فرمایا کہ اسے لیجاؤ اور غرباء میں تقسیم کر دو، بولا! قسم ہے اس خدائے پاک کی جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے میں تو اتنا غریب ہوں کہ مدینہ بھر میں مجھ سا کوئی ایک بھی نہ ہوگا۔ اس پر آپ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور فرمایا اچھا تو تم انہیں خود ہی کھالو۔ (بخاری شریف ص ۸۰۴)

اشاعت اسلام

حضور کی اس غریب پروری سے اشاعت اسلام میں بھی بڑی مدد ملی..... ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ طلب کیا آپ نے اسے چالیس بکریاں دینے کا حکم فرمایا بعض روایتوں میں ہے کہ دو پہاڑیوں کے درمیان بہت سی بکریاں تھیں وہ تمام بکریاں سائل کو دینے کا حکم فرمایا۔ وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم! اسلام قبول کر لو؛ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنے کھلے دل سے عطا کرتے ہیں جس سے کسی کو محتاجی اور مفلسی کا کبھی ڈر نہ ہو اور آپ کے اصول دین اس قدر مساوات پر مبنی ہیں کہ امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔
(مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

عورتوں کی درخواست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا اس لئے عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا زیادہ موقعہ نہیں ملتا تھا ایک بار عورتوں نے آکر درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، تو حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرما کر ایک دن ان کے لئے مقرر فرمادیا۔ (مخزن اخلاق ص ۷ ۳)

عام دستر خوان

آپ کے خوان کرم پہ اپنے دغیر اور دوست و دشمن کی تمیز نہیں تھی۔ ہر ایک کو اس کے ظرف کے لحاظ سے حصہ ملتا تھا۔

ا۔ کسی مہم میں بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ ابن اثال قیدی بنا کر لائے گئے، اور ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ثمامہ! کچھ کہنا تو نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کی گردن پر خون ہے اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گذار اور احسان شناس پر احسان کریں گے۔ اور اگر آپ کو مال و دولت کا کچھ مطالبہ ہے تو فرمائیے پورا کیا جائے گا۔ آپ یہ سنکر آگے بڑھ گئے، دوسری بار جب آپ کا ادھر سے گذر ہوا تو آپ نے پھر ان سے یہی سوال کیا اور انہوں نے

وہی جواب دیا اور آپ آگے بڑھ گئے۔ تیسری بار جب آپ ادھر تشریف لے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کردو، چنانچہ ان کو رہا کردیا گیا۔ اس کے بعد ثمامہ نے مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں جاکر غسل کیا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا، اور عرض کیا کہ خدا کی قسم ایک وقت تھا کہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ برا نہ لگتا تھا لیکن آج آپ کے روئے انور سے زیادہ کوئی چیز مجھے پیاری نہیں، ایک وقت تھا کہ آپ کے دین سے زیادہ ناپسندیدہ دین میرے نزدیک کوئی نہیں تھا لیکن آج اس سے زیادہ محبوب کوئی دین نہیں۔ (زادالمعادج، ا، ص ۷ ۷ ۳و مسلم شریف کتاب الجہادوالسیر)

ظاہر ہے کہ ثمامہ میں یہ انقلاب آپ کی کرم گستری اور کشادہ دلی کی بناپر آیا۔

۲۔ یہی ثمامہ ہیں جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد اعلان کردیا تھا کہ یمامہ کی منڈی سے اہل مکہ کو ایک دانہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری کے بغیر نہیں ملے گا۔ مکہ والوں کو سارا غلہ یمامہ ہی سے جاتا تھا اس کا اثر یہ پڑا کہ قریش کو فاقہ کی نوبت آگئی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی پریشانی رکھی اور درخواست کی کہ ثمامہ کو غذائی اشیاء اور اجناس کے برآمد کی اجازت دیں۔ حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی (حوالہ سابق)

کسی کی غربت و پریشانی دیکھ کر حضور بے چین ہوجاتے تھے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو حدود کی مکمل رعایت کے ساتھ غریبوں اور محتاجوں کا آپ سے بڑا مخلص و غمخوار پوری تاریخ انسانی میں نہیں گذرا۔

۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن دوپہر سے قبل حضور کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ اسی دوران قبیلہ مضر کے کچھ لوگ حاضر ہوئے۔ ان کی حالت اتنی خستہ تھی کہ حضور ان کو دیکھتے ہی پریشان ہوگئے، ان کے چہرے بھوک کی بناپر سوکھے ہوئے اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حضرت بلال کو ظہر کی اذان دینے کا حکم فرمایا۔ اذان کے بعد نماز ہوئی نماز کے بعد حضورؐ نے خطاب فرمایا اور نووارد قافلہ کی دردناک صورت حال بتلا کر فرمایا یہاں تک کہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ تقریر کے بعد ان لوگوں کے لئے دو ڈھیر جمع ہوگئے تھے، ایک ڈھیر غذائی اشیاء کا تھا اور دوسرا کپڑے کا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳)

۴۔ فتح مکہ کے بعد صرف طائف رہ گیا تھا جو فتح نہیں ہوا تھا مسلمان بیس روز تک طائف کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ مگر طائف فتح نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کو محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ صخر ایک رئیس تھا اس کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے طور پر طائف کا محاصرہ کیا اور طائف

والوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ صلح پر آمادہ ہوگئے۔ صخرؓ نے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، جب طائف اسلام کے ماتحت آگیا تو مغیرہ بن شعبہ جو طائف کے رہنے والے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے انصاف چاہتا ہوں صخرؓ نے میری پھوپھی پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے، میری پھوپھی صخرؓ سے واپس دلائی جائے، اس کے بعد بنو سلیم آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ صخرؓ نے ہمارے چشموں پر قبضہ کرر کھا ہے۔ ہمارے چشموں کو واپس دلایا جائے۔ آپؐ نے فرمایا اگرچہ صخرؓ نے ہم پر احسان کیا ہے لیکن احسان کے مقابلہ میں انصاف کا دامن کبھی نہیں چھوڑا جاسکتا اسی وقت آپ نے صخرؓ کو حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہونچادو اور بنو سلیم کے پانی کے چشمے واپس کردو (نقوش رسول نمبر ج ۴، ص ۲۳۳)

۵۔ ایک غزوہ میں حضور اکرمؐ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی لڑکی شیما قید ہوکر آئیں۔ مسلمان اس رشتہ سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے دوسرے قیدیوں کی طرح ان کے ساتھ بھی سختی کا معاملہ فرمایا، شیما نے اس رشتہ کا واسطہ دیکر مسلمانوں سے رحم وکرم کی اپیل کی مگر کسی نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا، بالآخر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے رشتہ کا اظہار کیا اور اپنی پشت پردانت کے نشانات کے ذریعہ اپنی شناخت کرائی۔ حضور نے ان کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمایا۔ ان کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ عطایا و تحائف سے نوازا پھر وہ مسلمان ہوکر اپنے قبیلے میں چلی گئیں (زاد المعاد ج ۱، ص ۴۴۹)

۶۔ ایک بار مکہ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں بھی کھانی شروع کردیں، ابوسفیان ابن حرب (جو ان دنوں اسلام کے سخت دشمن تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ اے محمد! آپ تو لوگوں کو حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں۔ دیکھئے آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ اللہ یہ مصیبت دور فرمادے۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور خوب بارش ہوئی۔ (رحمۃ اللعالمین ج ۱، ص ۲۶۵)

غریبوں سے بے پناہ محبت

اس طرح کے بے شمار واقعات کتب سیرت میں ملتے ہیں جن سے حضورؐ کی فیاضی، رحمدلی، جود وسخا، عفو ودرگذر محبت وشفقت، حسن واخلاق، صلۂ رحمی، کرم گستری اور حاجت روائی کا اندازہ ہوتا ہے آپ نے ساری انسانیت کو درس دیا کہ غریبوں اور محتاجوں

کے ساتھ حسن سلوک کریں، مصیبت کے وقت لوگوں کی مدد کریں، اور محض کسی کی غربت وافلاس کی بنا پر اس سے نفرت نہ کریں۔ بلکہ ان کے ساتھ محبت وہمدردی کا معاملہ کریں...... حضورؐ کو دنیا کے غریبوں اور فقیروں کے ساتھ کتنی محبت وہمدردی تھی کہ آپؐ پروردگار عالم سے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین کی زندگی، اور مسکین کی موت نصیب فرما اور روز محشر بھی مجھے مساکین کے زمرے میں اٹھا (مشکوٰۃ ص ۴۴۷)

سبحان اللہ! کیا پیار ہے حضورؐ کو امت کے غریبوں کے ساتھ کہ موت وحیات اور حشر ونشر میں بھی ان کے ساتھ رہنے کی تمنا کرتے ہیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی خستہ حال اور پریشان بال کو حقیر نہ جانو بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ اگر خدا کے اوپر بھی کوئی قسم کھالیں تو خدا اسے ضرور پورا کردے گا۔
(مشکوٰۃ ص ۴۴۶)

حضورؐ نے فرمایا کہ خبردار! غریبوں کے معاملہ میں محتاط رہو اس لئے کہ تمہیں رزق انہی کے طفیل ملتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۴۶) فرمان نبوی ہے کہ فقراء مالداروں سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے (مالداروں کو حساب کتاب ہی سے جلدی چھٹی نہیں ملے گی) (مشکوٰۃ ص ۴۴۷)

سرکارؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر غریب لوگ نظر آئے (یعنی جنتیوں کی بڑی تعداد غرباء کی ہوگی) (مشکوٰۃ ص ۴۴۶)

اخیر زمانے میں غرباء ہی سے دین قائم رہے گا (مشکوٰۃ)

اس طرح حضورؐ نے مختلف مواقع پر غریبوں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ حضورؐ کے یہ ارشادات عالیہ اور آپ کی پاک زندگی کے سبق آموز واقعات ہمارے لئے بہترین لائحہ عمل ہیں ضرورت آج ان کو جاننے کی اور اس سے زیادہ عمل کرنے کی ہے۔ جب تک کہ وہ درد وسوز ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوگا جو غریبوں کے تعلق سے حضورؐ کے دل میں تھا اس وقت تک ہم پورے مسلمان نہیں کہلا سکتے ہیں...... اللہ ہمیں عمل کی توفیق نصیب کرے آمین۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا......

اور

اس پر عمل کے حدود وشرائط

مولانا خورشید انور گیاوی استاذ دارالعلوم دیوبند

اسلام خدا کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا وہ آخری دین ہے جو صبح قیامت تک کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے، اسلام وہ آفاقی نظام زندگی ہے جو زمان ومکان سے بالاتر عرب وعجم سب کے لیے آخری مرکز ہے اور اسلام عالم انسانیت کے نام خالق کائنات کا وہ ابدی پیغام ہے جو پورے عالم انسانی کے لیے فلاح ونجاح کا مژدۂ بہار ہے، اسلام عملی تفسیر ہے کتاب وسنت کے نظریات کی، اور کتاب وسنت کے نظریات کی قانونی شکل کا نام فقہ ہے جو آفاقی بھی ہے اور دائمی بھی۔ اس لیے اسلام کی آفاقیت فقہی قانون کی شکل میں ہمیشہ ہمیش کے لیے جلوہ گر ہے۔

کتاب وسنت سے کشیدہ عطر فقہ اسلامی کیا ہے؟

کتاب وسنت کی ہدایت، شریعت کی روح اور اس کے مزاج کی روشنی میں فقہائے اسلام کی قانون سازی کا شاہکار، ان کے تعمق نظر کا مظہر اتم، قوانین عالم میں انفرادی شان و امتیازی حیثیت کا حامل، بے مثال قانونی نظام، قرآن وحدیث کے تخلی گوہرہائے آبدار کے روشن عملی احکام کا مجموعہ: نص سے علت، علت سے اصول اور اصول سے فروع کا فطری ترتیب یافتہ ایک آئین لاثانی یہی ہے فقہ اسلامی!

فقہ اسلامی انسانی زندگی کی ان ساری بنیادوں کی تنظیم کرتی ہے جو مشکوٰۃ نبوت سے مستنبط ہیں، اور مشکوٰۃ نبوت کے انوار ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے اس لیے فقہ اسلامی بھی ہمیشہ زندہ اور متحرک رہنے والا قانون ہے۔

اسلام اور اسلامی قانون میں انسانی زندگی میں انضباط اور صحیح رہنمائی دینے کی صلاحیت اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کے مزاج میں جامعیت ہے۔ خود ارشاد ربانی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا

وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ / ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ (البقرہ / ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو نہایت اعتدال پر ہے۔

اور بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے کی بھرپور صلاحیت اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اسلام کی فطرت میں سہولت ہے تنگی نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج / ۷۸)

اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

اور ارشاد نبوی ہے :۔

ان الدين يسر (بخاری، ج :۱، ص :۱۰)

(اور یہی آسان اور سید ھا دین اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے)

احب الدين الى الله الحنيفية السمحة (بخاری ج :۱، ص :۱۰)

ان نصوص سے بخوبی واضح ہو گیا کہ شارع نے اپنے پسندیدہ دین میں آسانی رکھی ہے ایسی دشواری نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو احکام میں رخصتوں اور سہولتوں کا باب قائم کیا گیا تاکہ ضعیف البنیان انسان پوری طرح امتثال کر سکے۔

فقہاء کے درمیان مسائل شرعیہ میں اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی اسی حکمت بالغہ کا نتیجہ ہے۔ ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف محمود بھی ہے اور رحمت و کرامت بھی، اس لیے کہ اس اجتہادی اختلاف سے عمل میں توسع کی راہ نکلتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اختلاف اصحابی رحمة لكم، وفی رواية : اختلاف امتی رحمة (اخرجه الطبرانی والديلمی وفيه ضعف كشف الخفاء ج :۱، ص :۲۲)

ارباب فقہ و فتاویٰ سے مخفی نہیں ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زریں عہد

میں مذہب معین کی تقلید کا رواج نہیں تھا، لوگ جس فقیہ و مجتہد سے چاہتے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتے۔ لیکن دوسری صدی کے بعد جب ائمہ مجتہدین کے مذاہب کی تدوین مکمل ہو چکی اور فقہ اسلامی کو اصولی رنگ میں جزئیات پر مشتمل قانونی شکل دے دی گئی ادھر اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا، جس کے نتیجے میں معاشرت، تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں سیکڑوں مسائل پیدا ہونے لگے ؛ تغیر پزیر عرف و رواج نے، بدلتی ہوئی اخلاقی اور سماجی قدروں نے اور انقلابی حالات نے نئے افق پیدا کیے تو پھر معین طور پر ائمہ مجتہدین کے مذاہب کی اتباع و تقلید کا طریقہ امت میں رائج ہو گیا، اور ایسے بہت ہی کم لوگ رہ گئے جو کسی خاص مذہب کی تقلید نہ کرتے ہوں اور یہ کیوں نہ ہو تا جب کہ اس زمانے کے لیے یہی واجب تھا۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں :

> وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطا وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقلّ من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هوالواجب فى ذلك الزمان (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص : ۴۴)

زمانۂ سلف میں جمیع مسائل میں مذہب معین کی پیروی کو لازم قرار نہیں دیا گیا تھا۔ اس کی بنیادی طور پر دو وجہیں تھیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ائمہ مجتہدین کے مذاہب نہ تو مدون تھے اور نہ آج کی طرح مسائل شائع و ذائع تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ وہ زمانہ تھا جس کے لیے زبان نبوت سے خیر کی شہادت دی گئی تھی اور اہل زمانہ کی طبیعتیں دین کی طرف راغب تھیں، عمل صالح کا جذبہ تھا، خوف آخرت اور خشیت الٰہی کا غلبہ تھا، ورع و تقویٰ کا دور تھا اور وہ ہر اعتبار سے نمونے کے انسان تھے۔ اس لیے وہ لوگ عموماً جس مجتہد کے قول میں زیادہ احتیاط دیکھتے عمل کے لیے اسی کو اختیار کر لیتے، اس لیے مذہب معین کی عدم تقلید نہ صرف یہ کہ ان کے لیے مضر نہ تھی بلکہ نافع تھی لیکن بعد کے زمانے میں یہ دونوں باتیں باقی نہیں رہیں ایک طرف مجتہدین کے مذاہب باقاعدہ مرتب کیے جانے لگے اور مدون ہو کر سامنے آگئے، تو دوسری طرف زمانہ کے لحاظ سے دوری کے سبب

لوگوں میں اباحت پسندی، دین سے آزادی اور خواہش نفسانی کی پیروی کا زور بڑھتا گیا اس لیے کارگاہ حیات کا انضباط، کارخانۂ عمل کا ربط و ضبط اور دین و دنیا کی مصلحت اسی میں سمجھی گئی کہ معین مذہب کی تقلید کو لازم قرار دیا جائے تاکہ سہولت پسند طبیعتیں اپنے مفاد کے حصول کے لیے حیلہ سازی اور اتباع ہوائے نفسانی کی راہ اختیار کر کے دین کے ساتھ کھلواڑ نہ کر سکیں۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

ولیکن قرار داد علماء و مصلحت دید ایشاں در آخر زماں تعیین و تخصیص مذہب سبت و ضبط و ربط کار دین و دنیا دریں صورت بود و ہوالمختار و فیہ الخیر

(دیباچہ شرح سفر السعادۃ ص :۲۲) ۔

آج کے ظروف و احوال اور بدل چکے ہیں اور بتغیر الاحوال یتغیر الاحکام(۱) اس لیے اس کے سواء کوئی چارۂ کار نہیں کہ جمیع مسائل میں مذہب معین کی پیروی واجب ہو، اور مذہب غیر کو اختیار کرنے کی عام اجازت نہ دی جائے اس لیے کہ اس کا انجام خروج عن المذہب ہے جو خلاف اجماع ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ۔

بل وجب علیه ان یعیّن مذهبا من المذاهب ولیس له ان ینتحل من مذهب الشافعیؒ مایهواه ومن مذهب ابی حنیفةؒ مایرضاه لانا لوجوّزنا ذلك لأدّی الی الخبط والخروج عن الضبط وحاصلهٗ یرجع الی نفی التکلیف ۔

(بحوالہ نور الہدایہ ج :۱، ص :۱۱)

البتہ جس طرح مذہب غیر کو اختیار کرنے کی عام اجازت دینی اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے اسی طرح اس سے بالکلیہ ممانعت بھی دین میں حرج و تنگی کا سبب ہے جو کتاب و سنت کی واضح تصریحات، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض و مقاصد کے قطعاً خلاف ہے اس لیے اگر بوقت ضرورت لوگوں سے حرج و تنگی کو دور کرنے کی نیت سے قول غیر کو اختیار کیا جائے تو یہ بطریق مشروط جائز ہے بلکہ بعض اوقات مستحسن بھی اور فقہاء نے حسب ضرورت ایسا کیا ہے ـــــ مفقود الخبر کا مسئلہ اور اجرت علی تعلیم القرآن کا مسئلہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد سوال نامہ میں درج سوالوں کے جواب ترتیب وار پیش ہیں۔

سوال :- (۱) دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کی اجازت ہے یا نہیں ؟

---

(۱) فکثیر من الاحکام یختلف باختلاف الزمان (رسائل ابن عابدین ج :۱، ص :۱۲۶)

جواب :- مشروط اجازت ہے۔

(الف) اگر اجازت ہے تو عام حالات میں یا خاص حالات میں بوقت ضرورت؟

جواب :- خاص حالات میں بوقت ضرورت۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زمانۂ سلف میں چونکہ لوگوں میں تدین اور ورع و تقویٰ کا غلبہ تھا، ائمہ کے اقوال پر عمل کرنے سے ان کا مقصد اتباع شریعت تھا، خواہش نفس کی پیروی مقصود نہ تھی، مختلف علماء سے مسائل دریافت کرنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا تھا یا اس لیے کہ جس قول میں احتیاط کا پہلو غالب ہوتا اسے اختیار کرتے تھے، اس لیے مذہب معین کی تقلید کو ان کے لیے لازم و ضروری نہیں سمجھا گیا حتی کہ مذہب معین کی تقلید کا التزام کر لینے کے بعد بھی آئندہ پیش آنے والے دوسرے مسائل میں دوسرے مذہب پر عمل کر لینے کی اجازت تھی اور اس میں ضرورت کی بھی کوئی قید نہ تھی۔

وفی آخر التحریر للمحقق ابن الہمام

مسئلۃ: لایرجع فیما قلّد فیہ ای عمل بہ اتفاقاً وھل یقلد غیرہ فی غیرہ؟ المختار نعم ۔للقطع بانہم کانوا یستفتون مرّۃ واحداً ومرّۃ غیرہ غیر ملتزمین مفتیا واحداً فلو التزم مذہباً معیناً کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزم، وقیل لا، وقیل مثل من لم یلتزم وھو الغالب علی الظن لعدم ما یوجبہ شرعاً آہ۔قال شارحہ المحقق ابن امیر حاج:

بل الدلیل الشرعی اقتضی العمل بقول المجتہد واما التزامہ فلم یثبت من السمع اعتبارہ ملزماً اہ۔

(شامی ۔ج:۳،ص: ۱۹۰ نعمانیہ)

لیکن جوں جوں خیر القرون سے بعد ہوتا گیا، آزادی کے نام پر دین سے بیزاری کا جذبہ پروان چڑھنے لگا، ہوا پرستی غالب ہوتی چلی گئی اور خواہش نفسانی کی پیروی کی جانے لگی، اباحت پسند طبیعتوں نے کبھی جدت پسندی کے نام پر، کبھی نظر و فکر کے عنوان سے، کبھی تیسیر کے بہانے اور کبھی ضرورت کے سہارے باب الجواز وا کرنے کی کوشش کی اور کبھی الدین یسر کی علت تلاش کی گئی، حالانکہ اس کے تناظر میں جو الیسر دین کا مزاج کارگر تھا وہ مزاج شریعت کے قطعاً خلاف تھا ایسے نازک ترین دور میں مذہب غیر کو

اختیار کرنے کی عام اجازت انتہائی خطرناک ہونے کے ساتھ فقہاء کی صاف اور واضح تصریحات کے بھی خلاف ہے، اور عقل سلیم کے مقتضا کے بھی۔ عام اجازت کی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ کے مصداق نہ بن جائیں اس لیے سدّا للباب مذہب غیر کو اختیار کرنے کی علی العموم اجازت نہیں دی جاسکتی البتہ اگر کسی مسئلہ میں واقعی حرج اور تنگی ہو تو ضرورتاً اور دفعاً للحرج ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو مسئلہ متعلقہ کے جمیع حدود و قیود کیساتھ اختیار کرنے کی مشروط اجازت ہے لان الضرورات تبیح المحظورات - شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں :

وقال الشیخ عبدالرحمٰن العمادی فی مقدمته: انه یجوز للحنفی تقلید غیرامامه من الائمة الثلثة رضی اللّٰه عنهم فیما تدعوالیه الضرورة بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبه ذلك الامام فی ذلك (خلاصة التحقیق فی بیان حكم التقلید والتلفیق ص: ٢٤)

اور علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں :

واطلق الشافعی اخذ خلاف الجنس للمجانسة فی المالیة- قال فی المجتبیٰ: وهو اوسع فیعمل به عند الضرورة-(در مختار مع الشامی، ج : ۳، ص :۲۰۱)

حضرت مفتی سید محمد عمیم الاحسان صاحبؒ فرماتے ہیں :

وقد نصوا انه لابأس بتقلید غیر امامه عند الضرورة لكن بشرط ان یلتزم جمیع مایوجبه ذٰلك الامام لان الحكم الملفق باطل بالا جماع ولهٰذا افتوا ببعض اقوال الامام مالكؒ ضرورة كما فی المفقود۔

(قواعد الفقہ /ادب المفتی ص :۵۷۶)

افتاء بمذہب الغیر اکابر کی نظر میں

افتاء بمذہب الغیر کی مشروط اجازت پر تمام اصحاب افتاء اکابر متفق ہیں۔

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ دوسرے مذہب پر افتاء کی شرائط وموازنات سے متفرع ہونے والے بعض مسائل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اگر حنفی المذہب بر مذہب شافعی عمل نماید در بعضے احکام بیکے از سہ وجہ جائز است اول آں کہ دلائل کتاب وسنت در نظر او دراں مسئلہ مذہب شافعی را ترجیح دہد۔ دوم آں کہ در ضیقے مبتلا شود کہ گذارہ بدون اتباع مذہب شافعی نماند مثل احکام میاہ دریں دیار یا احکام مفقود۔

سوم :- آں کہ شخصے باشد صاحب تقویٰ و اورا عمل باحتیاط منظور افتد و احتیاط در مذہب شافعی یابد مثل دادن صدقۂ فطر زائد از قدر در آثار، یا گوشت طاؤس نخوردن و علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن دریں ہر سہ وجہ شرط دیگر ہم است و آں آنست کہ تلفیق واقع نشود (فتاویٰ عزیزی ج :۱، ص :۱۸۴ / ۱۸۵)

اور ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ میں ہے :

ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی شافعی کے قول پر عمل کرلیوے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے ؟

فرمایا کہ :اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا، اس وقت اس کو ہی اختیار کرلیا، یہ بری بات ہے، میں نے اس کی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔ (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحبؒ مطبوعہ پاکستان ص :۹۰، بحوالہ احسن الفتاویٰ ج :۱، ص :۴۲۰)

(۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ ضرورت کے وقت غیر مفتی بہ روایت پر اور مذہب غیر پر عمل کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

ضرورت کے وقت روایت غیر مفتی بہ پر اور مذہب غیر پر عمل کرنا درست ہے اگرچہ اولیٰ نہیں خصوصاً اضطراری و عموم بلویٰ میں کذا فی ردالمحتار، واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص :۱۹۶)

ایک دوسری جگہ سب فقہی مذاہب کی حقانیت اور ان کا لوب اور مذہب شافعی پر عمل کی شرط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

مذاہب سب حق ہیں، مذہب شافعی پر عند الضرورت عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں سب مذاہب کو حق جانے، کسی پر طعن نہ کرے،

سب کو اپنا امام جانے فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص : ۲۴۰)
نیز ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :
سوال :- اگر حالت مرض وسفر وغیرہ میں جمع بین الصلاتین کرلیوے تو جائز ہے یا نہیں؟
جواب :- یہ مسئلہ مقلد کا دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر لینے کا ہے، تو وقت ضرورت کے جائز ہے عامی کو کہ اس کو سب کو حق جاننا چاہیئے اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو دوسرے امام کے قول پر عمل کرلیوے اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجب ضرر اور حرج دین کا ہوتا ہے (فتاویٰ رشیدیہ ص : ۳۰۰)

(۳) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ تقلید شخصی کا وجوب اور قول غیر پر عمل کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ہم تقلید شخصی کو تو اس زمانے میں ضروری کہتے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ جن اوقات میں قول غیر امام پر عمل کرنا حسب قول علماء درست ہے، ان اوقات میں غیر کے قول پر عمل کرلیوے، ہاں اپنی محض ہوائے نفسانی اور رائے سے یہ امر جائز نہیں"

(ایضاح الادلہ ص : ۲۵۶ جدید ایڈیشن)

(۴) حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ مسئلہ کی تنقیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"دیانات میں تو نہیں، لیکن معاملات میں ابتلاء عام ہوتا ہے، دوسرے امام کے قول پر بھی اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے، تو اس پر فتویٰ دفع حرج کے لیے دیدیتا ہوں اگرچہ ابو حنیفہ کے قول کے خلاف ہو، اور اگرچہ مجھے اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا، لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس کے متعلق اجازت لے لی، میں نے دریافت کیا تھا کہ معاملات میں محل ضرورت میں دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے؟ فرمایا کہ جائز ہے ——— اور یہ توسع معاملات میں کیا گیا دیانات میں نہیں، کیوں کہ اس میں کچھ اضطرار نہیں اس لیے جمعہ فی القریٰ میں محض ابتلاء عوام کے سبب ایسا توسع نہیں کیا۔

(آداب افتاء واستفتاء ص : ۴۴)

(۵) محدث العصر حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ مفقود کے مسئلہ میں فرماتے ہیں :

ویحکم عند نا بموته بموت اقرانه ......واما عند مالك فینتظر اربع سنین ثم یحکم بموته وبه یفتی علماء زماننا.
(فیض الباری ج : ۴، ص : ۳۲۳)

دوسری جگہ ایک سوال کے جواب میں افتاء مذہب الغیر کی بنیاد ضرورت کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

دوسرے یہ کہ ضرورت پر مبنی ہیں اور ضرورت کا باب دوسرا ہے
(ملفوظات محدث کشمیری ص : ۲۲۴)

(۶) مفتی اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ امام مالکؒ یا امام احمدؒ کے مذہب کے مطابق زوجۂ مفقود کا حکم اور افتاء مذہب الغیر کی بنیاد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"مفقود کی بیوی امام مالکؒ کے مذہب کے موافق چار سال کے بعد تفریق کا حکم حاصل کر سکتی ہے، اور اگر اس سے پہلے وہ نان ونفقہ سے تنگ ہو اور کوئی صورت گذارے کی نہ ہو تو امام احمد کے موافق عدمِ تیسُّر نفقہ کی بنا پر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے، حنفیہ بوقت ضرورتِ شدیدہ امام مالک یا امام احمد کے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں"

(کفایت المفتی ج : ۶، ص : ۲۱۳)

(۷) افتاء مذہب الغیر کے لیے ضرورت شدیدہ اور اضطرار کی شرط ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ "تنقیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قلت هذا رأی المتقدمین من مشائخنا الحنفیة حیث لم یشترطوا الضرورة الشدیدة والاضطرار...... واما زماننا فهو اتباع الهوىٰ واعجاب كل ذی رأی برأیه فتتبع الرخص متعین ومتیقن باعتبار الغالب الاکثر فلا یجوز الا بشرط الضرورة الشدیدة وعموم البلوىٰ والاضطرار. (جواہر الفقہ ج : ا، ص : ۱۶۶)

ان ارباب فقہ فتاویٰ بزرگوں کے فتووں سے جو سکۂ رائج الوقت کی طرح مسلم معاشرے میں مقبول عام ہیں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بوقت ضرورت ائمۂ ثلاثہ میں سے کسی کے مذہب کو اختیار کرنے کی مشروط اجازت ہے۔

(۱) (ب) اگر بوقت ضرورت اجازت ہے تو ضرورت کی تعریف، اقسام اور اس

باب میں ضرورت کی تعیین۔

جواب :- واضح رہے کہ لغت اور عرف دونوں میں ضرورت کے معنی حاجت کے ہیں جبکہ فقہی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، اسلئے اولاً ضرورت اور حاجت کی لغوی تحقیق اور اصطلاحی تعریف پیش نظر رہے، تاکہ احکام پر اثرانداز ہونے کے اعتبار سے دونوں میں فرق واضح ہو جائے۔

ضرورت کی لغوی تحقیق : لفظ ضرورت ضرر سے مشتق ہے، ضرر ایسی مصیبت کو کہتے ہیں جس کو بآسانی ٹالا نہ جاسکے۔ الضرورة مشتقة من الضرر وهو: النازل مما ا مدفع له (کتاب التعریفات ص : ۶۰)

ضرّهٗ يضرُّالىٰ كذا(ن) ضرّاً وضُرّاً: مجبور کرنا، ضرورت، حاجت۔

حاجت کی لغوی تحقیق :- حاج يحوج(ن) حوجاً : محتاج ہونا، حاجت : ضرورت سوال۔ ج : حاج، حِوَج ،حاجات۔

ضرورت کی اصطلاحی تعریف :- ضرورت وہ چیز ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکے

الضرورة مالا بدمنه له (للانسان) في بقائه

حاجت کی اصطلاحی تعریف :- حاجت وہ چیز ہے جس کا انسان محتاج ہو، البتہ اس کے بغ بھی زندہ رہ سکے، ما يفتقر الانسان اليه مع انه يبقىٰ بدونه۔

اور جس چیز کے بغیر انسان زندہ بھی رہے اور اس کا محتاج بھی نہ ہو وہ فضول ۔ والفضول بخلافهما (قواعد الفقہ ص : ۲۵۷)

ضرورت بنظر شریعت :- شرعی اصطلاح میں ضرورت کا اطلاق ایسی تمام چیزوں پر ہو ہے جن کا وجود دینی اور دنیوی مصالح کے قیام کے لیے ضروری ہو، ان کے فقدان صورت میں صرف یہی نہیں کہ دنیاوی مصالح اپنی صحیح شکل میں باقی نہ رہیں بلکہ ان م فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے، بعض اوقات زندگی ہی سے ہاتھ دھونا پڑے اور اخروی نجات ا خداوندی انعامات کے بجائے کھلے ہوئے صریح خسارے کا سامنا کرنا پڑے الضرور معناها:انها لابدمنهافي قيام مصالح الدين والدنيا بحيث اذا فقد ت تجرمصالح الدنيا على استقامة بل على فساد وتهارج وفوت حياة و الآخرة فوت النجاة والنعيم والرجوع بالخسران المبين

(الموافقات فی اصول الاحکام للعلامة الشاطبی ج:۲ ص:

ضرورت کے اقسام :- شریعت نے پانچ مواقع میں ضرورت کا اعتبار کیا ہے اس اعتبار۔

ضرورت کی پانچ قسمیں ہیں(۱) حفاظت دین(۲) حفاظت جان(۳) حفاظت نسل (۴)حفاظت عقل اور (۵) حفاظت مال۔ ومجموع الضروریات خمسة: هی (١)حفظ الدین (٢)والنفس(٣) والنسل(٤) والعقل(٥)والمال(الموافقات فی اصول الاحکام للعلامة الشاطبی ج:٢، ص:٤)(۱)

افتاء بمذہب الغیر کے باب میں ضرورت کی تعیین۔اس باب میں ضرورت کی تعیین کے سلسلے میں کوئی ایسا بے لچک پیمانہ نہیں رکھا جاسکتا جو ہر زمانے کے لیے یکساں ہو،بلکہ ظروف وامکنہ ، زمانے کے حالات وعادات اور عرف ورواج کے پیش نظر ہی اس کو متعین کرنا انسب ہوگا۔

فکثیر من الاحکام یختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف

---

(۱)احکام پر اثرانداز ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے پانچ فقہی اصطلاحات :(۱)ضرورت(۲)حاجت(۳)منفعت(۴) زینت اور(۵)فضول۔

(۱)ضرورت :۔انسان کا اس اضطراری درجہ تک پہنچ جانا کہ اگر ممنوع اشیاء کا استعمال نہ کرے تو ہلاک ہوجائے یا ہلاکت کے قریب ہوجائے اس درجہ میں حرام چیزوں کا مشروط استعمال مباح ہوجاتا ہے۔

(۲)حاجت :۔اس درجہ کو کہتے ہیں جس میں محظورات کے استعمال نہ کرنے کی صورت میں ہلاکت جان کا خطرہ نہ ہو البتہ مشقت اور تکلیف ہو۔اس درجہ میں حرام چیزوں کا استعمال مباح نہیں ہوتا ہاں کچھ سہولتیں اور آسانیاں ضرور ملتی ہیں جیسے بھوک کیلئے روزے کا افطار مباح ہوجاتا ہے۔

(۳)منفعت :۔ پسندیدہ چیزوں کے استعمال : جیسے مرغن کھانوں کی خواہش۔

(۴)زینت :۔ لذیذ چیزوں کے استعمال جیسے :حلوہ اور مٹھائی۔کی خواہش یہ دونوں صورتیں مباح ہیں حسب وسعت ان کے استعمال میں مضائقہ نہیں اور یہ احکام پر اثرانداز بھی نہیں ہیں۔

(۵)فضول :۔حرام اور مشتبہ چیزوں کے استعمال میں وسعت۔یہ ناجائز ہے اور کسی بھی درجہ میں احکام پر اثرانداز نہیں ہے۔فی فتح المدبر:(۱) ههنا خمسة مراتب ضرورة، وحاجة ومنفعة ، وزينة وفضول- فالضرورة: بلوغه حداً ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام - والحاجة: كالجائع لولم يجد مايا كله لم يهلك غير انه يكون فی جهد ومشقة وهذا لايبيح الحرام و يبيح الفطر فی الصوم۔ والمنفعة : كالذی يشتهی خبز البرّ ولحم الغنم والطعام الدسم۔ والزينة: كالمشتهی بحلوىٰ والسكر۔ والفضول:التوسع بأكل الحرام والشبهة (حموی علی الاشباه والنظائر ص:١٤١ مطبوعه ديوبند)

---

(۱)کتاب کا اصل نام "فتح المدبر للعاجز المقصر" ہے یہ کتاب علامہ سمرکیؒ (متوفی ۹۳۲ھ)کی تصنیف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کشف الظنون (ج:۲،ص:۱۲۳۵،کالم ۱)اور الاعلام (ج:۵،ص:۳۰۲)

الاشباہ والنظائر کی شرح حموی میں متعدد جگہ اس کتاب کے حوالے موجود ہیں۔ مگر حموی علی الاشباہ مطبوعہ دیوبند میں ہر جگہ "فتح المدبر"(با کے ساتھ) چھپ گیا ہے اور مطبوعہ کراچی ج:۱،ص:۲۷۶) میں "فتح القدیر" چھپا ہوا ہے جس سے "فتح القدیر للعاجز الفقیر" (شرح ہدایہ) کا شبہ ہوتا ہے۔جبکہ صحیح نام فتح المدبر (با کے ساتھ) ہے۔

اهله اولحدوث ضرورة اوفساد اهل الزمان بحيث لوبقى الحكم علىٰ ماكان عليه اولاً للزم منه المشقة والضرربالناس ولخالف القواعد الشرعية المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضررو الفساد۔

(رسائل ابن عابدین ج :۲، ص :۱۲۶)

اس لیے کسی مسئلہ میں مذہب غیر کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں ضرورت واقعی کا تعین ورع و تقویٰ کے ساتھ مقاصد شرع پر نظر رکھنے والے، قواعد کلیہ اور مسلم ضوابط سے واقف، اصول کو فروع پر منطبق کرنے والے اور اپنے زمانے کے تقاضوں کا ادراک کرنے والے بالغ نظر ارباب فقہ و فتاویٰ ہی باہمی غور و فکر سے کریں گے۔

(۱) (ج) ضرورتِ عامہ کا اعتبار ہے یا ضرورت خاصہ کا یا دونوں کا؟

جواب :- ضرورتِ واقعی کا اعتبار ہے عامہ ہو یا خاصہ،

ان المضطرله العمل بذٰلك لنفسه وان المفتى له الافتاء به للمضطر (شرح عقود، ص :۴۴)

(۱) (د) کیا عبادات اور معاملات میں کوئی فرق ہے؟

جواب :- نہیں

عبادات میں عموماً اس کی مجبوری پیش نہیں آتی، معاملات میں البتہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاہم اگر عبادات میں بھی اس کی نوبت آجائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولا جمع بين فرضين فى وقت بعذر سفر ومطر خلافاً للشافعى .... ولا بأس بالتقليد عند الضرورة

(در مختار مع الشامی، ج :۱، ص :۲۵۶)

(۱) (ہ) ضرورت عامہ کی تعیین کی کیا صورت ہوگی؟

جواب :- جس مسئلہ سے امت کے اجتماعی حالات متعلق ہو جائیں اور وہ عموم بلویٰ کی شکل اختیار کرلے اور اس میں حرج و تنگی ہو تو یہ ضرورت عامہ ہے اس ضرورت عامہ کا اعتبار کرتے ہوئے قول غیر امام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

سوال (۲) :- کیا افتاء بمذہب الغیر کے لیے ضرورت کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں؟ وہ کیا ہیں؟

جواب :- اور بھی شرائط ہیں۔

افتاء مذہب الغیر کے شرائط: افتاء مذہب الغیر کے لیے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) افتاء مذہب الغیر کی سب سے پہلی شرط تو یہی ہے کہ ضرورتا ہو ولا بأس بالتقليد عند الضرورة۔ (در مختار مع الشامی ج:۱، ص:۲۵۶)

ہاں اگر کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کی روشنی میں اپنے مذہب کو چھوڑ دے تو ایسا کرنے والا قابل ستائش بھی ہے اور قابل اجر بھی۔

ولوان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محموداً ماجوراً (شامی ج:۳، ص:۱۹۰)

البتہ اتباع ہوئی اور نفسانیت کی وجہ سے مذہب غیر کو اختیار کرنا ناجائز اور حرام ہے ایسا کرنے والا قابل ملامت، گنہگار اور مستحق سزا ہے۔

اما انتقال غيره من غير دليل بل لما يرغب من عرض الدنيا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتاديب والتعزير۔ (شامی ج:۳، ص:۱۹۰)

(۲) جس مسئلہ میں جس امام کی طرف رجوع کیا جائے اس مسئلہ میں مرجوع الیہ امام کی تمام حدود و قیود اور جملہ شرائط کا التزام کیا جائے۔

ولابأس بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع مايوجبه ذلك الامام (در مختار ج:۱، ص:۲۵۶)

اور:-

يجوز للمقلد تقليد غير امامه من الائمة الثلاثة فيما تدعواليه الضرورة بشرط ان يستوجب جميع مايوجبه ذلك الامام في مثل ذلك (فتاوىٰ خيريه ج:۲، ص:۱۵)

(۳) مذہب غیر پر فتویٰ دینے والا مفتی اجتہادی شان رکھتا ہو۔

والمختار انه اذا كان مجتهداً في المذهب (الى قوله) كان له الفتوىٰ اى: على مذهب الغير (كتاب الإحكام للامدى ج:٤، ص:٣١٥)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

حاصل الكلام الذى تلخصناه من نفثات اولئك الا كابران

اختیار مذهب الغیر فی بعض المسائل والافتاء به یجوز للمجتهد (جواہر الفقہ ج:۱،ص:۱۶۶)

(۴) جس مسئلہ میں اپنے مذہب کے مطابق عمل ہو چکا ہو، مذہب غیر کو اختیار کرنے کی صورت میں اس کا ابطال لازم نہ آتا ہو۔

قال العلامة الشرنبلا لی فی العقد الفرید:

ولیس له ابطال عین ما فعله بتقلید امام آخر لان امضاء الفعل ----

کامضاء القاضی---- لاینقض

(شامی ج:۱،ص:۵۱)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وقد نص الامام احمد وغیره: انه لیس لاحد ان یعتقد الشئ واجباً اوحراماً ثم یعتقد غیر واجب اومحرم بمجرد هواه مثل ان یکون طالبا لشفعة الجوار یعتقد ها انها حق له ثم اذا طلبت منه شفعة الجوار یعتقدها انها لیست بثابتة

(فتاوی ابن تیمیةؒ ج:۲،ص:۲۰۰)

(۵) ائمہ کے شاذ ونادر اقوال جو قرآن وحدیث سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہوں اور جنہیں امت نے مسترد کردیا ہو، انہیں اختیار نہ کیا جائے۔

وبعضهم شرط ان لایکون ماقلده مخالفا لصریح الکتاب والسنة وان قال به مجتهد۔ (خلاصة التحقیق ص:۲۲)

(باقی آئندہ

فاروق اعظمؓ اور صحابہ کرامؓ

(عبقریت عمر کے ایک باب "عمر والصحابہ" کی تلخیص وترجمہ)

(پروفیسر بدرالدین الحافظ)

فاروق اعظمؓ کی شخصیت جملہ صحابہ کرامؓ کے درمیان کیا تھی اس سلسلہ میں بہت سے اقوال ملتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں آپ کیا ثابت ہوئے اور تاریخی حوادث نے آپ کو کس مقام پر لاکھڑا کیا۔ سب سے پہلے آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ایسے حالات رونما ہوئے کہ ایک زبردست طوفان کی صورت اختیار کرلی جبکہ خلیفہ اول کے انتخاب میں انصار و مہاجرین کے درمیان ایک بھیانک فساد برپا ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا اس موقعہ پر فاروق اعظمؓ کی دوراندیشی سوجھ بوجھ اور بروقت اقدام نے جو خدمت انجام دی وہ تاریخ کے اوراق میں کبھی فراموش نہ کی جاسکے گی۔ ایک طرف اکثریت کی بنیاد پر انصار کا دعویٰ تھا کہ خلافت ہمارا حق ہے دوسری طرف قبول اسلام میں اولیت کی بنیاد پر مہاجرین خلافت کے دعویدار تھے، اس موقعہ پر اختلاف رائے نے جب خوفناک صورت اختیار کرلی تھی اگر اس کو دانشمندی سے کچل نہ دیا جاتا تو اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی بنیادوں میں ہمیشہ کے لئے ایک دراڑ پڑجاتی مگر تاریخ کے جزئیات پر گہرائی سے نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ فاروق اعظم نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں اپنی شجاعت اور غیر معمولی دانشمندی کا جو مظاہرہ کیا اس نے ہر موقعہ پر موافق اور مخالف شخص کو قلبی سکون اور اطمینان عطا کردیا۔ فاروق اعظم کی تجویز پر ہر آدمی بے چون وچرا لبیک کہنے کے لئے آمادہ ہوگیا اور آپ کے اقدام سے ایک بہت بڑے فتنہ کا سدباب ہوگیا۔ اس موقعہ پر ثقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے عمر! ہاتھ پھیلاؤ!! ہم تمہارے لئے بیعت کریں گے تو حضرت عمرؓ نے کہا آپ مجھ سے افضل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ: آپ مجھ سے زیادہ قوی ہیں۔

حضرت عمرؓ: میری قوت تمہارے لئے تمہارے فضل کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ تم سے بلند وبرتر ہو جبکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور ثانی اثنین (دو میں سے ایک ہو) رسول اللہ نے اپنی علالت کے

زمانہ میں تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا اس لئے تم تمام لوگوں میں اس اہم منصب کیلئے زیادہ مستحق ہو اور یہ کہہ کر آپ نے بیعت کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور تمام کبار صحابہ نے آپ کی اتباع کی۔ دوسرے دن عوام نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس طرح اس شجر مخالفت کی جڑیں خشک ہو کر رہ گئیں جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا صحابہ کرام کے درمیان کیا رتبہ اور دبدبہ تھا اور اسی مکالمہ خلافت میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین تعلقات کی گہرائی کو شروع سے آخر تک جانچا جاسکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ اول کے انتخاب کے بعد فضل ابو بکر اور قوت عمری نے باہم یکجان ہو کر کس طرح اسلام کے نوعمر پودہ کو شجرہ سایہ دار بنایا اور قیامت تک کے لئے اس کے برگ وبار کو بفضل ایزدی پھلنے پھولنے کی قوت عطا کی۔ پھر اس کے باوجود کہ دونوں کے مزاج مختلف اور کام کرنے کا انداز جدا تھا اور یہ اختلاف بسااوقات نمایاں بھی ہو جاتا تھا مگر پھر معلوم ہوتا کہ اس اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے نے اپنے نقطہ ہائے نظر میں مفاہمت پیدا کر کے منزل مقصود حاصل کرلی ہے کیونکہ ان کے عقیدہ کی وحدت اور مقصد کی یگانگت کبھی زیادہ دیر تک ان میں افتراق کو باقی نہیں رہنے دیتی تھی۔ پھر یہ بھی کہ ابو بکرؓ اپنے مزاج کے لحاظ سے کچھ سختی اور شدت کی طرف مائل ہوتے یعنی اس کی ضرورت محسوس کرتے اور حضرت عمرؓ اس کے برعکس نرمی کی طرف مائل ہوتے، اور یہ دونوں جب کسی مسئلہ کے حل میں جمع ہو جاتے تو بڑی سے بڑی گتھی سلجھ جاتی اور کوئی اختلاف بھی نظر نہ آتا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے انکار کا معاملہ پیش آیا تو حضرت ابو بکرؓ اپنی اس رائے پر مصر تھے کہ اگر مانعین زکوٰۃ نے معمولی اونٹ کی زکوٰۃ سے بھی انکار کیا تو میں قتال کردوں گا اور حضرت عمرؓ اس سے کھلا اختلاف فرما رہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ ایک کلمہ گو سے ہم کس بنیاد پر لڑ سکتے ہیں اور اس رائے میں اجلہ صحابہ بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے جن میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت سالم مولی ابو حذیفہ اور دوسرے اصحاب شامل تھے مگر صدیق اکبرؓ اپنی رائے پر مستقل مزاجی سے جمے رہے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ زکوٰۃ ایک فریضہ اور مال کا حق ہے جس کی وصولیابی کے لئے ہمیں ہر قیمت پر تیار رہنا چاہئے اور اس کے لئے ہم جنگ بھی کریں گے پھر آپ نے حضرت عمرؓ کو بڑے تلخ لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اے عمر میں نے تو تم سے تعاون اور مدد کی توقع کی تھی اور تم مدد چھوڑ رہے ہو تم جاہلی دور میں تو جبار تھے اور اسلام میں بزدلی دکھا رہے ہو۔ اس کے بعد فاروق اعظمؓ کی سخت مزاجی نرمی کی طرف مائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں نفس پرستی یا ان کا دخل نہیں تھا اور جو کچھ تھا وہ حق کی خاطر حق کے لئے ہی تھا اسی لئے

جب حق واضح ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں اب میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کے لئے ابو بکرؓ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور سمجھ لیا کہ یہی حق ہے۔ اور پھر سب نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ یہ اختلاف صرف معاملہ فہمی کی حد تک تھا جب بات واضح ہو گئی اور اور اک کامل حاصل ہو گیا تو پھر وہی شیر و شکر تھے کیونکہ پختگی عقیدہ کی قدر مشترک نے انہیں باندھ رکھا تھا، اس کے بعد ایک دوسرا مسئلہ آتا ہے ارتدلو کا اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ مرتدین سے جنگ کے مخالف تھے باقی بہت سے صحابہ اس کے موافق تھے مگر یہاں صورت یہ تھی کہ ارتداد کا معاملہ جنگ اور سیاسی سوجھ بوجھ سے جڑا ہوا تھا، حضرت ابو بکرؓ کو اس لئے تأمل تھا کہ اس زمانہ میں اسلامی لشکر مدینہ سے کافی دور روم کے محاذ پر گیا ہوا تھا اور خدشہ یہ بھی تھا کہ اگر مرتدین کے خلاف جنگ چھیڑ دی گئی تو عرب قوم تفرقہ کا شکار ہو سکتی ہے اس طرح خود مسلمان بر سر پیکار ہو جائیں گے اور جب عسکری قوت یکجانہ ہوگی تو اس اندرونی جنگ و جدال سے نمٹنا دشوار ہوگا اس لئے صرف حضرت ابو بکرؓ کا فوری جنگ سے تامل خلاف عقل نہ تھا اور فاروق اعظمؓ نے اس موقع پر بھی حسب عادت وہی کیا کہ جب بحث و تمحیص کے بعد حق سمجھ میں آگیا تو پوری قوت سے حضرت ابو بکرؓ کے معاون و مددگار بن گئے۔

اس کے علاوہ فاروق اعظم کی شخصیت دوسرے صحابہ کرام کی نگاہ میں کیا تھی اس کا مظاہرہ ہمیں خلیفہ اول کے انتخاب میں نظر آتا ہے یعنی حضرت عمرؓ کے لئے جب بیعت کی گئی تب بھی ایک اختلافی شکل رونما ہوئی تھی ہوا یہ کہ وفات سے قبل جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ خلافت کا منصب تم قبول کر لو۔ اس پر فاروق اعظم نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے تب حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے ابن خطاب! خلافت کو تمہاری ضرورت ہے اور اس کے بعد انہوں نے جلیل القدر صحابہ سے ان کے لئے رائے لی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا خدا کی قسم وہ اس سے زیادہ افضل ہیں جتنا تم ان کے بارے میں رائے رکھتے ہو۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا ان کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہمارے درمیان تو ان جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس کے بعد جب حضرت اُسید بن الحضیرؓ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے بعد ان کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں وہ خوشی کے لئے خوش ہوتے ہیں اور غصہ کی ضرورت میں غصہ کرتے ہیں وہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اس سے بہتر ان کا باطن ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ عام مہاجرین و انصار حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے متفق تھے، اگرچہ بعض کو حضرت عمرؓ کی سخت مزاجی سے تردد تھا مگر وہ

خلافت کے منصب کے لئے ان سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اور صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد صاف کہدیا کہ حضرت عمرؓ سخت مزاج ضرور ہیں مگر جب خلافت کے منصب پر بیٹھیں گے تو کیفیت دوسری ہی ہوگی اور میں تو خدا کے سامنے کہوں گا کہ تیرے بندوں میں سب سے بہتر انسان کو خلیفہ بناکر آیا ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو طلب کیا اور ان کو مندرجہ ذیل وصیت نامہ املاء کرایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ابو بکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جو اس نے اپنے آخری وقت میں جبکہ دنیا سے نکل کر آخرت کے عہد میں داخل ہو رہا تھا جس وقت میں ایک کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور فاسق و فاجر بھی یقین کر لیتا ہے کاذب سچائی اختیار کرتا ہے بے شک میں نے اپنے بعد تم پر خلیفہ بنایا ہے...... اس جملہ کے بعد ان پر غشی طاری ہوگئی اور حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام لکھدیا اور اس ڈر سے خالی جگہ نہیں چھوڑی کہ کہیں روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے اور بعد میں کسی طرح کا اختلاف پیدا ہو جائے۔ بہر حال تھوڑی دیر میں حضرت ابو بکرؓ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے وصیت کا مضمون پڑھوا کر سنا پھر تکبیر کہی اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیں پھر کتابت مکمل کرائی اور سمجھ لیا کہ کیا صورت حال پیش آئی ہوگی۔ اس کے بعد زبردست طریقہ پر حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی کہ اس سے قبل ایسا مجمع دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

اس مرحلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے جس شان سے اپنی خلافت کو چلایا اس پر دنیا عش عش کر اٹھی اور ہر مخالف و موافق مداح ہو گیا۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو ایک مرتبہ حضرت زیاد بیت المال کا کچھ باقی ماندہ سونا لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان کی خدمت میں پیش کیا اتنے میں ان کا بیٹا آگیا اور سونے کا کچھ حصہ لے کر چلا گیا اس پر زیاد رونے لگے تو حضرت عثمانؓ نے وجہ پوچھی آپ نے کہا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بالکل اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تھا اور ان کا لڑکا بیت المال کا درہم لے کر جانے لگا تھا تو آپ نے سختی سے اس سے چھین لیا یہاں تک کہ بچہ رونے لگا مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ مگر آج میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ بچہ سے کچھ کہا ہو۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا حضرت عمرؓ اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کو بیت المال سے روکتے تھے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اور میں اپنی اولاد کو دیتا ہوں اللہ کی خوشنودی کے لئے اور خدا کی قسم اب تم عمر جیسے انسان کو کبھی نہ دیکھو گے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت عثمانؓ

بہت رورہے تھے لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا عمر کی وفات سے جو نقصان ہوا ہے وہ قیامت تک پورا نہ ہو سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس موقعہ پر فرمایا حضرت عمرؓ کا اسلام فتح و کامرانی تھا، ان کی ہجرت ایک عظیم نصرت تھی، ان کی امارت وخلافت رحمت تھی، حضرت امیر معاویہؓ نے خلفاء کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا ابو بکرؓ نے نہ کبھی دنیا کو چاہا نہ دنیا نے ان کو چاہا حضرت عمرؓ کو دنیا نے چاہا مگر انہوں نے کبھی دنیا کو نہ چاہا اور ہم بہر حال پیٹ کی خاطر کمر تک دنیا میں لتھڑ گئے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ابن حنتمہ کی ساری خوبیاں اللہ کے لئے ہیں وہ بھی کیا انسان تھا (حنتمہ حضرت عمر کی والدہ کا نام تھا) غرض اس طرح کے تعریفی اور توصیفی جملے آپ کی شان میں ہر اس شخص نے کہے جو آپ سے محبت کرتا تھا یا ناراض تھا۔

صحابہ کرامؓ کی حسب مراتب قدر ومنزلت

فاروق اعظمؓ تمام صحابہ کرام کی قدر ومنزلت کا بخوبی خیال رکھتے اور حسب حیثیت کسی عمل کے عوض یا بغیر عمل کے بیت المال سے عطاو بخشش کا سلسلہ بھی جاری رہتا مگر اس قدر ومنزلت میں کسی قبائلی سردار کا لحاظ نہیں تھا بلکہ دینی فوقیت کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت سہیل بن عمرو اور حضرت ابوسفیان بن حرب آپ کے پاس تشریف لائے جو اپنے خاندان کے جلیل القدر سادات میں سے تھے اور ان کے ساتھ ہی صہیب اور بلال بھی آئے جو دونوں غرباء غلام تھے مگر یہ دونوں غزوہ بدر کے شرکاء اور قدیم اصحاب رسولؐ میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو پہلے ملاقات کا موقعہ دیا اس کے بعد ابوسفیان اور سہیل کو بلایا اس پر ابوسفیان کو غصہ آیا کہ ہم جیسے سرداروں پر دو غلاموں کو ترجیح دی گئی۔ مگر ان کے دوست سہیل جو ایک حکیم اور مدبّر انسان تھے بولے: اے قوم لے لوگو اگر تم غصہ کر رہے ہو تو خود اپنے اوپر ناراضگی کا اظہار کرو۔ جب پوری قوم کو اسلام کی دعوت دی گئی اور تمہیں بھی دی گئی تو اُن لوگوں نے اس کو قبول کرنے میں سبقت کی اور تم نے تاخیر سے کام لیا تو ذرا سوچو جب بروز قیامت اُن کو پہلے بلایا جائے گا اور تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ ہاں اگر عمر کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو بلال اور صہیب کو ابوسفیان اور سہیل پر ترجیح نہ دی جاتی۔ لیکن یہاں تو عدل وانصاف ہر چیز سے بالاتر ہے جو جس کا حق ہے وہی ملے گا۔ جب لوگ غزوہ عراق کی طرف متوجہ ہوئے تو ابوعبیدہ بن مسعودؓ نے سبقت کی اور مہاجر صحابہ کرام نے تامل سے کام لیا تو فاروق اعظمؓ نے ولایت وسرداری بھی انہی لوگوں کے سپرد کی جو جنگ میں

پہلے چکے تھے اور صاف کہدیا کہ اگر تم نے جنگ میں سبقت کی ہوتی تو میں تمہیں والی بناتا پھر امیر الجیش کو حکم دیا کہ تم اصحاب رسول کو ہر مشورہ میں شریک رکھنا اور جنگی معاملات میں تیزی سے کام نہ لینا اس میں کچھ سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح فاروق اعظمؓ کے نزدیک ملک و قوم کی بھلائی شخصی منفعت کے مقابلے میں زیادہ مقدم تھی اسی نقطۂ نظر سے آپ نے منصب یا عہدہ عطا کرنے کا اصول صرف عدل و انصاف پر مبنی رکھا تھا اور اسی طرح کسی کو معزول کرنے کا معاملہ بھی شخصیت سے بلند ہو کر صرف مفاد عامہ کے نقطہ نظر سے ہوتا تھا اس سلسلہ میں حضرت خالد بن ولید کی معزولی کو بعض لوگوں نے ایک فتنہ برپا کرنے کے لئے استعمال کیا ہے مگر ہمیں اس مسئلہ میں بھی حضرت عمرؓ کی خلوص نیت اور حکمت و دانشوری پر محمول کرنا چاہئے جیسا کہ خود آپ کے اس قول سے ثابت ہے جب آپ سے ان کی معزولی کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا مجھے ڈر تھا کہ لوگ محض ان پر بھروسہ کرنے لگیں گے اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے میں نے چاہا کہ لوگ صرف اللہ کو حقیقی کارساز سمجھیں کسی ایک شخص کی طاقت یا سوجھ بوجھ پر بھروسہ نہ کریں۔ اس کے بعد حضرت خالد کی معزولی کو کسی ناانصافی پر محمول کرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ فاروق اعظمؓ نے یہ معاملہ صرف انہی کے ساتھ نہیں کیا بلکہ یہی عمل دوسرے والیوں اور عمال کے ساتھ بھی کیا بلکہ افسوسناک پہلو تو جب سامنے آتا اگر اوروں کے ساتھ معزولی کا معاملہ کر کے ان کو چھوڑ دیا جاتا اور دو معیار نظر آتے پھر اس طرح کے واقعات آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور خلیفہ اول کے عہد میں بھی پیش آچکے تھے جبکہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضورؐ نے قتال سے منع فرمایا تھا مگر حضرت خالد بن ولید نے بیس سے زیادہ لوگوں کو قتل کر دیا تھا اور جب حضورؐ نے خود ایک عورت کی لاش دیکھی اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حضرت خالد کی مقتولہ ہے تو آپ نے باز پرس کی، اظہار افسوس کیا اور حکم دیا کہ کسی عورت، بچہ یا پناہ میں آئے ہوئے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت خالد بن ولید کو بنی جزیمہ کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا اور منع کر دیا تھا کہ اگر وہاں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز آئے تو قتال مت کرنا مگر وہاں بھی بعض لوگ قتل کئے گئے اس لشکر میں دو آدمی ایک عبداللہ بن عمر دوسرے سالم مولی ابی حذیفہ ایسے تھے جنہوں نے اپنے قیدیوں کو قتل نہیں کیا تھا، حضور کو جب اس قبیلہ کے ایک آدمی کے ذریعہ تفصیل معلوم ہوئی تو سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا اے اللہ میں بری ہوں اس سے جو

خالد نے کیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو اس قوم کے پاس بھیجا تاکہ ان کا خون بہا ادا کریں اور جو مال ضائع ہو گیا ہے اس کی تلافی کریں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں بھی پیش آیا جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو مرتدین کی طرف بھیجا گیا تھا کہ اسلامی احکام کے قبول کرنے پر آمادہ کریں یا قتال کریں مگر اس میں مالک بن نویرہ کی طرف بھیجنا مقصود نہ تھا۔ حضرت خالد نے مالک کی طرف رجوع کیا جبکہ انصار صحابہ اس ارتکاب سے رُکے اور خلیفہ کی ہدایت کا انتظار کرنا چاہتے تھے۔ بات کافی بڑھی اور بعض روایتوں کے مطابق مالک بن نویرہ نے حضرت خالد سے خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیج دیا جائے وہ جو بھی حکم صادر فرمائیں مگر حضرت خالد نے ایسا نہیں کیا بلکہ مالک کی گردن اُڑادی گئی اور اس کی بیوی سے حضرت خالد نے نکاح کر لیا۔ یہ مقدمہ خلیفہ اول کے دربار میں پہونچا حضرت عمرؓ بھی بہت ناراض ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے ان کو امارت سے معزول کرنے کا قصد بھی کر لیا تھا مگر پھر بعض صحابہ کرام نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی کہ حضرت خالدؓ کو ان کے منصب پر رہنے دیا جائے کیونکہ ان کی ضرورت ہے اس لئے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد وہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ حضرت خالد نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم کا انعام دیا تو اس کی خبر حضرت عمرؓ کو پہونچی اور ایک نے اس پر سخت باز پرس کی بلکہ معزول کر دیا۔ (ان تمام تفصیلات کو لکھنے کے بعد اشعار لکھتے ہیں کہ ان تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے) جیسا کہ ابن الاثیر نے اس واقعہ کو پہلے تو ہجرت سے تیرہویں سال کے واقعات میں ذکر کیا ہے اس کے بعد سترہویں سال کا واقعہ بتایا ہے پھر دونوں جگہ مشتبہ قسم کے اقوال نقل کئے ہیں (۱) بہر حال ان واقعات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو قدم اٹھایا یہ کوئی نیا نہیں تھا بلکہ رسول اکرمؐ اور صدیق اکبرؓ کے زمانہ بھی ہو چکا تھا اور فاروق اعظمؓ نے اپنے عدل وانصاف کو بدستور بلند رکھا اور کسی کے ساتھ رورعایت نہیں کی۔ ویسے فاروق اعظم اپنے مزاج کے لحاظ سے قتال کے لئے عجلت کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسی وقت تلوار اٹھانا ضروری سمجھتے جب حالات ناگزیر ہو جائیں جیسا کہ آپ نے ایک مرتبہ سلیط بن قیس سے کہا تھا کہ تم بے شک جنگ میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہو اگر یہ عادت نہ ہوتی تو میں تمہیں اس لشکر کا امیر بناتا۔

یہاں معزولی کے سلسلہ میں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ فاروق اعظمؓ کے نزدیک کسی عامل یا

والی کو معزول کرنے کی وجہ کوئی غلطی یا خیانت وغیرہ عیاں نہ تھی بلکہ اس کے علاوہ بھی ایسی مصالح ان کے پیش نظر رہتی تھیں جس کی بناپر وہ کسی کو منصب سے علیحدہ کردیتے تھے جیسے انہوں نے زیاد بن ابی سفیان کو جب عراق کی ولایت سے معزول کیا تو زیاد نے آپ سے سوال کیا اے امیر المومنینؓ! آپ نے مجھے کیوں معزول کیا ہے؟ کیا کسی مجبوری سے یا خیانت کی بناپر! آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ میں نے اس بات کو برا سمجھا کہ تیری عقلمندی کے فضائل کو عوام پر بوجھ بنادوں اس کے علاوہ یہ بھی فاروق اعظم کی عادت تھی کہ آپ انتہائی غور وخوض کے بعد کسی کی ولایت کا فیصلہ فرماتے تھے اور اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ کبھی اچھے قابل آدمی کو محض اس لئے ناپسند فرمادیتے کہ فخر وغرور کی عادت میں مبتلا ہے۔ اس لئے آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو خالد بن سعید کے والی بنانے سے روکا کیونکہ وہ فخر میں مبتلا رہتے تھے اور اپنے فیصلوں میں تعصب سے بھی کام لیتے تھے اس لئے ان عادات واطوار اور واقعات کے پیش نظر حضرت خالدؓ کے بارے میں معزولی کا فیصلہ کسی شک وشبہ کی دراندازی کو روا نہیں رکھتا اس کے علاوہ اس معزولی میں فاروق اعظمؓ کی لوگوں کی نیتوں پر خصوصی توجہ کو بھی بڑا دخل ہے جیسا کہ مختلف واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ کے ہاتھوں بڑی بڑی فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ کو یہ خطرہ بھی پیدا ہوا کہ لشکر کے سپاہی ان فتوحات کے بعد خالد بن ولید کو طاقت کا اصل سرچشمہ نہ سمجھنے لگیں اور ان کی قوت کے سامنے قوت ربانی اوجھل ہو جائے اس لئے خدشہ کو اکھاڑ پھینکنا ہی ضروری ہے۔ دوسرے واقعہ میں ان کی نیت پر توجہ اس وقت نظر آتی ہے جب آپ نے مصری لشکر کو فتح کی تاخیر پر ان الفاظ میں خط لکھا "مجھے تعجب ہے کہ تمہیں مصر کی فتح میں اتنی تاخیر ہو گئی جبکہ تم دو سال سے وہاں جنگ کر رہے ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں دنیا سے زیادہ محبت ہو گئی ہے دشمن کی پرواہ نہیں ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کسی قوم کو کامیابی عطا نہیں فرماتے جب تک اس میں صدق نیت نہ ہو"

(۱) ابن الاثیر کی اس غلطی کو علامہ شبلی کی الفاروق میں بعینہ ص ۱۵۹ پر نقل کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے تقرر اور معزولی پر بھی حضرت عمرؓ کو صدق نیت کا کتنا خیال رہتا ہو گا۔ پھر اس معزولی کے مسئلہ سے عصر حاضر کی حکومتوں کو بھی سمجھنا چاہئے کہ فاروق اعظم کے نزدیک اسلامی سلطنت کا مفاد کس طرح ہر شخصی نفع ومنفعت پر بھاری تھا کیونکہ یہ اسلامی حکومت کا وہ زمانہ تھا جب ان تمام معاملات کی بنیاد ڈالی جارہی تھی اور وہ بھی نہ تو کسی تحریری قانون کے زیر اثر تھی نہ عام طور پر اس طرح کی مثالیں تھیں حاکم وقت

کے سامنے تھیں یہ صرف فاروق اعظم کی شخصی صلاحیت کا نتیجہ تھا۔

العقاد نے مندرجہ بالا وضاحت یا تاویلات بیان کرنے کے علاوہ حضرت خالد کی معزولی کے بعد بعض موقعوں پر فاروق اعظم کی طرف سے معذرت کے خوبصورت الفاظ بھی نقل کئے ہیں مگر اس طرح نہیں کہ گویا ان سے کوئی غلطی ہوئی ہو بلکہ ناقدین کے اطمینان کے لئے ایک مدبر اور دانشور کی زبان سے جو ادا ہو سکتا تھا وہ کیا ہے مثلاً جابیہ کے مقام پر ایک تقریر میں آپ نے فرمایا، میں خالد کی معزولی کے معاملہ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ یہ مال تم مہاجرین کے کمزور لوگوں کے لئے روک لینا مگر انہوں نے اس مال کو شرفاء طاقتور اور زباں دراز لوگوں پر صرف کیا۔ اس موقعہ پر حضرت ابو عمرو بن حفص نے بڑی سخت کلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا خدا کی قسم! تم نے معذرت نہیں کی اے عمر تم نے ایک ایسے جوان کو منصب سے کھینچ لیا جس سے رسول اللہ نے کام لیا تھا، تم نے ایسی تلوار کو نیام میں ڈال دیا جسے رسول اللہ نے سونتا تھا، تم نے ایسے شخص کو بٹھادیا جسے رسول اللہ نے کھڑا کیا تھا، تم نے قطع رحمی کی اور چچا کی اولاد سے حسد کا مظاہرہ کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بہت مختصر الفاظ میں صرف اتنا کہا "آپ قرابت داری میں بہت قریب اور نئی عمر کے انسان ہیں اپنے چچا کے بیٹے کے معاملہ میں غصہ کررہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کبھی حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولید کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں کی اور ہمیشہ محبت کا اظہار کیا۔ جب حضرت خالد کی وفات کا علم ہوا تو شدت غم میں نڈھال ہوگئے سر جھکا لیا اور رحم و کرم کی دعائیں کرتے رہے فرمایا خدا کی قسم وہ شخص دشمنوں کی گردنوں کے لئے ایک رکاوٹ تھا اور پاک نفس تھا۔ آپ جب بھی کبھی ان کا ذکر فرماتے تو ان کے فضائل بیان کرتے اور خوبیاں بتاتے۔ وفات کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضرت خالد بن ولید نے اپنے پیچھے دنیاوی مال و دولت میں کچھ نہیں چھوڑا ہے سوائے ایک گھوڑا، غلام اور اسلحہ کے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو سلیمان پر رحم فرمائے کہ وہ ہمارے گمان کی دسترس سے بہت دور تھا۔ عام طور پر حضرت عمر کسی کی وفات پر آہ و بکا کرنے سے منع فرماتے تھے مگر جب حضرت خالد کی وفات ہوئی اور آپ وہاں پہونچے تو لڑکیاں رو رہی تھیں تو آپ سے کہا گیا کہ انہیں روکئے۔ آپ نے فرمایا نہیں انہیں ابو سلیمان پر رونے دو اب اس قضیہ کے آخر میں ہم دونوں بزرگ صحابہ کرام کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے قطع نظر اس سے کہ ان کے مابین کس نوعیت کے اختلافات تھے صرف اتنا کہدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اسلامی سپہ سالار کی شجاعت نہایت قابل قدر اور قابل صد ستائش ہے مگر اسلامی عدل وانصاف اس سے برتر و بالا ہے جس کی ترازو میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں سب مساوی ہیں۔

وقت کا اہم ترین فریضہ
قادیانیت کا
تعاقب

از :۔ مولانا عبدالرحمن یعقوب باوا لندن

پاکستان میں قادیانیوں کو ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں قادیانیوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی۔ جس کے نتیجہ میں قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے پاکستان سے راہ فرار اختیار کی۔ اور لندن میں مستقل مقیم ہوگیا۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانی جماعت کے کفریہ عقاید سے آگاہ کرنے کے لئے، علماء کرام، گذشتہ ایک صدی سے سرگرم ہیں۔ انہی علماء کرام کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ قادیانی اپنے عزائم میں ناکام ہیں۔ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی علماء کرام اس محاذ پر مسلسل خدمات انجام دے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ علماء کرام، قادیانیوں کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں اور قادیانی ان علماء کرام کو اپنی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

قادیانی سربراہ مرزا طاہر کو پاکستان سے لندن آئے ہوئے تقریباً ۱۲ سال گذر گئے ہیں مرزا طاہر نے اس عرصے میں علماء کرام (جنہیں وہ "معاندین احمدیت" کہتے ہیں) کو دو مرتبہ مباہلہ کا چیلنج دیا۔ پہلے ۱۹۸۸ء میں اور اب ۱۰ جنوری ۱۹۹۷ء میں مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ ان کا یہ تازہ مباہلہ روزنامہ جنگ لندن مورخہ ۱۴ جنوری ۹۷ء کو خبر کی صورت میں اور قادیانی ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن مورخہ ۲۸ فروری تا ۶ مارچ کی اشاعت میں مع مکمل متن شائع کیا ہے

مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ حقیقت میں ایک ڈھونگ تھا اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر وہ مباہلہ کرنے میں سنجیدہ ہوتا تو پھر ان کو میدان مباہلہ میں نکلنے میں کونسی چیز مانع تھی۔

مرزاغلام احمد قادیانی بھی ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو چیلنج مباہلہ دیتا پھرتا لیکن سوائے ایک مرتبہ کے وہ بھی میدان مباہلہ میں نکلنے سے فرار اختیار کرتا۔ ٹھیک مرزاطاہر بھی علماء کرام کو چیلنج مباہلہ دیتا اور جب علماء کرام ان کے چیلنج کو قبول کرتے تو پھر یہ کہہ کر کہ "میدان مباہلہ میں اکٹھا" ہونا ضروری نہیں راہ فرار اختیار کرتا۔

مباہلہ کا طریقہ وہ ہے جو قرآن کریم نے آیت مباہلہ میں بیان فرمایا ہے کہ دونوں فریق اپنی عورتوں، بچوں اور اپنے متعلقین کو لیے کر میدان میں نکلیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تعمیل میں نصاریٰ نجران کے مقابلے میں نکلے اور ان کو بھی نکلنے کی دعوت دی، خود مرزاغلام احمد قادیانی، مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم کے مقابلے میں ۱۰/ذی یقعدہ ۱۳۱۰ھ کو امر تسر کے عیدگاہ میدان میں روبرو مباہلہ کرنے کے لئے نکلا اور مرزاغلام احمد قادیانی کی متعدد کتب سے حوالہ دیا جاسکتا ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے مباہلہ کے لئے تاریخ، وقت، اور مقام مقرر کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اب اگر مرزاطاہر مباہلہ کے لئے اپنا خود ساختہ طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے مباہلہ سے کھلی فرار کی کوشش ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مرزاطاہر میں اگر مباہلہ کرنے کی ہمت ہے تو پھر خود ہی اپنی سہولت کے مطابق تاریخ، وقت، اور مقام کا اعلان کردے انشاء اللہ علماء کرام میدان مباہلہ کے لئے وقت مقررہ پر پہنچ جائیں گے۔ اگر وہ تمام دنیا کے علماء کرام کو مدعو نہیں کرنا چاہتا تو پھر چند علماء کرام کا نام وہ خود ہی انتخاب کردے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

مباہلہ کے سلسلے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ مرزاطاہر نے اپنے چیلنج مباہلہ میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

"کوئی کہتا تھا کہ مکے میں آؤ اور وہاں جاکر آمنے سامنے اکٹھے ہوں۔ اب سارا عالم اسلام کیسے وہاں اکٹھا ہو جائے گا اور ساری جماعت احمدیہ وہاں کیسے اکٹھی ہو جائے گی کس کس کو تم لاؤ گے کون سا تمہارا اتفاق ہے فضول لغو باتیں اور مکے کی سرزمین کا ہونا کیوں ضروری ہے مباہلوں کے لئے تو کبھی بھی ایسی کسی سرزمین کا انتخاب نہیں ہوا......(الفضل انٹر نیشنل لندن مورخہ ۲۸/فروری تا ۶/مارچ ۱۹۹۷ء)

یہ بہت بڑا جھوٹ اور فریب "کوئی کہتا تھا" کہہ کر منسوب کیا جارہا ہے کہ "مباہلہ کے لئے مکے میں آؤ" کوئی جاہل ہی ایسا ہوگا جو اس طرح مرزاطاہر جیسے ایک کافر، غیر مسلم، مرتد کو مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر مباہلے کے لئے بلارہا اور تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہے کہ

مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کی حدود میں غیر مسلموں کا داخلہ شرعا ممنوع ہے پھر کیسے علماء کرام سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس طرح مرزا طاہر کو مکہ میں مباہلے کے لئے بلائے ہاں اگر کسی عوام الناس میں سے کسی نے مرزا طاہر کو دعوت دی ہو تو اس کا علم نہیں نہ ہمارے سامنے ایسی کوئی تحریر گذری۔ بہر حال مباہلہ سے فرار ہونے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے

مباہلے کے سلسلے میں مزید ایک اور آخری نکتہ یہ ہے کہ کیا قادیانیوں کے ساتھ مباہلہ کرنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟ مباہلہ، دونوں فریقوں کے درمیان حق وباطل اور صدق وکذب کے جانچنے کا آخری معیار ہوتا ہے جبکہ ایک فیصلہ کن مباہلہ دونوں پارٹیوں، اہل اسلام اور قادیانیوں کے درمیان امرتسر کے عیدگاہ میدان میں، مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ میں روبرو کیا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی اس مباہلہ کے نتیجہ میں مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم کی زندگی میں وبائی ہیضہ کا شکار ہو کر مر گیا اور دنیا کے لئے عبرت کا نشان بن گیا۔ اس خدائی فیصلے نے ثابت کردیا کہ علمائے کرام سچے ہیں اور مرزا قادیانی جھوٹا تھا۔ اس واقعہ کے ایک صدی گذرنے کے باوجود کیا اب بھی مرزا قادیانی کا صدق وکذب مشتبہ ہے کہ مرزا طاہر از سرنو مباہلہ کرنے چلے۔ علماء کرام، مرزا طاہر کے چیلنج کو جو قبول کررہے ہیں وہ خدانخواستہ اس وجہ سے نہیں کہ مرزا قادیانی اور قادیانیت کے کفر اور ان کے جھوٹے ہونے میں شک ہے بلکہ حجت پوری کرنے کے لئے مباہلہ کیا جارہا ہے

اب آئیں مرزا طاہر کے تازہ مباہلہ کی طرف کہ مرزا طاہر نے اپنے چیلنج میں علماء کرام کو نشانہ بناتے ہوئے کیا کہا۔ درجہ ذیل میں ہم ان اہم نکات کو نقل کررہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:۔

"مرزا طاہر نے کہا کہ ایک فرعون کے تباہ ہونے سے ان لوگوں نے (یعنی علمائے کرام نے) عبرت حاصل نہیں کی اس لئے ان سب فرائین کی صف لپیٹ دے۔"

"اب ان کی پکڑ کے دن قریب آگئے ہیں اور خدا نے چاہا تو عنقریب ان پر ذلتوں کی مار پڑے گی اور دنیا کے لئے عبرت کا نشان بن جائیں گے کیونکہ حق کے ساتھ لڑنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے"

"مولوی صاحبان، عوام الناس کو حق کی شناخت میں روک بنے رہے تو ظاہری ہوجاتے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جلد اپنی گرفت میں لے اور وہ لوگ عبرت کا نشان بن جائیں۔"

"مرزا طاہر نے اپنی ایک دعاء میں کہا کہ "اے ہمارے مولاان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ فرما۔ تو احکم الحاکمین ہے تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اور ہمارے لئے یہ سال یا اگلا سال یا اس سے اگلا سال ملا کر ایسا کردے کہ یہ احمدیت کے دشمن کی مکمل ناکامی اور نامرادی کی صدی بن جائے اور نئی صدی احمدیت کی نئی شان کا سورج لے کر ابھرے" (اخبارات جنگ و نیشن)

"اگر ان شریر علماء نے اب بھی جماعت احمدیہ پر الزام تراشیوں کا سلسلہ بند نہ کیا اور اپنی کذب بیانی، شرارتوں، بے باکیوں سے باز نہ آئے تو جان لیں کہ وہ کسی صورت میں بھی سزا سے نہیں بچیں گے۔ کیونکہ ذلت و نامرادی ان کے مقدر میں لکھدی گئی ہے"۔

"تمہارے پکڑ کے دن آئیں گے اور لازماً آئیں گے یہ وہ تقدیر ہے جیسے تم ٹال نہیں سکتے

"یہ صدی احمدیت کے غلبے اور نصرت کی تقدیر ہوگی اور احمدیوں کے دشمنوں کی ذلت اور ہلاکت کی تقدیر ہوگی"

"مخالفین خدا تعالیٰ کی لعنت کا نشانہ بنیں گے۔ یہ ایسا یقین ہے کہ جو یقین کے آخری مقام تک پہنچا ہوا ہے حق الیقین سے یہ بات کہہ رہا ہوں"

"مرزا طاہر نے علماء کرام کو لیکھ رام قرار دیتے ہوئے کہا کہ "لیکھ رام ۱۸۹۷ء میں ہی ہلاک ہو کر عبرت کا نشان بن گیا۔ یہ ۱۹۹۷ء ہے یعنی ٹھیک سو سال بعد پھر لیکھ راموں (یعنی علماء) کی ہلاکت کیلئے آپ کو دعاء کی طرف متوجہ کررہا ہوں اب ایک نہیں سینکڑوں لیکھ راموں سے ہمارا واسطہ ہے۔ پھر مرزا طاہر نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا خدا وہی ہے جس نے پہلے فرعون کو ہلاک کیا اور دوسرے فرعون (ضیاء الحق مرحوم) کو بھی ہلاک کیا۔ ہمارا خدا وہی ہے جو ہر لیکھ رام سے نپٹنا جانتا ہے جس کے قہر کی چھری سے کسی لیکھ رام کا اندورنہ بچ نہیں سکتا ہے"۔ (الفضل انٹرنیشنل لندن مورخہ ۲۸ / فروری تا ۶/ مارچ ۱۹۹۷ء)

یہاں مرزا طاہر نے اپنے خطبے میں بار بار "لیکھ رام" کا ذکر کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً لیکھ رام کے بارے میں عرض کردوں۔ پنڈت لیکھ رام آریہ سماج کا ایک لیڈر تھا جو نہایت بدزبان تھا شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بکواس کرتا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ اس کی شدید ٹکر تھی۔ لیکھ رام کو کسی نے چھری سے وار کرکے قتل کردیا اسی لیکھ رام کا تذکرہ کرتے ہوئے قادیانی ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل نے

ایک اشتعال انگیز اداریہ لکھا ہے جس کا کچھ حصہ درج ذیل میں نقل کرتا ہوں

آج اس دور میں لیکھ رام کی صفات کے حامل بعض خبیث الفطرت دشمنان احمدیت .... مسیح موعود .... (مرزا قادیانی کذاب) کے خلاف اسی طرح کی نہایت گندی اور غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں اور تمسخر اور استہزا اور تحقیر و توہین میں لیکھو کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور باوجود بار بار کی نصیحت کے تکذیب و توہین اور گندہ ذہنی اور افترا پردازی سے باز نہیں آرہے۔ ہمارے موجودہ امام..... مرزا طاہر احمد .... نے دور حاضر کے ان سب لیکھ راموں کو دعاء کے میدان میں مقابلہ کے لئے بلایا ہے اور جھوٹوں پر لعنت ڈالتے ہوئے ساری جماعت کو تحریک فرمائی ہے کہ وہ ان بد خصال، مفسد، شریر بے ادبوں کے خلاف بددعا کریں کہ اللہ تعالی ایک دفعہ پھر اپنے ہیبت ناک نشان ظاہر فرمائے اور ان کے خبث اور دل آزاریوں سے ہمیں نجات دے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ کن طریق ہے جس سے خوب کھل جائے گا کہ کون خدا کا محبوب ہے اور کون اس کی درگاہ سے مردود ہے........... خدا تعالی سے فیصلہ کن نشان طلب کریں کہ جس طرح وہ پہلے اپنے پیاروں کے لئے غیرت دکھاتا رہا اب بھی اسی طرح زور آور اور دل ہلا دینے والے نشانوں سے گستاخان نبوت (علماء) کو عبرت کا نشان بنائے...........

کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغ دعا آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی

(الفضل انٹرنیشنل ۲۸ / فروری تا ۶ / مارچ ۹۷ء ص ۲)

مرزا طاہر نے اپنے چیلنج مباہلہ میں اور الفضل نے اپنے اداریہ میں علماء کرام کے لئے جو زبان استعمال کی ہے اور جس طرح قادیانیوں کے جذبات کو ابھارا اور اکسایا ہے کیا وہ "سنگین نتائج کی دھمکی" کے مترادف نہیں.....؟ کیا یہ چیلنج اپنے اندر کوئی "خفیہ پیغام" نہیں رکھتا؟ علماء کرام کو فرعون اور "لیکھ رام" قرار دینا پھر ان کی ذلت، ہلاکت اور عبرت کا نشان بننے کی پیشگوئی کرنا اور قادیانیوں کو ان علماء کرام سے نجات کے لئے دعاء کی درخواست کرنا اس کا کیا نتیجہ نکلے گا کیا قادیانیوں کو یہ نہیں سمجھا جارہا ہے کہ لیکھ رام اور علماء کرام کا جرم ایک ہی ہے۔ لیکھ رام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی اور مرزا غلام احمد قادیانی سے مقابلہ کیا اور موجودہ علماء کرام بھی لیکھ رام کے نقش قدم پر ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی (جو ان کے نزدیک نبی رسول نعوذ باللہ ہے) کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کا تمسخر و استہزا کرکے مرزا غلام احمد قادیانی کے دشمن اور گستاخ بن رہے ہیں اس لئے جو سزا لیکھ رام کو دی

گئی ہوتی سزا کے مستحق یہ علماء کرام بھی ہیں؟

اگر مرزا طاہر نے جارحانہ اقدامات کرنے کا حکم دے دیا ہے تو مرزا طاہر کو معلوم ہونا چاہیے کہ علماء کرام ان کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے والے نہیں اور نہ ہی اپنی سرگرمیوں کو وہ ترک کر سکتے ہیں موت اور زندگی اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اگر اس راہ میں جان چلی جاتی ہے تو یہ بات باعث فخر ہے کہ باعث فکر۔ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میدان یمامہ میں ایک جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں شریک ہو کر اپنی جان کے نذرانے پیش کئے۔ اسی طرح یہ علماء کرام بھی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کریں گے۔ لہذا مرزا طاہر ان علماء کرام کو "لیکھو" یا "فرعون" کہہ کر ڈرایا نہ کریں

اس سلسلہ میں علماء کرام اور خصوصاً وہ حضرات جو محاذ ختم نبوت پر سرگرم ہیں ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور مرزا طاہر کے چیلنج مباہلہ کے پس پردہ محرکات و عوامل کا گہری نظر سے جائزہ لیں اور قادیانیت کر ڈٹ کا محاسبہ کریں کہ یہی وقت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے
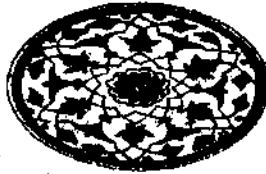
قادیانیوں کے خلاف شروع کی گئی پرزور تحریک کو عام کرنے کے لئے بلند شہر کی جامع مسجد میں

عظیم الشان اجلاس

تحفظ ختم نبوت

بفضلہ تعالیٰ ۱۴ر جون ۹۷ء کو دہلی کی تاریخی کانفرنس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں قادیانی فتنہ کی خطرناکی کا احساس بیدار ہوا ہے۔ اور مختلف مقامات سے قادیانی فتنہ کے تعاقب کے پروگراموں کی اطلاعات دفتر میں موصول ہو رہی ہیں اسی سلسلہ میں ۳ر جولائی ۹۷ء کو بلند شہر میں تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر ایک اہم اجلاس منعقد ہوا اس کی رپورٹ محترم جناب مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند نے ارسال فرمائی ہے جو شریک اشاعت ہے

محمد عثمان ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت

آج مورخہ ۳ر جولائی بروز جمعرات ۱۹۹۷ء بعد نماز عشاء جامع مسجد بلند شہر میں بسلسلۂ ختم نبوت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں بلند شہر اور قرب وجوار میں گلاؤ ٹھی سکندر آباد، کماپور، خورجہ، ہاپوڑ، غازی آباد، شکار پور اور دہلی کے بعض مقامات سے علماء کرام اور اساتذۂ مدارس نے شرکت کی شریک ہونے والے علماء کرام کی تعداد پچاس سے بھی متجاوز تھی۔

ماشاء اللہ عوام نے بھی بڑی تعداد میں اس جلسہ میں شرکت کی وسیع جامع مسجد کے دالان اور صحن لوگوں سے بھرے ہوئے تھے اور یہ اس موضوع پر اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا۔

ابتداءً مدرسہ فرقانیہ جامع مسجد بلند شہر کے ایک نوعمر متعلم محمد عامر بن قاضی زین العابدین صاحب قاسمی نے تلاوت کلام پاک کی اور اسی مدرسہ کے ایک دوسرے محمد حمت نامی طالب علم نے ایک نظم پڑھی۔ اس کے بعد باضابطہ کارروائی شروع کرنے کیلئے مولانا

حسن صاحب قاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بلند شہر مائک پر تشریف لائے اور مختصر سی مگر جامع تقریر کے بعد حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و ناظم اعلیٰ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی صدارت کا اعلان کیا مولانا زین العابدین صاحب قاسمی نائب صدر جمعیۃ علماء بلند شہر نے تائید صدارت فرمائی۔

جلسہ کا آغاز :- اعلان صدارت کے بعد جلسہ کی کارروائی باضابطہ شروع کرنے کیلئے احقر راقم الحروف (شفیق الرحمٰن بلند شہری خادم التجوید دارالعلوم دیوبند) کو تلاوت کلام پاک کیلئے دعوت دی گئی تلاوت کے بعد احقر نے موضوع تقریر اور حضرت صدر محترم مفتی صاحب مدظلہ کا مختصر تعارف کرایا۔

خطاب :- آج کے اس عظیم الشان جلسہ میں صرف حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ ہی نے خطاب فرمایا دو گھنٹے مکمل موضوع سے متعلق تفصیلی خطاب حضرت والا نے فرمایا۔

خطاب میں تفصیل کے ساتھ نبوت اور ختم نبوت کے معانی اور نبی و رسول اور ان کے فرائض منصبی قدرے تفصیل کے ساتھ سمجھائے۔ نیز اس ضمن میں اچھی طرح وضاحت کے ساتھ لعین قادیانی کذاب زماں، ملعون مرزا قادیانی کی تلبیس اس کے جھوٹے دعاوی کی تفصیل بیان کی آج کے اس جلسہ اور حضرت والا کے خطاب سے اہل علم نیز عوام مسلمانوں کو بہت نفع ہوا اور مسئلہ ختم نبوت ان کے قلوب پر نقش ہو گیا حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی دعاء پر تقریباً ایک بجے شب جلسہ اختتام پذیر ہوا، جلسہ میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ یہ جلسہ دراصل اس ۱۴ر جون کو ہونے والی کانفرنس کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ختم نبوت اور ردّ قادیانیت پر چلائی جانے والی تحریک تھی اور اسی کانفرس سے ہماری اس تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے جلسہ میں اس بات کا بھی عزم کیا گیا کہ آئندہ ختم نبوت کانفرنس بڑے پیمانے پر بلند شہر ہی میں منعقد کی جائے گی انشاء اللہ۔

والسلام
شفیق الرحمٰن بلند شہری
خادم دارالعلوم دیوبند ۲ر ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

دارالعلوم کی نئی جامع مسجد

اللہ تعالیٰ کا بیحد و حساب شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی نئی جامع مسجد پروگرام کے مطابق تعمیری مراحل طے کرتے ہوئے پایۂ تکمیل کے قریب پہونچ رہی ہے اور اب اس کے اندرونی حصوں کو دیواروں اور فرش کو سنگ مرمر سے مزید پختہ اور مزین کیا جارہا ہے، یہ کام چونکہ اہم بھی ہے اور بڑا بھی اس پر رقم بھی کثیر خرچ ہوگی محبین و مخلصین کی رائے ہوئی کہ آئے دن رنگ و روغن کرانے کے خرچ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ اچھی رقم لگادی جائے، اسی احساس کے پیش نظر اتنا بڑا کام سرانجام دینے کا بوجھ اٹھالیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ تمام حضرات معاونین نے جس طرح پہلے خصوصی تعاون دے کر مسجد کو تکمیل کے قریب پہنچایا ہے، اسی طرح بلکہ مزید سرگرمی کے ساتھ دست تعاون بڑھاکر اس مرحلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ادارہ کی مدد فرمائیں گے۔

یہ مسجد بین الاقوامی اہمیت کی حامل درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد ہے جس میں نہ جانے کس کس دیار کے نیک لوگ آکر نماز ادا کریں گے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جنکی کچھ بھی رقم اس مسجد میں لگ جائے، اس لئے اپنی جانب سے اور گھر کے ہر فرد کی جانب سے اس کار خیر میں حصہ لیکر عنداللہ ماجور ہوں اور دوسرے احباب و اقرباء کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے اور دن دونی رات چوگنی ہمہ جہتی ترقیات سے نوازتے ہوئے تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے آمین

پتـــہ

ڈرافٹ و چیک کے لئے: "دارالعلوم دیوبند" اکاؤنٹ نمبر 30076

—— اسٹیٹ بینک آف انڈیا دیوبند

منی آرڈر کے لئے: (حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند 247554

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہ جمادی الاول سنہ ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۹۷ء

سالانہ ـ /۶۰	فی شمارہ ـ /۶	شمارہ ۹	جلد ۸۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند	مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔یو،پی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔ /۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم ـ /۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ـ /۸۰ ہندوستان سے ـ /۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤدوالا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

افسوس کہ ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸/ اگست ۱۹۹۷ء یوم پنجشنبہ کو شریعت وطریقت، فضل وکمال، جہد وعمل، زہد و قناعت، مجاہدہ واستقامت اور اخلاص وللّٰہیت کی ایک ایسی مسند خالی ہو گئی جو غالباً عرصۂ دراز تک خالی ہی رہے گی "انا للہ وانا الیہ راجعون"

اس سے ہماری مراد "حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی" رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ کا سانحۂ ارتحال ہے یہ حادثہ محض حضرت مولانا کے اہل خاندان یا مسلمانان باندہ ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ سارا اسلامی ہند اس سے متاثر اور اپنی کم نصیبی پر نوحہ کناں ہے۔

مختصر حالات زندگی

آپ کی پیدائش غالباً ۱۳۴۵ھ ہتورا ضلع باندہ اتر پردیش میں ہوئی، حفظ قرآن آپ نے جدِ امجد قاری سید عبدالرحمٰن کے پاس کیا جو رأس المحدثین مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے تلمیذ تھے۔ جدامجد کی وفات کے بعد باقی ماندہ پاروں کی تکمیل اپنے ماموں سید مولوی امین الدین سے کی اور انہیں سے فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ اس کے بعد کان پور آگئے اور یہاں مولانا مفتی سعید احمد لکھنوی، مفتی صدر الدین، مولانا کمال الدین مولانا سید سہراب علی اساتذہ کانپور سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر یہاں سے پانی پت آگئے اور یہیں حضرت مولانا قاری عبدالحلیم صاحب پانی پتی نبیرہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہما سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی اور اسی کے ساتھ دیگر اساتذہ سے شرح جامی بحث فعل تک عربی درسیات کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں ۱۳۵۹ھ میں جبکہ دارالعلوم دیوبند کے بعد دینی علوم کے دوسرے بڑے مرکز مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور مسلسل تین سال یہاں رہ کر ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

سہارنپور کے آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت

مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب وغیرہ اس وقت کے اکابر اساتذہ حدیث کے علاوہ حضرت مولانا قاری مفتی سعید احمد صاحب، حضرت مولانا عبد الشکور صاحب، حضرت مولانا امیر احمد صاحب حضرت مولانا ظہور الحق صاحب حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی صاحب بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مظاہر علوم میں دوران تعلیم حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہما سے خصوصی عقیدت اور نیاز مندانہ تعلق رہا پھر آخر الذکر بزرگ سے بیعت ارادت کا تعلق بھی قائم ہو گیا اور انہیں کی زیر تربیت سلوک وطریقت کی منزلیں طے کیں اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے پیر ومرشد حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب کو آپ کی ذات پر اس حد تک اعتماد تھا کہ ایک موقع پر فرمایا کہ اگر کل قیامت میں اللہ تعالی نے پوچھا کہ کیا لائے ہو تو صدیق احمد کو پیش کردونگا۔

تعلیم وتحصیل سے فراغت کے بعد اپنے اکابر وبزرگوں کے طریق پر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار فرمایا اور تقریباً تین سال تک گونڈہ وغیرہ کے مدارس میں درس وافادہ کے بعد اپنے وطن ہتورا ضلع باندہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اسی کے ساتھ اس زمانہ میں علاقے میں پھیلے ہوئے فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

مدرسہ ہتورا ضلع باندہ کی تاسیس اور تعمیر وترقی کے ذریعہ اللہ تعالی نے ان سے دینی علوم ومآثر کی ترویج واشاعت کی جو عظیم خدمت لی وہ اپنی افادیت، پائداری اور دوررس اثرات کے لحاظ سے ایسی گراں قدر خدمت ہے کہ اگر حضرت موصوف کی زندگی میں صرف یہی ایک کارنامہ انجام پاتا تو ان کی سعادت وفضیلت کے لیے کافی تھا۔

دینی علوم وثقافت کے لحاظ سے ایک ایسی سنگ لاخ اور بنجر سرزمین جو نہ جانے کب سے جہالت وضلالت اور بدعات وخرافات کی بادسموم سے جھلس رہی تھی حضرت قاری صاحب کی ہمت عمل نے اپنے جذ وجہد اور عملی سرگرمیوں کے لیے اسے منتخب کیا۔ اور اپنے عزم کی پختگی، اخلاق کی شبنم، اخلاص کی طراوت اور بے پناہ قربانیوں سے ایسا بہار پر دوش گلستاں بنادیا کہ راہ حق کے تھکے ماندے قافلے اس کے سائے میں آسودگی اور راحت کی سانس لینے لگے۔

اس گلستان علم ودین کی چمن بندی وآبیاری میں حضرت قاری صاحب موصوف کو کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑا، مشکلات اور دشواریوں کی کیسی کیسی کٹھن منزلوں سے گزرنا

پڑا۔ اور جان ومال کی کس قدر قربانیاں دینی پڑیں یہ ایک طویل داستان ہے جس کے بیان کا نہ یہ موقع ہے اور نہ ان سطور کا یہ موضوع ہی ہے۔ حضرت قاری صاحب کا کوئی سوانح نگار ہی انہیں تفصیل سے بیان کریگا، بس اتنا سمجھ لیجئے کہ حضرت موصوف کی کتاب زندگی کا یہ ایسا سبق آموز باب ہے جو ارباب عزم وہمت کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔

اوصاف وخصائل

جن حضرات نے حضرت موصوف کو قریب سے دیکھا ہے اور دین وملت کے لیے شب وروز آپ کے جہد وعمل اور تگ ودو کا مشاہدہ کیا ہے وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کی زندگی سراپا کرامت تھی۔ پھر علم وفضل کے بلند مقام پر فائز ہونے اور عظیم دینی واصلاحی خدمات کے باوجود شخصیت ایسی کہ علم کے غرہ یا تقدس وتقوی کے ناز کی پرچھائیاں بھی دور دور تک نظر نہیں آتی تھیں، تواضع، سادگی، بے تکلفی اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو دنیا بھر کا خدمت گذار سمجھے ہوئے تھے۔ چھوٹوں اور عام شناساؤں کے ساتھ اس طرح گھلے ملے رہتے تھے کہ کوئی پہنچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہی وہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب ہیں جن کی عظمت وعقیدت کا غلغلہ ہر چہار سو پھیلا ہوا ہے۔

حضرت قاری صاحب کا طریق تعلیم وارشاد اور تبلیغ ودعوت بالکل سادہ تھا خود سادہ تھے، سراپا اخلاص تھے، سراپا درد تھے، دین کے سچے غم خوار، اور خلق خدا کے بدل خدمت گار۔ اس لئے ان کا ہر کام بے تکلف سادہ اور اخلاص سے معمور ہوتا تھا۔ ان کے افادات اور فیوض وبرکات کسی مقام ومجلس کے پابند نہیں تھے بلکہ ان کی حالت یہ تھی کہ

"میں جہاں بیٹھ لوں وہیں میخانہ بنے"

خاتم الانبیاء سرور دوعالم ﷺ کی ماثور دعاؤں میں ایک دعا ان الفاظ میں منقول ہے۔

واسئلك باسمك الذی استقربه عرشك ان ترزقنی القرآن العظیم وتخلطه بلحمی ودمی وسمعی وبصری وتستعمل به جسدی.

بارالہا! میں آپ کے اس نام کے واسطے جس سے آپ کا عرش قرار پذیر ہے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن عظیم عطاء فرمائیں اور میرے گوشت، میرے خون، میری سماعت وبصارت میں اسے رچادیں اور میرے جسم کو قرآن ہی میں استعمال فرمائیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے اپنے لیے کبھی یہ دعا مانگی ہوگی جو ان کے حق میں قبول ہوگئی تھی ان کی زبان تو تقریباً ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت یا اس کے علوم و معارف کے بیان و تفہیم میں تر و تازہ رہتی ہی تھی اسی کے ساتھ ان کے قلب و دماغ، فکر و خیال، اور جہد و عمل کا محور بھی قرآن عظیم ہی تھا پوری زندگی اسی فکر میں سرگرداں رہے کہ کتاب الٰہی کی تعلیم و ترویج کے لیے مفید سے مفید تر اور بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم کے لیے درجنوں مکاتب قائم کئے اور سیکڑوں مدارس کی سرپرستی کی۔ جن میں قرآن کی بہتر سے بہتر تعلیم کی کوشش فرماتے رہے۔

حضرت قاری صاحب اپنی عام زندگی میں بالکل درویشانہ شان و مزاج کے حامل تھے۔ بڑے بڑے امراء اور حکام ان سے عقیدت و ارادت اور نیاز مندی کے تعلقات رکھتے تھے لیکن آخر دم تک ان کی اس آن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انہیں جب بھی دیکھا اسی درویشانہ رنگ میں دیکھا۔ ان کی جد و جہد اور محنت و مشقت بھی قابل رشک تھی۔ اس بڑھاپے کی عمر میں جبکہ کثرت کار سے قوی بڑی حد تک متاثر ہو چکے تھے جس پر امراض کی یلغار مستزاد تھی پھر بھی ان کی مشغولتیں بدستور جاری تھیں اور جوانوں سے زیادہ پھرتی اور مستعدی سے اپنے کام انجام دیتے تھے۔ راحت و آرام کا خیال کئے بغیر بس، ٹرک، موٹر سائیکل جو سواری بھی وقت پر میسر آگئی اسی پر سوار ہو کر منزل کی جانب چل پڑتے تھے۔

خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ ان کا دروازہ بلا تفریق مذہب و ملت سب کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا۔ اور ضرورت مند سے اس طرح خندہ پیشانی اور تپاک سے ملتے تھے کہ گویا پہلے سے اس کے انتظار میں بیٹھے ہوں۔ ان کے اخلاق کی اسی شرینی نے انکو اس درجہ ہر دل عزیز بنا دیا تھا کہ جس طرف سے گذر جاتے کٹر سے کٹر مذہبی غیر مسلم بھی سر عقیدت ان کے آگے جھکا دیتا۔ غیر مسلم حلقے میں وہ ہتوراوالے بابا کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

تصنیفی یادگار

حضرت قاری صاحب جہد و عمل، تگ و دو اور رواں دواں زندگی کے حامل تھے۔ ایک جگہ جم کر بیٹھنا غالباً ان کی حیات کی ڈکشنری میں تھا ہی نہیں اور تصنیف و تالیف کا کام

بجائے خود یک سوئی اور بڑی حد تک عزلت گزینی چاہتا ہے۔ اس لیے حیرت ہوتی ہے کہ اپنی اس مصروف اور بے حد مصروف زندگی میں تصنیف و تالیف کے لیے انہوں نے کس طرح سے وقت نکالا۔ لیکن اللہ کے مخصوص بندوں کا معاملہ بھی مخصوص ہی ہوا کرتا ہے اور ان سے ان کی تمام تر مصروفیات کے باوجود یہ کام بھی لے لیتا ہے ذیل میں حضرت قاری صاحب کی تصنیفات کی فہرست ملاحظہ فرمائے۔

(۱) تسہیل التجوید:۔ یہ فن تجوید میں ایک مختصر رسالہ ہے اور جتنا مختصر ہے اس سے زیادہ آسان اور عام فہم جو اپنی افادیت کی بناء پر بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

(۲) تسہیل المنطق:۔ یہ کتاب صغری، کبری، ایساغوجی، مرقاۃ اور تہذیب کا آسان ترین خلاصہ ہے جسے مولانا موصوف نے سالہا سال کی علمی کاوش اور تدریسی تجربہ کے بعد مرتب کیا ہے۔

(۳) آداب المعلّمین والمتعلّمین:۔ اس کتاب میں جس کے نام سے ظاہر ہے اساتذہ اور طلبہ کیلئے ان سے متعلق آداب بیان کئے گئے ہیں کتاب اپنے موضوع پر نہایت مفید اور مؤثر ہے۔

(۴) احکام المیت:۔ اس میں تجہیز و تکفین کے مسائل، تلقین کا بیان، غسل میت کا طریقہ، نماز جنازہ کی ترکیب اور میت کے کفن دفن سے متعلق دیگر ضروری مسائل عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

(۵)۔ تسہیل الصرف:۔ علم صرف پر ایک نئے انداز سے اسے مرتب کیا گیا ہے جس میں مسائل کے ساتھ ان کی مشق و تمرین پر کافی زور دیا گیا ہے۔

(۶)، فضائل نکاح:۔ اسلام میں نکاح کی حقیقت واہمیت اور اس کے فضائل کا بہترین تعارف اور شادی کی مروجہ غیر اسلامی رسوم ورواج کی بھرپور تردید اس رسالہ کا خاص موضوع ہے آخر میں طریقہ نکاح اور خطبہ مسنونہ کا بھی ذکر ہے۔

(۷)۔ حق نما:۔ بریلوی مکتب فکر کی جانب سے علماء دیوبند اور ان کی عبارتوں پر جو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں انتہائی متانت وسنجیدگی کے ساتھ ان کے محققانہ جواب اس کتاب میں تحریر ہیں جس کے ضمن میں علم غیب، مسئلہ حاضر وناظر وغیرہ بنیادی علمی مسائل پر تشفی بخش بحث آگئی ہے جو خاصے کی چیز ہے۔

(۸)۔ اسعاد الفہوم شرح سلم العلوم:۔ فن منطق میں سلم العلوم ایک مشہور متن ہے جو اپنے اختصار

کی بناء پر طلبہ و علماء کے لیے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا ہے۔ اسی لیے اس فن سے دلچسپی رکھنے والے علماء نے ہر دور میں اس پر شروح و حواشی تحریر کیے ہیں حضرت قاری صاحب کو بھی فن منطق میں پورا عبور تھا۔ موصوف نے طلبہ کی سہولت کے پیش نظر یہ شرح تحریر فرمائی ہے جس میں متن کی توضیحات کے علاوہ بہت سے علمی تحقیقات و شواہد کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

(۹)۔ تسہیل النحو:۔ علم نحو پر یہ ایک مختصر عام فہم رسالہ ہے جو ابتدائی طلبہ کے لیے ذہن اور ان کی استعداد کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔

یہ ساری کتابیں طبع ہو کر طلبہ و علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ فضائل علم اور قواعد فارسی یہ دو رسالہ غیر مطبوعہ ہیں ممکن ہے ان مذکورہ رسائل و کتابوں کے علاوہ اور تصانیف بھی ہوں جن کا بندہ کو علم نہیں۔

افسوس کہ فیاضی کا مجسمہ، لطف و محبت کا پیکر، حسن اخلاق کا فرشتہ اور ہر شخص کے کام آنے والا خادم انسانیت ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا جو ایک ایسا ملی و قومی خسارہ ہے کہ اس پر جتنا بھی آنسو بہا جائے کم ہے۔

حضرت موصوف کا رسمی طور پر دار العلوم سے تعلیمی و تحصیلی تعلق نہیں تھا۔ مگر وہ اپنے آپ کو ہمیشہ دار العلوم کا ایک فرزند ہی سمجھتے رہے۔ اور اس کی فلاح و ترقی کے لیے ہمیشہ دعاء خواں رہے اور مختصر عرصہ تک دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ میں ایک جماعت ان سے اصلاح وارشاد کا تعلق بھی رکھتی تھی اور عقیدت و محبت تو ان سے دار العلوم کے ہر فرد کو تھی۔ جس کا مظاہرہ ان کی یہاں تشریف آوری پر ہو تا کہ لوگ پروانے کی طرح ان کے گرد جمع ہو جاتے۔

وفات حسرت آیات کی اطلاع ملتے ہی اسباق موقوف ہو گئے اور تمام اساتذہ و طلبہ حضرت مرحوم و مغفور کے ایصال ثواب کے لیے تلاوت قرآن اور کلمہ طیبہ کے ورد میں مصروف ہو گئے اور دوسرے دن منجانب دار العلوم ایک وفد حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی استاذ بخاری جلد ثانی کی قیادت میں ہتورا کے لیے روانہ ہو گیا۔ **رحمہ اللہ تعالی وادخلہ اعلی علیین وصلی اللہ تعالی علی النبی الامین وآلہ واصحابہ اجمعین،**

دوسری اور آخری قسط

سوال:-(۳) افتاء بمذہب الغیر کے اختیار کے لئے مفتی میں کیا اہلیت ہونی چاہئے کیا تنہا ایک مفتی دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کا مجاز ہوگا؟ یا ارباب افتاء کا اتفاق ضروری ہے؟

جواب:- جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ افتاء بمذہب الغیر کے لئے مفتی میں اجتہادی شان ہونی چاہئے مگر جب اس دور میں مفتیٔ مجتہد کا فقدان ہے تو کم از کم اتنی بات تو بہر حال لازم ہوگی کہ مفتی ایسا شخص ہو جو کمالِ ورع و تقویٰ کے ساتھ فقہ و فتاویٰ میں پوری بصیرت اور ملکۂ راسخ رکھتا ہو، قوانینِ شرع، مقاصد تشریع، سلف کے اجتہادات، اور مصادر فقہ سے بخوبی واقف ہو مسائل اور مسائل کے متعلقات کو جانتا ہو مبہم مسئلہ کی وضاحت اور مجمل کی تفصیل کرسکے۔ متیقظ اور ذہن رسا رکھتا ہو، زمانہ کے عرف و رواج سے باخبر ہو، بدلتے ہوئے حالات پر قانون کی تطبیق کا نازک فریضہ انجام دے سکتا ہو، مسلم ضوابط کی بنیاد پر تعبیر قانون کی قدرت رکھتا ہو۔ نیز اس نے کسی ماہر اور معتمد مفتی کی صحبت میں رہ کر اس فن کو حاصل کیا ہو اور اصحاب بصیرت ارباب فقہ و فتاویٰ نے اس کی فقہی بصیرت کی شہادت دی ہو۔

فان المتقدمين شرطوا في المفتي الاجتهاد وهذا مفقود في زماننا فلا اقل من ان يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيرا مايسقطونها ولا يصرحون بها اعتمادا على فهم المتفقه وكذالابدله من معرفة عرف زمانه

واحوال اهله والتخرج فی ذلك علیٰ استاذ ماهر۔

(شرح عقود، ص:۹۷)

مذہب غیر پر فتویٰ دینے والے مفتی کے لیے مذکورہ بالا شرائط کی قید اس لئے لگائی گئی کہ ائمہ متبوعین کے مسائل محض اتفاقیات نہیں ہیں بلکہ قانونی دائرہ میں سلسلہ وار مرتبط ہیں چوں کہ موجودہ زمانے میں اصول وضوابط پر آگہی اور مبانی پر گہری نظر شاذونادر ہی ہے اس لیے افتاء کے باب میں غایتِ احتیاط کی ضرورت ہے اور مفتی کو خود اپنے تئیں غور کرلینا چاہئے کہ وہ اس منصب کا اہل ہے یا نہیں؟

محدث العصر حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

فلمسائل الائمة سلسلة وارتباط فيما بينهم وليست علىٰ طريق البخث والاتفاق، والا طلاع علىٰ اصولها ودرك مبناها مما يعزفى هٰذاالزمان فليحذرفى مثل هٰذا الموضع ولينظر فى ان له حقا لذٰلك ام لا؟

(فیض الباری ،ج:۴،ص:۳۲۳)

آگے مفتی کی اہلیت اور شرائط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ افتاء کا اہل ایسا شخص ہے جسے ائمہ کے مسائل اور ان کے مبانی ودلائل کا پوراپورا علم ہو، فقہاء کے مدارج اور ان کے مناطِ اجتہاد کا کامل ذوق ہو اس کے بغیر بے بصیرت فتوے داختار ہے گا۔

وانما هو لمن كان عنده علم من مسائل الائمة ومبناها وذوق لمدارك الفقهاء ومغزاهم والا فهو ركب متن عمياء وخبط خبط عشواء (فيض البارى ،ج:٤،ص:٣٢٣)

مذکورہ بالا شرائط جس مفتی میں پائے جائیں وہ حسب ضابطہ تنہا کسی مسئلہ میں مذہب غیر پر فتویٰ دے سکتا ہے بشرطیکہ امت میں اختلاف وانتشار کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن موجودہ زمانے میں ایسے جامع الشرائط اشخاص کا وجود نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ کماقال العلامة الكشميرى:

والاطلاع على اصول الائمة ودرك مبناها مما يعزفى هذا الزمان۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اجتماعی غور وفکر کی بنیاد ڈالی جائے جو اصول شرع سے ہم

آہنگ ہو اور فکری شذوذ سے پاک ہو جس کی احتیاطی شکل یہ ہے کہ ایسے ارباب بصیرت بالغ نظر علماء پر مشتمل مشاورتی بورڈ قائم کیا جائے جو بحیثیت مجموعی ورع و تقویٰ کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت، فقہاء کے اجماعی اقوال، قیاس کے اصول، استنباط کے طرق اور استخراج کے مناہج پر حاوی ہوں، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض و مقاصد پر ان کی نگاہ ہو، وہ زمانہ شناس بھی ہوں اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے وقت کی مشکلات کا حل نکالیں۔

اس عمل کے لیے قابل تقلید اُسوہ خیر القرون میں فقہاء سبعہ (۱) کا عمل ہے۔

بقول حضرت عبداللہ بن المبارکؒ:

"جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو یہ سب حضرات ایک ساتھ مل کر اس پر اجتماعی غور و فکر کرتے اور جب تک وہ ان کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا قاضی اس کی بابت کوئی فیصلہ نہ دیتا"

اور خود صاحبِ مذہب امام ابو حنیفہؒ کی چالیس ارکان پر مشتمل فقہی کونسل اجتماعی بحث و نظر اور دعوتِ غور و فکر کی روشن دلیل ہے۔ پس معتمد بہ اہل بصیرت اکابر علماء دین اور مفتیان شرع متین نیز چند دارالافتاؤں کا کسی مسئلہ میں مذہب غیر کے اختیار کرنے کی ضرورت پر متفق ہونا ضروری ہے۔

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

"اس زمانۂ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی ایک شخص میں تدین کامل اور مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لیے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماء دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں" (الحیلۃ الناجزۃ، ص: ۴۷)

پس احوط یہی ہے کہ مفتی کونسل تشکیل دی جائے تاکہ فتویٰ امکانی حد تک خطا سے محفوظ بھی رہے اور فتوے میں قوت بھی پیدا ہو۔

---

(۱) فقہاء سبعہ درج ذیل حضرات ہیں۔ (۱) سعید بن المسیب (۲) عروہ بن الزبیر بن العوام (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (۴) خارجہ بن زید بن ثابت (۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ (۶) سلیمان بن یسار (۷) ساتویں کی تعیین میں تین قول ہیں۔ (الف) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ (ب) سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب (ج) ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام۔

سوال:۔(۴) کیا کسی شخص کے لیے ارباب فقہ و فتاویٰ سے رجوع کئے بغیر دوسرے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے؟

جواب:۔ گنجائش نہیں ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا کہ مواقع ضرورت میں مذہب غیر کو اختیار کرنے کی مشروط اجازت ہے۔ اور ضرورت وہی معتبر ہے جسے علماء راسخین ضرورت سمجھیں، صرف عوام بلکہ عام علماء کا بھی کسی مسئلہ میں ضرورت خیال کرلینا کافی نہیں ہے۔ اس لیے اگر ارباب فقہ و فتاویٰ سے رجوع کئے بغیر مذہب غیر پر عمل کی اجازت دیدی جائے تو اس کا حشر کیا ہوگا؟

حضرت تھانوی قدس سرہ کے الفاظ میں:

"بدون اس کے اگر اقوال ضعیف اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دیدی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔ کمالایخفی۔

(الحیلۃ الناجزۃ ص: ۴۷، ۴۸)

سوال:۔(۵) تلفیق کے کیا معنی ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے کیا احکامات ہیں؟

جواب:۔ **تلفیق کی لغوی تحقیق:۔**

تلفیق باب تفعیل کا مصدر ہے لفق الشقتین کے معنی ہیں کپڑے کے دونوں سرے کو ملا کر سینا لفق بین الثوبین کپڑے کو دوہرا کر کے سینا۔

لفّق بین الشقتین ضم احداهما الی الاخریٰ فخاطهما ومنه اخذ التلفیق فی المسائل ویقال:لفّق بین الثوبین لأم بینهما بالخیاطة (المعجم الوسیط ص:۸۳۳)

تلفیق کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح فقہ میں تلفیق نام ہے مختلف مذاہب کے آمیزہ کا، مثلاً خروج دم اور مس مرأۃ کے بعد تجدید وضو کے بغیر نماز پڑھنا ـــــ خون کا نکلنا امام شافعیؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، اور مس مرأۃ امام اعظم کے نزدیک ناقض نہیں ہے ـــــ تلفیق ناجائز ہے۔

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع (درمختار ج:۱، ص:۵۱، مع الشامی)

اس لیے کہ تلفیق کا حاصل ہے: خواہش نفس کی تکمیل کے لیے سہولتیں تلاش کرنا
التلفيق هو تتبع الرخص عن هوى (فواعد الفقه ص:۲۳۶) اور نفسانی خواہش کے لیے سہولتیں تلاش کرنا مستلزم ہے خروج عن المذہب کو جو بالاجماع ناجائز ہے۔

تلفیق کے اقسام اور احکام:

تلفیق کی چار قسمیں ہیں اس لیے کہ تلفیق یا تو عمل واحد میں ہوگی یا دو عملوں میں ــــ اگر عمل واحد میں ہے تو پھر (۱) ایک مذہب میں ہوگی یا (۲) مختلف مذاہب میں -اسی طرح اگر دو عملوں میں ہے تو پھر ایک مذہب میں ہوگی یا مختلف مذاہب میں ــــ اگر ایک مذہب میں ہے تو یہ پہلی قسم کے ساتھ ملحق ہے اور اگر مختلف مذاہب میں ہے تو پھر (۳) ان دونوں عملوں میں ربط ہوگا یا (۴) نہیں؟ پس تلفیق کی کل چار قسمیں ہوئیں۔

(۱) تلفیق عمل واحد میں ہو یا دو عملوں میں ہو بشرطیکہ ایک مذہب میں ہو ــــ جائز ہے۔
(۲) تلفیق عمل واحد میں ہو اور مختلف مذاہب میں ہو ــــ ناجائز ہے۔
(۳) تلفیق دو عملوں میں اور مختلف مذاہب میں ہو اور ان دونوں عملوں میں ربط ہو ــــ ناجائز ہے۔
(۴) تلفیق دو عملوں میں اور مختلف مذاہب میں ہو اور ان دونوں عملوں میں ربط نہ ہو ــــ ممنوع نہیں ہے۔

مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔

(۱) عمل واحد میں ایک امام کے مختلف اصحاب کے اقوال کو اکٹھا کرنا ــــ مثلاً وقف علی النفس امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام زفر کے نزدیک جائز نہیں ہے اور دراہم کا وقف امام زفر کے نزدیک صحیح ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک صحیح نہیں ہے پس اگر کوئی شخص مذہب حنفی کے ان دونوں اماموں کی تقلید کرتے ہوئے دراہم کو وقف کرے اور وقف علی النفس کرے تو صورۃً یہ بھی تلفیق ہے مگر یہ وہ تلفیق نہیں ہے جو بالاجماع ناجائز ہے کیونکہ یہ تلفیق حکمی ہے جو خروج عن المذہب کو مستلزم نہیں ہے اس لیے یہ جائز ہے۔

وبيان التلفيق ان الوقف على النفس لايقول به الاابو يوسف وهو لايرى وقف الدراهم ووقف الدراهم لايقول به الازفر وهو

لایری الوقف علی النفس فکان الحکم بجواز وقف الدراهم، علی النفس حکماً ملفقاً بین قولین کما تری (الی قوله) واقول قدیوجه ذلك بانه لیس من الحکم الملفق الذی نقل العلامةقاسم انه باطل بالاجماع لان المراد بماجزم ببطلانه ماالذا کان من مذاهب متباتنة- بخلاف ماالذاکان ملفقا من اقوال اصحاب المذهب الواحد فانها لاتخرج عن المذهب۔

(العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج:۱، ص:۱۲۶)

(۲) عمل واحد میں مختلف مذاہب کو اکٹھا کرنا ـــــ جیسے کوئی شخص خروج دم اور مس مرأة کے بعد تجدید وضو کے بغیر نماز پڑھے اس خیال سے کہ خروج دم امام شافعی کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے اور مس مرأة امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناقض نہیں ہے۔ تو اس شخص کا یہ عمل بالاجماع باطل ہے، اس لیے کہ کسی امام کے نزدیک اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔ امام شافعی کے نزدیک مس مرأة کی وجہ سے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج دم کی وجہ سے، اور جب وضو ہی صحیح نہیں ہوا تو نماز کیسے درست ہو گی۔

ان التلفیق بین اقوال المجتهدین اذاکان مبطلاللاجماع لم یجز والاجاز - نظیرهٔ صلاة من احتجم ومس المرأة بعدالوضوء من غیر تجدیده فانها باطلة اجماعاً۔

(مقد مة اعلاء السنن، ج:۲، ص:۱۹۸)

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

ومامثّـــل به الحلبی من التصویر حیث قال: متوضئ سال من بدنه دم ومس امرأة ثم صلی......فان هٰذه الصلوٰة متفق علی بطلانها من الحنفی بسیلان الدم، والشافعی بمس المرأة.(طحطاوی علی الدر، ج:۱ ص:۵۰)

وقال الشیخ محمدالبغدادی الحنفی:

ان لصحة تقلید المذهب المخالف شروطاً، منها: ما نقله ابن الهمام عن القرافی واعتمد علیه فی تحریره أنّ

لايترتب على تقليده غيره من المجتهدين ما يجتمع على بطلانه كلاالمذهبين(خلاصة التحقيق ص:۲۲)

وقال العلامة الشامی تحت قوله"ان الحكم الملفق باطل بالاجماع":

المرادبالحكم الحكم الوضعي كالصحة ـ فمثاله متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلىٰ فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية(شامی ،ج:۱،ص:۵۱)

) مختلف مذاہب کا آمیزہ عمل واحد میں نہ کیاجائے بلکہ دو عملوں میں کیاجائے مگر ان
ں میں باہم ربط و تعلق ہو مثلاً کوئی شخص امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہوئے ربع راس سے
مسح کرے اوراسی وضو سے نماز پڑھے اورامام اعظمؒ کی تقلید کرتے ہوئے نماز میں فاتحہ نہ
ے تو وضو اور نماز دو جداگانہ عمل ہیں اس لیے بعض حضرات نے ایسی تلفیق کو جائز
یاہے(۱) ـــــ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے اوراس کا یہ عمل بالاتفاق
ہے۔امام شافعی کے نزدیک ترک فاتحہ کی وجہ سے اورامام اعظمؒ کے نزدیک وضو صحیح نہ
ہ کی وجہ سے۔

ان التلفيق بين اقوال المجتهدين ان كان مبطلاً للاجماع لم يجز والاجاز۔ نظيره صلاة من احتجم ومس المرأة بعد الوضوء من غير تجديده فانهاباطلة اجماعاً وكذاصلاة من اخذ بقول الشافعي في الاحتجام وبقول ابي حنيفة في عدم ركنية الفاتحة للصلوٰةفاكتفى بأية من القرآن اولم يقرإ الفاتحة فانها باطلة اجماعاً اما عند الشافعي

لہ الناجزہ کے حاشیہ میں اس تلفیق کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "یہ تلفیق منع نہیں ہے"..... مگر اس
ئی حوالہ وہاں مذکور نہیں ہے۔اس لیے اصل کتاب میں اس تلفیق سے بھی بچاؤ رکھا گیا ہے چنانچہ آگے ارشاد
تاہم احتیاط مد نظر رکھ کر اصل رسالہ ہذا میں تلفیق کی (اس بعد سرقہ(مذکورہ تیسری) قسم سے بھی بچاؤ رکھا
(الحیلۃ الناجزہ،ص:۷، حاشیہ)

فلترك الفاتحة واما عند ابى حنيفة فلكونه صلى محدثا
(مقدمة اعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۱۹۴)

وقال الشيخ عبد الرحمٰن العمادى في مقدمته :

اعلم ! انه يجوز للحنفي تقليد غير امامه من الأئمة الثلاثة رضى اللّٰه عنهم فيما تدعو اليه الضرورة بشرط ان يلتزم جميع مايوجبه ذٰلك الامام فى ذٰلك - مثلااذا قلد الشافعى في الوضوء من القلتين فعليه ان يراعى النية والترتيب فى الوضوء والفاتحة وتعديل الاركان في الصلاة بذٰلك الوضوء - والا كانت الصلوٰة باطلة اجماعاً۔(خلاصة التحقيق،ص:۲٤)

وكذانقله الشيخ خير الدين الرملى فى فتاواه (فتاوىٰ خيريه ،ج:۲،ص:۱۵)

علامہ سید احمد طحطاوی درمختار کی عبارت "ان الحكم الملفق باطل بالاجماع" کی تمثیل میں لکھتے ہیں:

كإن توضأ ومسح شعرة من راسه وصلى مقتد يا تاركا اللفاتحة عملا بمذهب الشافعى والامام ابى حنيفة
(طحطاوى على الدرالمختار ،ج:۱،ص:۵۰)

اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وجوزه اى الجمع بين الصلوٰتين فى السفرالشافعى ولا بأس بالتقليد كما فى البحر والنهر لكن بشرط ان يلتزم جميع مايوجبه ذٰلك الامام لان الحكم الملفق باطل بالإجماع فيقرأ ان كان مؤتماً ولا يمس ذكره ولا امرأة بعد وضوء ه ويحترز عن اصابة قليل النجاسة

(طحطاوى على مراقى الفلاح ،ص:۱۰۳)

وقال العلامة الشامى:

ويشترط ايضاً ان يقرأ الفاتحة فى الصلوٰة ولومقتديا،وان

يعيد الوضوء من مس فرجه او اجنبية وغير ذلك من الشروط والاركان بذلك الفعل(شامى ،ج:١،ص:٢٥٦)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

اگر حنفی بر مذہب شافعی عمل نماید در بعضے احکام یکے ازسہ وجہ جائز است...... لیکن دریں ہر سہ وجہ شرط دیگر ہم است و آں آنست کہ تلفیق واقع نہ شود یعنی بسبب ترک مذہب صورتے متحقق شود کہ بہر دو مذہب روانباشد مانند آں کہ فصد رانا قض وضو نداند باز بہماں وضو نماز عقب امام بے قرأت فاتحہ بگذارد کہ در ہیچ مذہب روانہ باشد و وضو بر مذہب حنفی باطل گشت و نماز بر مذہب شافعی۔ (فتاوی عزیزی،ج:۱،ص:۱۸۴/۱۸۵)

(۴) مختلف مذاہب کا آمیزہ دو الگ الگ عملوں میں کیا جائے جس میں باہم کوئی ربط و تعلق نہ ہو، مثلاً کوئی شخص ایک دن خروج دم کے بعد تجدید وضوء کے بغیر نماز پڑھے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بھی ترک نہ کرے اور دوسرے دن خروج دم کے بعد اعادۂ وضو بھی کرے لیکن قرأت میں صرف ایک آیت پر اکتفا کرے یا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو صورۃ یہ بھی تلفیق ہے کہ آج ایک امام کے قول پر اور کل دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر رہا ہے لیکن چوں کہ تلفیق کی یہ صورت خارق اجماع نہیں ہے اس لیے یہ ممنوع نہیں ہے۔

اما الحكم اذا كان بين القولين فقط دون العمل فهو جائز وكذا لولفق بينهما فى عملين لافى عمل واحد بان صلى صلاة بعد الاحتجام بلا اعادة الوضوء ولم يترك الفاتحة وصلى اخرىٰ باعادة الوضوء بعده واقتصر فى القراءة على آية(مقدمة اعلاء السنن ،ج:٢،ص:١٩٨)

وقال العلامة الشرنبلالى فى رسالته العقد الفريد فى جواز التقليد:

وانه يجوزبه العمل بما يخالف ما عمله على مذهبه مقلداً فيه غير امامه مستجمعاً شروطه ويعمل بامرين متضادين فى حادثتين لاتعلق لواحدة منهما بالاخرى (شامى،ج:٢،ص:٥١)

سوال:-(۵) (الف) تلفیق کی کیا کوئی شکل ہے جو دائرۂ جواز میں آتی ہو؟

جواب:- ہے!

مذکورہ بالا چار صورتوں میں سے پہلی صورت تو در حقیقت تلفیق ہے ہی نہیں، اور دوسری صورت بالاجماع ناجائز ہے اور تیسری صورت بھی ناجائز ہے البتہ چوتھی صورت دائرۂ جواز میں آتی ہے۔

(ب) تلفیق کے ناجائز ہونے کی وجہ اور اس کی بنیادی خرابی کیا ہے؟

جواب:- تلفیق کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات خواہش نفس کی تکمیل کے لیے سہولتیں تلاش کرنے کے نتیجہ میں ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو بالاجماع باطل قرار پاتی ہے۔ اور تلفیق کرنے والا کسی امام کے متبع ہونے کے بجائے خواہش نفسانی کا پیرو قرار پاتا ہے اور بعض صورتوں میں ایک حرام شئی کا حلال ہونا لازم آتا ہے۔

كمالوا فتىٰ ببينونة زوجته بطلاقها مكرها ثم نكح اختها مقلداً للحنفى بطلاق المكره ثم افتاه شافعى بعدم الحنث فيلزم الجمع بين الاختين وهو حرام بالنص القطعى۔

(شامی، ج:۱، ص:۵۱)

سوال(۶) جو مسئلہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کے درمیان متفق علیہ ہے کیا کسی صورت میں اس کو چھوڑ کر دیگر ائمۂ مجتہدین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے اگر گنجائش ہے تو کب اور کیا شرائط ہیں؟

جواب: گنجائش نہیں ہے۔

جس مسئلہ میں ائمۂ اربعہ متفق ہوں اس کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کرنے کی متعدد وجوہ سے گنجائش نہیں ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ مذہب غیر کو اختیار کرنے کے لیے ایک اہم شرط یہ ہے کہ مذہب غیر کو اختیار کرتے وقت اس کی جملہ شرائط کا التزام کیا جائے، اور ائمۂ اربعہ کے علاوہ دیگر مجتہدین کے مذاہب نہ تو باقاعدہ کتابوں میں مدوّن ہیں اور نہ ان کے متبعین اب موجود ہیں کہ بوقت ضرورت ان سے رجوع کرکے پوری تفصیلات معلوم کی جاسکیں، ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں مذہب غیر کو اختیار کرنے کی جو بنیادی شرط ہے اس کی کماحقہٗ رعایت نہ ہو سکے گی۔

(۲) دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تدوین اور مسائل کے شیوع بعد امت انہیں مذاہب اربعہ کی تقلید پر مجتمع ہو گئی اور پوری امت کا اجماع ہو گیا کہ: دوسرے مذہب کی تقلید نہیں کی جائے گی اور ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ مسئلہ کو اجماعی مسئلہ اور ان کے مخالف کو مخالف اجماع شمار کیا جانے لگا۔

اب اگر مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مجتہد کے مذہب کو اختیار کیا جائے اجماع کی خلاف ورزی لازم آئے گی جو جائز نہیں ہے اس لیے ائمہ اربعہ کے متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع وان كان فيه خلاف لغيرهم فقد صرح في التحرير ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم. (الاشباه والنظائر، ص:١٦٩)

شرح مقدمہ ابن عماد میں ہے:

وفى زماننا هذا قد انحصرت صحة التقليد فى هذه المذاهب الاربعة فى الحكم المتفق عليه بينهم وفى المختلف فيه ايضاً قال المناوى فى شرح الجامع الصغير:
ولايجوز اليوم تقليد غيرُ الائمة الاربعة فى قضآء ولاافتاء.
(نهاية المراد بحواله نور الهدايه، ص:١٦)

سوال:-(۷) اپنے مسلک کے غیر راجح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی گنجائش ہے؟ اگر ہے تو کب اور اس کی کیا شرائط ہیں؟

جواب:- مسئلہ کی اس صورت کا عنوان ہے "الفتوىٰ والعمل بالقول الضعيف فى المذهب" تو بوقت ضرورت ماہر مفتی کے لیے فتویٰ بالقول الضعیف کی اور ہر عامل کے لیے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ علامہ شامی نے اپنے منظومہ کے شعر ۷۰، ۷۱، میں فرمایا ہے۔

ولا يجوز بالضعيف العمل ☆ ولا به يجاب من جاء يسأل
الا لعامل له ضرورة ☆ او من له معرفة مشهورة

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرجوح قول راجح کے مقابلہ میں اور ضعیف قوی کے مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہے۔ اس لیے راجح اور قوی کو ترک کر کے غیر راجح اور ضعیف قول پر عمل کرنے یا فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے اس لیے کہ یہ خلاف اجماع ہے لیکن اگر شدید مجبوری اور اضطراری حالت پیش آجائے تو البتہ اس کی اجازت ہے۔

ان الحكم والفتيا بما هو مرجوح خلاف الاجماع وان المرجوح فى مقابلة الراجح بمنزلة العدم(شرح عقود،ص: ۱۰۰)

اور صرف اجازت ہی نہیں بلکہ حسن بھی ہے۔

مسئله: ـ لا يجوز العمل والافتاء بالضعيف والمرجوح الاعن ضرورة فلوا فتىٰ فى مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا وكذايجوز الافتاء والعمل بالمرجوح للمجتهد فى المذهب اذارجح باجتهاده ذلك الضعيف كما اختارابن الهمام مسائل خارجة عن المذهب.(قواعد الفقه،ص:٥٧٦)

اور علامہ شامی فرماتے ہیں:

وقد ذكر صاحب البحر فى الحيض فى بحث الوان الدماء اقوالا ضعيفة ثم قال وفى المعراج عن فخرالائمة: لو افتىٰ مفت بشئ من هذه الاقوال فى مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسناً انتهى.وبه علم ان المضطرله العمل بذلك لنفسه كما قلنا وان المفتي له الافتاء به للمضطر فما مرمن انه ليس له العمل بالضعيف ولاالافتاء به محمول على غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ما قررناه والله تعالى اعلم (شرح عقود،ص:۱۰۲)

عہدِ نبوی کا تحریری سرمایۂ حدیث

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

عہد نبوی میں اگرچہ عام صحابہ حدیثیں نہیں لکھتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن کے سوا دوسری تمام چیزوں کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا لیکن بعض صحابہ جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص، رافع بن خدیج اور انس بن مالک وغیرہ کے بارے میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حدیثوں کو لکھ لیتے تھے جس کے نتیجہ میں ان کے پاس حدیث کے مجموعے وجود میں آئے۔ ان صحائف میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا صحیفہ بہت مشہور ہے جو "صحیفۂ صادقہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ان صحائف کے علاوہ اس عہد کے تحریری سرمایہ میں بڑا حصہ ان رسائل اور صحائف کا ہے جنھیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی نظم و نسق کے تحت لکھوایا اور اپنے عمال و مخلصین کو دے کر اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا تھا۔ ان رسائل میں احکام شرع بڑی تفصیل سے درج تھے۔ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) کے زمانۂ خلافت میں جب سرکاری طور پر حدیثوں کو جمع کیا گیا اس وقت ان میں بعض رسائل دریافت بھی ہوئے اور ان کی نقلیں ہوئیں۔ بعد میں محدثین نے ان رسائل و صحائف کے مشتملات کو اپنی کتابوں میں درج کیا۔

عہد نبوی میں جو ذخیرۂ حدیث وجود میں آیا ان میں زیادہ اہم اور خاص طور پر قابل ذکر وہ صحائف اور رسائل ہیں جو بڑے ضخیم اور جامع قسم کے تھے جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا جیسے۔

صحیفہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ کے بعد)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حیات میں ایک کتاب

لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم کے ذریعہ اہل یمن کو روانہ کیا جس میں تلاوت کلام پاک، نماز، روزہ، زکوٰۃ، طلاق، عتاق، قصاص، دیت اور دیگر فرائض و سنن اور کبیرہ گناہوں کی تفصیل درج تھی۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی حافظ ابن قیم نے اس کتاب کے متعلق فرمایا۔ ھوکتاب عظیم فیه انواع کثیرة من الفقه فی الزکوٰة والدیات والاحکام وذکر الکبائر والطلاق والعتاق و احکام الصلوٰة- ومس الصحف وغیر ذٰلك قال الامام احمد لاشك ان النبی صلی الله علیه وسلم کتبه(۱) (یہ ایک بڑی کتاب تھی اس میں فقہ کی بہت سی انواع جیسے زکوٰۃ، دیت، احکام و کبائر کا ذکر، طلاق، عتاق، نماز کے احکام، قرآن چھونے کے مسائل وغیرہ درج تھے اس کتاب کی بابت امام احمد نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے لکھوایا تھا)

نبی صلی اللہ نے اس کتاب کے علاوہ عمرو بن حزم کے پاس بعض ہدایتی خطوط بھی لکھ کر ارسال فرمائے (۲) حضرت عمرو بن حزم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام مکتوبات اپنے پاس محفوظ رکھا۔ حضرت عمرو کے بعد ان سب تحریروں کے وارث ان کے بیٹے ابو بکر ہوئے اور عرصہ تک یہ کتاب اور مکاتیب انہیں کے خاندان میں محفوظ رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں جب ان کے حکم سے حدیثوں کو جمع کیا گیا تو اس تحریری سرمایہ کو بھی اس میں شامل کیا گیا (۳)۔

صحیفہ وائل بن حجرؓ (م، بزمان معویہؓ)

حضرت وائل بن حجر حضر موت کے شاہزادوں میں تھے مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔ کچھ دنوں مدینہ میں قیام کے بعد جب وطن جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیفہ کی درخواست کی آپؐ نے ان کو ایک صحیفہ لکھوا کر مرحمت فرمایا۔ اس صحیفہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات، شراب، سود، اور زنا سے متعلق احکامات درج تھے یہ مجموعہ تین کتابوں پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس مجموعہ کی بابت لکھتے ہیں۔ ان وائل بن حجرؓ لما اراد الشخوص الی بلاده قال یا رسول الله اکتب لی الی قومی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اکتب له یا معاویة فکتب ثلاثة کتب (۴) (حضرت وائل بن حجر نے جب اپنے وطن واپسی کا ارادہ کیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری قوم کے لیے مجھے کچھ لکھ کر دیدیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ کو حکم دیا کہ انہیں لکھ کر دیدیں چنانچہ حضرت معاویہؓ نے ان کے لیے تین کتابیں لکھیں)

صحیفہ معاذ بن جبلؓ (م۔۱۸ھ)

حضرت معاذ بن جبل جلیل القدر صحابی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا اعلم بامتی بالحلال والحرام معاذ(۵) (میری امت میں حلال وحرام کا علم سب سے زیادہ معاذؓ بن جبل کو ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ وصدقات اور معدنیات سے متعلق ایک کتاب دیکر اذان (یمن کا ایک شہر) بھیجا اس کتاب کی ابتداء ان الفاظ سے ہوئی تھی۔ بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى كافة الناس......(۶) حضرت معاذؓ جب یمن آئے تو فرمایا۔ بعثنی رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن فامرنى ان آخذ من كل اربعين بقرة......(۷) مجھے اس شہر یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ ہر چالیس پر ایک وصول کروں......)

جس وقت حضرت معاذ یمن میں تھے مدینہ میں ان کے بیٹے کا انتقال ہو گیا یہ خبر سن کر انہیں بڑا دکھ ہوا اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو ایک تعزیتی خط بھی ارسال فرمایا(۸)

صحیفہ علی بن ابو طالبؓ (۲۳ق ھ۔۔۴۰ھ)

حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حدیثوں کا املا کرایا۔ حضرت علی نے ان احادیث کو ایک بڑی دستاویز کے دونوں جانب لکھ لیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا باديم ودواة فاملى عليه وكتب حتى ملأ لاديم(۹) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ادیم (پکا ہوا چمڑا) اور دوات لانے کا حکم دیا۔ حضرتِ علی لے کر آئے آپ نے انہیں املا کرایا یہاں تک کہ وہ چمڑا بھر گیا)

حضرت علی کے صحیفہ کا ذکر حدیث کی مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔ بخاری میں ہے حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں: قلت لعلی رضی اللّٰه عنه هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب اللّٰه اوفهم اعطيه رجل مسلم اومافی هذه الصحيفة قال قلت وما فی هذه الصحيفة قال العقل وفكاك الاسير ولا يقتل مسلم لكافر(۱۰) (میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں مگر اللہ کی کتاب یا اللہ نے ایک مسلمان کو جو فہم عطا کی یا جو اس صحیفہ میں ہے تو میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے تو فرمایا۔ عقل، قیدیوں کی رہائی کے مسائل اور یہ کہ مسلم کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا)

امام بخاری نے ایک دوسری روایت ابراہیم تیمی سے بھی نقل کی ہے اس میں دیت اور حرم مدینہ سے متعلق حدیثوں کے علاوہ دیگر چیزوں کا بھی ذکر ملتا ہے (۱۱)

کتاب الصدقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اواخر عمر میں عاملین کے پاس بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ لکھوائی جس میں جانوروں کی زکوٰۃ، زمین کی پیداوار، معدنیات سے متعلق زکوٰۃ کی شرحیں درج تھیں۔ لیکن کتاب الصدقہ عاملین کے پاس ابھی روانہ نہیں کی جا سکی تھی کہ آپ کی رحلت کا سانحہ پیش آگیا۔ تاہم آپؐ کے بعد اس کتاب پر حضرت ابو بکرؓ نے عمل کیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہو گئی (۱۲) بالآخر یہ کتاب حضرت عمر ہی کے خاندان میں محفوظ رہی حضرت عمر کے پوتے سالم نے یہ کتاب امام زہری کو برائے مطالعہ دی انہوں نے اس پوری کتاب کو حفظ کر لیا خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں اس کتاب کی نقلیں ہوئیں (۱۳)

خطبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

فتح مکہ کے سال حضرت ابو شاہ یمنی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا اور اس کو لکھوانے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھوا کر دیدیا۔ حضرت ابو

ہریرہؓ بیان کرتے ہیں: ان خزاعة قتلوا رجلا من بنی لیث عام فتح مكة بقتيل منهم قتلوه فاخبر بذلك النبی صلی الله علیه وسلم فرکب راحلته فخطب...... فجاء رجل من اهل یمن فقال اکتب لی یا رسول الله فقال اکتبوا لابی فلان (قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے بنولیث کے ایک آدمی کو اپنے ایک آدمی کے قتل کے بدلے قتل کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور خطبہ دیا...... یمن کے ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ اس خطبہ کو ہمارے لیے لکھوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ان کے لیے لکھ دو) ترمذی میں "اکتبوا لابی فلان" کے بجائے اکتبوا لابی شاہ (۱۵) کے الفاظ آئے ہیں۔

دستورِ مملکت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں سخت انتشار تھا وہاں آباد قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے جس نے کئی بار جنگ وجدل کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہاں کوئی شہری اصول اور مسلمہ قانون نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں پہلی بار اجتماعیت کی بنیاد رکھی اور امن قائم کرنے کے لیے مدینہ کے باشندوں، مہاجرین، انصار اور یہود سے مشورہ کر کے ایک دستور مرتب فرمایا اور پھر آپ نے اسے نافذ فرمایا اس تحریر میں حاکم محکوم کے حقوق وواجبات کی تفصیل درج تھی (۱۶)

مردم شماری

ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپؐ نے مدینہ کے مسلمانوں کی مردم شماری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کے نام لکھ لیے جائیں جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ ۱۵۰۰/ آدمیوں کے نام لکھے گئے (۱۷)

مجموعۂ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ روز قبل کسی کو دینے کے لیے یا کہیں ارسال کرنے کے لیے کچھ حدیثیں لکھوائیں جو آپ کی وفات کے بعد آپ کی تلوار

کے قبضہ سے بر آمد ہوئیں۔ اس تحریر میں سرقہ وغیرہ سے متعلق احادیث لکھی ہوئی تھیں (۱۸)

مذکورہ بالا صحائف ورسائل کے علاوہ بڑی تعداد میں آپ نے معاہدے، وثیقے، وصایا، دستاویزات اور پروانے وغیرہ بھی لکھوائے اور ملکی وانتظامی ضروریات کے تحت اسلامی مملکت کے مختلف مقامات کے عمال، قاضیوں اور محصلین وغیرہ کے لیے وقتاً فوقتاً ہدایات اور احکامات اور بہت سے خطوط غیر مسلم ریاستوں کے رؤساء اور قبائل کے سرداروں کے نام ارسال فرمائے۔ جن کی تفصیل ڈاکٹر حمید اللہ نے "مجموعة الوثائق السياسية" میں جمع کی ہے۔

اس عہد میں حدیث کے دوسرے قسم کے وہ صحائف اور مجموعے ہیں جنہیں صحابہ نے بغرض حفظ یاذاتی یادداشت کے آپؐ کی حیات مبارکہ میں لکھا۔ ان میں بعض صحابہ کو آپؐ نے حدیثیں لکھنے کی اجازت بھی دیدی تھی۔ جیسے

عبداللہ بن عمرو ابن العاص (ق ھ ۲۲- ۶۳ ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ان لوگوں میں تھے جنہیں ایمان کی دولت اپنے والد سے قبل نصیب ہوئی۔ عربی زبان کے ساتھ سریانی زبان سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ آپ جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے یا آپ کو کوئی کام کرتے دیکھتے اسے لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: لم يكن احد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثر حديثا منى الا عبد الله بن عمرو ابن العاص فانه كتب ولم اكتب (۱۹) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں یاد نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو ابن العاص کے اس لیے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا)

حضرت عبداللہ بن عمرو کے لکھنے کی وجہ سے ان کے بعض ساتھیوں نے اعتراض کیا جس کی بنیاد پر انہوں نے حدیثیں لکھنا ترک کردیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لکھ لیا کرو (۲۰) حضرت عبداللہ اجازت ملنے کے بعد دوبارہ حدیثیں لکھنے لگے نتیجہ میں ان کے پاس ایک صحیفہ وجود

میں آیا جس کا نام انہوں نے "الصادقہ" رکھا۔ (۲۱) اس صحیفہ میں ایک ہزار حدیثیں لکھی ہوئی تھیں (۲۲) حضرت عبداللہ کے بعد اس صحیفہ کے وارث ان کے خاندان کے لوگ ہوئے۔ حضرت عبداللہ کے پوتے عمرو بن شعیب اس صحیفہ سے روایات نقل کرتے تھے۔ (۲۳)

انس بن مالک (ق ھ ۱۰-۹۳ھ)

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔ آپ نے بیت نبوت میں پرورش پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی اس دوران انہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ حضرت انس کو اللہ نے بڑی لمبی عمر عطا کی پہلی صدی ہجری کے اواخر تک حیات رہے۔

حضرت انس بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حدیث کے کئی مجموعے لکھے اور لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بغرض تصحیح پیش بھی کیا۔ آپ مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا دوران درس آپ کے پاس کتابیں موجود ہوتیں جنہیں وہ اپنے شاگردوں کو دکھاتے ہوئے کہتے۔ هذه ماكتبتها ثم قراتها على رسول الله صلى الله عليه وسلم (۲۴) یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا ہے)

عہد نبوی میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص اور انس بن مالک کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی حدیثوں کی کتابت کیا کرتے تھے۔ جیسے رافع بن خدیج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گذر ہوا ہم لوگ اس وقت حدیثیں لکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ چنانچہ حضرت رافع بن خدیج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس سے گذر ہوا ہم لوگ اس وقت حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا کر رہے ہو ہم نے کہا کہ آپ کی باتوں کو نقل کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا بیان کرو لیکن جس نے جان بوجھ کر میری طرف کذب کا انتساب کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے حضرت رافع کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ایک حاجت کے تحت گذرے اور ہم لوگ سروں کو جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور حدیث بیان کرنے سے رک گئے تھے اور آپ کے منع کرنے سے لوگ تحقیق

تھے تو آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے خاموش کیوں بیٹھے ہو لوگوں نے کہا کہ آپ سے ممانعت کی بات سنکر ہم رک گئے۔ آپ نے فرمایا میرا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ میرا ارادہ ان لوگوں کو آگاہ کرنا تھا جو جان بوجھ کر حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم حدیث بیان کرنے لگے اور آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے بہت سی باتوں کو سنتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔(۲۵)

اسی طرح، حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوء حفظ کی شکایت کی تو آپؐ نے انہیں حدیثیں لکھ لینے کی اجازت مرحمت فرمادی(۲۶)

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابو سعید الخذری سے بھی تشہد اور دعاء استخارہ جیسی چیزیں لکھنا ثابت ہے۔ لیکن عام صحابہ اس عہد میں حدیثیں نہیں لکھتے تھے جیسا کہ شیخ طاہر الجزائری لکھتے ہیں: كانت الصحابة رضى الله عنهم لا يكتبون عن النبى صلى الله عليه وسلم غير القرآن (۲۸)(صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے سوا کچھ نہیں لکھتے تھے)۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے سوا سب کچھ لکھنے سے منع فرمادیا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: لاتكتبوا عنى غير القرآن ومن كتب عنى فليمحه وحدثوا عنى فلا حرج(۲۹)(مجھ سے قرآن کے سوا کچھ نہ لکھو جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹادے اور حدیث بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں)

کتابت حدیث سے منع کرنے کی اہم وجہ یہ تھی کہ لوگ قرآن کے سوا دوسری چیزوں میں مشغول نہ ہو جائیں جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

عن ابى هريرة قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن فكتب الاحاديث فقال ماهذا الذى تكتبون قلنا احاديث سمعنا ها منك قال اكتبا باغير كتاب الله تريدون ما اضل الامم من قبلكم الا ما كتبوا من الكتب مع كتاب الله(۳۰)(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر سے گذر ہوا اور ہم لوگ حدیثیں لکھ رہے تھے تو آپ نے پوچھا یہ کیا لکھ رہے ہو ہم نے کہا احادیث ہیں جنہیں ہم نے آپ سے سنا ہے

تو آپ نے فرمایا کیا کتاب اللہ کے سوا کسی دوسری کتاب کا ارادہ رکھتے ہو تم سے پہلے کی امتیں اس لیے گمراہ ہوئیں انہوں نے اللہ کی کتاب کے ساتھ دوسری کتابیں بھی لکھیں)

اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی تو شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا(۳۱)

اسی بناء پر عام صحابہ حدیثیں لکھنے سے گریز کرتے تھے۔ لیکن خصوصی اجازت کے تحت یا آپؐ کے حکم سے جو ذخیرہ حدیث وجود میں آیا ان میں بعض صحائف جیسے صحیفہ عمرو بن حزم اور کتاب الصدقہ بڑے اہم مجموعے تھے اور اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں جب حدیثوں کو باضابطہ طریقے سے مدد کیا جارہا تھا دریافت ہوئے اور ان کی نقلیں کروائی گئیں۔ اسی طرح صحیفہ صادقہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پوتے عمرو بن شعیب حدیثیں بیان کرتے تھے محدثین نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیا۔ اگرچہ آج عہد نبوی کے صحائف میں ایک بھی صحیفہ موجود نہیں تاہم اس عہد میں لکھے گئے صحائف ورسائل کی احادیث بواسطہ کتب حدیث آج بھی محفوظ ہیں۔

حوالے

(۱) ابن قیم، زادالمعاد ۱/۳۰، مصر (بغیر سن طباعت)

(۲) مشکوٰۃ، باب صلوٰۃ العیدین۔

(۳) Dr.M.M.Azmi, Studies in Hadith Literature .P.48.Beirut, 1978

(۴) ڈاکٹر حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ۳۰۲، بیروت ۱۹۶۹ء

(۵) شمس الدین الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹، حیدر آباد ۱۳۳۵ھ

(۶) الوثائق السیاسیہ ۱۷۸۔

(۷) ابن عبدالبر، جامع بیان العلم ۹۱، قاہرہ ۱۹۷۵ء

(۸) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۲/۸۹، بیروت (بغیر سن طباعت)

(۹) سراج الدین بلقینی، محاسن الاصطلاح ۳۰۰، مطبع دارالکتب۔ مصر، ۱۹۷۴ء

(۱۰) صحیح بخاری، کتاب العلم۔

) صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدۃ
۱۲) ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمۃ۔
(۱۳) ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی زکوٰۃ السائمۃ۔
(۱۴) صحیح بخاری، کتاب العلم
(۱۵) جامع ترمذی، کتاب العلم
(۱۶) الوثائق السیاسیہ /۴۱
(۱۷) صحیح بخاری، باب الجہاد والسنۃ۔
(۱۸) جامع بیان العلم /۹۱
(۱۹) جامع بیان العلم /۸۹
(۲۰) جامع بیان العلم /۹۰
(۲۱) خطیب بغدادی، تقیید العلم /۷۹، دمشق ۱۹۴۹ء
(۲۲) ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ ۳/۳۳۳، طہران ۱۳۴۲ھ
(۲۳) ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب ۸/۴۹، حیدر آباد ۱۳۲۶ھ
(۲۴) تقیید العلم /۹۰۔
(۲۵) تقیید العلم /۸۳
(۲۶) جامع ترمذی، کتاب العلم، قال الترمذی، وھذا الحدیث لیس اسنادہ بذلک القائم
(۲۷) تقیید العلم /۸۴۔
(۲۸) طاہر الجزائری، توجیہ النظر فی اصول الاثر /۵، مصر ۱۳۲۸ھ
(۲۹) صحیح مسلم، کتاب العلم
(۳۰) تقیید العلم /۳۳
(۳۱) تقیید العلم /۵۱۔

☆☆☆

دوسری قسط

مولانا ابو جندل قاسمی

(۲) حسنِ خلق

دوسری چیز جس سے انسان جنت کا مستحق ہوتا ہے وہ اچھے اخلاق وعادات ہیں۔ انسان کا سب سے اعلیٰ جوہر حسنِ خلق ہی ہے۔ اگر یہ وصف انسان سے نکال دیا جائے تو اس میں اور حیوان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ جس طرح انسان کی بقاء کے لیے روٹی، پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انسانیت کی بقاء کے لیے حسنِ خلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ حسن اخلاق میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی قوت ودیعت فرمائی ہے۔ نرمی وملائمت، محبت ومروت اور دوسری اچھی عادتیں بعض اوقات تلوار کی دھار سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔

حسن اخلاق کی حقیقت

امام غزالیؒ نے حسن اخلاق کی حقیقت پر "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اسی کو اختصار کے ساتھ یہاں پیش کیا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر چار قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ (۱) قوتِ غضب (۲) قوت شہوت (۳) قوت علم (۴) قوت عدل۔

ان چاروں قوتوں کو انسان جب اعتدال پر رکھے گا تو اس سے اخلاق حسنہ کا صدور ہوگا اور اس کا باطن خوبصورت ہوگا۔ قوت علم جب اعتدال پر ہوگی تو اس سے کلام کے جھوٹ اور سچ، اعتقادات میں حق وباطل اور اعمال میں اچھائی اور برائی کی تمیز کرسکے گا۔ اسی قوت علم کو معتدل رکھنے کا نام حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (البقرہ)

یعنی جس کو حکمت مل گئی اس کو خیر کثیر (بہت بڑی بھلائی) حاصل ہوگئی۔

قوت غضب کی خوبی اور اعتدال یہ ہے کہ شریعت نے اس کو جس جگہ استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی جگہ استعمال کرے۔ اسی کا نام شجاعت ہے۔

قوت شہوت کی خوبی اور اعتدال یہ ہے کہ وہ سرکش نہ ہو اور شریعت کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں اس کا استعمال ہو۔ اسی کا نام عفت ہے۔

قوت عدل کی خوبی اور اعتدال یہ ہے کہ "قوت غضب" اور "قوت شہوت" کو شریعت اور طبع سلیم کے پابند رکھے۔ اسی کا نام عدل ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان چاروں چیزوں کو اعتدال پر رکھنے سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور ان کی کمی وبیشی سے اخلاق ذمیمہ کا ظہور ہوتا ہے اور یہی چاروں چیزیں انسان میں انسانیت پیدا کرنے اور اخلاقی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے اصولی اور بنیادی ہیں۔

حسنِ خلق کی چند علامات

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ نیک خو وہ شخص ہے کہ جس میں مندرجہ ذیل چند عادات ہوں شرم، کم گوئی، راست گوئی، دوسروں کی بھلائی چاہنا، نیکی کی تلاش، فضول چیزوں میں نہ پڑنا، تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنا، شفقت وو قار، لالچ کا نہ ہونا، متانت وسنجیدگی اور قناعت وصبر، حلم، صبر، شکر، رقت قلب، چغل خوری نہ کرنا، گالم گلوج، غیبت اور لعن وطعن نہ کرنا، کسی سے کینہ، بغض وحسد نہ رکھنا، خوش زبان اور خندہ پیشانی کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

با اخلاق لوگوں کا امتحان اس بات سے ہوتا ہے وہ کہاں تک ایذاء ومشکلات پر صبر کرتے ہیں، اگر کوئی شخص مشکلات میں یا دوسرے کی ایذاء رسانی اور بداخلاقی کی شکایت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اچھے اخلاق نہیں۔

(کیمیائے سعادت فارسی ص: ۴۴۲۔ ترکی)

حسن خلق کے حصول کا طریقہ

اخلاق حسنہ پیدا ہونے کے تین ذرائع ہیں۔

۱- اصل خلقت، یہ حق تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے کسی کو اصل خلقت ہی میں نیک

اور بااخلاق پیدا کیا ہے۔

۲- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بہ تکلف اچھے افعال واعمال اس طرح اختیار کرے کہ وہ اس کی عادت بن جائیں۔ اس لیے کہ ہر چیز کو اس کی ضد ہی توڑتی ہے۔ جیسا کہ اس بیماری کا علاج جو گرمی سے پیدا ہو سرد چیز کے استعمال سے کیا جاتا ہے۔

۳- تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ خوش اخلاق لوگوں کو دیکھے اور ان کی صحبت میں رہے۔ اس طرح یہ بھی انہی جیسے اخلاق اختیار کرے گا، چنانچہ اگر کسی شخص کو یہ تینوں چیزیں اور طریقے حاصل ہو جائیں کہ اصل خلقت میں بھی وہ نیک خو ہو، اچھے اخلاق کو بھی بہ تکلف اختیار کرے اور نیک وبااخلاق لوگوں کی صحبت میں بھی رہے۔ تو ایسا شخص اخلاق حسنہ میں انتہائی درجہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ اور جو ان تینوں سعادتوں سے محروم رہا یعنی اصل فطرت ہی ناقص ہے، اشرار کی صحبت میں رہا اور برے اخلاق وعادات اختیار کرتا ہے، تو وہ شخص پرلے درجہ کا شقی ہے۔

حسن خلق کی فضیلت

احادیث مبارکہ میں حسن خلق کے بہت زیادہ فضائل وارد ہوئے ہیں۔ یہاں صرف پانچ حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

حدیث (۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: تم میں بہترین وہ شخص ہے جس کی عادتیں اور اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔ (بخاری، ج:۱، ص:۵۰۳ مسلم، ج۲۔ ص:۲۵۵)

حدیث (۲) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اعمال کی ترازو میں سب سے بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ "حسن خلق" ہوگی اور حسن اخلاق والا دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو نماز (تہجد) پڑھنے والے شخص کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی، ج۲، ص:۲۱)

حدیث (۳) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اپنے اخلاق عمدہ بنائے میں اس کو جنت کے اوپر والے درجہ میں

لمر دلوانے کا ضامن ہوں۔ (ابو داؤد، ج: ۲، ص: ۶۶۱، "باب فی حسن الخلق")

حدیث (۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ کو تم میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ، نیز قیامت کے دن مجلس میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق تم میں سب سے زیادہ عمدہ ہوں گے۔ (ترمذی ج: ۲ص: ۲۲)

حدیث (۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مومنین میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق وعادات سب سے اچھے ہوں۔ (ترمذی، ج: ۱، ص: ۱۳۸)

حدیث (۳) بھی ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (ترمذی، ص: ۲، ج: ۲۰)

فائدہ (۱) حضرت علی، عقبہ بن عامر، عائشہ، ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مکارم اخلاق" کے بارے میں بتایا کہ مکارم اخلاق یہ ہیں۔

(۱) ان تصل من قطعك وتعطى من حرمك وتجاوز عمن ظلمك (درمنثور، ج: ۳، ص: ۸۲-۲۸۱، بیروتی)

(۱) جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو (۲) جو تم کو محروم کرے اس کو تم دو (۳) جو تم پر ظلم کرے اس کو تم معاف کرو۔

فائدہ: (۲) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے "حسن خلق" کی تفسیر میں مروی ہے کہ:

هو طلاقة الوجه وبذل المعروف وكف الاذى (ترمذی شريف ج: ۲، ص: ۲۱)

یعنی حسن خلق تین چیزوں کا نام ہے (۱) جب آدمی کسی سے ملے تو ہنستے مسکراتے چہرے سے ملے (۲) محتاج اور ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرے۔ اور (۳) کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

اللہ تعالی ہمارے اندر بھی یہ تینوں چیزیں پیدا فرمائے اور تقوی نیز حسن خلق سے ہم کو محلّٰی ومزیّن فرمائے۔ آمین اللهم آمین

(۱) زبان

زبان بظاہر تو گوشت کا ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ اس کی اطاعت بھی زیادہ ہے اور گناہ بھی۔ اس کے لیے دونوں چیزیں آسان ہیں اور اہم بھی۔ دوسرے اعضاء تو ایک حد کے اندر اپنا کام کرتے ہیں، مثلاً آنکھ کی رسائی صرف رنگوں اور شکلوں تک ہے، کانوں کا دائرۂ اختیار صرف آوازوں تک ہے، لیکن زبان کا دائرۂ عمل انتہائی وسیع ہے، خیر وشر، موجود و معدوم، حقیقی و خیالی، حق و باطل سب کا ذکر زبان پر آجاتا ہے۔ الغرض جس طرح زبان خیر کے میدان میں دوڑ سکتی ہے، اسی طرح شر کے میدان میں اس کو کوئی شکست دینے والا نہیں۔ اس لیے زبان پر قابو رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "اللسان جرمه صغير وجُرمه كبير وكثير" زبان کا جثہ تو چھوٹا ہے مگر پاپ اس کے بڑے اور زیادہ ہیں۔

(مظاہر حق جدید، ج: ۵، ص: ۴۶۳)

خاموشی کی فضیلت

قرآن واحادیث میں خاموشی کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ اور اس کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بولنے کی وجہ سے جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش گوئی، خصومت اور مخلوق کی پردہ دری جیسے بڑے بڑے عیوب صادر ہو جاتے ہیں۔ اور خاموشی سے انسان ان کے وبال سے محفوظ رہتا ہے، دلجمعی کے ساتھ ذکر و فکر کرسکتا ہے، وقار و ہیبت باقی رہتی ہے اور ہزاروں فتنے دبے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لاخير فى كثير من نجواهم الامن امر بصدقة أومعروف أواصلاح بين الناس (النساء)

کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے صدقہ کرنے کو، یا نیک کام کو، یا صلح کرانے کو لوگوں میں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حدیث (۱) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ کو دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دیدے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں (۱) وہ چیز جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (۲) اور دوسری وہ چیز جو اس کے دونوں پیروں کے درمیان ہے۔ (یعنی زبان اور شرمگاہ کہ یہ دونوں خلافِ شریعت نہ استعمال ہوں) (بخاری ، ج:۲، ص:۹۵۸)

حدیث (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص خاموش رہا اس نے (بہت سے فتنوں سے) نجات پالی۔ (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ، ص:۴۱۳)

حدیث (۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو (نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ طویل خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ کیونکہ خاموشی شیطان کو دور بھگاتی ہے اور دینی امور میں تمہاری مددگار ہوتی ہے۔
(مشکوٰۃ، ص:۴۱۵)

حدیث (۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کا خاموشی پر ثابت قدم رہنا (کثرت کلام کے ساتھ) ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ (رواہ البیہقی۔ مشکوٰۃ، ص:۴۱۴)

حدیث (۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوذرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ اے ابوذر! کیا میں تیری ایسی دو چیزوں پر رہنمائی نہ کروں جو پشت پر بہت ہلکی اور اعمال کی ترازوں میں بہت بھاری ہیں؟ عرض کیا: ضرور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) زیادہ تر خاموش رہنا اور (۲) حسنِ اخلاق (رواہ البیہقی، مشکوٰۃ، ص:۴۱۵)

زیادہ بولنے کی برائی

حدیث (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بسا اوقات) بندہ بغیر سوچے سمجھے زبان سے کوئی کلمہ نکال دیتا ہے۔ حالانکہ وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرادیتا ہے جتنا مشرق و مغرب کے درمیا

فاصلہ اور بعد ہے۔ (بخاری ، ج: ۲، ص: ۹۵۹)

حدیث (۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ کوئی بات زیادہ نہ کرو۔ اس لیے کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنا دل کو سخت کر دیتا ہے اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور سخت دل (والا ہی) ہے۔ (ترمذی، ج: ۲۔ ص: ٦۳)

حدیث (۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو دوزخ میں اوندھے منہ ان کی زبانوں کی کرتوتیں ہی توڈالیں گی۔ (ترمذی ، ج: ۲، ص: ۸٦)

اسی حدیث (۳) کے موافق حضرت امام شافعیؒ کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں ؎

احفظ لسانك ايها الإنسان ألا لايلد غنك إنه ثعبان

كم فى المقابر من قتيل لسانه كانت تهاب لقائه الشجعان

ترجمہ: اے انسان اپنی زبان محفوظ رکھ، کہیں وہ تجھ کو ڈس نہ لے کیونکہ وہ اژدہا ہے۔ اپنی زبان کے ہلاک شدہ بہت سے لوگ قبرستان میں ہیں حالانکہ وہ دنیا میں ایسے تھے کہ بڑے بڑے بہادر ان سے ملاقات کرتے ہوئے ہیبت کھاتے تھے۔

(شرح ریاض الصالحین اردو، ج: ۲، ص: ۲۱۸)

کلام کی قسمیں

امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ خاموشی کی فضیلت نیز زیادہ بولنے کی برائی پر ایک بہترین دلیل یہ ہے کہ کلام کی چار قسمیں ہیں (۱) وہ جس میں صرف ضرر و نقصان ہو (۲) جس میں صرف نفع ہو (۳) تیسرے وہ کلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی (۴) وہ کلام جس میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان۔

اگر گفتگو میں صرف نقصان ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے بچنا تو ضروری ہے ہی۔ ایسے ہی وہ کلام کہ جس میں نفع و نقصان دونوں ہوں بشرطیکہ نقصان زیادہ ہو۔ ایسے ہی چوتھی قسم کہ جس میں نہ نفع ہو، نہ ضرر۔ کیونکہ اس طرح کے کلام میں بھی مشغول ہونا ضیاع وقت ہے

اور اضاعتِ وقت سب سے بڑا نقصان ہے۔اب صرف دوسری قسم رہ جاتی ہے کہ صرف نفع ہو تو اس میں کلام کی اجازت ہے۔ جبکہ اس میں بھی خطرات اور اندیشے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ریاء، تصنع، غیبت، خودستائی اور اس طرح کے دوسرے معیوب کلام میں اس طرح گھس آتے ہیں کہ بولنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا۔اس لیے مفید کلام کرنے والا بھی گویا خطرات سے کھیلنے والا ہے۔ لیکن اگر خطرات نہ ہوں تو بہرحال اس قسم کے کلام کی اجازت ہے۔ جیساکہ اوپر"لا خیر فی کثیر من نجوھم الخ "میں ذکر آچکا ہے۔

(احیاء العلوم اردو، ج:۳،ص:۲۸۳)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا اوليصمت (متفق علیہ۔ریاض الصالحین ص:۵۳۲)	جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ یا تو بھلی اور کام کی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔

سلف کے چند ارشادات

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز لمبی قید کی محتاج نہیں۔

(۲) طاؤسؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری زبان درندہ ہے اگر میں اس کو آزاد چھوڑ دوں تو مجھے کھا جائے۔

(۳) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا اس کو دین کی سمجھ نہیں۔

(۴) ابوبکر بن عیاشؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ فارس، روم، ہندوستان اور چین کے بادشاہوں کی ملاقات ہوئی۔ان میں سے ایک نے کہا کہ میں بات کہہ کر نادم ہوتا ہوں خاموش رہ کر نادم نہیں ہوتا۔دوسرے نے کہا کہ جب میں کوئی لفظ زبان سے نکالتا ہوں اس کے اختیار میں ہو جاتا ہوں اور جب تک وہ لفظ میں زبان سے نہیں نکالتا اس وقت تک میرے اختیار میں رہتا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے ایسے بولنے والے پر حیرت ہوتی ہے

اگر اس کے کلام کو اس پر واپس کیا جائے تو وہ اسے نقصان پہنچائے اور واپس نہ ہو تب بھی کوئی نفع نہ ہو۔ چوتھے نے کہا کہ میں بغیر کہی ہوئی بات کو روکنے پر قدرت رکھتا ہوں، لیکن جو بات زبان سے نکل جائے اس کو لوٹانے پر قادر نہیں ہوں۔

(احیاء العلوم، ج: ۳، ص: ۲۸۲)

(۵) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے اپنی زبان مروڑ رہے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "إن هذا أوردني الموارد" ترجمہ: بلاشبہ اس نے مجھ کو بہت سے ہلاکت کے مواقع میں ڈالا ہے۔ (رواہ مالک فی المؤطا۔ مشکوۃ، ص: ۴۱۵)

زبان کی چند آفتیں

اب نہایت اجمال واختصار کے ساتھ زبان کی چند آفتوں کو لکھا جاتا ہے، تفصیل کے ساتھ کلام انشاء اللہ تعالی آخر میں کیا جائے گا۔

(۱) لایعنی اور فضول باتیں (۲) کلام کو سنوارنے میں تصنع اور بناوٹ (۳) جھگڑا کرنا (۴) فحش اور برا کلام کرنا۔ (۵) گالم گلوج کرنا (۶) لعن طعن کرنا (۷) کسی کا مذاق اڑانا (۸) کسی کا راز کھولنا (۹) جھوٹ بولنا (۱۰) جھوٹا وعدہ کرنا (۱۱) جھوٹی قسم کھانا (۱۲) غیبت کرنا (۱۳) چغل خوری کرنا (۱۴) دورخا پن (۱۵) کسی کی خلاف شرع تعریف کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

"دل پرسوز اور عقل ہوش مند"

چاہیئے عالم اسلام کو!

جاوید اشرف مدھے پوری، متعلم دارالعلوم دیوبند

اس وقت عالم اسلام کو اپنے مسائل کے لئے مکمل مخلص اور اپنے حقیقی مفادات کے لئے پوری طرح بیدار ہو جانا چاہئے یہی اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ عالم اسلام کے جو قائدین یا عوامی رہنما ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس سمت پیش رفت کریں۔

عالم اسلام کی کامیابی کی ضمانت اگر کسی چیز میں ہوسکتی ہے تو وہ صرف مشترکہ مفادات کے متعلق "اخلاص اور بیدار مغزی" کا جذبہ ہی ہے۔ مقصود کی یافت نہ تو ترقی یافتہ ہتھیاروں سے ممکن ہے اور نہ ہی جدید وسائل کی بہتات سے، یہ مادی وسائل واسلحہ تو بے جان چیزیں ہیں، ان میں ذاتی حرکت وعمل کی قوت کہاں؟ انسانی ہاتھوں نے انہیں حرکت دی تو چل پڑے۔ عقل آدم نے استعمال کیا تو ان کے لئے اپنی کرشمہ سازیاں دکھلانا ممکن ہوا۔ اب یہ بات کہ انسانی دست وخرد انہیں حرکت دے کر کام میں لاکر خیر کی سودمندیاں حاصل کرے؛ "اخلاص اور بیدار مغزی" کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اور تاریخ اسلام میں اسی خلوص وشعور کی جلوہ گری تھی کہ شاہکار نتائج کا ظہور ہوا۔ ہماری راہ میں نہ قلتِ تعداد کی ہمت شکنیاں حائل ہوسکی ہیں اور نہ ہی قلتِ ساز وسامانِ اسلحہ کی ظاہر فریبوں نے ہمیں روکنے کا حوصلہ کیا ہے۔

اسلامی تاریخ کے روشن صفحات الٹئے آپ جگہ جگہ پائیں گے مسلمانوں کی خستہ حال مختصر سی ٹکڑی اٹھتی ہے اور باطل کے غرقِ آہن ٹڈی دل لشکر کو روند کر رکھ دیتی ہے اگر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں اپنی قلتِ تعداد کا احساس دامن گیر ہو جاتا اور کافروں کے اسباب حرب وجنگ کی کثرت وبہتات انہیں خوف زدہ اور ہراساں کردیتی تو تاریخ میں ہم ان کی سرفروشیوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں کی داستانیں نہ پڑھتے۔ میدانِ جنگ کی سرفروشیوں اور ملک ووطن کو خیرباد کہہ دینے کی جرأت مندیوں کے تذکرے نہ سنتے۔

اس حقیقت کے جاننے کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے جیالوں نے خود ماضی قریب میں اس کی تابناک مثالیں قائم کی ہیں۔ یہ دیکھیے مخلص سنوسیوں کو! جن کی مجاہدانہ سر فروشیوں نے استعماریت پسند طلیانیوں کو شکست و ریخت کی تلخ کامیوں کا مزہ چکھایا۔ اور الجزائر کے مجاہدین کی جانبازانہ سرگرمیاں جنہوں نے سامراجی فرانسیسیوں کو ہزیمت سے دوچار کر دیا اور افغان مسلم عوام کے جوش جہاد کی کار فرمائیاں کہ سوویت یونین جیسی سپر طاقت نے میدان سے بھاگ کھڑے ہونے میں ہی اپنی عافیت اور خیریت سمجھی۔ یہ سب کیا ہے! مسائل کے حل کے لئے اخلاص و پاک نفسی اور حقیقی مفادات کے تعلق سے شعور و بیدار مغزی کی کرشمہ سازیاں جذبہ صادق اور اخلاص عمل کی اثر آفرینیاں ہی تو ہیں۔

یہ تو ہے ہمارے عروج و اقبال کا رازِ آشکارا اور ہماری رفعت و ترقی کا سر فاش! مگر افسوس اور ہزار افسوس! ان مسلم قائدین اور دانشوران قوم پر جنہوں نے اخلاق و سیاست کے درس کے لیے باطل پرست معلّمان یورپ اور دشمنانِ اسلام کی زلہ ربائیاں کیں اور اپنا فکر و ذہن اور قوت و عمل سب کچھ اپنے استاذوں کے نظریات و افکار کو پھیلانے کے لئے مخصوص کر لیا۔ آہ! کس قدر کرب انگیز ہے یہ حقیقت کہ ان قائدین و دانشوروں کی علمی و عملی سرگرمیاں ملت کی بہبود و ترقی کے بجائے آشیانۂ باطل کی تعمیر کے لئے تنکے جمع کرنے اور برق و باراں سے اس کی حفاظت میں صرف ہو گئے۔ یہ کوئی افسانہ تراشی نہیں عالم اسلام کے حالات دیکھئے۔ جا بجا اس کی شہادت ملے گی۔ ہم نے اپنے بہت سے مقبوضات کھو دیے اور کھونے کا یہ عمل اندوہناک طور پر اب بھی جاری ہے۔ ہم اپنے بہت سے واقعی مفادات سے دست بردار ہوتے جا رہے ہیں اور جب سب کچھ ہو چکتا ہے چڑیاں کھیت چگ کر اڑ چکتی ہیں، تو ہمارا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ واقعہ کا اعتراف کر لیں اور جو کچھ لٹا جا چکا، محض اس کا اقرار کر کے رہ جائیں۔ کچھ اور چاہیں بھی تو کیا چاہیں! ہم نے تو خود اپنے کو ہی بے دست و پا اور پابہ گل کر لیا ہے۔ آہ! ہمارا شرمناک اعتراف!...... آہ! اپنی تاریخ کو چڑانے والا اقرار!

ہاں! عاجزی کا یہ اعتراف، درماندگی کا یہ اقرار ہماری زبانیں گرچہ نہیں کرتیں اور ہمارا قلم یہ کہنے سے ہچکچاتا ہے کہ ناخوش گوار وقوعہ میں تغیر و تبدیلی ہمارے بس سے باہر ہے لیکن ہمارا عمل کھلے بندوں اس کا پتہ دیتا ہے اور ہماری صورت حال صاف طور پر اس پر غمازی کرتی ہے۔ عمل سے دور باتیں بنانا، ہوائی قلعہ تعمیر کرنا، اس میدان کے تو ہم واقعی شہسوار

ہیں اور کسی بھی محاذ پر اسے استعمال کرنے سے نہیں چوکتے عوامی جلسے ہوں، یا کاغذ کے صفحات، یا کانفرنسوں کے اسٹیج ہماری اس صفتِ خاص کی جلوہ آرائیاں اور جولانیاں اپنے شباب پر ہوتی ہیں اور آج کی کانفرنسوں کا یہ سلسلۂ دراز تو ہمارے اس "وصف ممتاز" کا خاص مظہر ہے ہماری سرگرمیوں کی ساری گردش اسی کے گرد ہوتی ہے اور ہم چند تجاویز اور قراردادیں پاس کر لیتے ہیں اور پھر محو خوابِ غفلت ہو جاتے ہیں۔

ہم نے یورپ سے کانفرنسوں کا انعقاد اور قراردادوں کا اعلان تو سیکھا، لیکن ان کے نتائج سے عملی فائدہ اٹھانے اور پاس شدہ تجاویز کو روبہ عمل لانے کا اصل سبق لینا بھول گئے چنانچہ ہمارے مسائل جوں کے توں الجھے رہ جاتے ہیں اور ہماری پیش قدمیوں اور اقدامات کا سارا محور۔ یہ ہوتا ہے کہ کانفرنسیں بلائیں قراردادیں شائع کریں اور بار بار مذمتوں کا اعلان کرتے رہیں۔ اس صورتِ حال نے ہمیں بدحالی و پریشانی اور سرگشتگی کے اس میدان تیہ میں لا کھڑا کیا ہے جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہمیں نظر نہیں آتا ان کانفرنسوں سے قراردادوں اور تجاویز اور اعلانات کے جو طومار جمع ہو چکے ہیں اگر انہیں اکٹھا کر دیا جائے تو ایک بڑا پہاڑ وجود میں آجائے۔

تجویزوں اور رپورٹوں کے اس پہاڑ کا کیا فائدہ؟ کیا ایسا ہوا کہ ہم نے اس کی بدولت فلسطین کی اپنی چھینی ہوئی اراضی کی بازیابی کر لی؟ یا مشرقِ وسطیٰ کی سرحدوں سے ظالم سامراجی وجود کو نکال باہر کیا ہو؟ ہماری سرزمین میں سامراجیت اور استعماریت صرف باقی ہی نہیں بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اس کا تسلط اور غلبہ ہو گیا ہے، پہلے استعماریت کا وجود دو عنصروں برطانیہ فرانس اور کچھ بعد میں تیسرے عنصر سوویت یونین سے مرکب تھا، لیکن آج اس میں ایک مزید عنصر کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور در حقیقت وہی استعماریت کا اصل ہیرو ہے اور وہ ہے امریکہ جو استعماریت کی نگرانی کرتا اور اسے پروان چڑھاتا ہے۔ اسرائیلی حکومت کا تصور پہلے ایک خوابِ پریشاں تھا، لیکن آج وہ ایک تلخ حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے اس کی تشکیل کی باتوں کو مجنوں کی بڑ سمجھا جب کہ وہ ایک واقعہ بن کر رہیں جن کا اعتراف نہ کرنا خود اپنے آپ کو فریب دینا ہے حکومتِ اسرائیل ہی فلسطینی اراضی کے سیاہ سپید کی مالک ہے اور ہم ہیں کہ کانفرنسوں پر کانفرنسیں بلا رہے ہیں رپورٹیں شائع کر رہے ہیں اور تھکنے کا نام نہیں لیتے۔

اگر ان اجلاسوں اور کانفرنسوں ان کے فیصلوں اور ریزولیشنوں کی سود مندیاں ہمارے

لئے ظاہر ہوتیں اور امتِ مسلمہ کے لئے ان کے مفید اور مثبت اثرات ہماری نگاہوں کے سامنے آتے جیسا کہ مغربی قومیں ان سے نفع اٹھارہی ہیں۔ تو بلا شبہ عالمِ اسلام اور قومِ مسلم کے لئے یہ چیزیں کیا ہی خوب نعمت ہوتیں اس لئے کہ ان سے لائحہ عمل طے کرنے اور برے بھلے پر غور و فکر کرنے میں مدد ملتی ہے اور ہم فسادِ تدبیر و رائے سے بچ کر ٹھیک اور درست منصوبہ بندیاں کرسکتے لیکن آفت تو یہ ہے کہ ہماری ذہنیتیں "محض باتوں کی دلدادہ بن چکی ہیں اور انہی میں ہم اپنا سامانِ طرب و مستی پالیتے ہیں اور جذب وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں جھومتے رہتے ہیں اور انہی بعید از عمل باتوں پر داد و تحسین اور آفریں کی صدائیں لگانے اور تالیاں بجانے کے لئے میٹنگیں اور نشستیں منعقد کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مظاہر آرائیوں کا یہ نہ ختم ہونے والا چکر اور نمائشی سرگرمیوں کا یہ سلسلہ دراز ہمارے فکر و عمل اور ذہن و دماغ کی ساری طاقت کو پنی جانب کھینچ لیتا ہے ہمارے دلوں کی گرمی اور حرارت کو ختم کردیتا ہے ہمارے جذبات و حساسات کی تمازت کو سرد کردیتا ہے اور ہم ان فروعات کے دائرے میں ہی محبوس رہ کر صل مقصد کی طرف قدم اٹھانے سے محروم ہو جاتے ہیں اور مسئلہ اپنی تمام ترپیچیدگیوں کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔ تخلف اور پسپائی امتِ مسلمہ کا مقدر بنتی ہے اور دشمن اسلام برق رفتاری کے ساتھ آگے کی طرف نئے قدم بڑھائے چلا جاتا ہے۔

امت مسلمہ اب باتوں سے آزردہ خاطر ہو چکی ہے اور اس کی نظر میں یہ سلسلہ وبالِ رو عمل کی حیثیت اختیار کرچکا ہے صورت واقعہ نے اسے سمجھا دیا ہے کہ یہ سب سراب ہے۔ وہ اس کی ضرر رسانیوں اور نقصانات سے بھی واقف ہو چکی ہے اس لئے کہ وہ دیکھتی ہے کہ یہ دامِ سخن ہی اس کے شوق اور رغبتِ عمل اور مستعدی و آمادگیٔ جد و جہد کو پھانس لیتا اور ر کر ڈالتا ہے اسے خوابِ غفلت و سر مستی میں سونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

طویل خساروں اور پیہم شکستوں کے بعد وہ وقت آپہنچا ہے کہ ہم تلخ حقیقت کی طرف یں اور خود کو جد و جہد کے لئے تیار اور آمادہ کریں اور اپنی عزت و شرافت اپنے مفادات و راض اور اپنے ملک و عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ حرکت و عمل ، میدان میں نکلیں اور جن خطرات نے ہمیں گھیر رکھا ہے اور جو سازشیں اور تدابیر ے خلاف کی جارہی ہیں ان کے تعلق سے اپنی بیدار مغزی اور حساسیت کا ثبوت دیں۔ ربی استعماریت دو صدیوں سے ہمارے ملک و وطن کو ہدف بنائے ہوئے ہے اور ہم بہت

اس کا نشانہ بن بھی چکے، پہلے تو اپنے وطنوں کی آزادی کے سلسلے میں اس کے شر ورو فتن کی مصیبت انگیزیوں کا ہمیں سامنا ہوا پھر ہم اپنے اخلاق واقدار کے حوالے سے اس کے فساد و تخریب میں مبتلا ہوئے اور بالآخر اپنے افکار و نظریات میں بھی اس کی مفسدانہ دراندازیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور واقعہ کی المناکیوں کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ آج ہم اس کے رواں دواں تہذیبی قافلے میں خادموں اور محکوموں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں ہمیں مغربیت کے خوانِ تہذیب و تمدن کے بچے ٹکڑوں کو چننے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔

پہلے اپنے ملکوں میں جب ہماری نگاہیں کسی سفید فام پر پڑتیں، تو اسے غیر ملکی اور بدیسی سمجھتے اور ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے، اس لئے کہ اس کی استعماریت پسندانہ سرگرمیاں کھلے بندوں ہوتی تھیں۔ لیکن اب وہی ہمارا دوست اور محبوب بن چکا ہے چونکہ اس نے ہمیں فریب دینے میں بہت زیرکی سے کام لیا ہے اس نے سمجھ لیا کہ ہمیں کیسے اصطلاحات، سخن سازیوں اور خوش خلقی کی اداؤں کے ذریعے دھوکہ دے؟ اور کس طرح نظام و تمدن کی ظاہر آرائیوں اور نمائشی جلووں سے ہماری عقل و خرد کو مسحور کرے چنانچہ وہ ظاہری خوش خلقی اور رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کرتا ہے اپنی گفتگو کی سحر انگیزیوں سے ہمیں لذت اندوز کرتا ہے، تمدن کے سامان آسائش و راحت سے ہمیں گرفتار سازش کرتا ہے اور ہم سے ہمارے ملکوں کی دولتیں چھین لے جاتا ہے، ہماری عزت و کرامت اور وقار و شرافت کو بٹہ لگا دیتا ہے۔

یہ صورتِ حال ایک مدتِ دراز سے اب تک ہمارے ملکوں پر چھائی ہوئی ہے اور اب کوئی بھی اس سے ناواقف نہیں رہ گیا ہے خواہ عالم ہو یا جاہل، لیڈر ہو یا عامی، لیکن ہماری غفلت کا عالم جوں کا توں باقی ہے، ہم اپنی تنزلی پر قناعت کئے بیٹھے ہیں، ہمیں صورت حال کو خطرناکی اور سنگینی کا بھی شعور نہیں، ایسا شعور جو نزاکت حال سے نپٹنے میں ہماری دستگیری کرے ہاں! اس خوفناک مرحلہ سے ہر اس قوم کو دوچار ہونا پڑتا ہے جو روحانی محرک سے محروم ہو جاتی ہے یہ محرک "اخلاص اور بیدار مغزی" ہے۔ ہم نے اس محرک کو کھو دیا ہے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر اپنے مفادات کے لئے اخلاص و شعور پیدا کریں، وقت بہت گزر چکا زمانہ ہمارا انتظار نہیں کرے گا، آنے والے لمحات مزید پر خطر اور ہولناک ہیں، پھر اے قوم مسلم! اور مسلمانوں کے رہنماؤ! تم کب بیدار ہو گے اور اپنی فلاح و بہبود اور اسلام کی ترقی کے لئے تم کب اپنے اخلاص و شعور کی قربانیاں پیش کرو گے؟!

رئیس الخطاطین

محمد عثمان معروفی

مولانا اشتیاق احمد بن شیخ ظفر احمد دیوبندی ۱۳۰۷ھ-۱۸۹۰ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے، دادیہالی سلسلہ سے عثمانی اور نانیہالی سلسلہ سے صدیقی تھے، فطری طور پر نہایت ذکی وذہین تھے۔ دو سال مظاہر علوم سہارنپور میں مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے، آپ کے علم حدیث کے آخری استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء ہیں، علامہ کشمیری علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ-۱۹۴۹ء، علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی متوفی ۱۳۸۷ھ-۱۹۶۷ء اور قاری محمد طیب صاحب متوفی ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء کی صحبتوں سے خوب خوب فیضیاب ہوئے، ان حضرات کی مجالس میں اکثر علمی نکات ولطائف زیر بحث رہا کرتے تھے، ابتدائی زندگی عسرت میں گزری۔

علمی مقام

آپ اعلیٰ صلاحیت کے جید عالم اور تصنیف و تالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے، درج ذیل تصانیف آپ کی علمی یادگار ہیں (۱) لطائف علمیہ ترجمہ کتاب الاذکیاء للجوزیؒ (۲) ترجمہ ازالۃ الخفاء جلد دوم (۳) اکابر امت محمدیہ مطبوعہ لاہور (۴) تسہیل انتصار الاسلام (۵) تسہیل براہین قاسمیہ، وغیرہ۔ اپنے شیخ و مرشد کی کتاب التوحید کا مقدمہ اور اس پر حاشیہ لکھا اور بڑے اہتمام سے خود ہی اس کی کتابت بھی کی، نیز اپنے شیخ کے رسالہ قطرات کا بھی حاشیہ لکھا جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی متوفی کے رسالہ ہمعات کا اردو ترجمہ

ہے۔ رسالہ شجرات میں بھی آپ کا نظم کردہ کئی شجرہ ہے، ایک طویل منظوم شجرہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں:-

مجھ کو اپنا بندۂ مخلص بنالے اے خدا ☆ شاہ عبداللہ شاہ اولیا کے واسطے
اپنا سوز عشق اور درد محبت کر عطا ☆ عبد مولا اشتیاق بے نوا کے واسطے

آپ کے شیخ و مرشد کا نام شاہ عبداللہ ہے جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

تصوف وسلوک

حضرت مولانا شاہ عبداللہ صاحب جلال آباد ضلع مظفر نگر کے باشندہ تھے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوری کے حکم سے کرنال کو اپنا وطن بنالیا تھا، حضرت تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ کے ہمدرس رفیق تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی متوفی ۱۳۰۲ھ - ۱۸۸۴ء سے تین سال تعلیم حاصل کرکے ۱۲۸۵ھ - ۱۸۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے، کرنال میں ۲۱؍ شوال ۱۳۴۳ھ ۱۵؍ مئی ۱۹۲۴ء کو وفات پائی، آپ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوریؒ کے خلیفۂ اول تھے اور صاحب تصنیف زبردست عالم، اہل کشف و کرامت نہایت جلیل القدر بزرگ تھے۔ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب آپ ہی سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے اور مجاہدہ وریاضت سے خلافت واجازت سے نوازے گئے آپ کے مریدین کی بھی کثیر تعداد ہے جن میں خاص طور سے منشی محمد عزیز صاحب دیوبندی قابل ذکر ہیں جنھوں نے بڑی دل جمعی سے باسٹھ برس دفتر تعلیمات دارالعلوم دیوبند میں کام کیا اور جن کی تاریخ پیدائش ۱۳۳۰ھ - ۱۹۱۲ء ہے، حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب ہمیشہ ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتے، نورانی چہرہ، پیشانی پر سجدے کا نشان، ہاتھ میں تسبیح، آپ کی مجلس ذکر الٰہی سے معمور ہر شخص کے خیر خواہ اور مفید مشوروں سے نوازنے والے، حقیقی معنی میں نمونۂ سلف۔

خطاطی وخوشنویسی

مولانا اشتیاق احمد صاحب کی عام تحریر فطری طور پر بہت عمدہ تھی اس لئے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے والد محترم حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب

حرداں ع ۱۹۲

دفتر ماهنامه دار العلوم
دار العلوم دیوبند

مکرمی۔ سلام مسنون ۔ مزاج گرامی

مرکز دار العلوم دیوبند سے شائع ہونے والا ماہنامہ اردو رسالہ "دار العلوم" قدیم ترین رسالہ ہے جو ہمیشہ پابندیٔ وقت سے طبع ہوتا ہے،

دار العلوم دیوبند اپنی دینی و ملی و اخلاقی خدمات کی بنا پر آپ سے مکمل ہمدردی کی توقع رکھتا ہے، دار العلوم کا نقصان ایک ادارہ کا نقصان نہیں ہے بلکہ یہ قوم و ملت اور آپ کا اپنا نقصان ہے۔

محترم آپ کی مدت خریداری ۔ دسمبر ۹۲ء ۔ میں ختم ہوگئی ہے رسالہ مسلسل آپ کی خدمت میں روانہ کیا جا رہا ہے چنانچہ آپ کا اخلاق دینی اور ادب نواز شخصیت سے امید ہے کہ بقایا رقم مبلغ ۔ ۱۸/- روپے جلد از جلد روانہ فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں گے اور ایک دینی ادارہ کی بقاء و استحکام میں ہر ممکن امداد و تعاون فرمائیں گے۔

باری تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرما کر مزید ترقیات سے نوازیں آمین

نوٹ: بوقت خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں

والسلام
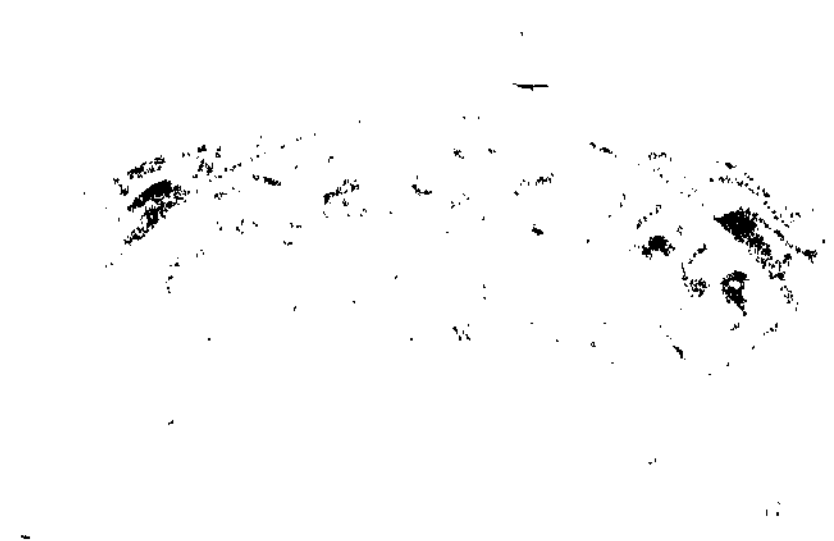
[signature]

متوفی ۱۳۳۴ھ-۱۹۱۶ء نے شوق دلایا کہ منشی محبوب علی صاحب میرٹھی سے کتابت وخوشخطی سیکھیں اور منشی محبوب علی سے کہا کہ ان کو کتابت سکھایئے، منشی محبوب علی صاحب ان دنوں مطبع قاسمی دارالعلوم دیوبند سے منسلک تھے جو فن خطاطی کے مشہور استاذ اعجاز رقم منشی شمس الدین لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا اشتیاق صاحب نے پہلے خط نستعلیق پھر خط نسخ سیکھا اور روزانہ ایک ایک تقطیع مکمل کرلیتے، دوسرے روز دوسری تقطیع کی تکمیل کرتے، اس طرح اپنی خداداد صلاحیت سے بہت جلد ایک ماہر فن خطاط ہوگئے اور فن خطاطی میں ابن مقلہ ۲۷۲ھ-۸۸۶ء، ۳۲۸ھ-۹۴۰ء کے بعد ابن بواب متوفی ۴۲۳ھ-۱۰۳۱ء یاقوت مستعصمی متوفی ۶۶۷ھ-۱۲۶۸ء اور سید عماد الحسن قزوینی متوفی ۱۰۲۴ھ-۱۶۱۵ء وغیرہ اساتذۂ فن سے کسی طرح کم نہ تھے، آپ نے رائج خط نسخ کے دوائر جو خط ثلث کے انداز پر بنائے جاتے تھے ان میں تبدیل وترمیم کرکے دوائر میں ایسی خوبصورتی عطا کی کہ وہ اصول وقواعد بن گئے اور یہی روش ہندوپاک میں رائج ہوئی بلکہ شاہ فہد نے سعودی عرب سے کروڑوں کی تعداد میں اس روش کے ساتھ قرآن کریم طبع کراکے اس کو بہت دور دور تک پھیلا دیا، آپ کا یہ کارنامہ انشاء اللہ قیامت تک دائم وقائم رہے گا۔

دارالعلوم دیوبند میں خطاطی

اردو کے بارے میں گاندھی جی نے مشورہ دیا تھا کہ اس کا رسم الخط ہندی کردیا جائے تاکہ اردو کو زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل ہو، یہ مشورہ دراصل اردو کا گلا گھونٹنے کے لیے تھا، حضرت مہتمم قاری محمد طیب صاحب نے مولانا اشتیاق احمد صاحب سے مشورہ کیا کہ اردو رسم الخط کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ خطاطی قائم کیا جائے چنانچہ مولانا اشتیاق احمد صاحب کی سرپرستی میں ان کے صاحبزادہ منشی امتیاز صاحب ۱۳۶۴ھ-۱۹۴۵ء میں اس کے پہلے استاذ مقرر ہوئے، کام آگے بڑھا تو اراکین مدرسہ نے مولانا اشتیاق احمد صاحب سے اصرار کیا کہ سرپرستی کے ساتھ مستقل استاذ بن کر اس شعبہ کو ترقی دیں، مولانا نے اپنے خانگی حالات کے پیش نظر صرف دو گھنٹے دینا منظور کیا، اراکین مدرسہ نے کہا کہ آپ کے دو گھنٹے چھ گھنٹے کے برابر ہوں گے۔ اس طرح آپ ۱۳۶۵ھ-۱۹۴۶ء میں شعبہ کتابت کے استاذ مقرر ہوئے، چھ گھنٹے کام کرنے والے بعض اساتذہ نے دو گھنٹے کی تنخواہ کا مقابلہ کیا تو

آپ کی تنخواہ بہت زیادہ ہوگئی تھی کہ صدر المدرسین حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی متوفی ۷۷ ۱۳ھ - ۱۹۵۷ء کی تنخواہ سے بھی بڑھ گئی، اس بناء پر کچھ مدرسین نے اضافہ تنخواہ کے لیے درخواست دی رکن شوریٰ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب متوفی ۱۳۸۲ھ - ۱۹۶۲ء نے مجلس شوریٰ میں یہ درخواست دیکھی تو برہم ہوگئے اور کہا کہ علم کا موازنہ مال سے کیوں کیا جارہا ہے، ایک بڑھئی یا ایک راجگیر حضرت مدنیؒ کی تنخواہ سے زیادہ کمالیتا ہے، درخواست دہندہ حضرات نادم ہوکر رہ گئے۔

آپ کے تلامذہ

دارالعلوم دیوبند سے آپ کے تلامذہ بے شمار پیدا ہوئے خوشنویسی میں آپ کے شاگرد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ - ۱۹۷۴ء اور قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی ہیں، مشہور خطاط محمد خلیق ٹونکی نے بار بار دیوبند آکر آپ سے اصلاحات لیں۔ اس وقت شعبہ کتابت دارالعلوم دیوبند میں منشی محمد وجاہت عثمانی (صدر شعبہ) بن مولانا محمد حیات صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب بہاری اور مولانا نیاز الدین صاحب اصلاحی اساتذۂ خوشنویسی آپ ہی کے شاگرد ہیں، آپ کے صاحبزادہ و تلمیذ خاص منشی امتیاز صاحب نے تقریباً ۳۵ ربرس یہاں اصلاح کتابت کا کام کیا، اب وہ وقف دارالعلوم میں یہی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کی صاحبزادی سلیمہ خاتون زوجہ منشی محمد وجاہت صاحب بہترین خوشنویس ہیں اور شعبہ مرکزی کتابت دیوبند برائے طالبات میں استاذ ہیں جو مولانا اشتیاق احمد صاحب کی شاگرد اور ان کی چھپتی پوتی ہیں، مولانا کی دوسری پوتی راضیہ خاتون بنت منشی ممتاز صاحب بھی بہت اچھی خوشنویس ہیں۔ حضرت مولانا کی دو صاحبزادیاں رئیسہ خاتون اور محسنہ خاتون خطاطی میں بہت ماہر ہیں، یہ دونوں پاکستان میں رہتی ہیں، سب سے چھوٹی صاحبزادی محسنہ خاتون تو مستقل کتابت کرتی ہیں، بہت سی کتابوں کی کتابت کی ہے خاص کر قرآن لکھا جو بڑے آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مقبول ہوا۔ حضرت مولانا کی صاحبزادی مکرمہ خاتون کے تین لڑکے افتخار احمد، دلشاد احمد، منصور احمد اور ایک لڑکی جہاں آرا سب کے سب کاتب ہیں۔ حضرت مولانا کی توجہ نے اپنے لڑکے، لڑکیوں، پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں، تک کو فن کتابت کا استا

بنادیا۔ راقم الحروف کو ۱۳۶۸ھ - ۱۹۴۹ء میں خط نستعلیق بڑی شفقت سے ایک سال میں مشق کراکے فارغ کردیا اور اسی سال اپنی نگرانی میں کتب خانہ امدادیہ سے چھوٹی چھوٹی دو کتابوں کی کتابت کروادی، دوسرے سال ۱۳۶۹ھ - ۱۹۵۰ء میں خط نسخ کی تکمیل کرادی میرے تلامذہ میں مولوی مطیع الرحمٰن معروفی، مولوی خیر البشر بھیروی، مولوی ابوبکر سمستی پوری استاذ الخطاطین اردو اکیڈمی پٹنہ اور کاتب عبدالمنان محسن بلیاوی ہیڈ کاتب الجمعیۃ دہلی وہیڈ کاتب اخبار قومی آواز دہلی اچھے خوشنویس ہیں، ان لوگوں نے بہت سی معیاری کتابیں لکھی ہیں۔ احقر نے مئی ۱۹۷۲ء کے آل انڈیا اجلاس عام دہلی جمعیۃ علماء ہند سے متعلق تختیاں، بورڈ اور اسی اسی میٹر لمبے کپڑے پر چار پانچ انچ موٹے قلم سے بینر بنائے جو اجلاس کی زینت اور لوگوں کی نگاہوں کے مرکز بنے ہوئے تھے، ان کی اصل کا پیاں بغرض اصلاح دیوبند لے جاکر حضرت مولانا اشتیاق صاحب کو دکھلائیں، بیحد خوش ہوئے اور تین گھنٹے تک متواتر دیکھتے رہے اور فرمایا کہ تم نے میرا نام روشن کردیا، کچھ اصلاحات اور مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

مولانا کی کتابت کردہ مطبوعات

(۱) قرآن کریم (۲) حمائل شریف (۳) جلالین شریف (۴) بخاری شریف (۵) نورالایضاح (۶) مفید الطالبین (۷) کافیہ (۸) ہدایۃ النحو (۹) التوحید (۱۰) سند حدیث دارالعلوم دیوبند وغیرہ۔ آپ کی لکھی ہوئی بہت سی کتابوں کا فوٹو لے کر آج تاجران دیوبند و دہلی طبع کراکے خوب فائدہ اٹھارہے ہیں۔

شاعری و تاریخ گوئی

شاعری کا تعلق دراصل فطرت سلیمہ اور موزونیت طبع سے ہے، آپ اپنی طبع موزوں کے سبب ایسے اشعار کہتے تھے جو قادرالکلام کہنہ مشق شاعر کے کلام معلوم ہوتے تھے۔ رسالہ شجرات میں آپ کے اشعار دیکھے جاسکتے ہیں لیکن شعر وشاعری کی طرف آپ کا میلان نہ تھا، اسی طرح تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، بہت سے بچوں کا تاریخی نام آپ کا رکھا ہوا ہے۔

وفات حسرت آیات

یکشنبہ ۲۴؍ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ ۲۸؍ دسمبر ۱۹۷۵ء کو بعمر ۸۸؍ سال مختلف علوم وفنون کا ماہر اور جامع کمالات جوار رحمت میں جا پہنچا اور اپنا نقش اخلاف کے لیے چھوڑ گیا۔ تاریخ ولادت "منصور ذاکر" (۱۳۰۷ھ) سے اور تاریخ رحلت "اشتیاق بے مثال" (۱۳۹۵ھ) سے اور مدت عمر لفظ "حلیم" (۸۸) سے برآمد کیے جاسکتے ہیں۔ احقر نے اپنے مشفق استاذ کی رحلت پر یہ تاریخیں کہی ہیں۔

نحمد اللہ المعز العلیم ونصلی علی رسولہ الکریم ٥

۱۳۹۵ھ

باشکہائے غمزدہ

۱۳۹۵ھ

جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب واحد خطاط اعلی دیوبند

۱۹۷۵ء

مولانا اشتیاق احمد رحمہ الجلیل الواجد

۱۳۹۵ھ

نور مرقدہ المقسط العظیم الماجد

۱۹۷۵ء

قطعہ تاریخ

۱۳۹۵ھ

جناب اشتیاق احمد کہ بود استاذِ خطاطان ۔ امام فن خطاطی شہیر کاتب دوراں

بہ فنِ نسخ و نستعلیق وطغرا دستگاہ آں ۔ شدہ دارالعلوم دیوبند از فن او نازاں

چنیں ہاتف بگفتہ خوبتر سالِ وفات عثماں ۔ کہ یابد جائے فردوس بریں زرحمتِ یزداں

۱۳۹۵ھ

کتبہ ناچیز حقیر محمد عثمان معروفی

۱۹۷۵ء

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت

دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں

جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں ردقادیانیت کے موضوع پر ایک روزہ تربیتی کیمپ

زیر انتظام مجلس تحفظ ختم نبوت جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

رپورٹ: مفتی ریاست علی قاسمی ہاپوڑ

مورخہ ۱۷/ جولائی ۱۹۹۷ء مطابق ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ جمعرات بمقام جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ زیر صدارت حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ ورکن شوری دارالعلوم دیوبند برائے تربیت ردقادیانیت ایک روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا، مربی خصوصی کی حیثیت سے حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، اور حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء کرام تشریف لائے کیمپ کا پروگرام دو نشستوں میں مکمل ہوا۔ پہلی نشست صبح ۸/ بجے محمد شاکر بجنوری متعلم جامعہ کی تلاوت سے شروع ہوئی، بعدہٗ جامعہ کے طالب علم محمد جسیم الدین ہردوئی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کیرکٹر پر ایک نظم پیش کی اس کے بعد مولانا محمد یامین صاحب استاذ حدیث جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ نے تربیتی کیمپ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ پھر حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ نے مختصر اور جامع خطاب فرمایا جس میں تربیتی کیمپ کی افادیت اور اس کے انعقاد پر اظہار مسرت نیز ہندوستان میں فتنۂ قادیانیت کے امنڈتے ہوئے سیلاب پر بند لگانے کے طریقوں پر روشنی ڈالی اور اس کے زہریلے اثرات سے شرکاء کو روشناس کرایا۔ آپ نے شرکاء کیمپ کو دعوت دی کہ آپ حضرات مسئلہ کی حقیقت کو سمجھیں اور اس خطرناک فتنہ کا تعاقب کرنے کے لیے میدان میں آئیں تاکہ اللہ کے دین پر ہونے والی یلغار کا دفاع کیا جاسکے۔

اس کے بعد حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث

دارالعلوم دیوبند نے بصیرت افروز تفصیلی خطاب فرمایا جس میں علماء کرام اور ارباب مدارس کی ذمہ داری اور فرائض منصبی کو بتلاتے ہوئے نبوت کی حقیقت، ختم نبوت اور تحفظ ختم نبوت کا مفہوم سمجھایا۔ آپ نے خطاب کرتے ہوئے بتلایا کہ سابقہ شریعتوں کے تحفظ کی ذمہ داری انبیاء کرام اور امت کے افراد دونوں پر عائد تھی لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کار نبوت اور شریعت کے تحفظ کی ذمہ داری صرف امت محمدیہ پر عائد ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالی نے اس امت کے افراد میں یہ صلاحیت ودیعت فرمائی تھی اس وجہ سے اس امت کو سب سے آخر میں بھیجا ہے آپ نے ان تمام مضامین کو قرآن وحدیث سے مبرہن اور مدلل فرمایا آپ نے اپنے خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ انسان کے ایمان کا امتحان کن کن مراحل پر ہوتا ہے؟ اور اہل علم کا کس طرح امتحان لیا جاتا ہے تقریباً سوا گھنٹہ تک آپ کا خطاب ہوتا رہا پھر جناب والا نے شرکاء کیمپ کے مختلف علمی سوالات کا تحقیقی اور تشفی بخش جواب دیا جس میں نبوت کے اقسام، نزول عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت، مدعیان نبوت کے عبرتناک حالات اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ پھر جناب مولانا قاری مشتاق احمد صاحب مدظلہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی پر سوز دعاء پر ایک بجے یہ نشست مکمل ہوئی، حضرت مولانا مفتی غلام نبی صاحب قاسمی استاذ جامعہ اور راقم السطور ریاست علی قاسمی نے مشترکہ طور سے اس نشست میں اناؤنسری کے فرائض انجام دئے۔

دوسری نشست طعام و قیلولہ اور نماز ظہر سے فراغت کے بعد ۳½ بجے دوسری نشست کا آغاز محمد ہارون بلندشہری متعلم جامعہ کی تلاوت سے ہوا قاری مبین احمد صاحب غازی آبادی نے دربار رسالت میں نعتیہ کلام پیش کیا پھر مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے شرکاء تربیتی کو خطاب فرمایا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کیرکٹر، کذبات مرزا، دعاوی مرزا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی پیشگوئیاں وغیرہ بیان کیں جس میں شرکاء کیمپ بہت زیادہ لطف اندوز ہوئے اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند نے خطاب فرمایا جس میں نبوت کے اوصاف و کمالات اور مرزا کے حالات پر مختصر روشنی ڈالی اور اذان عصر کے بعد دعاء پر یہ نشست ختم ہوئی اس نشست میں نظامت کے فرائض حضرت مولانا ریاض احمد صاحب نائب مہتمم جامعہ اور راقم السطور ریاست علی قاسمی نے انجام دئے۔

تربیتی کیمپ میں شہر ہاپوڑ کے ائمہ مساجد اور جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے اساتذۂ کرام کے علاوہ مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ، مدرسہ خیر العلوم ہاپوڑ، مدرسہ فیض القرآن ہاپوڑ کے اساتذہ کرام، ویٹ، خورجہ، بلندشہر، شکارپور، میرٹھ، مسوری، پلکھوہ، غازی آباد، لونی، چھپنہ، دوتائی، گڈھ مکتیشور، پلواڑہ، گلاوٹھی، کمال پور، کورانہ، چندپورہ، سکندرآباد وغیرہ مدارس کے اساتذہ کرام اور ذمہ داران نے شرکت فرمائی مدارس کے علاوہ قرب وجوانب بڑودہ، مرشد پور، ہردے پور، سلائی، سلطان پور، بھیکن پور وغیرہ کے ائمہ مساجد اور علماء نے شرکت کی۔

ہر شب میں بعد نماز عشاء بمقام پرانی چنگی متصل عیدگاہ گیٹ شہر ہاپوڑ زیر صدارت حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مد ظلہ مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ عظیم الشان مثالی تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا آغاز جناب مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب استاذ شعبہ تجوید و قرأت دار العلوم دیوبند کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا، اس کے بعد عبدالرزاق گڈاوی متعلم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ نے ردمرزائیت کے عنوان پر ایک نظم پیش کی جس کا بند تھا

قدم قدم پر جہاں میں رسوا غلام احمد ہے قادیانی

اس کے بعد دار العلوم دیوبند کے موقر استاذ حضرت مولانا محمد راشد صاحب اعظمی نے ولولہ انگیز خطاب فرمایا آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ امت محمدیہ روز اول ہی سے فتنوں سے دوچار رہی ہے لیکن مدعیان نبوت کا فتنہ ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور بھیانک ہے پھر آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے خلفاء کی گھناؤنی اور گندی سیرت مرزائیوں کی مستند کتب کے حوالہ سے عوام کے سامنے بیان فرمائی نیز آپ نے مدلل طور سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کو کافر اور مرتد قرار دیا اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ آپ اپنے ایمان کی حفاظت کریں وقت کی قلت کی وجہ سے سامعین کی تشنگی دور کئے بغیر آپ نے اپنی تقریر ختم کردی۔ اس کے بعد مفتی محمد ایوب صاحب استاذ جامعہ نے کانفرنس کی قرارداد پیش فرمائی تمام ہی شرکاء کانفرنس نے قرارداد کو متفقہ طور سے منظور کیا۔ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے۔

تجویز:

مذہب اسلام کے بنیادی عقائد میں وحدانیت ورسالت کا اقرار شامل ہے نیز عقیدہ رسالت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی سلسلۂ

نبوت کی آخری کڑی مانا جائے، مرزا غلام احمد قادیانی پنجابی نے ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کر کے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے والے لوگوں کے علاوہ پورے دنیا کے مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ان جیسی وجوہات کی وجہ سے امت مسلمہ کے تمام مکاتبِ فکر کے مفتیان وعلماء کرام نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے مرتد اور زندیق ہونے کے فتاویٰ صادر کئے نیز سرکاری عدالتوں میں بھی مکمل بحث وتمحیص کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم ہی قرار دیا گیا۔

(۱) لہذا یہ عظیم الشان کانفرنس قادیانیوں (نام نہاد احمدیوں) کو آگاہ کرتی ہے کہ اسلام کے نام سے اپنے باطل مذہب کا پرچار کرنا فوراً بند کردیں، اس لیے کہ عقائید کفریہ پر تمہاری جانب سے اسلام کا لیبل لگانا ایسی ہی دھوکہ بازی ہے کہ جیسے شراب کی بوتل میں زمزم کا لیبل لگا کر شراب فروشی کا کاروبار کرنا اور یہ مذہب اسلام کی زبردست توہین ہے جو مسلمانوں کے لیے بہرحال ناقابل برداشت ہے۔

(۲) یہ کانفرنس حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ قادیانیوں کی ملک وملت دشمنی پر کڑی نگاہ رکھے اور ان کی دسیسہ کاری کا جلد از جلد نوٹس لے۔

(۳) یہ کانفرنس مسلمانوں کو صاف صاف بتلانا چاہتی ہے کہ قادیانیوں سے تعلقات اور دوستی، ایمان کے سخت خلاف ہے شرعاً ان سے معاشرتی بائیکاٹ کرنا واجب ہے پس تمام مسلمان شرعی حکم پر عمل پیرا ہو کر ایمانی غیرت وحمیت کا بھرپور مظاہرہ کریں۔

(۴) یہ کانفرنس تمام مدارس اسلامیہ اور مسلم تنظیموں سے درخواست کرتی ہے کہ قادیانی عبادت گاہوں اور دوسرے مقامات پر جہاں وہ ارتدادی فتنہ پھیلانے میں مشغول ہیں وہاں وہاں خصوصی اور کڑی نگاہ رکھیں اور قادیانیوں کی سرگرمیوں کا محاسبہ کرتے ہوئے ان کے پھیلائے ہوئے جال سے بچنے کے لیے مسلمانوں کے سامنے قادیانیت کو پوری طرح بے نقاب کرتے رہیں۔

پھر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند نے [illegible] داد کی وضاحت اور تائید میں تقریر فرمائی آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ [illegible] سمجھنے کے لیے اس کے بانی کو سمجھنا ضروری ہے اس لیے ہمیں مرزا غلام احمد [illegible] چاہئے کہ وہ کیا ہے؟ پھر آپ نے مرزا کے دعاوی باطلہ اور اسکی ہفوات پر [illegible] ڈالی۔

اس کے بعد کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اور دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا آپ نے اپنی تقریر میں مدلل طور سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور خاتم النبیین کے جو معنی اور مفہوم چودہ صدیوں سے علماء امت اور مفسرین نے بیان کئے ہیں وہ ہی معنی معتبر ہیں اس کے علاوہ دوسرے معنی معتبر نہیں پھر آپ نے قادیانی ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا اور بتلایا کہ قادیانی لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ بھارت کے مسلمان پاکستان کے اشارہ پر ہم لوگوں کو کافر بتلاتے ہیں حالانکہ ہم بھی مسلمان اور مسلمانوں والا کلمہ پڑھتے ہیں آپ نے اپنی تقریر میں اس الزام کا بھرپور انداز میں رد فرمایا۔ اور فرمایا کہ خالص مذہب اور عقیدہ کا معاملہ ہے سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور حریم ختم نبوت پر جو بھی آنچ آئیگی ہم اس کا بھرپور تعاقب کریں گے اور قصر نبوت کی ہر ایک اینٹ کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اس کے بعد جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب مدظلہ نے اپنی مسحور کن تلاوت ونعت سے سامعین کو گرمایا۔

پھر حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم استاذ حدیث دار العلوم دیوبند نے بصیرت افروز مفصل خطاب فرمایا جس میں آپ نے عام فہم انداز میں علمی گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے عوام الناس کو ختم نبوت کے معنی، نبوت کی حقیقت اور امت کی ذمہ داریاں بتلائیں۔ نبوت کے اوصاف وکمالات، مدعیان نبوت کے عبرتناک حالات، مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کے واقعات بتلائے آپ نے بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد تمام ادیان سابقہ اور گذشتہ قوانین منسوخ ہوگئے اب قیامت تک صرف آپ ہی کا دین اور قانون چلے گا۔ تمام انبیاء کرام کی مثال کواکب ونجوم کی ہے اور آپ آفتاب نبوت ہیں۔ جس طرح سورج طلوع ہونے کے بعد کواکب ونجوم کی روشنی بے نور ہو جاتی ہے اسی طرح آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے بعد دوسری نبوتیں بے نور ہو گئیں۔ پھر آپ نے قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ [illegible] تشریف لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] عمل کرنے کا حکم فرمائیں گے

چلے گا۔ جس طرح ہندوستان کا وزیر اعظم امریکہ جاکر وزیر اعظم ہی رہتا ہے مگر وہاں اس کا قانون نہیں چلتا ہے بلکہ امریکہ کے قانون کا اس کو بھی پالن کرنا پڑتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی رہتے ہوئے شریعت محمدیہ کے مطابق عمل کریں گے۔ اور اس سے ان کی نبوت پر فرق نہیں پڑے گا آپ نے دوران خطاب مرزا کے عقائد کفریہ اور اقوال باطلہ کو بتلایا اور قادیانی تحریفات وتلبیسات کا تشفی بخش جواب دیتے رہے تقریباً سوا دو گھنٹہ تک آپ علم کے موتی بکھیرتے رہے۔ پھر صدر محترم حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی پرسوز دعا پر ڈھائی بجے کے قریب کانفرنس کا اختتام عمل میں آیا۔ اس کانفرنس میں مسلمانان شہر ہاپوڑ، علاقہ کے ارباب مدارس اور اساتذہ کرام کے علاوہ قرب وجوار کے حضرات بھی شریک ہوئے۔ پلکھو سے تقریباً ایک بس بھر کے لوگ تشریف لائے کانفرنس میں شرکاء کی تعداد محتاط اندازہ کے مطابق آٹھ نو ہزار کے قریب تھی۔

دعاء ہے کہ پروردگار عالم اس تربیتی کیمپ کو قبول فرمائے اور اس کے مفید ثمرات ونتائج پیدا فرمائے اور اسلام پر ہونے والے حملوں کے دفاع کے لیے قبول فرمائے آمین۔

کمپوزنگ و کتابت: سرور ندنی کمپوزر دیوبند

ماہ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۹۷ء

جلد ۸۱	شمارہ ۱۰	فی شمارہ ۔/۶	سالانہ ۔/۶۰

نگران

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند، سہارنپور، یو۔پی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ۔/۴۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم ۔/۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ۔/۸۰ ہندوستان سے ۔/۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبد الستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔

● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دار العلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

حرف آغاز

ادھر چند مہینوں سے اخبارات ورسائل میں یہ مسئلہ بڑی شدومد کے ساتھ بحث ونظر کا موضوع بنا ہوا ہے کہ مسلم مستورات کے لئے مساجد میں جاکر جمعہ وجماعت میں شرکت کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ ایک خالص مذہبی ودینی مسئلہ ہے جس پر گفتگو اصول وضوابط کے تحت صاحب نظر علماء وفقہاء ہی کے دائرے میں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ سیاسی وتفریحی مسائل کی طرح اس خالص دینی وشرعی مسئلہ کو آج کی دین بیزار میڈیا تک پہنچادیا گیا ہے اور ایسے افراد واشخاص جو فکر وعمل میں دین ومذہب سے برائے نام کا ہی واسطہ رکھتے ہیں اور شرعی مسائل واحکام کے صحیح ومستند علم سے جن کا دفتر معلومات بڑی حد تک خالی ہے وہ بھی اس بارے میں پوری بیباکی کے ساتھ مجتہدانہ فتوے صادر کررہے ہیں اور مذہب بیزار میڈیا عام طور پر ایسے خودرو مجتہدین کے مضامین ومقالات کی نشرواشاعت میں مصروف ہے اس صورت حال نے مسئلہ زیر بحث کو اس قدر پیچیدہ کردیا ہے کہ خالی الذہن ناواقف لوگ عجیب گومگو کی کیفیت میں مبتلاء ہوگئے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ موجودہ علماء دین ومفتیان شرع ہی نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین وسلف صالحین پر بھی بعض حلقوں سے نکتہ چینیاں شروع ہوگئی ہیں۔ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی جانب سے اس ناروا جسارت کی ہمت افزائی نے صورت حال کی سنگینی میں مزید اضافہ کردیا ہے ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ امت مسلمہ کا سلف صالحین کے ساتھ جو مخلصانہ ربط ہے اسے ختم کردینے کے لئے ایک منظم

سازش کے تحت مسلم عورتوں کی حقوق طلبی اور ہمدردی کے نام پر اس قسم کے مسائل قدرے وقفہ کے ساتھ اٹھائے جاتے ہیں جن کی آخری تان ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کی تنقید و تنقیص پر ٹوٹتی ہے تاکہ امت کا اعتماد ان سے اٹھ جائے۔ خدانخواستہ امت کا رابطہ اگر سلف صالحین سے قائم نہ رہا تو پھر اس کے حیات دینی کی خیر نہیں کیونکہ اس استنادی نصار کے ٹوٹ جانے کے بعد اسے کوئی بھی اچک سکتا ہے اور ضلالت وگمراہی کی کسی بھی وادی میں پہنچا سکتا ہے۔ صورت حال کی اسی نزاکت نے مجبور کیا کہ مذکورہ بالا مسئلہ پر اختصار کے ساتھ احادیث رسول، آثار صحابہ اور اقوال سلف صالحین کی روشنی میں گفتگو کی جائے ورنہ اس مسئلہ کے ہر پہلو کو فقہاء ومحدثین پورے طور پر واضح کر چکے ہیں جن پر اب کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا شکر الله سعيهم وجزاهم الله عنا وعن العلم والدين

اصل مسئلہ پر گفتگو سے پہلے چند متفقہ ومسلمہ اصول وقواعد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ مسئلے کی صحیح حقیقت تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

(۱) فہم کتاب وسنت کے لئے صحابہ، تابعین اور دوسرے سلف صالحین کی تشریحات وتحقیقات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(۲) مباح بلکہ مستحسن کام بھی اگر شرعی مفاسد کا ذریعہ بن جائیں تو قانون سدِ ذریعہ کے تحت وہ ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر پابندی لگانی ضروری ہو جاتی ہے۔

(۳) مصلحت وقت اور احوال ناس کی رعایت کے تحت دی گئی رخصوں کو مستقل شرعی حکم بنانا اور تبدیلیٔ حالات کے باوجود ان کی مشروعیت پا اصرار اصول وضوابط کے خلاف ہے۔

(۴) کتاب وسنت اور سلف صالحین کی تشریحات سے ثابت ہے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کا دائرۂ کار محدود اور طریق کار مخصوص ہے اس وقت اس نوع کے جملہ قواعد کو نہ پیش کرنا مقصود ہے اور نہ ہی ان کے دلائل بیان کرنے اور ان کی تحقیق وتفصیل پیش کرنے کا موقع ہے نہ ضرورت صرف اجمالی اشارات کافی ہیں جو بیان کر دیئے گئے۔

اس مختصر اور ضروری تمہید کے بعد عرض ہے کہ بلاشبہ عہد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مستورات مسجد نبویؐ میں حاضر ہو کر جمعہ وجماعت میں شرکت کرتی تھیں۔ سلف صالحین وائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔ یہ امر تو اتفاقی ہے اس لئے اس کے دلائل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے پھر بھی چند وہ احادیث جن

سے اس حاضری کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بغرض فائدہ مزید نقل کی جارہی ہیں۔

(۱) عن ابن عمرؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا استاذنت امرأة احدکم فلا یمنعها

(بخاری ج:۱، ص:۱۲۰ وج:۲، ص:۷۸۸ ومسلم ج:۱، ص:۱۸۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے۔

(۲) عن ابن عمرؓ ان رسول الله قال لاتمنعوا اماء الله مساجد الله (رواہ مسلم ج:۱، ص: ۱۸۳ وابوداؤد ج:۱، ص: ۸۴) اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

(۳) عن ابن عمرؓ کانت امرأة لعمر تشهد صلوة الصبح والعشاء فی الجماعة فی المسجد فقیل لها لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر یکره ذالك ویغار قالت فما یمنعه ان ینهانی قال یمنعه قول رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تمنعوا اماء الله مساجد الله (بخاری ج:۱، ص: ۱۲۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیوی فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے لئے مسجد جاتی تھیں تو ان سے کہا گیا کہ تم مسجد کیوں جاتی ہو جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ تمہارے اس عمل کو پسند نہیں کرتے اور انہیں غیرت آتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مجھے منع کیوں نہیں کردیتے لوگوں نے ان سے کہا کہ (صراحتا) منع کرنے سے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مانع ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

ان احادیث مبارکہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کرامت میں عورتوں کو مسجدوں میں حاضری کی صرف اجازت تھی نہ کہ سنت و واجب اور نہ ان کو اس حاضری کی کبھی ترغیب دلائی گئی اور نہ ہی عدم حاضری کی صورت میں ان سے باز پرس اور اظہار ناراضگی کیا گیا چنانچہ مشہور شارح حدیث امام نووی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ظاهرها انها لاتمنع المسجد لکن بشروط ذکرها العلماء ماخوذة

من الاحادیث وبیان لاتکون متطیبة ولا متزینة ولا ذات خلاخل یسمع صوتها ولا ثیاب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ولا نحوها ممن یفتتن بها وان لایکون فی الطریق مایخاف به مفسدة ونحوهاوهذه النهی عن منعهن من الخروج علی کراهیة التنزیهة الخ

مسلم مع شرح نووی ج:۱،ص: ۱۸۳۔

ان احادیث کا ظاہر یہی ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکا نہ جائے لیکن اس اجازت کے لئے کچھ شرطیں ہیں جنہیں علماء نے بیان کیا ہے اور یہ شرطیں احادیث سے ماخوذ ہیں وہ شرطیں یہ ہیں (۱) خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو، (۲) بنی سنوری نہ ہو (۳) بجتے ہوئے زیور نہ پہنے ہو، (۴) عمدہ بھڑک دار کپڑا زیب تن نہ ہو۔ (۵) مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو (۶) نوجوان نہ ہو اور نہ مثل نوجوان کے ہو جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو (۷) راستہ بھی مفاسد سے مامون و محفوظ ہو۔ پھر عورتوں کو مساجد سے روکنے کی یہ ممانعت نہی تنزیہی ہے (جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی مساجد میں حاضری صرف جائز ومباح ہے سنت وواجب نہیں ورنہ انہیں مساجد سے روکنا تنزیہی کے بجائے نہی تحریمی یا حرام ہوتا اور نہ اس حاضری کے لئے انہیں شوہروں سے اجازت لینی پڑتی)

امام نووی نے اپنی اس عبارت میں جن شرائط کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر احادیث میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور بعض دوسرے شرعی دلائل سے ثابت ہیں۔ اس مختصر تحریر میں ان ساری حدیثوں کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

تفصیل کے طالب صحیح مسلم ج:۱، ص: ۱۸۲ و ۱۸۳ و سنن ابی ابوداؤد ج:۱، ص: ۸۴، ومجمع الزوائد ج:۲، ص: ۳۲، ۳۳، وسنن نسائی ص: ۲۸۲، وترغیب وترہیب ج: ۳، ص: ۸۵، وابوداؤد ج: ۲، ص: ۱۴۷۔ ۱۵۷ وغیرہ کتب حدیث کا مطالعہ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک اپنے اندر جس قدر خیر وبرکات کو سمیٹے ہوئے تھا آج کے اس پر فتن دور میں اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آگیا تھا جس کے افراد کے قلوب ایمان ویقین سے مزین تھے اور کفر وعصیان سے انہیں طبعی طور پر نفرت ہوگئی تھی ان کی تمام تر توجہات کا مرکز بس فضل ربانی کی طلب اور رضاء الٰہی کی جستجو تھی۔ اور امر

بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا طرہ امتیاز تھا۔ ایسے صالح اور مثالی معاشرے میں عورتوں کو اجازت دی گئی تھی کہ اگر وہ مساجد میں آکر باجماعت نماز ادا کرنا چاہتی ہیں تو مذکورہ بالا شرائط کی پابندی کرتے ہوئے اپنی خواہش کی تکمیل کر سکتی ہیں اور انہیں اس رخصت واباحت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کے شوہروں کو ہدایت دی گئی کہ اگر ان کی بیویاں مسجد میں آنا چاہیں تو انہیں روکا نہ جائے لہذا فتنہ وفساد سے مامون اور خیر وصلاح سے معمور اس ماحول میں مردوں کا مساجد سے عورتوں کو روکنا خوف فتنہ کی بناء پر نہ ہو تا بلکہ اپنی شیخی اور بیجا احساس بزرگی کی بناء پر ہو تا اس لئے مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع نہ کریں پھر ان کی اس حاضری میں یہ عظیم فائدہ بھی مضمر تھا کہ انہیں براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے استفادہ کی سعادت غیر متناہی حاصل ہو جاتی تھی۔

لیکن ان سب مصالح اور پابندیوں کے باوجود انہیں ترغیب اسی بات کی دی گئی کہ وہ مساجد میں حاضر ہونے کے بجائے اپنے گھروں کے اندر ہی نماز ادا کریں یہی ان کے حق میں اولیٰ وافضل ہے ملاحظہ ہو اس سلسلہ کی احادیث۔

(۱)"عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خيرلهن "(رواہ ابو داؤد ج:۱،ص: ۸۴والحاكم فى مستدركه وقال صحيح على شرائط الشيخين وصححه ابن خزيمة)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع نہ کرو اور ان کے گھر ان کے لئے مساجد کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہیں ۔

(۲)عن عبد الله بن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم قال المرأة عورة وانها اذا خرجت استشرفها الشيطان وانها اقرب ماتكون الى الله وهى فى قعربيتها.

(رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله موثقون مجمع الزوائد ج:۲، ص:۳۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سراپا پردہ ہے اور یہ جیسے ہی گھر سے باہر نکلتی ہے شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے اور بلا شبہ وہ خدا سے زیادہ قریب اسی

وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنی کوٹھری میں ہوتی ہے۔

(۴)عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی انها جاء ت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله انی احب الصلوٰة معك قال قد علمت انك تحبین الصلوة معی وصلوٰتك فی بیتك خیر من صلوتك فی حجرتك وصلوتك فی حجرتك خیر من صلاتك فی دارك وصلاتك فی دارك خیر من صلاتك فی مسجد قومك وصلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی قال فامرت فبنی لها مسجد فی اقصی بیت فی بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت الله عزوجل(رواه احمد ورجاله رجال الصحیح سویٰ عبد الله بن سوید الانصاری و وثقه ابن حبان مجمع الزوائد ج:۲،ص: ۳۳/۳۴)ورواه ابن خزیمه وابن حبان فی صحیحهما.وحسنه الحافظ ابن حجر.

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام حمید سے مروی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنی پسند کرتی ہوں تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو مگر تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو وہ تمہاری دالان کی نماز سے بہتر ہے اور تمہاری دالان کی نماز تمہاری صحن کی نماز سے بہتر ہے اور تمہاری گھر کے صحن کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور تمہاری مسجد محلہ کی نماز میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ (آنحضرتؐ کے اس ارشاد کے بعد) انہوں نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا تو ان کے واسطے گھر کی انتہائی اندرونی و تاریک کوٹھری میں مسجد بنادی گئی اور یہ اسی میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کا بایں الفاظ باب قائم کیا ہے۔

" باب اختیار صلاة المرأة فی حجرتها علی صلاتها فی دارها وصلاتها فی مسجد قومها علی صلاتها فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم وان کانت صلاة فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم تعدل الف

صلاة في غيره من المساجد والدليل على ان قول النبي صلى الله عليه وسلم صلاة في مسجدی هذا افضل من الف صلاة فيما سواه من المساجد انما ارادبه صلاة الرجال دون صلاة النساء"

(ترغیب وترہیب ج:۱، ص:۲۵۵)

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کے حجرہ کے اندر کی نماز دالان کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی مسجد محلہ کی مسجد نماز نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی نماز سے بہتر ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی نماز دیگر مساجد کی ہزار نماز کے برابر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میری مسجد کی نماز دیگر مساجد کی ہزار نماز سے بہتر ہے اس سے آپ کی مراد مردوں کی نماز ہے عورتوں کی نماز نہیں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت جس قدر بھی پوشیدہ ہو کر نماز ادا کرے گی اسی قدر اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور اللہ کی رضا و خوشنودی میں اسی پوشیدگی و خفا کے اعتبار سے زیادتی ہوگی۔

اس مضمون کی مرفوع روایت حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً و مرفوعاً، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے ابوداؤد، مسند احمد، مجمع الزوائد، الترغیب والترہیب اور مصنف ابن عبدالرزاق میں لائق احتجاج سندوں سے موجود ہیں بغرض اختصار اس موقع پر انہیں نقل نہیں کیا جارہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمالینے کے بعد جب خیر و صلاح کی وہ فضاء باقی نہیں رہی اور رفتہ رفتہ اس میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شرائط کی پابندی کے ساتھ حصول تعلیم و تربیت کی غرض سے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی آہستہ آہستہ عورتیں ان شرائط کی بجا آوری میں کوتاہی کرنے لگیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ کے قریب سے ایک عورت گزری جس کے جسم اور کپڑے سے خوشبو پھوٹ رہی تھی تو انہوں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا یا امۃ الجبار اے خدائے قہار کی بندی! مسجد سے آرہی ہے اس نے ہاں میں جواب دیا پھر پوچھا کیا تم نے مسجد میں جانے کے لئے یہ خوشبو لگائی تھی

اس نے کہاہاں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایامیں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو خوشبو لگا کر مسجد میں حاضر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد سے گھر جائے اور غسل جنابت کی طرح اسے دھو کر صاف کردے یہ حدیث ابوداؤد ج: ۲، ص: ۵۵۷، نسائی ص: ۲۸۲ میں دیکھی جاسکتی ہے امام منذری اس کے بارے میں لکھتے ہیں "اسناده متصل ورواته ثقات" الترغیب والترہیب ج: ۳، ص: ۸۵۔

یہ صحیح حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عورتوں کے اندر وہ حزم واحتیاط باقی نہیں رہی اور مسجد میں حاضری کے لئے مقررہ شرائط کی بجا آوری میں غفلت برتنے لگی تھیں ان کے حالات کے اسی تغیر کو دیکھ کر مقاصد شریعت کی ماہر اور مزاج شناس نبوت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد الحديث (بخاری ج: ۱، ص: ۱۲۰) مسلم ج: ۱، ص: ۱۸۳ میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے۔

لو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم راى ما احدث النساء لمنعهن المسجد یعنی عورتوں نے مسجد میں آنے کے لئے زیب وزینت اور آرائش جمال کا جو اہتمام شروع کردیا ہے اگر ان کے حال کی یہ تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رونما ہوجاتی اور آنحضرتؐ انہیں دیکھ لیتے تو یقیناً انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے اس لئے کہ یہ حاضری جن شرائط پر موقوف تھی وہ شرطیں مفقود ہوگئیں تو پھر اصول کے مطابق یہ اجازت بھی باقی نہیں رکھی جاسکتی تھی اخلاق وعادات میں اس انقلاب کی بناء پر حضرت عمر فاروق، حضرت زبیر بن العوام عورتوں کی مسجد میں حاضری پسند نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو جمعہ کے دن جو عورتیں نماز جمعہ میں شرکت کے لئے مسجد آجاتیں انہیں یہ کہہ کر لوٹادیا کرتے تھے کہ جاؤ اپنے گھروں میں نماز پڑھو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ جمہور صحابہ عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکتے تھے۔ اسی طرح تابعین میں حضرت عروہ،

زہری، ابراہیم نخعی قاسم بن محمد بن ابو بکر وغیرہ سلف صالحین میں حضرت حسن بصری حضرت عبداللہ بن مبارک یحییٰ انصاری وغیرہ عورتوں کے لئے مسجد میں حاضری کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

یہ حضرات صحابہ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے عورتوں کو آنحضرت کے پیچھے جماعت میں نماز پڑھتے دیکھا اور اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو۔ اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکنے لگے تو کیا حاشا وکلا یہ سب حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وفرمان کی خلاف ورزی کرنے لگے نہیں نہیں وہ مقاصد شریعت سے اچھی طرح واقف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مصالح کا تقاضا یہی تھا کہ عورتیں مقررہ شرائط کے ساتھ مسجدوں میں آسکتی ہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عادات واخلاق میں پہلے جیسی پختگی نہیں رہی مزید براں شر وروفتن کے بند دروازے کھل گئے ہیں تو دفع فتنہ کے لیے اس اجازت کے دروازے کا بند ہو جانا ہی قرین مصلحت اور تقاضائے شریعت ہے کیونکہ تحصیل مصالح کے مقابلہ میں دفع فتنہ کو شریعت میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور موجودہ صورت میں تو تحصیل منفعت کا موقع بھی نہیں ہے۔

انتہائی اختصار کے باوجود یہ تحریر اندازہ سے بڑھ گئی اس لئے سر دست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور طالب حق کے لئے انشاء اللہ یہ اشارات کافی ووافی ہونگے ویسے جو حضرات اس موضوع پر مکمل تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہوں وہ راقم کی زیر طبع کتاب کا انتظار کریں جس میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور موضوع سے متعلق اکثر حدیثوں کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے ۔وما ارید الا الا صلاح وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ علی نبیہ الکریم واصحابہ واتباعہ اجمعین

معراج کے ایمانیاتی و حکمی پہلو

قطب الدین ملا ایم۔اے۔بی۔ایڈ۔فاضل دینیات، ادیب کامل۔
کریم داد خان مسجد باغبان گلی بیدگام (کرناٹک) ۵۹۰۰۰۲

بنظر غائر دیکھا جائے تو اس واقعۂ عظیمہ میں کئی پہلو نکل آتے ہیں جیسے ایمانیاتی، عباداتی، معاملاتی، معاشرتی اور اخلاقیاتی۔ حضرت تھانویؒ نے نشر الطیب میں مستقل باب باندھ کر اس کے حکمی اور حکمی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے(۱) ہمیں یہاں پر اس کے (۱) ایمانیاتی و حکمی (۲) عبادیاتی و اعمالی (۳) دعائیہ اور تحمیدی اور (۴) دعوتی پہلوؤں پر کچھ عرض کرنا ہے سب سے پہلے ایمانی و حکمی پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

اس واقعۂ عظیمہ کا ہر ہر پہلو ایک مستقل معجزہ ہے اور اس کا تعلق ایمان وایقان سے ہے ایک صاحبِ ادراک کے لئے بے شمار ایمانیاتی پہلو اس میں موجود ہیں یہاں پر صرف چند ہی پہلوؤں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

(۱) ہر نبی کو قرب خداوندی کا ایک خاص موقع عطا کیا جاتا ہے جس میں وہ فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سردار انبیاء (علیہم السلام) ہیں اس لئے آپؐ کو معراج کے ذریعہ قرب، دنو وتدلی کا وہ مقام حاصل ہوا کہ حریم خلوت گاہ قدس میں باریاب ہو کر قاب قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ) سے بھی زیادہ قریب تر ہو گئے۔ اس مقام شرف ورفعت وبلندی تک مقربان بارگاہ میں سے کسی کو بھی رسائی نہیں ہوئی۔

(۲) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر خدا سے ہم کلامی کا شرف

---

(۱) نشر الطیب میں جو میرے پیش نظر ہے اس میں سن طباعت تحریر نہیں ہے اس لئے اس مضمون میں جہاں بھی نشر الطیب کا حوالہ آیا ہو اس کو مذکورہ سیرت کے کسی بھی ایڈیشن میں فصل بارہویں میں ملاحظہ فرمائیں جو واقعہ معراج شریف کے بارے میں ہے۔

حاصل ہوا اور احکام عشرہ عطاء ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت سے کچھ ہی پہلے معراج ہوئی اور عرش الٰہی تک رسائی ہوئی اور آپؐ نے نور عظیم کو دیکھا اور آپ کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور نماز پنجگانہ کا تحفۂ خاص عطا ہوا۔

(۳) معراج، رات میں ہوئی، رات کی تخصیص میں یہ حکمت تھی کہ عادۃً وہ وقت خلوت کا ہوتا ہے اس میں بلا ناد لیل ہے زیادت اختصاص کی(۱)

(۴) آپ کی معراج بجسد عنصری اور بحالت بیداری تھی، یعنی آپؐ نے اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں کی سیر کی اور یہ سیر خواب میں نہیں بیداری کی حالت میں ہوئی اس سلسلہ میں صاحب سیرۃ النبی نے سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ (الف) اسریٰ بعبدہ میں لفظ عبد ہے جس کا اطلاق جسم وروح دونوں پر ہوتا ہے۔

(ب) آپ براق پر سوار ہوئے اور آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا سوار ہونا اور پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں۔

(ج) یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار اس کی تکذیب نہ کرتے۔

(د) قرآن کریم نے اس مشاہدۂ معراج کو لوگوں کے لئے آزمائش بتایا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔

اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اس میں آزمائش کی کیا چیز تھی؟(۲) صاحب قصص القرآن نے (۳) یہ نکتہ نکالا ہے کہ کفار اس واقعہ کو بحالت بیداری وبجسد خاکی سمجھ کر سوالات کررہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس سمجھ کی تردید نہیں فرمائی بلکہ ان کے سوالات کے جوابات دے کر انہیں لاجواب بنادیا(۴)

سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی بعض عقل پرستوں (بلکہ عقل کے اندھوں) کو اس واقعہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ فوق الفطرت بات کیسے ہوئی؟ اس بارے میں بس اتنی بات کہنی ہے ؎

---

(۱) نشر الطیب فوائد حکمیہ ہشتم ص:۶۸۔ (۲) سیرۃ النبی ج:۳، ص:۳۳۲-۳۳۵ تلخیصاً۔
(۳) قصص القرآن ج:۴، ص:۳۵۴۔ (۴) تفصیل کے لئے دیکھئے سیرۃ المصطفیٰ ج:۱، ص:۳۱۳۔

سفر سے چاند کے واپس ہوا ہے منکر معراج
عقل نے کھائی ہے شکست بڑے غرور کے بعد

تمام صحابہؓ تابعین اور سلف صالحین کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور کو جسد مبارک کے ساتھ بحالت بیداری معراج ہوئی۔

(۵) اللہ تعالی نے اس واقعہ کے ذکر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کو ذکر فرمایا ہے شان نبوت ورسالت کو نہیں اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(الف) نبوت ورسالت کے معنی خدا کی طرف سے بندوں کی طرف آنے کے ہیں یہاں بندہ سب کچھ چھوڑ کر اپنے آقا کی جانب جارہا ہے اس لئے وصف عبدیت کا ذکر ہوا۔

(ب) صاحب سیرۃ المصطفیٰ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب اور کونسی صفت زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا صفت عبدیت اس لئے اللہ تعالی نے جب یہ سورۃ نازل فرمائی تو اسی پسند کردہ صفت کے ساتھ نازل فرمائی(۱) واقعتاً صفت بندگی بندہ کے حق میں ایک نعمت کبریٰ ہے اسی لئے اقبال نے فرمایا ہے۔

متاع بے بہا ہے درد وسوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

(ج) "عبد" (بندہ) کا لفظ اس لئے بھی اختیار فرمایا گیا کہ کہیں ناقص عقل والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج آسمانی کی وجہ سے خدا نہ خیال کر بیٹھیں۔

(۶) اسی واقعۂ معراج کے ضمن میں ایک معجزہ پیش آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں بیت المقدس جاکر واپسی کی بات ارشاد فرمائی تو بعض بیت المقدس کو دیکھے ہوئے لوگوں نے بطور امتحان کئی سوالات بیت المقدس کے بارے میں کئے۔ ظاہر ہے کہ جس نبیؐ نے بیت المقدس میں تھوڑی دیر توقف فرمایا ہو اور اس مختصر وقت میں عبادت الٰہی اور امامت انبیاء کے کارہائے عظیم میں منہمک رہا ہو ان کو اس بات کی فرصت ہی کہاں تھی اور ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ بیت المقدس کے درودیوار گنتے۔ وہ بیت المقدس کی سیر کو تو نہیں گئے تھے عقل کے اندھوں نے یہ نہ سوچا کہ تھوڑی دیر کے

(۱) تلخیصاً سیرۃ المصطفیٰ ج:۱، ص:۳۱۴

توقف کی بات وہ بھی دن کی نہیں رات کی بات، حضورؐ کس طرح بیت المقدس کو پوری طرح دیکھ سکتے، بہر حال انہوں نے سوالات کی بوچھار کردی۔ معاملہ چونکہ امتحان کا تھا اور حضور کے قول کے سچ ہونے کا تھا اس لئے اللہ تبارک وتعالی نے بیت المقدس کو آپکی نظروں کے سامنے کردیا۔ اُسے دیکھ دیکھ کر آپؐ نے ان کافروں کے تمام سوالوں کے جواب دیئے۔

(۷) اسی واقعہ کے ضمن میں ایک اور معجزہ جس شمس کا پیش آیا مکہ کے معاندین نے کہا کہ راستہ کا کوئی واقعہ بتاؤ۔ یہ اسی طرح کی بات تھی کہ ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے سے راستہ کے کسی واقعہ کو پوچھا جائے۔ لیکن چونکہ اللہ جل جلالہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق مقصود تھی اس لئے راستہ کے واقعہ سے بھی آپ کو باخبر کردیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ راستہ میں ایک قافلہ ملا تھا جو شام سے مکہ واپس آرہا تھا اس کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جو بعد میں مل گیا۔ تین دن کے بعد وہ قافلہ مکہ پہنچے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بدھ کی شام تک وہ قافلہ مکہ پہنچ جائے گا۔ بدھ کا آفتاب غروب کے قریب تھا لیکن وہ قافلہ نہیں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی اللہ تعالی نے کچھ دیر کے لئے آفتاب کو روک دیا یہاں تک کہ وہ قافلہ آپ کی خبر کے مطابق اسی شام مکہ پہنچ گیا۔(۱)

(۸) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانیؓ کے مکان میں آرام فرمارہے تھے کہ یکایک چھت پھٹ پڑی، جبرئیل آمین تشریف لائے اور حضورؐ کو جگایا چھت کی طرف سے آنے کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب آسمانوں کا سفر کرکے رب عرش عظیم تک تشریف لے جانا ہے(۲)

(۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حطیم سے اٹھا کر فرشتے بیر زمزم پر لے گئے اور آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کرکے قلب مبارک کو زمزم سے دھویا اور اس میں ایمان وحکمت کو بھرا اور پھر ٹھیک کردیا۔ شق صدر کئی بار ہوا ہے اور ہر بار کی حکمتیں کیا ہیں اس کو علماء سیر نے اپنی اپنی جگہ تحریر فرمایا ہے اس موقع پر شق صدر اس لئے کیا گیا تھا کہ اس میں صفات ملکوتی سے بھی آگے کی کسی "قدر" کو اس میں بھر دیا گیا تھا کہ سیر ارضی وسماوی اور

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج:۱، ص:۳۱۱

(۲) یہاں پر صاحب سیرۃ المصطفیٰ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ شق صدر کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کا سینہ اسی طرح کھولا جائے گا اور پھر سی دیا جائے گا۔

دیدارِ خداوندی کی استعداد پیدا ہو جائے۔

(۱۰) ملائکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے آبِ زمزم سے دھویا حالانکہ کوثر سے بھی پانی لایا جاسکتا تھا بعض علماء کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آبِ زمزم اس سے افضل ہے(۱)

(۱۱) آبِ زمزم زریں طشت میں لایا گیا تھا سونے کے طشت کے استعمال کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "تحریم ذہب" (سونا استعمال کرنے کی ممانعت) مدینہ منورہ میں ہوئی تھی مکہ میں نہیں (فتح الباری)۔دوسرے معراج از قبیل امور آخرت تھی اور آخرت میں سونے کا استعمال جائز ہوگا۔ تیسرے سونے کے طشت کو آپؐ نے استعمال نہیں کیا تھا بلکہ ملائکہ نے استعمال کیا تھا اور فرشتے اس حکم کے مکلف نہیں۔(۲)

(۱۲) آپؐ کے شانوں کے درمیان نبوت کی ایک حسّی علامت "مہر نبوت" لگائی گئی تاکہ آپؐ کی تصدیق آسان ہو۔

(۱۳)(الف) معجزہ سے ہدایت ملے یہ ضروری نہیں ہوتا ہے معجزہ تو صرف نبی کے برحق ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ سلیم الفطرت معجزہ کے بعد نبی کو نبی تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان حقیقی کے حامل ہوتے ہیں انھیں معجزہ کی ضرورت نہیں وہ معجزہ کے بغیر ہی ایمان لے آتے ہیں جیسے بے شمار صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو معجزہ کے مطالبہ کے بغیر ایمان لے آئے۔

(ب) باطل پرست معجزہ کے بعد بھی اپنے کفر و انکار پر قائم رہتے ہیں جیسے قریش مکہ اپنے کفر پر قائم رہے۔

(ج) معجزہ ایمان والوں کے لئے جلاء قلبی کا سامان ہوتا ہے لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا تمہارے دوست (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے واپس آگئے۔ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرو گے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ نے فرمایا ہے تو میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہوں اور یہ تو کوئی بات نہیں اس سے بھی بڑھ کر آپ کی بیان کردہ آسمانی خبروں کی میں صبح و شام تصدیق کرتا ہوں ----" کہتے ہیں کہ اسی روز سے حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق ہو گیا"(۳)

---

(۱) نشر الطیب ص: ۳۳۳ (۲) ایضاً (۳) سیرۃ المصطفیٰ ج:۱، ص: ۳۱۳، بحوالہ الخصائص الکبریٰ ج:۱ ص: ۱۷۶

(۱۴) مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اقصیٰ کے معنی عربی میں بہت دور کے ہیں چونکہ وہ مسجد مکہ سے بہت دور ہے اس لئے اقصیٰ کہا گیا۔

(۱۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ مقامات شریفہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے بشرطیکہ اس مقام سے کسی مخلوق کی تعظیم مقصود نہ ہو خوب سمجھ لو نازک بات ہے۔(۱)

(۱۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت المقدس پہنچے تو براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس حلقہ سے انبیاءؑ اپنی سواریوں کو باندھتے تھے۔ براق آپ ہی کے لئے لایا گیا تھا اس کے کہیں جانے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ نے اس کو کس لئے باندھا؟ علماء فرماتے ہیں کہ اسباب کا اختیار کرنا بھی مستحسن ہے۔ لیکن بھروسہ خدا پر رکھے توکل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے مسبب الاسباب کے یقین کے ساتھ۔

(۱۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب براق پر سوار ہوئے تو براق نے شوخی کی علماء فرماتے ہیں کہ یہ شوخی غضباً نہیں بلکہ طرباً تھی۔ جبرئیلؑ کے ذریعہ آپؐ کے مرتبہ کی تجدید استحضار د تنبیہ سے خجل ہو کر براق ساکن ہو گیا۔(۲)

(۱۸) حضور اقدس ﷺ کا سفر بیت اللہ سے آسمانوں کی طرف کرانے کے بجائے پہلے بیت المقدس تک کرایا گیا اس کی جو وجہ صاحب سیرۃ النبی نے بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحب زادے تھے ایک حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے حضرت اسحاقؑ حضرت اسحاق کے صاحب زادے حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اس لئے حضرت اسحاق کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور حضرت اسماعیل کی اولاد بنی اسماعیل کہلائی حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں جتنے نبی پیدا ہوئے ان کا قبلہ بیت المقدس تھا اور اس کی تولیت فرزندان اسحاقؑ کو عطا ہوئی تھی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں جو نبی پیدا ہوئے ان کا قبلہ بیت اللہ خانہ کعبہ تھا اور اس کی تولیت فرزندان اسماعیلؑ کو عطا ہوئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیل دونوں ہی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو وراثت دو حصوں میں بٹ گئی تھی وہ حضور کی بعثت سے پھر یکجا ہو گئی۔ آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت عطاء

(۱) نشر الطیب ص: ۶۵ (۲) ایضاً ص: ۳۴

ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو مسجد اقصیٰ لیجا کر اور تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کروا کر گویا اس بات کا اعلان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت عطا کی گئی ہے اور آپ ﷺ نبی القبلتین ہیں۔(۱)

(۱۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کے امام بنائے گئے ثابت ہوا کہ امامت افضل القوم کی افضل ہے۔(۲)

(۲۰) بیت المقدس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کی امامت فرمائی اور سب نبیوں نے آپ کی اقتداء کی۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اب قیامت تک صرف شریعت محمدیؐ ہی چلے گی اور نجات اسی شریعت کی پیروی مین ہے۔

(۲۱) صاحب سیرۃ المصطفیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمائی اور انبیاء علیہم السلام نے خاموشی کے ساتھ اس کو ساعت فرمایا اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ قرأت خلف الامام کے قائل نہیں۔(۳)

(۲۲) مسجد اقصیٰ سے باہر آنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ کے، شراب کے، پانی کے اور شہد کے پیالے پیش کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو نوش فرمایا۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اس طرح فطرت کو دودھ کے رنگ میں اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرا لیا گیا۔(۴)

بیت اللہ سے بیت المقدس کے سفر کے دوران اور پھر آسمانوں کے سفر کے دوران جتنے واقعات مذکور ہوئے وہ بھی اسی طرح عالم مثال میں دکھائے گئے ہیں۔

(۲۳) مسجد حرام سے بیت المقدس کے سفر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت

---

(۱) نشر الطیب ص:۶۲۔
(۲) سیرۃ النبی ج:۳، ص:۵۵-۲۵۳ ملخصاً
(۳) دیکھئے سیرۃ المصطفیٰ ج:۱، ص:۳۱۶۔
(۴) کتنے پیالے پیش کئے گئے اس بحث کے لئے سیرۃ المصطفیٰ کی طرف مراجعت کی جائے ج:۱، ص:۲۹۹۔ بحوالہ زرقانی ج:۶، ص:۷۴۔

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ دیگر تمام انبیاء کے ساتھ انہیں تینوں نبیوں سے بیت المقدس میں بھی ملاقات ہوئی۔ اور انھیں تمام انبیاء میں سے آٹھ انبیاء سے آسمانوں میں بھی ملاقات ہوئی تو یہ حضرات انبیاءؑ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہاں کیسے پہنچے؟ اس کے مفصل دلائل تو سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں ہمیں تو یہاں بس اتنی بات عرض کرنی ہے کہ یہ بات بالکل ایسی ہی جیسے کہ کسی شہنشاہ کا گذر کسی جگہ سے ہوتا ہے تو اس کے استقبال کے لئے رعایا شہنشاہ کی سواری گذرنے سے پہلے وہاں پہنچ جاتی ہے یہ امر تقاضۂ استقبال سے تعلق رکھتا ہے امر فضیلت سے نہیں۔ رعایا کا پہلے پہنچنا اس کی اپنی فضیلت نہیں ہے بلکہ شہنشاہ کی فضیلت ہے۔(۱)

(۲۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ سے کمر لگانا یا قبلہ کی طرف پشت پھیر کر بیٹھنا جائز ہے، اگرچہ ہمارے لئے ادب یہی ہے کہ بلاضرورت ایسا نہ کریں۔(۲)

(۲۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرات انبیاء علیہم السلام سے جو ملاقاتیں کرائی گئیں اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بھی ان حضرات کی طرح حالات پیش آئیں گے۔

(۲۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام وصف خلہ سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وصف تکلیم سے مشرف تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وصف خلہ کا وہ مقام نہیں مل سکا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی میں بلاکر عطا کیا گیا تھا۔

(۲۷) حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہوتا ہے تو اس کو "نِدا" سے (نادی) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرش بریں پر مخاطب ہوتا ہے تو اس کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے (فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ) اہل علم جانتے ہیں کہ ندا اور وحی میں فرق مراتب لیا ہے بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت گاہ خداوندی میں بربنائے وصف تکلیم جو

---

۱) تفہیم کے لئے یہ مثال پیش کی گئی اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ دیگر انبیاء کو رعایا کے درجہ میں پیش کیا گیا۔
۲) نشر الطیب ص: ۴۳

کچھ مقام ناز ملا ہو وہ نیاز سے خالی نہیں ہے اور یہی شان عبدیت ہے بہر کیف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کے مقام خلہ اور حضرت موسیٰؑ کے مقام تکلیم دونوں ہی کے حامل ہیں۔

(۲۸) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجلیات ربانی کا مشاہدہ کیا اور صرف ایک نظر نہیں بلکہ پتہ چلتا ہے کہ سیر چشم ہو کر کیا، ورنہ ایک تجلی حضرت موسیٰ کو بے ہوش کردے اور حضرت جبرئیل کے پر جلادے۔(۱)

(۲۹) اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ "موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟" اس کلام خدا سے لذت آشنا ہو کر حضرت موسیٰؑ نے اپنے کلام کو طول دیا تھا کہ "یہ عصا ہے یہ میرا ہے اور میں اس سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں۔" ع

لذیذ بود حکایتے دراز تر گفتم

اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو خود طول دے رہا ہے۔فَاَوْحَىٰ اِلىٰ عَبْدِهٖ مَآ اَوْحَىٰ۔

(۳۰) حضرت ابوہریرہؓ کی جو طویل حدیث "دیگر عطیات جات کے عنوان کے تحت اس سے پہلے درج کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف القاب سے نوازا گیا۔ آپؐ خلیل و حبیب ہیں اور آپؐ بشیر و نذیر ہیں۔ آپؐ ارفع و اعلیٰ ہیں آپؐ صاحب کوثر ہیں اور آپؐ فاتح و خاتم ہیں۔

(۳۱) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے امت محمدی کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ امت تمام امتوں میں فضیلت والی ہے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الامم ہے۔ یہ امت متوسطہ، عادلہ اور معتدلہ ہے یہ امت اولین و آخرین ہے اور اس امت کے بعض ایسے برگزیدہ حضرات ہونگے کہ ان کے دل ہی انجیل ہونگے۔

(۳۲) معراج کے موقع پر سب سے بڑی بشارت امت کو جو دی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہ بھی درگذر فرمائے گا بشرطیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو جو چیز سب سے زیادہ محبوب ہے وہ توحید ہے اس کی ذات یا صفات میں

---

(۱) رحمۃ للعالمین ج: سوم ص: ۱۳۵۔ نیز صاحب سیرۃ المصطفیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے سیرۃ المصطفیٰ ج: ۵ ص: ۳۲۲۔

کسی کو شریک کرنا خدا کو سب سے زیادہ غصہ دلانے والی بات ہے اللہ تعالیٰ کا قطعی اور حتمی وعدہ قرآن مجید کے اندر بھی موجود ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ

(سورۃ النساء آیت ۱۱۶ و ۴۸)

اللہ تعالیٰ شرک کو تو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا ہاں اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا اللہ جسے چاہے معاف فرمادے۔ خدا اعمال کے بگاڑ کو معاف کرسکتا ہے لیکن ایمان ویقین کے بگاڑ کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔

کبیرہ گناہوں کی معافی کی بشارت پر کوئی مغالطہ میں نہ پڑے کہ ایمان ہے تو کافی ہے اعمال کی ضرورت کیا؟ اس واقعۂ معراج میں مختلف بداعمالیوں کی سزاء اور اعمال خیر کی جزا بھی تمثیلی پیرائے میں دکھائی گئی ہے اسلئے ایمان کے ساتھ اعمال خیر کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

(۴۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی امت دکھائی گئی جو تمام امتوں میں زیادہ تھی اور ان کے علاوہ ستر ہزار کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہونگے جو داغ نہیں لگاتے۔ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات عالی وصفات عالیہ کا یقین نصیب فرمائے آمین۔

(۴۴) معراج کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش اعظم تک سیر کرائی گئی۔ عارفین کا قول ہے کہ عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تمام کائنات عرش پر ختم ہوجاتی ہے کتاب وسنت سے عرش کے بعد کسی مخلوق کا وجود ثابت نہیں اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہیں (۲)

(۱) نشر الطیب ص: ۳۸ بحوالہ ترمذی
(۲) سیرۃ المصطفیٰ ج: ۱، ص: ۲۸۹

فاروق اعظمؓ اور موجودہ نظام حکومت

عبقریت عمرؓ کے حوالے سے

پروفیسر بدرالدین الحافظ

کسی بھی نظام سلطنت پر غور کرنے کے لیے گذشتہ صدیوں کی حکومتوں اور ان کے سربراہوں پر نگاہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے تاکہ موجودہ دور سے اس کا موازنہ کیا جاسکے اور ہر حکومت کی بھلائی برائی خیر وشر کو الگ پرکھا جاسکے۔ خاص طور پر یہ بھی کہ کس نظام حکومت کے بنیادی اصولوں میں انسانی روح کے تقاضوں اور فرد کی آزادی کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے اور اپنے اصول وضوابط ترتیب دیتے وقت انسانی نفسیات کی کتنی رعایت کی گئی ہے۔ کتنا کس نے ملحوظ رکھا اور کتنا نظر انداز کیا ہے مثلاً حکومت کی بہت سی قسموں میں ایک شہنشاہیت یا جمہوریت ہے اس میں عوام یا جمہور کی رعایت ہو تو ہو مگر عدل اور حریت فرد کا کتنا خیال رکھا گیا ہے جبکہ بنیادی طور پر یہی انسانیت کی روح ہیں۔ کیونکہ کسی بھی طرز حکومت میں اگر انصاف اور فرد کی آزادی نہیں ہے تو بے کار ہے چاہے انقلاب فرانس کے بنیادی اصول یا انگریزی سلطنت کے عظیم معاہدے یا امریکی دستور اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔

اب ایک دوسرا سوال خود ہمارے لیے ہمارے سامنے ہے آج ہم جب موجودہ عظیم حکومتوں اور ان کے نظام سلطنت سے متاثر ہوکر سوچتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر آج کی حکومتیں اور اصحاب حکومت پہلی صدی ہجری یا پہلی صدی

عیسوی میں ہوتے تو کیا کرتے، کیا یہ وہی نظام قائم کرتے اس سلسلہ میں ان کے مخالف وموافق جواب پر ہمیں برا بھی نہیں ماننا چاہیے مگر قابل غور بات صرف یہ ہے کہ ہم موجودہ نظام سے کیا توقع کرتے ہیں اور ہمارا قیاس درست بھی ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ آج کے نظام سلطنت پر ہمارا بری طرح فریفتہ ہو جانا کیا درست ہے، جبکہ یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ ہمارا دور خیر القرون کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم حسین کو حسین سمجھنے اور قبیح کو نا قابل قدر قرار دینے پر بھی متفق نہیں ہیں صرف معاملہ یہ ہے کہ ہم اپنے دور کی الفت وانسیت سے مسحور ہیں اور قدیم دور کی تصاویر کو عجیب وغریب یا تعجب خیز سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ذرا یورپ کے لٹریچر میں رنگ برنگی ابھرتی تصاویر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں قدیم دور کی قیصر وکسریٰ اور کلوپطرہ کے زرق برق لباس اور بڑی بڑی ٹوپیاں مسحور کر دیتی ہیں اور ان کی عظمت میں ہم کھو جاتے ہیں مگر کبھی اس ظاہری حسن وجمال رنگ روغن کی تہہ تک جھانکنے کی کوشش نہیں کرتے نہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس خوبصورت چھلکے کی تہہ میں گودا کیسا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خوبصورت تصاویر صرف دل بہلانے اور ظاہری تسلی کا ذریعہ ہیں اس کی گہرائی میں کچھ نہیں ہے۔ اور اگر ہم اس کے گودے کی قدر وقیمت کو پرکھنے کی کوشش کریں گے تو ہمارا تعجب اور تاثر سب پھیکا پڑ جائے گا۔

آیئے اب ذرا ہم حضرت عمر بن الخطاب کے نظام حکومت پر نظر ڈالیں اور گہرائی سے اس کا چھلکا اٹھا کر گودے کی اہمیت کو سمجھیں تو یقیناً موجودہ حکومتوں کے لیے ہمارا استعجاب یا قیصر وکسریٰ کی چکا چوند کر دینے والی سلطنتیں اور ان کے بارے میں بلند بانگ دعوے سب کھوکھلے دکھائی دیں گے۔ ذرا تصور کیجیے وہ شخص جو اپنے دور کا مالک اور حاکم تھا جس کی دسترس میں سب سیاہ وسفید تھی وہ موٹا جھوٹا لباس پہنے، فقیروں کی طرح زمین پر سوئے، وہ بیت المال کے اونٹوں کی اپنے ہاتھ سے دوا دارو کرے اور مختلف سلاطین کے قاصد جب آئیں تو اسے زمین پر سویا دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں۔ وہ شام جاتا ہے تو اپنے اونٹ سے اتر کر جوتے اتار لیتا ہے اور اونٹ کو ساتھ لیے پانی میں گھس جاتا ہے وہ اپنے خادم کے ساتھ سفر کرتا ہے تو خادم کے اور اپنے کھانے پینے میں کوئی فرق نہیں کرتا لیکن آج ہمارے زمانہ کا حاکم قطعاً اس ہیئت، شکل وصورت اور ظاہری سادگی کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے کوئی مطالبہ کرتا ہے کہ ایسا کرے کیونکہ قوم کے سردار کا بارعب اور پرہیبت ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ

ہمارا نقطۂ نظر ہے اور فاروق اعظمؓ کا نظریہ اس سے مختلف ہے وہ ایک فقیرانہ زندگی کے عادی تھے اور ان کے نزدیک ان کی قوم اور دوسری قوموں کا خوف زیادہ اہم تھا سلاطین اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ جو محلوں میں عیش کی زندگی گزارتے تھے کیونکہ ایک آدمی کی عملی قوت اس کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے تمام قوتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اس لیے ان کی فقیرانہ زندگی ان کے استحکام اور مضبوطی کے لیے زیادہ مؤثر تھی اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ فاروق اعظمؓ خود اپنے لیے جس طرز زندگی کو پسند کرتے تھے دوسروں کو اس کے لیے مجبور نہ کرتے تھے بلکہ ان کا معمول یہ تھا کہ جس چیز اور جس مقدار کا جو مستحق ہے اسے وہی دیا جائے اس میں مختلف مناصب اور عطیات سب ہی شامل ہیں اور ہر عمل میں فرق مراتب ہے چنانچہ جب قحط کے زمانہ میں انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو تقسیم کیلئے ذمہ دار بنایا تو خود ان کو ایک ہزار دینار عطا کیا اور اصرار کیا کہ اسے قبول کریں۔ اسکے علاوہ جب لوگوں کو ولایت تقسیم کی تو ہر ایک کا اسکی حیثیت کے مطابق وظیفہ مقرر کیا اس کے علاوہ عام مسلمانوں کے وظائف میں بھی اسے شامل رکھا۔

اس سلسلہ میں فاروق اعظمؓ کا یہ انداز فکر بھی جداگانہ تھا کہ عطیات کی مساوی تقسیم ہو اس موضوع پر انہوں نے صدیق اکبرؓ کے طریق عمل کی پیروی نہیں کی بلکہ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں لڑے ان صحابۂ کرام کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں جو حضور کے ہمراہ دین کی سربلندی کے لیے لڑے آپ نے کہا ہم ان لوگوں کو عام مسلمانوں سے کیسے برابر کرسکتے ہیں جنہوں نے دو ہجرتوں میں حصہ لیا اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔

اس کے علاوہ جہاں تک ظاہری رعب اور وضعداری کے قائم رکھنے کا تعلق ہے تو حضرت عمرؓ نے کبھی اپنے حاکموں کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا کہ وہ ضرورت اور ماحول کے مطابق اپنا لباس اور ظاہری شکل و صورت اختیار نہ کریں نہ ان کے طور طریقہ پر کبھی مواخذہ کیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے مقرر کردہ حاکم اور والی بھی کسی حیثیت سے ایسے نہ تھے کہ عام لوگ ان پر نکیر کریں یا مواخذہ کی نوبت آئے۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہ سوچیں کہ فاروق اعظمؓ کی ظاہری شکل و صورت اور سادگی کا ان کے افکار واخلاق پر بھی اثر ہوگا تو یہ قیاس حقیقت سے میل نہیں کھاتا اور حیرت انگیز بات یہی ہے کہ ان کا حال اس کے برعکس

تھا وہ ایک فوجی اور عسکری کی مانند تھے انہوں نے اپنے لیے جو موقف اختیار کیا وہ یہ تھا کہ گویا وہ ہر وقت ہر لحہ خداوند قدوس کے روبرو کھڑے ہیں وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ باری تعالی جہاں شدید ترین احتسابی قوت کے مالک ہیں وہاں وہ رحیم و کریم بھی ہیں لیکن ایک قوی الجسم فوجی جب اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو صرف رحم و کرم اور عفو و بخشش کا طلب گار نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اپنے اعمال اور فرائض منصبی کی تعمیل حکم میں توفیق الٰہی کا خواہشمند ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض اور واجبات کو کما حقہ ادا کر سکے۔ پھر اس شخص کا معیار تو یہ تھا کہ حقوق اللہ کی تکمیل کے علاوہ حق رفاقت بھی مکمل ادا ہو جس کی ذمہ داری نبی کریمؐ اور صدیق اکبرؓ کی طرف سے ان پر لازم ہے اور حق رفاقت کا ایک ضروری حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے سابقین سے بہتر زندگی گزارنے اور اعلیٰ درجہ کی معیشت اختیار کرنے کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔ انہوں نے کبھی اپنے لیے کسی ایسی چیز کو جائز نہ سمجھا جو سابقین کے نزدیک مباح نہ تھی۔

ان سے قرابت رکھنے والے اصحاب نے انہیں ہمیشہ سمجھانے کی کوشش کی کہ زندگی کے وسائل میں قدرے وسعت اختیار کرنا حق کے خلاف نہیں ہے مگر آپ نے فرمایا میں نے تمہاری نصیحتوں کو سن لیا مگر میں نے اپنے دو ساتھیوں کو اوسط درجہ کے راستہ پر چھوڑا ہے اس لیے میں اگر ان کے راستہ کو ترک کر دوں تو ان کی منزل کو کیسے پاسکوں گا۔ اسی طرح جب بھی ان کے قرابت دار یا خاص طور پر ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ والد صاحب کو وسعت اختیار کرنے کا مشورہ دیتیں تو آپ فرماتے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ان نعمتوں کی کس قدر فراوانی دیکھی ہے۔ تم تو اس سے اچھی طرح واقف ہو بس ان کا سوال خود جواب بن جاتا۔ اور اس عملی روش کے اختیار کرنے میں فاروق اعظمؓ کے والیوں اور افسروں دوستوں کے لیے ایک حجت اور مثال بھی قائم کرنا تھا کہ وہ اپنے خلیفہ کے عمل کو سامنے رکھ کر فراوانی اور دولت مندی حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اور قناعت کا دامن تھامے رہیں۔

فاروق اعظمؓ اور مروت

مروت یا اردو میں مروت آداب جمیلہ اور اخلاق حسنہ کے اظہار میں استعمال ہوتا ہے یعنی اگر کوئی انسان دوسروں کے ساتھ اخلاق و آداب کا برتاؤ کرتا ہے وہ بامروت

کہلاتا ہے فاروق اعظمؓ عوام کی اس جانی پہچانی اور پسندیدہ مروت سے ناواقف نہ
مگر عوام اس مفہوم سے ناواقف تھے جو حضرت عمرؓ کے ذہن میں تھا آپ کے نزدیک مر
کی دو قسمیں تھیں ظاہری اور باطنی، ظاہری ان کے خیال میں لباس فاخرہ سے تعبیر تھ
باطنی سے عفت و عصمت اور پاکدامنی مراد تھی۔ اس مفہوم کے پیش نظر فاروق اعظ
حیات مقدسہ اسی کا آئینہ دکھائی دیتی وہ جب بھی دوسروں کا محاسبہ کرتے تو جانچ پرکھ
کا پورا حق ادا کرتے مگر دوسروں کے مقابلے میں اپنا محاسبہ کرتے تو اس میں زیادہ شدت
تاکہ غیروں کو کسی شک شبہ کا موقعہ نہ ملے اور اپنے اوپر شدت اختیار کرنے کو وہ یوں
مناسب سمجھتے تھے کہ ان میں ہر کام کی صلاحیت اور سکت تھی ان کے لیے کوئی مشکل
عمل اختیار کرنا کوئی ناگواری کا سبب نہ تھا۔ اس کے بعد ذرا موجودہ دور کی حکومتوں
کیجئے لوگ فاروق اعظمؓ کی عسرت بھری زندگی کو حیرت اور تعجب کی نگاہ سے تو دیکھتے
تعریف کرتے ہیں اور اپنے حاکموں کی بڑی عزت افزائی کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں
حضرت عمرؓ کی زندگی کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں اور ان کے طریقوں کو قابل تقلید
دے رہے ہیں مگر ذرا یہ بھی تو دیکھئے کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ بس چند موقعوں پر ہی یاد آ
مثلاً قحط کے زمانہ میں سنا جاتا ہے کہ ہمارے حکمراں بھی عوام جیسی معمولی غذا پر گذر بسر کر
ہیں یا جنگ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کو یاد کیا جاتا ہے جب غذا پر پابندی عائد کرنی ہو
جیسا کہ ابھی گذشتہ جنگوں میں دیکھا گیا اور اخبارات حکمراں طبقہ کی تعریف سے بھ
پڑے تھے کہ آج کل ہمارے حاکم عوام جیسی معمولی غذا کھا رہے ہیں اور عیش و عشرت کو
کر دیا ہے غذائی سامان میں راشننگ کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کی اتباع میں
ہے لیکن حقیقت کیا ہے یہ اصل میں حالات کی شدت نے انہیں مجبور کیا ہے کہ اس
کے قوانین نافذ کریں چاہے اس کے پس پشت دولت کے خزانے اور نعمتوں کے ذخیر
ابل رہے ہوں۔

آج کل لوگ حاکموں اور صوبائی افسروں کی باز پرس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے
حالانکہ فاروق اعظمؓ کے دور میں یہ عمل جاری تھا آپ کا معمول تھا کہ والیوں کو بھی
جرم پر ایسی ہی سزا دیتے جیسے عام آدمی کو دی جاتی۔ کسی بھی حاکم کی اولاد یا اس کے

واقارب سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو حاکم سے باز پرس فرماتے کیونکہ والی اور حاکم کی ڈھیل کی وجہ سے لوگ مملکت میں بے جا قوت کا استعمال کرنے پر جری ہو جاتے۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ والیوں کے مال ودولت کی جانچ پرکھ بھی کرتے رہتے اور اگر اس کی صحیح آمدنی سے زیادہ نظر آتا اور اس کا ذریعہ آمدنی واضح نہ ہو پاتا تو مواخذہ کیا جاتا۔ کیونکہ یہی طریقۂ کار عدل وانصاف کی ضمانت ہو سکتا تھا۔

آج کی حکومتیں اس طریقۂ کار کو نادر المثال سمجھتی ہیں کیونکہ وہ خود اس پر عمل کرنے کو نہ پسند کرتی ہیں نہ اس کی قدرت رکھتی ہیں۔ حالانکہ اس طریقہ کے بہتر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے مگر آج کی حکومتیں تو اپنے حاکم سے باز پرس کرنے کی بجائے اس کی حفاظت کرتی ہیں چاہے وہ کیسا ہی ظلم وجبر کا بازار گرم کرتا رہے۔ اور اگر کچھ مواخذہ کرنے کی نوبت آتی بھی ہے تو زیادہ سے زیادہ تبادلہ کر دیا جاتا ہے اس کے عمل کے بارے میں گفتگو نہیں ہوتی اور کچھ بھی ہو افسر کی حفاظت کی جاتی ہے اس عذر کے ساتھ کہ نظام سلطنت درہم برہم ہو جائے گا اگر ہمارے حاکم کو کسی چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ کو اس طرح کا کوئی خوف نہ تھا کیونکہ وہ خود ہر معاملہ میں مضبوط تھے۔ آج کی حکومتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے افسران کی پاسبانی کے لیے قانون اور دستور کو بالکل پس پشت ڈالدیتے ہیں چاہے افسران خالی ہاتھ اپنے منصب پر آئیں اور حکومت کو دیوالیہ کر کے باہر چلے جائیں۔ ایسی حالت میں فاروق اعظمؓ کے اصول زندگی کو حیرت کی نگاہ سے دیکھنا یا نادر الوقوع سمجھنا کوئی عیب کی بات نہیں۔ خود عیب دار تو یہ لوگ ہیں جو فاروق اعظمؓ کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اس کے علاوہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو فاروق اعظم کا طور وطریق ابتدائی وعہدوں سے زیادہ مختلف نہ تھا صرف عنوانات کی تبدیلی یا ئی تنظیم وتنسیق کہا جا سکتا ہے۔

فاروق اعظمؓ اور عوامی باز پرس

ایک مرتبہ فاروق اعظم ایک تنگ راستہ سے گزر رہے تھے، آپ نے ایاس بن ابی سلمہ کو دیکھا وہ چوڑائی میں زیادہ راستہ گھیر کر چل رہے تھے آپ نے ایک کوڑا مارا اور زور سے بولے اے ابن سلمہ ذرا راستہ سے ہٹ کر چل یعنی عام لوگوں کے لیے پریشانی پیدا

مت کر۔ اس واقعہ پر ایک سال گزر گیا اور پھر ایک مرتبہ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو فاروق اعظم نے ابن سلمہ سے سوال کیا۔ کیا تم نے اس سال حج کا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یا امیر المؤمنین۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور گھر لے آئے اور چھ سو درہم ان کے حوالے کرتے ہوئے بولے، لو ابن سلمہ یہ رقم تمہارے کام آئے گی۔ اور یہ تو اصل میں اس درے کی تلافی ہے جو گذشتہ سال میں نے تمہیں مارا تھا۔ ابن سلمہ بولے یا امیر المومنین میں تو وہ واقعہ بھول گیا تھا اب آپ نے یاد دلایا تو یاد آیا۔ آپ نے فرمایا مگر خدا کی قسم میں اسے نہیں بھولا ہوں۔ کیا آج کی حکومتیں اس واقعہ کو سامنے رکھ کر زندگی کے مختلف معاملات میں اور سرکاری ملازمین کے مسائل میں عمل کر سکتی ہیں۔ اور بالفرض ہمارے دور کا ٹریفک پولیس مین راستہ کی بھیڑ بھاڑ کو ختم کرنے کے لیے کسی مجرم کو سزا دیدے تو کیا اس دور کے حاکم اس سزا یافتہ کی کسی طرح تلافی کریں گے یا کچھ بدلہ دیں گے اور اگر دیں گے بھی تو یقیناً سرکاری خزانہ سے ہوگا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اپنے ذاتی مال سے یہ بدلہ دیا تھا جیسا کہ ابن سلمہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کو اپنے گھر لے گئے تھے اور اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ یہ رقم فاروق اعظمؓ کی ذاتی ملکیت سے نہ تھی تو اس واقعہ کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فاروق اعظم نے آخری وقت میں زخمی حالت اپنے ذمہ قرض کی رقم سرکاری خزانے کو ادا کر دی تھی اور انتقال سے قبل اس کا کامل یقین حاصل کر لیا تھا کہ اگر ایک درہم بھی ان کے قرض کا رہ جائے تو اس کا لین دین وارثوں اور عزیزوں سے کر لیا جائے کیونکہ حساب کتاب میں ہر وقت غلطی کا امکان رہتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک عورت کو کچھ عجیب لباس میں دیکھا تو اس کے بارے میں معلوم کیا، پتہ چلا کہ یہ فلاں کنیز ہے آپ نے اس کو کوڑے لگائے اور کہا کمبخت تو آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے۔ اس واقعہ میں موجودہ تہذیب کے علمبرداروں یا ڈینگیں مارنے والوں کو یقیناً ایک بہت وسیع میدان ہاتھ آجائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی مرضی کا لباس پہن کر جب چاہے، جہاں چاہے جانے کا حق ہے اس پر پابندی لگانا گویا حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن موجودہ تہذیب کے جہاں نثاران مشکوک عورتوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو اعلیٰ درجہ کی خواتین کا لباس زیب تن کر کے عام گھروں میں

جاتی ہیں۔ معزز خواتین سے ملتی ہیں اوران کے ساتھ بازاروں میں نکلتی ہیں کیا کوئی صورت ہے کہ ان مشکوک عورتوں کو عام شریف خواتین سے علیحدہ کیا جاسکے ؟ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے ایک شخص کو راستہ میں اترا کر چلتے ہوئے دیکھا یہ ایسی چال تھی جو شرفاء کو زیب نہیں دیتی۔ آپ نے اس کو اس بے راہ روی سے باز رہنے کا حکم دیا مگر اس نے اس سے نہ صرف انکار کیا بلکہ عدم استطاعت کا عذر بھی کیا۔اس جواب پر آپ نے کوڑے مارے مگر وہ مار کھاکر بھی اپنی روش پر قائم رہا آپ نے دیکھا تو دوبارہ کوڑے لگائے اور چھوڑ دیا بات آئی گئی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ اپنی مغرور چال کو چھوڑ چکا تھا، اور کہنے لگا یا امیر المومنین اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے آپ نے فرمایا تیرے ساتھ تو شیطان لگا ہوا تھا،اللہ تعالی نے تجھے اس سے نجات دی۔

یہاں پھر وہی شخصی آزادی کا سوال سامنے آتا ہے تو اس سلسلہ میں ایک ہی اصول سامنے رکھنا چاہیے کہ فاروق اعظمؓ کسی بھی ایسے /عمل کو برداشت کرنے والے نہ تھے جو قرآن کے خلاف ہو اور اس پر وہ کسی سزا کے دینے میں بھی گریز نہ کرتے تھے۔اور اس کا سب ہی مشاہدین کو اقرار تھا۔اس کے علاوہ زمین پر اترا کر چلنا تو قرآن کریم کی خلاف ورزی ہونے کے علاوہ ویسے بھی ایک ناپسندیدہ علامت ہے۔ لیکن آج کل تو اوامر ونواہی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک وہ احکام جن کی بازپرس یا محاسبہ قانون کی ذمہ داری ہے دوسرے وہ احکام جن کی بازپرس عوام میں مروجہ طریقہ پر عوام ہی کے سپرد ہوتی ہے اس کی روشنی میں عرف عام کے جرائم کی سزا عوام کی ذمہ داری ہے اس پر حکومت یا عدالت ذمہ دار نہیں ہے،اور عصر حاضر کی اس پر دلیل یہ ہے کہ قانونی چارہ جوئی اور محاسبہ غیر واضح اور غیر معین ہے پھر اس کی تصریح بھی آسان نہیں ہے اس کے علاوہ اگر اس بازپرس اور محاسبہ کا سلسلہ شروع بھی ہو جائے تو وہ ذاتی خواہشات اور اغراض و مقاصد کی تسکین کے لیے ہوگا اور جبر واستبداد کا دروازہ کھل جائے گا حکام اس معاملہ میں بالکل بے باک ہو جائیں گے۔اچھا ہمارے خیال میں عصر حاضر کا یہ عذر ابھرتا ہوا تو ضرور ہے لیکن یہ آج ہی کے دور میں ممکن بھی ہے۔ حضرت عمرؓ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا نہ ان لوگوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو فاروق اعظمؓ کے عدل وانصاف پر بھرپور اعتماد رکھتے تھے اور یہ بھی کہ عرف عام اور قانون کمل ان

کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر آج کا عرف عام لوگوں کی ذلیل حرکتوں اور بدکرداریوں پر محاسبہ شروع کرے اور قید و بند یا جرمانہ یا مار پیٹ کی سزا دینے پر اتر آئے اس سے قطع نظر کہ اس کا یہ قدم حق بجانب ہے یا غلط تو کیا عرف عام نتائج سے مامون و محفوظ ہوتے ہوئے بھی اس اصلاحی قدم سے انکار کرے گا؟ اگر بالفرض وہ انکار کرے گا تو اپنے انکاری فیصلہ میں ثابت قدم نہ ہوگا بلکہ فاروق اعظمؓ کا فیصلہ ہی درست قرار دیا جائے گا۔ اور فاروق اعظمؓ یا ان کے زمانہ کے عوام اپنے دور کے عدل وانصاف پر بھروسہ کرتے ہوئے صحیح اور درست ہوں گے۔ چاہے ہمارے لیے یہ قدم معیوب ہی کیوں نہ ہو اگر ہم بھی اس مثال کی اقتداء پر مطمئن ہو جائیں (کیونکہ ہمارا دور اور آج کے عوام فاروق اعظمؓ اور اس دور کے افراد کا ایمانی دل ودماغ نہیں رکھتے)

اسی طرح کا ایک واقعہ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے حطیہ شاعر پر ایک مرتبہ بہت غصہ کا اظہار کیا کیونکہ وہ لوگوں کی ہجو کیا کرتا تھا، آپ نے اسے سختی سے روکا تو وہ رونے چلانے لگا کہ میری تو روزی کا ذریعہ ہی ہجو نگاری ہے اگر چھوڑ دوں گا تو بچے بھوکے مر جائیں گے۔ آپ نے پہلے تو اسے دھمکایا کہ تیری زبان کاٹ دوں گا مگر پھر رحم آیا تو اس سے معاملہ کی گفتگو کی اور تین ہزار درہم لے کر وہ ہجو چھوڑنے پر تیار ہو گیا اس طرح عوام کو اس کی بدزبانی سے نجات ملی اور فاروق اعظمؓ کی وفات تک اس نے ہجو نگاری نہیں کی۔ آپ کی وفات کے بعد پھر شروع کردی۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حکومتوں کے اکاؤنٹس افسر اور بنک منیجر یقیناً حیرت کریں گے کہ حضرت عمرؓ نے جس کام کے لیے یہ رقم خرچ کی اسے کس سرکاری مد میں رکھا جائے۔ بجٹ میں کہاں دکھلایا جائے لیکن ان کی یہ حیرت زیادہ قائم نہ رہے گی جب وہ یہ دیکھیں گے کہ آج کے حکمراں ٹولہ کی حمد وثنا اور ان کے مخالفین کی مذمت میں کتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بس اتنا سوچ کر انہیں سکون حاصل ہو جائے گا۔ ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے جو درہم خرچ کیے وہ عوامی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے تھے یا اخلاقیات کے فروغ کی خاطر اس سے حاکموں کی ذاتی تسکین کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

فاروق اعظمؓ کے بارے میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملیں گی جن کو سن کر

آج کے لوگ اور حکمراں طبقہ حیرت میں پڑ جائے گا۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضرت عمرؓ مدینہ کے کسی راستہ سے گذر رہے تھے کہ آپ نے ایک گھر سے مرد عورت کی آواز سنی آپ فوراً دیوار پھاند کر اندر کود گئے وہاں دیکھا تو مرد عورت موجود ہیں اور ان کے قریب شراب کا پیالہ ہے۔ بس آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن خدا نے تو تمہاری پردہ پوشی کی ہے اور تم اس معصیت میں مبتلا ہو اس پر مرد نے جواب دیا اے امیر المومنین میں نے تو ایک گناہ کیا ہے اللہ کی ایک نافرمانی کی ہے اور آپ تین نافرمانیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تجسسوا کسی کی ٹوہ میں نہ رہو" اور آپ نے ہماری ٹوہ لگائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واتواالبیوت من ابوابھا" دروازوں سے گھروں میں داخل ہو۔ اور آپ دیوار پر چڑھ کر اندر کودے ہیں۔اس کے علاوہ فرمان خداوندی ہے لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا۔ تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں مین داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت طلب کرو اور گھروالوں کو سلام کرو۔ آپ نے اس کا بھی خیال نہ رکھا۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ اگر میں تمہیں معاف کردوں تو تم کوئی نیک عمل کروگے یا تمہارے پاس کوئی عمل خیر ہے اس شخص نے کہا ہاں ہے میں اب کبھی شراب نہ پیوں گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے معاف کیا۔

اب ذرا یہ بتایئے کہ عصر حاضر کی ڈینگیں مارنے والی ترقی یافتہ تہذیب تو یقیناً اس واقعہ پر تمسخرانہ انداز میں ایک گونہ سکون حاصل کرے گی کہ یہ ہیں وہ دیہاتیوں پر حکومت کرنے والے گنوار پہلے ٹوہ لگانا پھر باز پرس کرنا اور اس کے گھر میں دیوار کود کر اتر جانا۔ لیکن ہمارے خیال میں آج کی قانونی چارہ جوئی کے طول طویل سرکاری طریقہ کار اور مقدمہ بازی کے تھکا دینے والے طول العمل قانون کو اس واقعہ میں آکر پناہ ڈھونڈنی چاہیے جس ترقی یافتہ طریقہ کو ہم بڑے فخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیا اس واقعہ کے فوری فیصلے کو سامنے رکھ کر ہمارے موجودہ قوانین کوئی مثال پیش کریں گے۔ ہم آج کے قوانین پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کسی کے ذاتی کاموں کی نگرانی کرنا ممنوع ہے۔ کسی کے ذاتی خطوط کھول کر دیکھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے کسی کے بھید اور راز کی ٹوہ میں رہنا اور خفیہ حالات جاننے کی کوشش کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے کوئی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا مگر کیا آج کی

حکومتیں ان قوانین پر عمل کرتی ہیں بلکہ اس کے برخلاف دوسروں کے پوشیدہ راز معلوم کرنے کے لیے سرکاری محکمے قائم ہیں اور جس حکومت کا خفیہ محکمہ جتنا زیادہ چاق وچوبند ہوتا ہے وہ اتنی کامیاب اور طاقتور ہوشیار حکومت کہلاتی ہے معمولی معمولی مجرموں کی پوری نگہداشت کی جاتی ہے حکومت کی نظر میں مشکوک لوگوں کی نگرانی پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے ان حقائق کی روشنی میں اب صورت یہ سامنے آتی ہے کہ موجودہ دور کی قانونی موشگافیاں اور سرکاری طویل چارہ جوئی قطعاً معقول اور بہتر نہیں ہے بلکہ تکلیف دہ ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے طریقہ نے گواہوں کی گواہی، قول و قرار اور پوری عدالتی کارروائی سے قطع نظر جو براہ راست مجرم سے تفتیش اور فوری فیصلہ کا جو طریقہ اختیار کیا اس نے اپنے پیچھے ایک واضح مثال چھوڑی ہے کہ مجرم سے کس طرح اس کا جرم چھڑا لیا جاسکتا ہے اور ہمیشہ کے لیے توبہ کرائی جاسکتی ہے۔اس طرح فاروق اعظمؓ کا خط دریائے نیل کے نام جس کے لیے مؤرخین لکھتے ہیں کہ فتح مصر کے بعد مصر کے لوگ حضرت عمرو بن عاص کے پاس گئے اور بتایا کہ لڑکی کو دریا کی نذر کرنے سے دریا چلتا ہے ورنہ سوکھا پڑ جاتا ہے کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔حضرت عمرو بن العاص نے یہ سن کر فرمایا ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ اسلام تو قدیم رسوم کو مٹانے آیا ہے اس کے بعد ہوا یہ کہ بؤنہ ابیب اور سری (قدیم نام) کے مہینوں میں دریا خشک ہو گیا پانی نہیں آیا، حضرت عمرو بن العاص نے اس کی اطلاع فاروق اعظم کو بھیجی آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں ایک خط بھیج رہا ہوں اس کو دریا میں ڈالدو خط میں لکھا تھا اگر تو اپنی طرف سے چلتا ہے تو مت چل اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ چلاتا ہے تو ہم اسی سے درخواست کرتے ہیں کہ جاری کرے۔اس واقعہ کو بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دو تیزہ کا چڑھاوا چڑھانے کے دن سے ایک ماہ قبل یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا حالانکہ اہالیان مصر تو حسب دستور لڑکی کو نذر کرنے کی تیاری میں مشغول تھے اور اس کے مطابق وہ یوم صلیب کی صبح نکلے بھی مگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نیل میں پانی کثرت سے بہہ رہا ہے جس کی مقدار مؤرخین نے ۱۶ ذراع اونچی لکھی ہے اس طرح وہ لوگ ہمیشہ کے لیے ایک انسانی قربانی سے محفوظ ہو گئے۔

اب عقل کی روشنی میں دیکھئے تو یہ روایت بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے اگرچہ

کثرت سے مؤرخین نے اس کو روایت کیا ہے لیکن اس روایت کو ہم جدید علم پر کوئی بوجھ یا نقص بھی قرار نہیں دے سکتے نہ ہی ڈیڑھ ہزار سال قبل کی اس بدوی عقل کو متہم کر سکتے ہیں جس نے دریائے نیل کو انسانوں کی طرح مخاطب کرنے کا اسلوب اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ اہل مصر اس دور کی جدید ٹکنالوجی یعنی دریا پر پل یا باندھ وغیرہ کی ٹیکنک سے تو واقف نہیں ہیں نہ ہی کسی مادی عقلی طریقہ کے اختیار کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ تو اپنے قدیم خرافاتی موہوم رسم ورواج کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے ان کو ایک ایسے ہی طریقہ کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے جو بظاہر غیر معقول ہو مگر حق کی سمت لانے والا ہو اس لیے انہوں نے بہت محتاط الفاظ میں خط لکھا۔ انہوں نے نیل کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہا کہ تو جاری ہو جا بلکہ اس کی اپنی طاقت کو بے وقعت کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ تو اپنی قدرت سے اسے جاری فرمادے تاکہ مصر کے لوگوں کا ہر سال ایک دوشیزہ کو قربانی کی بکری بنانے کا عقیدہ پاش پاش ہو جائے اور چونکہ وہ ایک پختہ یقین والے مرد آہن تھے اس لیے کامیاب ہوئے۔ اس باب کے آخر میں العقاد کہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ کے ان متفرق واقعات کو پیش کرنے کے ساتھ ہمارا مقصد ان کی شخصیت کا دفاع کرنا یا بناؤ سنوار کرنا نہیں ہے بلکہ ہم نے ان واقعات کی روشنی میں صرف یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فاروق اعظم کے اعمال وافعال میں انسانیت کو کیا رفعت وعظمت حاصل ہوئی ہے۔ انسان کو انہوں نے کس وسیع النظری سے دیکھ کر اسے اپنے غور وفکر کے سائے میں کسی بلندی پر پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے شخصی اور انفرادی حقوق کا کتنا پاس لحاظ رکھا ہے۔ یہ ہر واقعہ کی گہرائی سے ظاہر ہے۔ پھر مختلف جرائم کے فیصلوں کو انہوں نے کس طرح چٹکیوں میں طے کر دیا ان معمولی مسائل کے حل کرنے میں آج کی قانونی موشگافیاں اور عدالتی چارہ جوئی مہینوں اور برسوں صرف کر دیتی ہے فائلوں کے ڈھیر لگ جاتے مدعی اور مدعی علیہ مر جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ طویل کارروائی حماقتوں کا پلندہ معلوم ہوتی ہے۔

﴿عبقریت عمر کے ایک باب "عمر والحکومة العصریہ" کا ترجمہ وتلخیص﴾

☆☆☆

جنگ آزادی میں قادیانی جماعت

شرم ناک کردار

مولانا معز الدین صاحب

ہندوستان میں برطانوی سامراج کے تسلط سے لے کر آزادئ ملک کی تاریخ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء تک کوئی لمحہ ایسا نہیں پایا جاتا کہ قادیانی جماعت نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہو یا کبھی اس جماعت نے برطانیہ سے ہندوستان چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا ہو بلکہ اسکے برخلاف سرفروشانِ وطن اور مجاہدین آزادی کی مخالفت، بیخ کنی اور گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری، خیر خواہی، خوشامد، کاسہ لیسی اور خداوندانِ برطانیہ کے حضور نذرانے، شکرانے، سپاس نامے، اور ان کے استحکام کی دعائیں اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جب پورا ملک بلا تفریق مذہب وملت سامراجی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے میدان جہاد میں سر بکف تھا۔ اس وقت مرزا غلام احمد کا خاندان برطانوی پرچم تلے اپنی وفاداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اور آنجہانی مرزا انگریزوں کی حمایت میں پمفلٹ، رسالے اور کتابیں شائع کر کے مجاہدینِ حریت کے جذبۂ جہاد کو فنا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ آزادئ وطن کی مشہور تحریکات میں اس سامراج پرست جماعت کا جو رول رہا ہے اس کا ایک سرسری جائزہ ان کی ہی تحریروں اور بیانات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) انقلاب ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں باشندگانِ وطن جذبۂ سرفروشی سے سرشار ہوکر برطانوی سامراج سے دوبدو ٹکر لے رہے تھے۔ اور انگریزی مظالم واستبداد کا مردانہ وار مقابلہ

کر رہے تھے۔اس وقت مرزا آنجہانی اپنی جوانی کی رنگ رلیوں میں مصروف تھے اور ان کا خاندان برطانوی سامراج کو کمک پہنچا رہا تھا۔اور انگریز فوجوں کے ساتھ مجاہدینِ آزادی کو تہہِ تیغ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔جس کا اعتراف مرزا نے اپنی متعدد تالیفات میں کیا ہے بلکہ فخریہ انداز میں برطانوی سامراج کے لیے اپنی اور اپنے خاندان کی خدمات کو شمار کرلیا ہے۔اپنے والد کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

(الف) "۱۸۵۷ء کے مفسدہ کے وقت اپنی تھوڑی سی حیثیت کے ساتھ پچاس گھوڑے مع پچاس جوانوں کے اس محسن گورنمنٹ کی امداد کے لیے دیئے اور ہر وقت امداد اور خدمت کے لیے کمربستہ رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے گذر گئے"۔

(ضمیمہ تریاق القلوب ص:(ب) خزائن ۱۵/۴۸۸)

(ب) اپنے بھائی مرزا غلام قادر کی خدمات کا تذکرہ یوں کرتا ہے "میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں (گورداس پور) کی گذر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

(کتاب البریہ ص:۵،روحانی خزائن ۱۳/۶)

(ج) ۱۸۵۷ء کے جانباز مجاہدین کے کارناموں کو سراہنے کے بجائے ان کا بڑے گھناؤنے انداز میں تذکرہ کرتا ہے۔

> "جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح دیکھتے ہیں اور اس زمانے کے مولویوں کے فتویٰ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم بحر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی نہ اخلاق نہ انصاف ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا"۔

(حاشیہ ازالہ اوہام ص:۴۹۰،ج:۲)

(۲) ۱۸۵۷ء کے بعد جذبہ حریت کو سبوتاژ کرنے کیلئے آنجہانی مرزا کی خدمات

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اگرچہ ہندوستانیوں کو شکست سے دوچار ہونا اور سامراجی

ظلم و تشدد کا نشانہ بننا پڑا مگر ان کا جذبۂ حریت فنا نہ ہوا۔ انگریزوں نے اس کام کے لیے بہت سے غداران وطن کا انتخاب کیا ان میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام سر فہرست ہے جس نے پوری عمر برطانوی سامراج کی تائید و حمایت اور مجاہدین آزادی کی مخالفت میں گذاری یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کے لیے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں خود اس کا متعدد تحریروں میں یہ اعتراف ہے کہ:

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے"

(تریاق القلوب ص:۱۵، روحانی خزائن ۱۵/۱۵۵)

اور اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کا بیان ہے کہ:

"(مرزا صاحب نے) لکھا ہے کہ میں نے کوئی کتاب یا اشتہار ایسا نہیں لکھا جس میں گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت کی طرف اپنی جماعت کو متوجہ نہیں کیا"

(الفضل جلد ۵ شمارہ ۱۳، ص: ۴، مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۱۷ء)

گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری تو اس جماعت میں داخلہ کے شرائط میں سے ہے ۷ار ستمبر ۱۹۱۹ء کو گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں ۱۵ر سر کردہ قادیانی حضرات نے ایڈورڈ میگلگن گورنر پنجاب کو سپاسنامہ پیش کیا جس میں اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ "جناب جماعت احمدیہ کو ملک معظم کا نہایت وفادار اور سچا خادم پائیں گے کیونکہ وفاداری گورنمنٹ جماعت احمدیہ کی شرائط بیعت میں سے ایک شرط رکھی گئی ہے اور بانی سلسلہ نے اپنی جماعت کو وفاداری حکومت کو اس طرح بار بار تاکید کی ہے کہ اس کی (۸۰) اسی کتابوں میں کوئی کتاب بھی نہیں جس میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو"۔

(الفضل قادیان، ج: ۷ نمبر ۴۸ ص: ۱۲۔ مورخہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۹ء)

مرزا آنجہانی کی ان ہدایات کے پیش نظر اس جماعت نے ہمیشہ برطانوی سامراج سے وفاداری، ہمدردی، اور خدمت گذاری کا فریضہ انجام دیا اور اپنے آقائے نعمت انگریز کے زیر سایہ پروان چڑھتے رہے۔

(۳) ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ جب بنگال وغیرہ میں استخلاص وطن کی سرفروشانہ تحریکیں اٹھیں اور ایوان برطانیہ میں کھلبلی مچی تو مرزا آنجہانی نے اپنی جماعت کو تاکیدی نصیحت کی کہ:

"چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل پر ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان طبائع میں پیدا ہو جائے گا اس لیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ کئی لاکھ تک ان کا شمار پہنچ گیا ہے نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً سولہ برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشیں کرتا آیا ہوں یعنی کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے"۔

(مجموعۂ اشتہارات، ص: ۵۸۲-۵۸۳، ج: ۳)

(۴) جنگ عظیم اوّل میں برطانوی سامراج کے لیے قادیانی جماعت کی خدمات

پہلی جنگ عظیم جو ۲۸ر جون ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی اور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک عیارانہ اعلان صلح پر ختم ہوئی اس زمانہ میں ملک کے سرکردہ لیڈران حریت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی وغیرہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں تھے اور نظر بندی کی زندگی گذار رہے تھے اور اسی طرح کابل میں راجہ مہندر پرتاپ کی صدارت میں مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی وغیرہ حکومت موقتہ آزاد ہند قائم کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود انگریزوں کی بے نظیر خدمات انجام دے رہا ہے۔ جنگ شروع ہوتے ہی قادیانی اخبار و جرائد نے برطانوی سامراج کی مدح و توصیف اور ان کی جانی و مالی امداد کے پرزور اعلانات شائع کیے۔ اور ترکی کے خلاف نہایت مکروہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس جنگ میں قادیانی جماعت کی خدمات کا سرسری اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے لگائیں۔

(الف) مرزائی سربراہ بشیر الدین محمود اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت ایک جنگ ہوئی تھی اور اب بھی ایک جنگ شروع ہے مگر وہ جنگ اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی تھی اس وقت کی حضرت مسیح موعود کی تحریریں موجود ہیں اس وقت گورنمنٹ کے لیے چندے کیے گئے مدد دینے کی تحریکیں کی گئیں۔ دعائیں کرائی گئیں آج بھی ہمارا فرض ہے کہ ایسا ہی کریں"۔

(الفضل، ج:۵، نمبر ۱۳، ص:۷، مورخہ ۱۴/اگست ۱۹۱۷ء)

(ب) ایک جگہ اپنی جماعت کو اس جنگ میں شرکت کے لیے ترغیب کے طور پر لکھتا ہے:

"اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو والنٹیر ہو کر جنگ (یورپ) میں چلا جاتا"

(انوار خلافت ص:۹۶، مصنفہ مرزا محمود)

(ج) اس جنگ کی تیسری سالگرہ پر ۴/اگست ۱۹۱۷ء کو ایک دعائیہ جلسہ قادیان میں منعقد کیا گیا اس میں مرزائی سربراہ مرزا محمود نے کہا کہ:

"احمدی کبھی اپنی مہربان گورنمنٹ کے برخلاف نہیں ہوں گے اور خدا کے فضل سے احمدیوں نے موجودہ جنگ میں جس کو آج پورے تین سال ہو گئے ہیں اپنی بساط سے بہت بڑھ کر تن من دھن سے حصہ لیا ہے"۔

(الفضل، ج:۵، ص:۱۲۔ مورخہ ۱۱/اگست ۱۹۱۷ء)

(د) مارچ ۱۹۱۷ء میں برطانوی جنرل مسٹر مَنٹیلے ماڈے نے عراق اور بغداد پر برطانوی تسلط جمالیا اس سقوط بغداد کے سانحہ پر الفضل قادیان نے خوشی کے شادیانے بجائے اور لکھا:

"میں اپنے احمدی بھائیوں کو جو ہر بات پر غور و فکر کرنے کے عادی ہیں ایک مژدہ سناتا ہوں کہ بصرہ اور بغداد کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری محسن گورنمنٹ کے لیے فتوحات کا دروازہ کھول دیا ہے اس سے ہم احمدیوں کو معمولی خوشی حاصل نہیں ہوتی بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں برس کی خوشخبریاں جو الہامی کتابوں میں چھپی ہوئی تھیں آج ۱۳۳۵ھ میں وہ ظاہر ہو کر ہمارے سامنے آگئی ہیں۔

(الفضل قادیان، ۱۰۔ ۱۳/اپریل ۱۹۱۷ء بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک ص:۷۸)

عراق کے سامراجی تسلط میں آنے پر مرزا محمود نے اپنے خطبہ میں کہا کہ :

"عراق کی فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے"

(الفضل قادیان ۳۱؍اگست ۱۹۱۷ء بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک ۷۸)

(ہ) ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء کو گورنر پنجاب کی خدمت میں ۱۵؍سرکردہ لیڈروں کی طرف سے ایک سپاسنامہ دیا گیا اس میں لکھا کہ :

"ہم خدا تعالی کا شکر کرتے ہیں کے ایسے خطرناک دشمن کے حملہ کے مقابلہ میں گورنمنٹ برطانیہ کو فتح عطا کی...... ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہماری جماعت کو بھی اس نازک وقت میں جبکہ برٹش گورنمنٹ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھری ہوئی تھی اور اس کے بعد جبکہ اسی جنگ کے نتائج کے طور پر اسے خود اندرون ملک اور سرحد پر بعض خطرات کا سامنا ہوا۔ اپنی طاقت اور اپنے ذرائع سے بڑھ کر خدمات کا موقعہ دیا"۔

(الفضل قادیان، ص: ۱۳، ۲۲؍دسمبر ۱۹۱۹ء)

(و) نومبر ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے اندر برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے فتح حاصل کر لی جرمنی نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ ترکی سلطنت تباہ ہو گئی جس پر ہندوستان کے طول و عرض میں ترکی کی تباہی پر آنسو بہایا جا رہا تھا احتجاجی جلسے کیے جا رہے تھے۔ چندہ جمع کیا جا رہا تھا۔ نوجوان انگریزوں پر سیاسی دباؤ ڈالنے کے لیے گرفتاریاں دے رہے تھے۔ اور قادیان میں جشن فتح کا چراغاں کیا جا رہا تھا اور خوشی کے جلسے ہو رہے تھے ایک جلسہ کی کاروائی ملاحظہ کریں۔

"۱۳ تاریخ (نومبر) جس وقت جرمنی کے شرائط صلح منظور کر لینے اور التوائے جنگ کے کاغذ پر دستخط ہو جانے کی اطلاع قادیان پہنچی تو خوشی اور انبساط کی ایک لہر برقی سرعت کے ساتھ تمام لوگوں کے قلوب میں سرایت کر گئی جس نے اس خبر کو سنا نہایت شاداں و فرحاں ہوا۔ دونوں اسکولوں، انجمن ترقی اسلام، اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں تعطیل کر دی گئی بعد نماز عصر مسجد مبارک میں ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا سید محمد مسرور شاہ

صاحب نے تقریر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ برطانیہ کی فتح ونصرت پر خوشی کا اظہار کیا اور اس فتح کو جماعت احمدیہ کے اغراض کے لیے نہایت فائدہ بخش ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی طرف سے مبارک باد کے تار بھیجے گئے اور حضور نے پانچ سو روپے اظہار مسرت کے طور پر ڈپٹی کمشنر صاحب گورداس پور کی خدمت میں بھجوادیا کہ آپ جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں پیشتر ازیں چند روز ہوئے ٹرکی اور آسٹریا کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں حضور نے پانچ ہزار روپے جنگی اغراض کے لیے ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔

(الفضل قادیان ۲۳ نومبر ۱۹۱۸ء بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک ص: ۸۷-۸۸)

(ز) ۱۳ ر تا ۱۶ ر دسمبر ۱۹۱۹ء گورنمنٹ نے جشن فتح کا اعلان کیا جو گورنمنٹ کے زیر اہتمام منایا گیا۔ خلافت کمیٹی اور کانگریس نے اس جشن فتح کا بائیکاٹ کیا جبکہ قادیانیوں نے بڑے دھوم دھام سے چار دن جشن فتح منایا جس میں اخبار الفضل قادیان مورخہ ۱۱ ر دسمبر ۱۹۱۹ء کے اعلان کے مطابق ہر رنگ اور طریق سے خوشی اور مسرت کے اظہار کا سامان فراہم کیا گیا"۔

(۵) جلیان والہ باغ

۱۳ ر اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں ایک زبردست سانحہ پیش آیا جو آزادی ہند کی تاریخ میں سانحۂ جلیان والہ باغ سے مشہور ہے اور جس کو آزادی کی جنگ میں ایک سنگ میل سمجھا جاتا ہے جنرل ڈائر نے مسلمانوں اور ہندؤں کے اس مشترکہ جلسہ میں شریک جنگ آزادی کے متوالوں پر ۱۶۵۰ راونڈ گولی چلوا کر ۳۷۹ جانبازوں کو بھون دیا اور ۱۲۰۰ زخمی ہوگئے۔ اس قیامت خیز سانحہ پر سارا ملک سراپا احتجاج بن گیا ہر چہار طرف صف ماتم بچھ گئی اس انسانیت سوز حادثہ پر بھی قادیانیوں کو کچھ ملال نہ ہوا بلکہ اس کو اپنی فتح سے تعبیر کیا۔ ابوالبشیر عرفانی سیرت مسیح موعود میں مرزائیوں کی مسرت کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

"اسی امرتسر میں جہاں اس کے مرسل پر پتھر برسائے گئے تھے گولیوں کی بارش کرادی اور تاریخی طور پر یہ عزت بخش نظارہ ایک یادگار کے طور پر

جلیان والہ باغ کی صورت میں قائم رہ گیا۔احمق اور نادان اس قسم کے
واقعات سے سبق اور عبرت حاصل نہیں کیا کرتے لیکن سنت یہی ہے کہ وہ
اپنا عتاب اور عذاب مختلف صورتوں میں نازل کرتا ہے اور خصوصاً ایسے
اوقات میں کہ اہل قریہ بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔

(سیرت مسیح موعود مرتبہ ابوالمبشیر عرفانی، ص:۴۲۱)

(۶) تحریک خلافت وترک موالات کی مخالفت

۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۲ء پورے ملک میں عدم تشدد اور ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی۔ انگریزی خطابات واپس کئے جارہے تھے۔ ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جاتا تھا۔ انگریزوں کی ملازمت کو خیر باد کیا جارہا تھا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ انگریزی اسکولوں سے نکل کر الگ قومی کالج اور یونیورسٹیاں بنارہے تھے اور آزادی کے متوالے گورنمنٹ برطانیہ کے قوانین توڑ کر جیلیں بھررہے تھے۔ اس وقت بھی یہ سرکار پرست جماعت کاسہ لیسی، خوشامد اور اظہار وفاداری میں مصروف نظر آتی ہے اور برطانوی سامراج کے شانہ بشانہ اس تحریک کو کچلنے کے لیے پوری طاقت صرف کرتی دکھائی دیتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) اپریل ۱۹۲۰ء میں قادیانی جماعت کی طرف سے برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران کو ایک خط بھیجا گیا جس میں لکھا ہے کہ:

"ہم ان پر آشوب ایام میں اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس جماعت
کے سیاسی خیالات سے آگاہ کردیں اپنی حکومت کا وفادار رہنا اور ان پر خدا کی
رحمت چاہنا اس کے اصولوں میں سے ایک ہے"

(الفضل قادیان ۱۲/اپریل ۱۹۲۰ء)

(ب) ۲۳/جون ۱۹۲۱ء کو شملہ میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کو قادیانی جماعت نے سر ظفر اللہ قادیانی کی قیادت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں اپنی وفاداری کا اعادہ کرکے اپنی خدمات پیش کیں لکھا کہ:

"ہم جناب کو ہندوستان میں ملک معظم کا سب سے بڑا قائم مقام سمجھ کر یہ
یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہر ممکن اور جائز طریقے سے جناب کے ارادوں اور

تجویزوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے"

(الفضل قادیان ۴؍جولائی ۱۹۲۱ء)

(ج) ۱۹۲۲ء میں شہزادہ ویلز کے ہندوستان آنے کے موقعہ پر قادیانی سربراہ مرزا محمود نے ایک کتاب "تحفۂ شاہزادہ ویلز" مرتب کیا جس میں اپنی جماعت کی تمام تر وفاداریوں اور برطانوی سامراج کے لیے خدمات کا ذکر کرکے آئندہ کے لیے اظہار وفاداری کا اعادہ کیا۔ اس تحفہ کو قادیانی جماعت کے ۳۲۲۰۸ ممبروں نے ایک ایک آنہ جمع کرکے ایک مرصع روپہلی کشتی میں پیش کیا جس کی ابتداء میں شہزادہ کو مبارکباد دینے کے بعد لکھا کہ:

"آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جماعت احمدیہ حکومت برطانیہ کی کامل وفادار ہے اور انشاء اللہ وفادار رہے گی" (تحفہ شاہزادہ ویلز، ص:۱)

اور اسی موقعہ پر ۲۷؍فروری ۱۹۲۲ء کو ۴۰ سرکردہ قادیانیوں نے گورنمنٹ پنجاب کے وساطت سے شہزادہ کو ایک ایڈریس دیا جس میں لکھا کہ:

"ہماری جماعت باوجود اپنی کمزوری، ناطاقتی اور قلت تعداد کے ہر وقت جناب کے لیے اپنا مال و جان قربان کرنے کے لیے تیار ہے"

(تحفہ شاہزادہ ویلز، ص:۱۰۰)

(۷) ۱۹۳۰ء ـــــ ۱۹۳۲ء کی تحریک سول نافرمانی کے خلاف قادیانی جماعت کی خدمات

۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء میں آزادی کے متوالوں نے برطانوی حکومت کے آرڈی نینسوں کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی جس میں لاکھوں مجاہدین وطن جیل گئے۔ چھ چھ مہینہ، سال سال بھر، اور دو دو سال کی سزائیں جھیلیں۔ اس تحریک کی بھی اس برطانوی پروردہ جماعت نے پوری قوت سے مخالفت کی۔ ملاحظہ فرمائیں:

(الف) قادیانی سربراہ مرزا محمود اپنے خطبۂ جمعہ میں بیان کرتا ہے کہ.

"میں نے پھر بھی کانگریس کی شورش کے وقت میں ایسا کام کیا ہے کہ کوئی انجمن یا فرد اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا اگر میں اس وقت الگ رہتا تو

یقیناً ملک میں شورش بہت زیادہ ترقی کر جاتی"۔

(اخبار الفضل قادیان ۲۸ر مئی ۱۹۳۱ء)

(ب) ناظر امور خارجہ قادیان نے اس تحریک کے آغاز پر اپنی بیرونی جماعتوں کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ:

"اپنے علاقہ کی سیاسی تحریکات سے پوری طرح واقف رہنا چاہئے اور کانگریس کے اثر کو بڑھنے اور گھٹنے سے مرکز کو اطلاع دیتے رہیں اگر کوئی سرکاری افسر سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتا ہو یا کانگریسی خیالات رکھتا ہو تو اس کا بھی خیال رکھیں اور یہاں (قادیان) اطلاع

(اخبار الفضل قادیان ۲۲ر جولائی ۱۹۳۰ء)

(ج) ۱۹۳۵ء میں مرزا محمود نے اپنی جماعت کی خدمات بیان کرتے خطبۂ جمعہ میں بیان کیا کہ:

"اس کے بعد ہر موقع پر جب کانگریس نے شورش کی ہم نے حکومت کی مدد کی گذشتہ گاندھی موومنٹ کے موقع پر ہم نے پچاس ہزار روپیہ خرچ کرکے ٹریکٹ اور اشتہار شائع کئے۔ اور ہم ریکارڈ سے یہ بات ثابت کرسکتے ہیں سینکڑوں تقریریں اس تحریک کے خلاف ہمارے آدمیوں نے کیں اعلیٰ مشورے ہم نے دیئے جس میں اعلیٰ حکام نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا"۔

(اخبار الفضل قادیان ۲۶ر جنوری ۱۹۳۵ء)

(۸) دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء میں قادیانی جماعت کی برطانوی حکومت کے لیے خدمات

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی ۳ر ستمبر ۳۹ء کو برطانیہ نے ہندوستان کو بھی اس جنگ میں شامل کرلیا۔ یہ جنگ ۱۹۴۵ء تک جاری رہی ہندوستان کی تمام جماعتوں نے جو آزادی کے لیے کوشاں تھیں اس جنگ میں برطانوی امپیریلزم کو کسی طرح کی امداد دینے سے باشندگان وطن کو روکا جس کی پاداش میں جیل کی سلاخوں میں ڈالے گئے۔ یہی وقت تھا جب آزادی کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی ۱۹۴۲ء میں کوئٹ انڈیا تحریک نے ملک کو

آزادی کے آغوش تک پہنچادیا۔ اس موقعہ پر بھی انگریزوں کی یہ نمک حلال جماعت اپنی وفاداری کا ثبوت دیتی رہی اور آزادیٔ وطن کی اس کوشش کو بھی بار آور نہ ہونے کے لیے بھرپور کوشش کی تاریخ احمدیت کا مولف دوست محمد شاہد قادیانی لکھتا ہے کہ:

"مرزا شریف احمد نے ہندوستان کے طول وعرض سے بھرتی کے لیے قادیانیوں کو جمع کیا اور جنگی اغراض کے لیے چندہ اکٹھا کیا ۱۶ ہزار آدمیوں کو بھرتی دی گئی جن کا سالانہ چندہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گیا"

اور آگے لکھتا ہے کہ:

احمدی سپاہیوں نے اندرون ملک اور ملک کے باہر مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں فرض شناسی، شجاعت اور بہادری کے خوب جوہر دکھائے اس دوران انہیں ہانگ کانگ وغیرہ علاقوں میں ہندوستانی فوجیوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا اور جاپان کی قید وبند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد نہم، ص: ۳۳۱ بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک، ص: ۱۶۶)

(۹) آزاد ہند فوج کی سرگرمیوں کے خلاف قادیانی جماعت کا کارنامہ

دوسری جنگ عظیم چھڑنے کے بعد ۱۹۴۲ء بابو سبھاش چندر بوس اور موہن سنگھ نے آزاد ہند فوج (انڈین نیشنل آرمی) بناکر ہندوستانیوں کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا۔ تاکہ برطانیہ کو ہندوستان سے نکالا جاسکے اس جدوجہد آزادی کے خلاف قادیانی مبلغ ایاز نے بڑی جانفشانی کی۔ الفضل قادیان کے الفاظ میں اس کی تفصیل مذکور ہے چند اشارے ملاحظہ فرمائیں۔

"۱۹۴۲ء کے شروع میں جب جاپانی سنگاپور آئے تو پروپیگنڈا شروع ہوا کہ ہندوستانی فوجیوں کی ایک فوج بنائی جائے اور جاپانیوں سے امداد لی جائے ماہ مئی کے قریب موہن سنگھ نے I.N.A بنائی اور لیگ بنائی جو فوجی اس کے مخالف تھے انہوں نے کیمپوں کو چھوڑ کر اندرون شہر میں پناہ لینی شروع کی اور کئی دوست مولوی ایاز صاحب سے امداد کے طالب ہوئے..... آپ نے اس کی سرگرم مخالفت شروع کردی اس پر حامیان آئی این اے اور

جاپانی جناب مولوی صاحب کے درپے آزار ہوگئے تمام افراد جماعت کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا ایک دفعہ مولوی صاحب کو ایک کیمپ میں مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے کی وجہ سے گرفتار کرلیا گیا کافی دن مقدمہ چلتا رہا لیکن جب تک کوئی خلاف فیصلہ ہو اللہ تعالی نے موہن سنگھ کا ہی فیصلہ کردیا۔ اور آئی این اے کے ریکارڈ جلادیئے گئے۔ جاپانیوں نے دوبارہ فوجیوں کو پی او ڈبلیو، کیمپوں میں بھیج دیا سویلین منتشر کردیئے گئے اس کے بعد جب راش بہاری بوس اور سبھاش چندر بوس کی کوششوں سے آئی اے این بی اور اس تحریک نے بہت قدم پھیلا لیے تو مولوی صاحب موصوف نے بھی اپنی مخالفت کو تیز کردیا۔ کونسل تک میں سوال اٹھایا گیا کہ غلام حسین ایاز جو سخت خلاف پروپیگنڈہ کررہا ہے اور اتنا مخالف ہے کیا وجہ ہے ابھی تک گرفتار نہیں کیا گیا...... مولوی صاحب نے .P.O.W پی او ڈبلیو کی سامان خوراک کپڑوں اور نقدی کے ساتھ مقدور بھر امداد کی جو جاپانیوں کی نظر میں خطرناک جرم تھا۔ اور آئی این اے کے ایک سرگرم ممبر اور افسر کو اپنے ساتھ ملاکر آئی این اے کے اندر مخالفین کا جتھہ تیار کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(الفضل قادیان ۶ر فروری ۱۹۴۶ء بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک ۱۴۸-۱۴۹)

مولف تاریخ احمدیت نے قادیانی جنگی قیدیوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

”مولوی ایاز پر بہت سختیاں کی گئیں ہر روز مولوی صاحب کے خلاف رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں اور ہر وقت جاپان ملٹری پولیس اور سی آئی ڈی مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی تھی۔

(تاریخ احمدیت جلد ہشتم، ص:۲۰۶ بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک، ص:۱۵۰)

مختصطور پر نوعنوانات کے تحت جدوجہد آزادی کے خلاف قادیانی جماعت کی سرگرمیوں اور برطانوی سامراج کے ساتھ وفاداریوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے اس سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ آزادیٔ ملک میں اسکا کوئی مثبت کردار نہیں۔ اسلئے جشن آزادی کی پچاسویں سالگرہ پر اس برطانوی جماعت کا جشن آزادی منانا انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی ہے۔ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی

خیال کا دھواں اور حقیقت کی روشنی

عبد الحمید نعمانیؔ

میں بچپن میں جب ابتدائی تعلیم کی منزل میں تھا تو نانی، دادی ماں سے ہندوستان کی عظیم شخصیات رام چندر، کرشن، بکرماجیت، بودھ و مہابیر کے تعلق سے بہت سی باتیں اور کہانیاں سننے کا اتفاق ہوا تھا، جب تھوڑا بڑا ہوا کسی حد تک اردو ہندی کی سدھ بدھ ہوئی تو کچھ کتابیں پڑھیں، پھر تعلیم آگے بڑھی تو کچھ سوالات و شبہات سامنے آنے لگے۔ اور اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اصل ہندوستانی افکار و شخصیات کے قصے، کہانی، افسانے اور غیر عملی فلسفے نے دھندلا اور گم کرکے رکھ دیا ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ یقین جانیے ہمارے مطالعے اور غور و فکر نے سوالات و شبہات کم کرنے کی بجائے زیادہ کیے ہیں۔ آپ جتنا بھی غور و فکر اور مطالعہ کریں گے منزل سے نزدیک آنے کے بجائے اس سے دور سے دور تر ہوتے چلے جائیں گے۔

وید، پران، مہابھارت، رامائین اور بعد کے حضرات کے افکار و خیالات کا جتنا مطالعہ کریں گے کسی اصل اور نتیجہ خیز بات کی تہہ تک پہنچنا تو دور کی بات ہے خود اور خدا دونوں کو گم کردیں گے اور باقی جو بچ رہے گا۔ صرف خیال و وہم اور من کا کھیل ہوگا یہاں اس بات کا واضح احساس ہوتا ہے وحی الٰہی اور نبی کی رہنمائی کے بغیر خدا، خود اور کائنات کی اصل حقیقت تک رسائی بالکل ناممکن ہے اور کچھ لوگ دھیان اور مجاہدہ سے کچھ پانے کی جو بات کرتے ہیں وہ اپنے خیال کا دھواں ہوتا ہے نہ کہ حقیقت کی روشنی، غیر مسلم سنتوں، اور بہت سے مسلم صوفیاء میں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ اپنے طور پر سوچ کی دنیا میں بہت دور تک چلے جاتے ہیں لیکن وہ جو کچھ اطلاع دیتے ہیں اس کی روشنی میں آپ زیادہ دور تک نہیں جاسکتے ہیں اگر اس پر سب لوگ عمل کرنے لگیں تو نظام عالم ہی درہم برہم ہوکر رہ

جائے، وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی سوچ کی تیز بہاؤ میں بہتے چلے گئے اور نتیجے میں مسئلے کے دیگر تمام پہلو آنکھوں سے او جھل ہوگئے۔ جب کہ نبیؐ معاملے کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے۔ نبی کے طریقہ کار پر ہر آدمی عمل کر سکتا ہے چاہے آدمی جس ماحول اور پیشے سے واسطہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو مناسب مقام پر رکھا ہے۔ نبوی تعلیمات میں مخاطب کا خیال ولحاظ رکھا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے لوگ صرف اپنا خیال رکھ پاتے ہیں اور اپنی سوچ اور عمل دوسروں پر مسلط کر دینا چاہتے ہیں۔ اپنشد گیتا، اور مہاویر، بودھ کی تعلیمات حتی کہ ہمارے بہت سے صوفیا کی تعلیم وعمل میں ایسی باتیں ملتی ہیں، جو سننے میں تو بڑی اچھی لگتی ہیں لیکن انہیں عملی روپ دینا بڑی حد تک ناممکن ہے اگر زور لگا کر کوئی شکل دے بھی دیا جائے تو کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑی اور رخنہ پیدا ہو جاتا ہے اس کا واضح مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ کمی اور جھول ہے۔ ورنہ نظریہ، عمل اور پھر نتیجے میں یکسانیت اور قابل لحاظ رشتہ ورابطہ کیوں نہیں پایا جاتا ہے مثلاً ہمارے ملک میں گائے کو جو احترام اور تقدس حاصل ہے اور اس کی وجہ سے جو مسائل ومشکلات پیدا ہوتے ہیں ان کا معقول حل آج تک پیش نہیں کیا جاسکا ہے ایسا حل جو انسان کے لئے مفید ثابت ہو بہت سی ناکارہ گائیں جو نہ تو بچہ دیتی ہیں اور نہ دودھ، یا ایسے بیل جو کھیتی باڑی کرنے اور ہل جوتنے کے قابل نہیں ہیں، انہیں رکھ کر چارہ پانی دے کر کار آمد گائیوں، بیلوں کا حق مارا جاتا ہے اور لاکھوں انسانوں کی روزی روٹی کو ہڑپ کر لیا گیا ہے آخر کسان ناکارے گائے بیل کو کہاں سے چارہ پانی کا انتظام کرے۔ اور کیوں کرے بہت سے کسانوں کے لئے تو کار آمد اور ضروری گائے بیلوں کے لئے بھی چارہ پانی کا انتظام مشکل ہوتا ہے ناکارے گائیوں، بیلوں کی دیکھ بھال اور بھی مشکل ترین اور بے تکا سا لگتا ہے اگر ہمارے ہندوستان میں گائے بیلوں کے سلسلے میں غیر ضروری احترام وتقدس نہیں پایا جاتا تو کسان ناکارے گائے بیلوں کو بیچ کر اپنی کھیتی باڑی بیج خریدتے، کار آمد اور ضروری گائے جانوروں کے لئے چارہ پانی کا انتظام کرتے اور دیگر طرح کی ضروریات میں پیسے لگاتے، لیکن ہمارے نامعقول مذہبیت نے سب گڑ گوبر کر کے رکھ دیا ہے گائے کے احترام وتقدس کا اصل ہندو دھرم سے کوئی تعلق نہیں ہے اسے خواہ مخواہ مسلمانوں کی ضد میں مذہب کا رنگ دیدیا گیا ہے۔

اگر آپ گہرائی میں جا کر دیکھیں تو بات کی تہہ تک رسائی ہو سکتی ہے جب کوئی

ایک بات غیر معقول اور غلط ہوتی ہے تو وہ نظام زندگی کے پورے سلسلے میں اختلاع پیدا کردیتی ہے۔جب گائے کو مقدس و محترم اور نتیجے میں پوجنے کے قابل بنادیا تو اس کے خرید وفروخت کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے چاہے وہ کار آمد ہو یا ناکارہ ہو لیکن خرید و فروخت کا دھندہ وہ بھی کررہے ہیں جو تحفظ گائے کے لئے انسانوں کا قتل تک کو گوارہ کرلیتے ہیں تقدس اور عبادت کا درجہ مل جانے کے بعد بیچنے خریدنے والے دونوں غیر معقول اور غیر سنجیدہ ثابت ہو جاتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ گائے کے تقدس کا نظریہ معقولیت پر مبنی نہیں ہے بلکہ کسی لحاتی ترنگ میں آکر گھڑلیا گیا ہے۔

نیل گائیوں کے بارے میں آئے دن خبریں آتی رہتی ہیں کہ کھیتی کو تباہ برباد کردیا بہت سے غیر مسلم پریشان ہیں کچھ دنوں قبل روزنامہ ہندوستان میں ایک مراسلہ شائع ہوا تھا کہ نیل گایوں کو ختم کردیا جائے، لیکن ختم کرے تو کون کرے، بندروں تک کو مار نہیں سکتے کہ دیوتا ہیں چاہے وہ انسانوں کو جتنا پریشان کریں، جب جانور انسان سے اوپر آجائے تو یہی ہوگا، بہت سے ہندو یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ یہ سب "پاکھنڈ" ہے یہ بے چارے اس سماج سے کیسے لڑیں گے جو دھرم کے نام پر بنایا گیا ہے۔

ناکارے گائیوں کو کوئی یوں ہی کون خریدے گورنمنٹ خریدے تو ملک و قوم کا حق مارا جاتا ہے جو پیسہ انسانوں پر خرچ ہو سکتا تھا وہ ناکارہ گائیوں بیلوں پر خرچ ہو جائے گا ۔رکھنے کے لئے جگہ چاہئے جس ملک میں انسانوں کے رہنے کے لئے جگہ نہ ہو وہاں ناکارے گائیوں بیلوں کو رکھنے کے لئے گاؤشالا بنایا جائے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ پھر جانور انسان سے اوپر ہو جائے گا یہ سارے مسائل و مشکلات اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ ہندو دھرم کو ایک خاص رنگ دے دیا گیا ہے گائے اس معنی میں ماں یقیناً ہے کہ وہ دودھ دیتی ہے بچے دیتی ہے اس کے ساتھ حسن سلوک اور رحم دلی سے پیش آنا چاہئے کہ اس کے لئے چارہ پانی کا ٹھیک انتظام ہونا چاہئے دیکھ بھال صحیح ہو اس سے آگے ماں کا کوئی تصور نہیں ہے اور آپ اگر بات آگے لے جائیں گے تو اسے آپ نبھا نہیں پائیں گے اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی گائے کا پجاری آج تک اسے نبھا نہیں سکا ہے اس کے پیش نظر کیا یہ ہونا چاہئے کہ سانڈوں بیلوں کے ساتھ گائیوں کو آوارہ پھرنے دیا جائے کہ ادھر اُدھر منہ مارتی پھریں جو چاہے دو چار ڈنڈے لگادے۔

اس کے برعکس اسلام نے انسانوں کو ایک متعین رخ اور نظریہ دیا کہ سب کچھ انسان کے لئے اور انسان خدا کے لئے ہے۔ اس بنیاد پر جو بھی چیز انسان کے لئے مسئلہ بن جائے اسے راستے سے ہٹادو اس سے سارے مسائل حل ہو گئے انسانیت اور مانوتا کی بات کرنا اور ہے اور اسے عملاً کرکے دکھانا بالکل دوسری بات ہے جب آپ انسان کے لئے ایک چوہا تک نہیں مار سکتے ہیں تو انسانیت کی بات ظاہر ہے کوری بکواس کے سواء اور کچھ نہیں ہے بہت سے ممالک سے چوہے مارنے کی خبریں آتی رہتی ہیں اخباروں میں سرخی ہوتی ہے "چین، بنگلہ دیش میں چوہا مار مہم کا آغاز چوہے لاکھوں انسانوں کے حصے کے اناج کھاجاتے ہیں۔ دوسرے نقصانات الگ ہیں لیکن ہمارے یہاں چوہے کو گنیش جی کے سواری کہہ کر تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اس تعلق سے ایک دلچسپ بحث، چٹکلے دار اچاریہ رجنیش نے اپنی کتاب "کہے کبیر دیوانہ" میں نقل کیا ہے۔

چوہوں کی افزائش کی وجہ سے سرکار بہت بے چین اور پریشان ہو گئی کیونکہ کہ پانچ چوہے اتنا کھانا کھاجاتے ہیں جتنا ایک آدمی کھاتا ہے کم سے کم انسان سے ہندوستان میں پچیس گنا زیادہ چوہے ہیں۔ تو گھبراہٹ تو ایک فطری بات ہے لیکن چوہے جیسے اہم مسئلے پر بحث کرنا بھی خطرناک ہے کیوں کہ اس ملک کی سمجھ داری اور عقل مندی کا حساب لگانا مشکل ہے۔ میں نے سنا کہ اندرا گاندھی نے ملک کے تمام دانشور لیڈروں کو جمع کیا۔ کہ پہلے ہم سوچ لیں پھر ہم کوئی قدم اٹھائیں۔

اندرا گاندھی نے کہا کہ ان چوہوں کا مارڈالنا اب لازمی ہو گیا ہے۔ ایک زبردست مہم چلا کر تمام چوہوں کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ اس پر زبردست ہنگامہ شروع ہو گیا، جیسا کہ ہندوستان کے تمام ایوانوں میں ہوتا ہے وہاں بھی مچ گیا گھڑی دو گھڑی تک پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ مشکل سمجھ میں آیا کہ اٹل بہاری باجپئی کہہ رہے ہیں کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ چوہا گنیش جی کی سواری ہے کیا تم گنیش جی کو سواری سے محروم کر دینا چاہتے ہو۔ بغیر سواری کے گنیش جی کیسے چلیں گے اور یہ تو سراسر لامذہبیت ہے یہ تو ہندو دھرم کا قتل ہے تو یہ کبھی برداشت نہیں کیا جاسکتا کہ چوہوں کو قتل کیا جائے حل کچھ سمجھ ہو حل ہانا گیا کہ تو پھر حل کیا ہوگا۔ تو انہوں نے کہا کہ جیسے ہم آدمیوں کے لئے کر رہے ہیں خاندانی منصوبہ بندی کی تشہیر کی جائے ہر چوہے کے سوراخ پر لکھ دیا کہ "ہم دو ہمارے دو" سمجھانے

بجھانے کی ضرورت ہے مارا نہیں جاسکتا۔

لیکن جے پرکاش نارائن نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ گاندھی ونوبا کے دیس میں خاندانی منصوبہ بندی؟ یہ تو اناار کی کا راستہ ہے اس سے لوگ بے ایمان ہو جائیں گے، بدعنوانی پھیلی گی۔ اور ڈر یہ ہے کہ تم چوہوں کے لئے پرچار کروگے تو گنیش جی تک "بھرشٹ" ہو سکتے ہیں سنتے سنتے خاندانی منصوبہ بندی کیوں کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب ہے کہ عورت کے بچہ پیدا ہونے کا خوف تو رہ نہیں جاتا اس خوف پر تو تمہاری پوری تہذیب کھڑی ہے اس خوف پر تمہارا انظام اور سسٹم قائم ہے۔ عورت پکڑی جاسکتی ہے اگر وہ کسی دوسرے غیر مرد سے جنسی تعلق قائم کرے ایک بار عورت آزاد ہو جائے خوف نہ رہے تو پھر کون قاعدہ، قانون روکے گا چوہے تو بگڑیں گے ہی ڈر یہ ہے کہ گنیش جی تک بگڑ جائیں۔ تو جے پرکاش نے کہا کہ اسے کبھی برداشت نہیں کریں گے دریافت کیا گیا کہ پھر کیا کیا جائے انہوں نے کہا کہ خاندانی منصوبہ بندی کی مہم چلانے کے بجائے "برہم چریہ" کی تعلیم دی جائے گاندھی، ونوبا دونوں یہی کہتے تھے۔ خاندانی منصوبہ کی تختیاں لکھنے کے بجائے "برہمچریہ" کی نصیحت کی جائے کہ "برہم چریہ" کی زندگی ہے۔

کسی نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ لیکن چوہے تو غیر تعلیم یافتہ، ناخواندہ ہیں اس کے جواب میں جے پرکاش نے کہا کہ تفصیل میں جانا میرا کام نہیں ہے ہم صرف لوگ نائک ہیں عوامی لیڈر نہیں ہم رہنمائی کرسکتے ہیں مکمل انقلاب کی تفصیلات کی بات آپ لوگ سوچیں۔ یہ سرکار کا فرض ہے کہ پہلے وہ انہیں تعلیم یافتہ بنائیں چوہوں کو پھر ان کو "برہم چریہ" سمجھائیں اصول کی بات تو میں نے کہہ دی باقی تفصیل میں جانا سرکار کا فریضہ ہے۔ آخر سرکار کس لئے ہے؟۔

اٹل بہاری باجپئی یہ ہندو دھرم پر سیدھا حملہ ہے یہ کبھی برداشت نہیں کیا جائے گا ہندوؤ! متحد ہو جاؤ تمہارا دھرم خطرے میں ہے۔
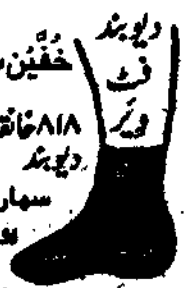
اور کمیونسٹ لیڈر امرت ڈانگے نے کہا "سوال چوہوں کو مارنے نہ مارنے کا نہیں ہے، سوال تو یہ ہے کہ یہ گنیش کون ہے جو غریب مظلوم چوہوں پر چڑھ بیٹھا ہے۔ اس گنیش کو نیچے اتارنا ہوگا یہ طبقاتی جنگ ہے گنیش مردہ باد، چوہو! دنیا کے چوہو! متحد ہو جائے تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے سوائے گنیش جی کے بوجھ کے۔

جے پرکاش بولے میں مکمل انقلاب چاہتا ہوں۔ چوہوں میں برہم چریہ کا برت پھیلانے ہی سے یہ ہوگا۔ مہاتما گاندھی اور سنت ونوبا کی پوری زندگی کا پیغام ہی برہم چریہ ہے اور تفصیل کی بات ہم سے مت پوچھو میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھنا نہیں چاہتا میں تو صرف اور صرف مکمل انقلاب کے حق میں ہوں اور لکیر کے فقیروں میں مار پیٹ شروع ہو گئی۔ جوتے چپل پھینکے جانے لگے۔ مکمل انقلاب کا خوشگوار آغاز دیکھ جے پرکاش بے انتہاء خوش ہوئے۔

وزیر اعظم اندرا گاندھی میٹنگ کی یہ حالت دیکھ کر میٹنگ ہال سے باہر جانے لگیں، تب مرار جی ڈسائی کی آواز انہیں سنائی پڑی کہ میں الٹی میٹم دیتا ہوں کہ اگر برسات سے پہلے پہلے مہاتما گاندھی کے نظریہ کے مطابق چوہوں میں برہم چریہ اور نشے بندی کی تشہر کا آغاز نہیں کیا گیا تو میں غیر مدت بھوک ہڑتال شروع کردوں گا۔ (کہے کبیر دیوانہ از اچاریہ رجنیش ص: ۱۶۸ تا ۱۶۹ مطبوعہ ربل، پبلشنگ ہاؤس، پونہ طبع اول دسمبر ۱۹۸۷ء)

اگر یہ سچ ہے تب تو کوئی بات نہیں۔ اگر یہ جھوٹ ہے، صرف لطیفہ ہے تو بہت خوبصورت ہے۔ توہم پرست ہندوستانی ذہن کی اس سے اچھی عکاسی اور تصویر کشی کوئی اور نہیں ہو سکتی ہے۔

یہاں کی کسی چیز کے بارے میں آپ جتنا سوچیں گے اتنا ہی آپ الجھتے جائیں گے۔ اس لیے یہاں لوگ زیادہ سنجیدگی سے اپنے مذہب اور اپنے بارے میں سوچتے نہیں ہیں۔ جس دن سوچیں گے وہاں کھڑے نہیں رہیں گے جہاں آج کھڑے ہیں۔

منزلوں کے سہارے گئے

مولانا عبد العلی فاروقی مہتمم دار العلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ

۲۸ر اگست ۱۹۹۷ء کی خبروں میں ایک خبر ایسی تھی جس نے بلا مبالغہ ہزار ہا ہزار انسانوں کے دلوں کو غمگین کر دیا۔ عارف باللہ اور محبوب انام حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ باندوی کی وفات کی خبر واقعی ایسی اچانک تھی کہ بس سننے والے سنتے اور سر دھنتے رہ گئے اور اب حال یہ ہے کہ۔

دل میں یادِ غم بیکراں رہ گئی　　جانے والا گیا داستاں رہ گئی

راقم الحروف کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ذاتی فضل و کمال کے حوالے سے اس کی جھولی میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن تحدیث نعمت کے طور پر اس فضل خداوندی کے ذکر میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ ایک علمی خانوادہ سے نسبی تعلق کی وجہ سے اسے بہت سے باکمالوں سے ملاقات کرنے، ان کے فضل و کمال کا مشاہدہ کرنے اور بقدر ظرف ان سے فیضیاب ہونے کے مواقع ملے ہیں اور اپنے اس محدود مشاہدہ و تجربہ کی بنیاد پر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کا حال اور رنگ سب سے جدا، سب سے نرالا اور سب سے البیلا تھا جسے سمیٹ کر دو حسین عنوان دیئے جاسکتے ہیں یعنی انکساری و بے نفسی اور غم سوزی و غم گساری۔

حضرت قاری صاحبؒ یقیناً ایک کامل الاستعداد عالم تھے مگر ایسا نہیں کہ ان کے بعد ان جیسی استعداد و صلاحیت کے عالموں سے دنیا خالی ہو گئی ہو۔ وہ ایک درد مند ہادی و مرشد تھے مگر بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے سروں پر ابھی ان بزرگوں کے ظل عاطفت موجود ہیں جن کو حضرت قاری صاحب مرحوم بھی اپنا بڑا اور رہبر مان کر ان کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے اور ان کی دعائیں لیتے رہتے تھے مد اللہ ظلالہم وفیوضہم۔ پھر کیا بات ہے کہ حضرت قاری

صاحبؒ کی وفات کے بعد ہزاروں دلوں سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے ۔

ویراں ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

بات بالکل سادہ اور قابل فہم ہے کہ بلند قامت اور بزرگ ہستیاں تو ہیں مگر اپنے کچھ اصولوں اور معمولات کے ساتھ، انکی خدمت میں حاضری بھی دی جاسکتی ہے اور ان کے فیوض و برکات سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے مگر ان کی اپنی کچھ شرطوں اور قیدوں کے ساتھ ...... جبکہ سہولت پسند انسانوں کا ایک انبوہ اس "مرد درویش" کی شفقتوں اور عنایتوں کا خوگر ہو چکا ہے جس نے شہرت و مقبولیت کی قابل رشک بلندیوں پر پہنچ کر بھی اپنے کو پامال کرنے کا حوصلہ دکھایا۔ جس نے اپنی ذات اور اپنے نفس کی اس طرح نفی کی کہ نہ کھانے پینے کی پرواہ، نہ آرام وسکون کی طلب، نہ امراض کی فکر، نہ معالجین کی ہدایات کا لحاظ، نہ سفر کی سہولتوں کی تلاش، نہ حضر کی سہولتوں سے مطلب وواسطہ، نہ کسی سے بڑے ہونے کا احساس، نہ بڑائی کے کسی حق کا طلب گار بس فکر تھی تو اپنے خالق کو راضی رکھنے کی اور دھن تھی تو اس کی مخلوق کے کام آنے کی ۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گذر گئے جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

حضرت مولانا صدیق صاحبؒ کے عقیدت مندوں اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے والوں میں سے کم ہی لوگوں کے علم میں یہ بات رہی ہوگی کہ خود حضرت مولانا کیسے کیسے پیچیدہ اور مکلف امراض میں مبتلا رہے، کیونکہ ان کے صابرانہ و قلندرانہ مزاج نے گوناگوں امراض اور ان کی تکالیف کو بھی ان کی حرکت اور نفع رسانی کی راہ کا روڑا نہیں بننے دیا۔ ابھی وفات سے چند ہی دنوں پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا اپنی ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہونے والی شدید تکلیف کے علاج کے لیے لکھنؤ کے سحر نرسنگ ہوم میں آکر داخل ہوئے اور حسب معمول ان کی لکھنؤ میں آمد اور موجودگی کی خبر ہوا کے دوش پر پھیل گئی اور ان کی ایک جھلک دیکھنے، عیادت کرنے، اور مصافحہ کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ہی اس حال میں بھی ان سے اپنی اغراض و پریشانیاں بیان کرکے تعویذ و دعا حاصل کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا...... حضرت مولانا کی شدید تکلیف اور علاج کے تقاضے کے پیش نظر تیمارداروں نے صرف اتنا چاہا کہ ملاقات کا وقت مقرر کردیا جائے مگر انہوں نے سختی کے ساتھ یہ کہہ کر روک دیا کہ اللہ کے بندے نہ جانے کہاں کہاں سے اور کتنی مشقتیں برداشت کرکے آرہے

ہیں ان کے آنے اور ملنے پر کسی طرح کی پابندی نہ لگاؤ ـــــ پھر بھلا کتنے بندگان خدا اس بات کا صحیح طور پر احساس کرسکے ہوں گے کہ ان سے مصافحہ کرنے، بات چیت کرنے اور دعائیں دیتے ہوئے بار بار حرکت کرنے میں اس "مرد خود فراموش" پر کیا کچھ نہ بیت گئی؟

حضرت مولاناؒ کے عقیدت مندوں اور انہیں ٹوٹ کر چاہنے والوں کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ بھی ہے جو انہیں بڑے پیار سے "بابا" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ ان غیر مسلم عقیدت مندوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے "اپنے بابا" کے کہنے سے شراب چھوڑی وہ بھی جو "بابا" کے عقیدت مند ہونے سے پہلے ڈاکے ڈالا کرتے تھے اور وہ بھی جو اپنے مقدمات میں کامیابی اور مشکلات کے حل کے لیے "بابا" سے دعا کراتے، تعویذ لیتے اور پانی دم کراکے پیتے ـــــ متعدد دیگر مواقع کے علاوہ ایسے کئی عقیدت مندوں کو راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے اس وقت بھی دیکھا جب حضرت مولاناؒ کی اہلیہ مرحومہ کی وفات کے دوسرے دن اس نے تھوڑا حاضری دی، رفیق زندگی کی اچانک جدائی پر مولاناؒ صدمہ سے چور لیکن پیکر صبر و رضا بنے بڑی خندہ روئی کے ساتھ تعزیت کے لیے آنے والے مہمانوں کی دیکھ ریکھ اور خاطر مدارات میں لگے ہوئے تھے۔ مہمانوں کی اس بھیڑ میں اچھی خاصی تعداد ان ضرورت مندوں کی بھی تھی جو تعزیت کے ساتھ ساتھ کچھ اور مقاصد بھی لے کر آئے تھے ـــــ اور حضرت مولاناؒ کی مہمان نوازی کا یہ نرالا انداز کہ ذرا سی فرصت ملتے ہی مدرسہ کے ایک استاذ کو حکم دیا کہ "تعویذ لینے والے مہمانوں" کو بلالو، ان "مہمانوں" میں کئی غیر مسلم حضرات بھی تھے جو آتے گئے اور تعویذ لیتے گئے۔ ان میں وہ بوڑھا شخص بھی شامل تھا جس کے بدن پر گیروا لباس، چہرہ پر ڈاڑھی اور پیشانی پر قشقہ کھینچا ہوا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر معذرت کے ساتھ کہا تھا "بابا کل سے آپ جتنی پریشانی میں ہیں وہ ہمیں معلوم ہے مگر کل ہی ہمارے مقدمہ کی پیشی ہے اس لیے آپ سے تعویذ لینا ضروری تھا" اور "بابا" نے جو صرف ایک دن پہلے ہی اپنی وفاشعار، ایثار پیشہ اور انتہائی مہمان نواز اہلیہ کی اچانک جدائی کے صدمہ سے ٹوٹے اور بکھرے ہوئے تھے بڑے حوصلہ کے ساتھ کہا نہیں نہیں کوئی بات نہیں، دنیا کے سب کام چلتے رہتے ہیں! اور پھر اپنے اس بوڑھے مہمان کو تعویذ دیکر اسے خوش کردیا اس خوش کرنے، دل رکھنے اور اللہ کی مخلوق کے کام آنے کی دھن میں حضرت مولانا کیا کیا جھیلتے تھے اور کس کس طرح اپنے کو جوکھم میں ڈالتے تھے؟ اس کا اندازہ بس اسی ایک حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ

ہفتہ میں شاید ہی کوئی ایک دن ایسا آپاتا ہو کہ وہ ۲۴ گھنٹوں میں صرف ۴ر گھنٹے سکون کے ساتھ بستر پر آرام کر سکیں۔ وہ دینی مدارس، دینی اداروں، اور دینی شخصیات کی دعوت اور ان کی ضرورت پر ہر سال بلا مبالغہ سیکڑوں سفر کرتے تھے، مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ نہ سواری کا مطالبہ، نہ سفری سہولیات کا، نہ کرایہ کی طلب، نہ کسی رفیق سفر کو لے کر چلنے کا التزام ــــــ ریل کا سفر ہو تو سب سے کم کرایہ والا دوسرا درجہ پسندیدہ اور اس سے اوپر کے درجہ میں اپنا سفر "فضول خرچی" میں شمار، سڑک کا سفر ہو تو محبوب ترین سواری ٹرک کیونکہ یہ ہر وقت اور ہر جگہ مل جاتی ہے، دیہات کا سفر ہو تو نہ پیدل چلنے میں کوئی تکلف نہ سائیکل کے کیریر پر بیٹھ جانے میں کوئی عار ــــــ اور اب بیاری، ضعف، اور معذوری کا لحاظ کرتے ہوئے بلا طلب اور بلا اطلاع اپنی سواری لیکر پہنچ جانے والوں سے شرما شرما کر اور بڑی عاجزی کے ساتھ یہ شکوہ کہ آپ نے بلا وجہ زحمت کی اور غیر ضروری اخراجات برداشت کئے حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئے مگر ان کی یہی وہ مخصوص ادائیں ہیں جنھیں ان کے جاننے والے اور چاہنے والے ڈھونڈھ رہے ہیں اور شاید ڈھونڈھتے ہی رہ جائیں ــــــ انسانوں کا وہ سیلاب جو حضرت مولانا کی وفات کی ناگہانی خبر پاکر ہتھوڑا جیسے چھوٹے اور پسماندہ گاؤں میں امنڈ پڑا تھا وہ بھی اسی لیے کہ اپنی محبوب ترین شخصیت کا اس دنیا میں آخری دیدار کر سکے، اس کی نماز جنازہ میں شرکت کر سکے یا کم از کم اس کی قبر میں تین مٹھی مٹی ڈال کر ہی اسے خراج عقیدت پیش کر سکے۔

حضرت مولاناؒ کے علمی و روحانی مقام کا کچھ حال تو حضرات علماء و عارفین ہی بیان کر سکیں گے، راقم الحروف جیسا طالب علم تو اسے ان کی مقبولیت ہی کا ایک کرشمہ سمجھتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان سے اپنا "خصوصی رشتہ" بیان کرنے والوں کی ایک ہوڑ لگ گئی ہے ــــــ کیونکہ مخلوق میں ایسی مقبولیت خالق کی نگاہ میں مقبول ہونے کی علامت ہوا کرتی ہے بات بالکل سچی اور دوٹوک ہے کہ ــ

موت اسکی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس　　　یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

ضروری اعلان

دارالعلوم دیوبند میں مندرجہ ذیل جگہوں پر ضرورت ہے

(۱) دارالعلوم دیوبند میں "تدریب المعلمین" کا شعبہ قائم کیا جارہا ہے جس کے لیے تجربہ کار دو اساتذہ کی ضرورت ہے۔

(۲) شعبۂ تنظیم وترقی میں دارالعلوم کی مناسبت سے دو سفیروں کی ضرورت ہے۔

(۳) شعبۂ تجوید میں ایک اچھے اور تجربہ کار قاری کی ضرورت ہے۔

(۴) درجۂ ناظرہ دینیات کے لیے ایک تجربہ کار مدرس کی ضرورت ہے۔

(۵) دارالافتاء میں نقول فتاویٰ کے لیے ایک ایسے محرر کی ضرورت ہے جو فاضل دارالعلوم ہو اور تحریر خوشخط ہو۔

خواہش مند حضرات اپنی درخواست مکمل پتہ، عمر اور قابلیت کی تفصیل کے ساتھ تحریر کرکے ۱۵؍اکتوبر ۱۹۹۷ء تک بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بنام حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ارسال فرمائیں۔

جاری کردہ: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند (سہارنپور)

کمپیوٹر کتابت: نواز پبلی کیشنز دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

ماہ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۹۷ء

سالانہ ۔/۶۰	فی شمارہ ۔/۶	شمارہ ۱۱	جلد ۸۲

مدیر	نگراں
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی	حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند	مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور، یو،پی

سالانہ بدل اشتراک	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ ۔/۳۰۰ روپے پاکستان سے ہندوستانی رقم ۔/۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم ۔/۸۰ ہندوستان سے ۔/۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

فضا مسرت صبح بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزل جاناں پر آنکھ بھر آئی

ہمارے ملک نے آزادی کے پچاس سال پورے کر لئے ہیں جس کی خوشی میں سال رواں کو بطور جشن زریں (گولڈن جوبلی) کے منایا جارہا ہے، قومی و سرکاری سطح پر بڑے بڑے جلسے دارالحکومت دہلی اور ملک کے دیگر صوبوں میں منعقد کئے جارہے ہیں جن میں مجاہدین آزادی کی قربانیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے سر فروشانہ کارناموں کو یاد کرکے انھیں نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے مرکزی و صوبائی حکومتوں کی جانب سے ان کی بے لوث خدمات کے تذکار کے لئے اخبارات ورسائل میں ان کے فوٹو شائع کرائے گئے ہیں شہرو قصبات کے اہم مقامات پر ان کی قد آدم تصویریں آویزاں کی گئی ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ اس حزم واحتیاط کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ کہیں بھولے سے بھی مسلم مجاہدین کا نام نہیں آنے دیا گیا ہے۔

یاران وفادار کی فہرست میں پیارے۔ دیکھا تو کہیں اس میں مرا نام نہیں تھا

جبکہ یہ ایک انمٹ تاریخی واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں کانگریس پارٹی کاسۂ گدائی لئے سامراجی دربار میں حقوق کی بھیک مانگ رہی تھی اور اس کے چرنوں میں اپنی وفاداریوں کے نذرانے نچھاور کررہی تھی مسلم رہنما حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند انگریزی حکومت کو تاخت وتاراج کرنے کی اسکیمیں مرتب کررہے تھے۔

اپنی قومی اور وطنی تاریخ کے ساتھ جتنا بڑا مذاق آج ہماری قومی حکومتیں اور سیکولر سیاسی تنظیمیں خود تاریخ کا نام لے کر کررہی ہیں شاید تاریخ کے صفحات میں اس کی مثال تلاش کرنے سے بھی نہ ملے۔

موجودہ حکومت کا اور سیاسی تنظیموں کا یہ رویہ کوئی وقتی اور عارضی نہیں ہے بلکہ

آزادی کے وقت ہی سے مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک پالیسی طے کرلی گئی تھی جس پر ہماری ساری قومی حکومتیں عمل کرتی چلی آرہی ہیں اور وہ یہ پالیسی ہے کہ مسلم اقلیت کو زندگی کے ہر شعبہ میں جارحانہ طور پر پیچھے رکھا جائے۔

آزادی کے پچاس سالہ دور کا جائزہ لیں تو منطقی طور پر نتیجہ یہی بر آمد ہوگا بطور مثال کے چند امور پیش کئے جاتے ہیں،

تعلیم:۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب "دی انڈین مسلمان" میں بنگال کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تعلیمی اور معاشی اعتبار سے سب سے مضبوط کمیونٹی مسلمان ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو سرسید احمد خان کی بے پناہ جدو جہد کے نتیجے میں مسلمانوں کے خون پسینے سے وجود میں آئی مسلمانوں کا یہ ادارہ ہماری قومی حکومتوں کے نظر بد کا شکار چلا آرہا ہے جس کی ایک طویل داستان ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی جس کی یہ خصوصیت تھی کہ تمام جدید علوم کی تعلیم اردو زبان میں ہوتی تھی آزادی کے بعد اسکی نہ صرف اس حیثیت کو ختم کر دیا گیا بلکہ جس کے خون پسینے سے یہ یونیورسٹی عالم وجود میں آئی تھی آج وہ خود اس میں اجنبی بنادی گئی ہے جامعہ ملیہ کا حال بھی اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔

ملازمت:۔ آزادی سے قبل ملازمتوں میں ۲۶ تا ۳۰ فیصد مسلمان ہوا کرتے تھے لیکن آزادی کے بعد سے مسلسل یہ شرح گرتی رہی اور آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ

(۱) انتہائی اعلیٰ ملازمتیں ۔ ۱فیصد سے کم (۲) سول سروسیں ۳-۱فیصد (۳) درجہ ۳ یا ۴ کے ملازم ۴ فیصد خود حکومت سے وابستہ بعض افراد نے یہ انکشاف کیا ہے ہے پنڈت نہرو اور اندرا گاندھی نے اپنے دور حکومت میں مخصوص اداروں میں مسلمانوں کے نہ لئے جانے کے احکامات صادر کئے تھے۔

مذہبی معاملات:۔ آزادی سے پہلے سرکاری عدالتیں "مسلم قاضی" کا تقرر کیا کرتی تھیں یہی قاضی مسلمانوں کے شرعی معالات کا تصفیہ کیا کرتے تھے آزادی کے بعد اس سلسلہ کو بند کر دیا گیا البتہ مسلم پرسنل لاء کے نام سے چند مراعات مسلمانوں کے لئے رکھی گئیں جن کے تحت نکاح طلاق وراثت وغیرہ کے معاملات آتے ہیں مگر آزاد بھارت میں تقریباً ۲۰ مرتبہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کی گئی علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً یکساں سول کوڈ کی حمایت میں آواز اٹھتی رہتی ہے جس کے جواب میں ہماری قومی حکومتیں یہ مشروط وضاحت کرتی رہی ہیں کہ جب تک مسلمان خود نہ چاہیں گے یکساں سول کوڈ کا نفاذ نہیں ہوگا اندورن خانہ ایسے

مسلمانوں کو جمع کرنے کا کام تیزی سے جاری ہے جو یکساں سول کوڈ کی حمایت کریں اس سلسلے میں بہت سے نام پیش کئے جاسکتے ہیں جو قومی سرکار کی خواہش کی تکمیل میں ایمان فروشی کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

بابری مسجد:۔ ۲۲/۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی درمیانی شب میں بابری مسجد میں اندر مورتی لاکر رکھی گئی اور دوسرے دن بلوا کا اندیشہ ظاہر کر کے اس میں تالہ ڈال دیا گیا، ۲ فروری ۱۹۸۶ء کو مرکزی وصوبائی سرکار کی سازش کے تحت ہائی کورٹ میں چل رہے کیس کا فیصلہ سیشن کورٹ سے لے کر وہ تالہ کھول دیا گیا۔ پھر ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو چار سو سالہ قدیم تاریخی مسجد فرقہ پرستوں کے جنون کی نذر ہو گئی حکومت، فوج پولیس سب تماشہ دیکھتے رہے، سیاسی پارٹیاں عدالتیں، انتظامیہ میڈیا غرض کہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سیاسی بازیگراں کے اس انسانیت سوز ڈرامہ میں نرسمہا راؤ، ایڈوانی، واجپائی کلیان سنگھ بال ٹھاکرے نے خصوصی کردار ادا کیا سابق وزیر داخلہ چوہان شرد پوار اور موجودہ صدر کانگریس کیسری کا نام بھی بعض حلقوں سے لیا جارہا ہے کہ ظلم و تشدد کے اس ڈرامے میں دور اور نزدیک سے یہ لوگ بھی شریک رہے ہیں۔

اب متھرا کی عید گاہ اور بنارس کی گیان واپی مسجد نظر میں ہے اس سے بہت پہلے ۱۹۴۸ء میں جب نظام حکومت کے خلاف پولیس ایکشن کیا گیا جس کے نتیجہ میں ریاست حیدر آباد ہندوستان میں ضم ہو گئی تھی اسی زمانہ میں دولت آباد قلعہ کی جامع مسجد کے محراب میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ہاتھوں بھارت ماتا کی مورتی نصب کی گئی تھی جبکہ ہندو مذہب میں بھارت ماتا کے نام سے کوئی دیوی دیوتا کا وجود نہیں ہے لیکن قلعہ دولت آباد کی جامع مسجد کا محراب اپنی آغوش میں اس فرضی دیوی کو مجبوراً برداشت کر رہا ہے۔ انگریزوں کے دور اقتدار میں عبادت خانوں کے اس معاندانہ طرز عمل کا سراغ شاید ہی ملے لیکن آزاد بھارت میں قومی حکومتوں کے زیر سایہ مسلم عبادت خانوں کی پامالی کا سلسلہ ایک خاص رفتار کے ساتھ جاری ہے۔

مسلم کش فسادات:۔ آزادی کے ساتھ ساتھ مسلم کش فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا گیا ان فسادات میں جانوں کے ساتھ مکانوں اور دوکانوں کو لوٹنے اور جلانے کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد جہاں مسلم کشی ہے وہیں مسلمانوں کا معاشی زوال بھی ہے اسی لئے بالعموم ان شہروں کو نشانہ بنایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کا صنعتی و تجارتی کاروبار اچھا ہوتا ہے مثال کے طور پر بھیونڈی، مالیگاؤں، مرادآباد، بنارس، ہوجائی وغیرہ شہروں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۰/ اگست ۱۹۸۸ء میں راجیہ سبھا میں ایک سوال کے جواب میں دی گئی معلومات جس میں صرف جنوری ۱۹۸۸ء تا جون ۱۹۸۸ء فسادات کی تعداد ۲۳۲ اور ہلاک شدگان مسلمانوں کی تعداد ۶۸۹ بتائی گئی ہے بابری مسجد کی شہادت کے بعد دہلی، بمبئی، بھوپال، احمد آباد اور سورت کے فسادات (بلکہ صحیح تر معنوں میں پولیس ایکشن) میں مسلمانوں کے مرنے والوں کی تعداد سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۳۰۹۶ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آزادی کے اس پچاس سالہ عہد میں آزاد بھارت میں کس قدر مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا ہوگا۔

ٹاڈا:۔ انگریزوں کے سامراجی دور میں ایسا ہی ایک قانون بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن اس وقت کانگریس کے رہنماؤں بالخصوص گاندھی جی نے اس کی زبردست مخالفت کی تھی جس کی وجہ سے غلام بھارت میں پردیسی حکمراں وہ قانون نہ بنا سکے مگر آزاد بھارت میں قومی حکومت نے ۱۹۸۵ء میں یہ کالا قانون بنا کر نافذ کردیا جس کے روسے پولیس صرف شبہ میں برسوں کسی کو جیل میں رکھ سکتی ہے اور جس کے تحت خود ملزم کا اعتراف ہی جرم کا ثبوت بن جاتا ہے خواہ یہ اعتراف تشدد کے ذریعہ ہی کیوں نہ کرلیا جائے۔ انڈین ایکسپریس کے مطابق ۵۲۲۶۸ افراد اس قانون کے تحت جیلوں میں مقید میں جس میں اکثریت اقلیتی فرقوں بالخصوص مسلمانوں کی ہے یوں تو کہنے کے لئے اس وقت ٹاڈا کو ختم کردیا گیا ہے لیکن اس کے تحت گرفتار شدگان کو رہائی نصیب نہیں ہوئی ہے اب تک جتنے فیصلے ہوئے ان میں صرف ۳/۴ فی صد پر ہی جرم ثابت ہوسکا ہے اور انہیں سزائیں دی گئی ہیں باقی ۹۶ فی صد بے گناہ برسوں سے جیلوں میں پڑے سڑ رہے ہیں یہ سب آزاد بھارت کی آزاد فضاؤں میں جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر ہو رہا ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

سیاست:۔ اس شعبہ میں ہی عملاً مسلمانوں کو ناکارہ بنادیا گیا ہے ۱۹۸۱ء کی سرکاری مردم شماری کی مدد سے مسلمان ملکی آبادی کا ۱۲ فی صد ہیں لیکن سیاسی نابرابری کا یہ عالم ہے کہ صرف ۱۸ مسلم ممبر پارلیمنٹ ہیں جبکہ آبادی کی شرح کے اعتبار سے ۶۵ فی صد ہونے چاہیئے۔

عدل وانصاف:۔ آزاد بھارت میں عدل وانصاف کے پیمانے بھی جدا جدا ہیں اور انکیں برتنے کا ہنر بھی نرالا ہے۔

(الف) یہاں بابری مسجد کو خلاف قانون گرانے والوں کو سرکاری سواریوں کے ذریعہ

بحفاظت گھر تک پہنچایا جاتا ہے اور اس خلاف قانون پر تشدد اور خالص ظالمانہ رویہ پر آہ کرنے والوں کو سرکاری گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے۔

(ب) امبیڈکر مجسمہ پر جوتوں کے ہار کے مسئلہ کو لے کر پولیس نے دلتوں پر گولیاں چلائیں کانگریس پارٹی نے دلتوں کی حمایت میں پولیس کے خلاف مظاہرے کئے لیکن سلمان رشدی کے خلاف بمبئی مظاہرہ میں جو گولیاں چلائی گئیں جس میں بہت سارے مسلمان جاں بحق ہوگئے اس کانوٹس کسی نے بھی نہیں لیا۔

(ج) امینہ اور کنیز فاطمہ کے واقعات کو قومی پریس شاہ سرخیوں کیساتھ مشتہر کرتا ہے لیکن بملا اور روپ کنور کے واقعات کو شیر مادر کی طرح پی لیا جاتا ہے۔

(د) شاذ و نادر بنگلہ دیش، یا پاکستان سے کوئی مسلم بھارت آجاتا ہے وہ گھوس پیٹیہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی غیر مسلم آجائے اسے شرنارتھی کا اعزاز عطا کیا جاتا ہے۔

یہ ایک سرکاری جائزہ اور بطور مثال چند نمونے ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آزاد بھارت میں ملک کی سب سے بڑی اقلیت کن حالات سے دوچار ہے۔ اور جنگ آزادی میں اس کی بے لوث جاں نثاریوں اور بے پناہ قربانیوں کے ایثار کا وطن کی جانب سے کیا صلہ مل رہا ہے مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کا عمل تو آزادی کے بعد ہی سے جاری ہے سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے نصاب تعلیم میں اسی مسخ شدہ تاریخ کو شامل کر کے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ یہی سچی اور مستند مسلم تاریخ ہے۔

ان حالات و معاملات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے اسلاف کے نقش قدم کو چراغ راہ بنا کر منزل کی جانب پیش قدمی اور زندگی کے ہر شعبہ میں آگے بڑھنے کے لئے منظم کوشش کی جائے شکوہ و شکایت آہ و بکا اور نالہ و شیون سے نہیں بلکہ عزم و استقلال جہد و عمل اور ایمان و یقین سے حالات بدلا کرتے ہیں۔

جوانو یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزم سفر پیدا!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اور

تقلید ائمہ

از: حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم العالی صاحب فتاویٰ رحیمیہ

ایک غیر مقلد نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مذاہب اربعہ کو بدعت کہتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے یا ان پر الزام ہے؟

سوال: ایک رسالہ "مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام" ترجمہ و تلخیص مختار احمد ندوی نظر سے گذرا۔ اس رسالہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور ص ۳۹ پر ایک عنوان ہے۔ "شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ یہ مذاہب بدعت ہیں" اور اس کے بعد الانصاف کے حوالہ سے لکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "الانصاف" میں لکھا ہے کہ لوگ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں کسی ایک مذہب کی تقلید سے واقف نہ تھے اور نہ ہی اس وقت تک مسلمانوں میں کسی خاص مذہب کا رواج تھا، سلف صالح مذہب کے تصور سے واقف نہ تھے۔ اس وقت سب لوگ صرف شرع محمدی کی اتباع کرتے تھے اور تمام اعمال میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کی اتباع کرتے تھے، اور تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اس بات پر اجماع تھا کہ لائق تقلید و اتباع صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے، یہ سب لوگ اس بات سے منع کرتے تھے کہ کوئی مسلمان صرف کسی شخص کے قول و فتویٰ پر عمل کرے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تقلید ائمہ کے منکر ہیں؟ اور مروجہ مذاہب اربعہ کی تقلید کو بدعت قرار دیتے ہیں؟ امید ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں کے حوالوں سے جواب مرحمت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

فقط والسلام۔ بینو اتوجروا۔

الجواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیا ومسلما،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ انتساب بالکل غلط اور حضرت شاہ صاحب پر سخت بہتان ہے، ہم بعد میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اقوال نقل کریں گے ان سے اس بات کی تردید ہو گی اور یہ ثابت ہو گا کہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید کے منکر نہیں تھے اور خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی وصیت فرمائی ہے اور مذہب حنفی سنت نبوی کے مطابق ہے۔ اس کی شہادت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ الانصاف کے باب چہارم میں چوتھی صدی سے پیشتر لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے پورے باب کا بنظر غائر مطالعہ کر لیجئے، حضرت شاہ صاحبؒ کا منشا ہرگز ہرگز تقلید کی مذمت اور اس کو بدعت قرار دینا نہیں ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے پہلی اور دوسری صدی کے لوگوں کی حالت بیان کرتے ہوئے ابو طالب مکیؒ کا مقولہ قوت القلوب سے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے الانصاف کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ ابو طالب مکیؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے، علمی دیانت داری کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ عبارت ابو طالب مکی کے حوالہ سے پیش کی جاتی، اس عبارت کا انتساب حضرت شاہ صاحب کی طرف علمی خیانت ہے، نیز اس عبارت کو تقلید کے خلاف قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ ترجمہ ہے، ترجمہ میں بھی خیانت کی گئی ہے، انصاف کی عبارت مع ترجمہ حسب ذیل ہے:

واعلم ان الناس كانوا في المائة الاولى والثانية غير مجتمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه قال ابو طالب المكي في قوت القلوب" ان الكتب والمجموعات

جاننا چاہئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں لوگ ایک مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے چنانچہ ابو طالب مکیؒ نے قوت القلوب میں کہا ہے کہ کتابیں اور مجموعے

محدثة والقول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له في كل شئ والثقة على مذهبه لم يكن الناس قديماً على ذلك في القرنين اولاول والثاني، انتهى.	سب نئی نکلی ہوئی ہیں اور لوگوں کے اقوال بیان کرنا اور ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا اور اس کے قول کو اختیار کرنا اور ہر چیز میں اس کی نقل کرنی اور اس کے مذہب پر اعتماد کرنا اول اور دوم دو قرنوں میں لوگوں کا دستور نہ تھا۔ تمام ہوا قول ابو طالب کا۔

(انصاف مع ترجمہ کشاف، ص: ۵۷)

اصل عربی عبارت کو سامنے رکھ کر ان کا پیش کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ کیجئے، جو بات وہ کہنا اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا اصل عربی عبارت اور اس کے صحیح ترجمہ سے ثابت ہوتی ہے؟ یہ دھوکہ دہی اور بہتان تراشی نہیں تو کیا ہے؟ غير مجتمعين لمذهب واحد بعينه کا جو ترجمہ انہوں نے کیا ہے، "کسی ایک مذہب کی تقلید سے واقف نہ تھے۔" یہ ترجمہ بھی قابل دید ہے اس سے یا تو ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یا پھر دھوکہ دہی کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے ابو طالب مکیؒ کی عبارت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ "پہلی اور دوسری صدی میں تقلید شخصی کا عام رواج نہ تھا" مگر بتدریج اس کا رواج ہوتا گیا، چنانچہ اسی باب میں آگے چل کر حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد عليمذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان (انصاف مع ترجمه كشاف، ص: ۵۹)	اور بعد دو صدیوں کے لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے کم آدمی تھے کہ مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت میں پابندی مذہب معین کی واجب تھی۔

یہ بحث کافی طویل ہے کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نفس تقلید اور تقلید شخصی کا رواج تھا یا نہیں؟ نیز تقلید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ تقلید شخصی پر امت کا اجماع ہوا اس میں کیا مصلحت ہے اور تقلید سے متعلق دیگر مباحث پر ہم نے تفصیل سے اپنے ایک رسالہ "تقلید شرعی کی ضرورت" میں کلام کیا ہے اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کریں انشاء اللہ دل کو تشفی حاصل ہوگی اور تقلید سے متعلق جو

شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے، ہمارا یہ رسالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد چہارم ص: ۱۲۹ تا ۲۴۷ میں بھی شائع ہو چکا ہے اب شاہ صاحبؒ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

باب تاكيد الاخذ بمذاهب الاربعة والتشديد في تركها والخروج عنها اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة۔
(عقد الجید مع سلک مروارید ص: ۳۱)

اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدیدہ کے بیان میں اعلم...... جاننا چاہیے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور سب سے اعراض اور روگردانی میں بڑا مفسدہ ہے۔

اور اسی کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

وثانيا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعًا للسواد الاعظم۔
(عقد الجید مع سلک مروارید، ص: ۳۳)

اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے! حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو سواد اعظم بتلا رہے ہیں لہٰذا جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے وہ شتر بے مہار کی طرح ہیں اور در حقیقت وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔

نیز آپ امام بغویؒ کا قول بطور تائید نقل فرماتے ہیں۔

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث۔ (عقد الجید، ص: ۹)

اور اس شخص پر جو ان شرائط (یعنی اجتہاد کے شرائط) کا جامع نہیں اس پر کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے ان حوادث (مسائل) میں جو اس کو پیش آویں۔

اور فرماتے ہیں۔

وفی ذلك (ای التقلید) من المصالح مالا یخفی لاسیما فی هذه الایام التی قصرت فیهاالهمم جدًاواشربت النفوس الهوی واعجب كل ذی رأی برأیه. (حجۃ اللہ البالغہ مترجم ۱/۲۶۱)

اور اس میں (یعنی مذاہب اربعہ میں کسی ایک کی تقلید کرنے میں) بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خاص کر اس زمانہ میں جبکہ ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں اور نفوس میں خواہشات نفسانی سرایت کر گئی ہیں اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرنے لگا ہے۔

اور فرماتے ہیں

وبعد المأتین ظهرت فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من كان لایعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وكان هٰذاهوالواجب فی ذلك الزمان (انصاف مع ترجمہ کشاف، ص:۵۹)

اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں (یعنی عموماً تقلید شخصی کا رواج ہوگیا) اور یہی چیز اس وقت واجب تھی۔

اور فرماتے ہیں۔

وهٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن یعتد بها منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هٰذا.
(حجـة الله بالغـة ۱/ ۳٦۱)

اور یہ مذاہب اربعہ جو مدون اور مرتب ہو گئے ہیں پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ (مشہورہ) کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے (اس کی مخالفت جائز نہیں بلکہ موجب گمراہی ہے)

اور فرماتے ہیں۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدین سرٌ الهمهٗ الله تعالی العلماء وجمعهم علیه من حیث یشعرون والا یشعرون.(انصاف عربی ص:٤٧ انصاف مع كشاف ،ص:٦٣)

الحاصل! ان مجتہدین (ائمہ اربعہ کے مذہب) کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور ان کو اس پر متفق کیا ہے خواہ وہ تقلید کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔

اور فرماتے ہیں۔

انسانٌ جاهلٌ فی بلاد الهند وبلاد ماوراء النهر ولیس هناك عالم شافعی ولا مالکیٌ ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدیً مهملا۔ (انصاف عربی ،ص:۵۳،انصاف مع کشاف ،ص:۷۰،۷۱)	کوئی جاہل عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں عام طور پر مذہب حنفی پر عمل ہوتا ہے) اور وہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ہی کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ حنفی مذہب کو ترک کردے اس لیے کہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنے گردن سے نکال پھینکتا ہے اور مہمل و بیکار بن جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے دور کے بلند پایہ محدث، بے مثال فقیہ، جامع المعقول والمنقول اور مجتہد تھے، غیرمقلدوں کے پیشوا مولانا صدیق حسن خاں صاحبؒ شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اگر وجودِ اودر صدرِ اول درزمانۂ ماضی بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمرده می شود" یعنی: اگر شاہ صاحب کا وجود صدر اولاً (متقدمین کے زمانہ) میں ہوتا تو اماموں کے امام اور مجتہدین کے سردار شمار ہوتے، یہ ہے شاہ صاحب کا علمی مقام اور محدثانہ شان۔ اس علوشان کے باوجود حضور اقدس ﷺ کی جانب سے آپکو تقلید پر مامور کیا گیا اور دائرہ تقلید سے خروج کی ممانعت کی گئی، چنانچہ حضرت شاہ صاحب "فیوض الحرمین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

واستفدت منه صلی الله علیه وسلم ثلثة امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیه اشد میل فصارت هذه الاستفادة من براهین الحق تعالٰی علی۔ الی قوله۔ وثانیهما الوصاة بالتقلید بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها۔الخ (فیوض الحرمین ص:۶۴،۶۵ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند)	ترجمہ: مجھے حضور اقدس کی جانب سے ایسی تین باتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے میرا خیال ان کے موافق نہ تھا اور اس طرف بالکل قلبی میلان نہ تھا یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق ہوگیا، ان تین امور میں سے دوسری بات یہ تھی حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ نکلوں۔

مذکورہ عبارت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی ہے جسے شک ہو فیوض الحرمین کھول کر دیکھ لے۔ اس عبارت میں ائمۂ اربعہ کے مقلدین کے لیے بشارت عظمٰی اور غیر مقلدوں کے لیے بڑی عبرت ہے کیا اس کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف یہ بات منسوب کی جاسکتی ہے کہ آپ تقلید کے منکر اور مذاہب اربعہ کے بدعت ہونے کے قائل ہیں!!! مزید آپ فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة انيقة هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت في زمان البخاري واصحابه.	ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔

(فیوض الحرمین ص: ۸ مکتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فرامین عالیہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے مبارک زمانہ میں نفس تقلید کا رواج و دستور بلا خلاف جاری و ساری تھا۔

(۲) مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ہے (جو از روئے حدیث واجب ہے) اور مذاہب اربعہ کے دائرہ سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے (جو گمراہ کن ہے)

(۳) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی (یعنی مذاہب اربعہ میں سے صرف کسی ایک کی تقلید) کی ابتداء ہو چکی تھی۔

(۴) مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کی تقلید یعنی تقلید شخصی منجانب اللہ الہامی راز ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے۔

(۶) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۷) تقلید شخصی میں دینی مصالح و فوائد ہیں۔

(۸) مجھے مذاہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی (یعنی تقلید کی) آنحضور ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔

(۹) مذہب حنفی سنت کے مطابق ہے اس کی شہادت خود حضور اقدس ﷺ نے دی ہے۔

(۱۰) عوام (یعنی غیر مجتہد) کے لیے تقلید چھوڑنا حرام ہے بلکہ دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا پیش خیمہ ہے (جس کا اعتراف غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے جسے

ہم آئندہ پیش کریں گے۔ تلك عشرة كاملة.

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فرامین بار بار پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ جس بات کی نسبت حضرت شاہ صاحب کی طرف کی جارہی ہے وہ کس قدر غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس فرقہ کے متعلق جو بات تحریر فرمائی ہے وہ بھی قابل دید ہے، اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرکے فقہاء کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی شان میں بدزبانی، گستاخی اور بدگمانی سے باز آنا چاہیے ملاحظہ ہو۔

فاما هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والاثرفان الاكثرين منهم انما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوعٌ اومقلوبٌ لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعانى ولا يستنبطون سرّها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن و ادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوه من العلم قاصرون وبسؤالقول فيهما الآثمون۔

(الانصاف مع ترجمہ کشاف ص: ۵۳)

طبقۂ اہل حدیث والا اور اثر کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کی کوشش (صرف) روایتوں کا بیان کرنا ہے اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور ان احادیث سے غریب اور شاذ کو تلاش کرنا ہے جن کا اکثر حصہ موضوع یا مقلوب ہے، یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نہ اس کے دفینے اور فقہ کو نکالتے ہیں اور بسا اوقات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں اور ان پر سنن واحادیث کی مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس کے حصول سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

غیرمقلدین ترک تقلید کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں، جس طرح خود آزاد ہیں دوسروں کو بھی آزاد رہنے کی تلقین کرتے ہیں مگر ترک تقلید سے جو دینی نقصان ظاہر ہورہا ہے اور برسوں کے تجربہ کے بعد انکے بڑوں نے اس آزادی کے متعلق جو تحریر کیا ہے اسے نہیں دیکھتے، حق یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ہٹ دھرمی کٹ حجتی کو چھوڑ کر دیانت داری اور سنجیدگی سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے قاعدے پر جمے رہیں، غیرمقلدوں کے پیشوا مولانا نواب

صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

فقد نبت فی هذا لزمان فرقة ذات سمعة ورياءٍ تدعی انفسها علم الحديث والقرآن والعمل والعرفان۔ الی قوله۔ فيا للعجب ان يسمعون انفسهم الموحدين المخلصين وغيرهم بالمشركين وهم اشد الناس تعصبا وغلواً فی الدين۔الی قوله فما هٰذا دين الاّ فتنة فی الارض وفساد كبير۔ (الحطه فی نكر صحاح السته ص:٦٧،٦٨، بحواله تقليد ائمه ، ص: ١٧،١٨)

اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریاکار ظاہ ہوا ہے جو ہر طرح کی خامی کے باوجود اپ لئے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے (حالانکہ اسکو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے) الی قولہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیرمقلدین کس بنیاد پر خود کو موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک (او بدعتی) قرار دیتے ہیں حالانکہ غیرمقلدین خو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غال ہیں، اس مضمون کے اختتام میں لکھتے ہیں۔ فم ہٰذا۔ یہ طریقہ (جو غیرمقلدوں کا ہے) کوئی دین نہیں یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

ان کے ایک دوسرے پیشوا مولانا محمد حسینؒ بٹالوی تحریریں فرماتے ہیں۔

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مج مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں۔ بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور اح شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی (غیرمقلدیت) کا ادنی کرشمہ ہے، ان فاسقوں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ سود، شراب سے پرہیز نہی کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگ رہتے ہیں ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں کفر وارتداد اور فسق کے اسباب میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی۔ کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اشاعت السنہ جلد ۱۱، شمارہ ۱۱ ص: ۵۳ بحوالہ سبیل الر ص: ۱۰ اور کلمۃ الفصل ص: ۱۰ اور تقلید ائمہ ص: ۱۶، ۱۷ از مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

علمائے دیوبند اب بھی مغرب کی نظر میں

حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

برطانیہ کے مشہور روزنامہ ٹائمز کے ایک تازہ شمارہ میں برطانیہ میں پھیلے ایک مذہبی طبقے کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ افغانستان میں طالبان کا برپا کردہ اسلامی انقلاب اس قدر خطرناک ہے کہ اس کے اثرات برطانیہ میں بھی آسکتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ طالبان کی اس مہم اور انقلاب میں سب سے زیادہ ہاتھ دیوبندی علماء اور دیوبندی مکتب فکر کا ہے جو مذہب پسندی اور بنیاد پرستی میں بطور خاص معروف ہیں اور ان لوگوں کی کوشش ہے کہ ساری دنیا میں اسلامی بنیاد پرستی کو فروغ دیا جائے رپورٹ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ برطانیہ کی بہت سی مساجد میں دیوبند کا تیار کردہ نصاب پڑھایا جارہا ہے اور یہاں کے نوجوانوں کو اس دین پر لانے کی جدوجہد ہو رہی ہے جو افغانستان کے طالبان کا اعتقادی موقف ہے یہاں کے نوجوانوں کو دارالعلوم دیوبند بھیجا جاتا ہے جہاں وہ آٹھ سال کی ٹریننگ لے کر برطانیہ واپس آتے ہیں اور یہاں کی مساجد اور مدارس میں اس کی تعلیم دیتے ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برطانیہ کی بعض مساجد سعودی عرب کی امداد کے نتیجہ میں تیار ہوئی ہیں اور اس وقت سعودی عرب نے ان لوگوں کی امداد سے اپنا ہاتھ روک لیا ہے جو طالبان کا دیوبندی موقف نہ رکھتا ہو۔

Saudi are refusing to finance new mouques unless they belong to the Taliban's Deoband of Islam.

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ سعودی عرب بھی اپنے اس اعتقادی موقف میں دیوبند کے ساتھ ہے۔ رپورٹ کے مطابق برطانیہ کی 1.5 ملین مسلم

آبادی (جس میں عرب ترک اور افریقہ ملیشیا اور انڈونیشیا وغیرہ سب قوموں کے لوگ ہیں) کم و بیش ۲۰ فیصد حصہ دیوبندیوں پر مشتمل ہے اور جوں جوں یہ تعلیم و تبلیغ میں آگے بڑھتے جارہے ہیں اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جو برطانیہ کے دانشوروں کی نظر میں قابل تشویش ہے ولور ہمپٹن یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈی کے پروفیسر Ron Geaves اس پر اپنی تشویش کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

> The increase in Deoband teachings in Britain was a cause for concern. The Deobandis are obseessed with fatwas.Its how they control their members and how they would like to control the rest of the islamic world. Deobandis see their way as the only correct rout andare political in their teachings.

علمائے دیوبند شروع سے علماء کا ایک تاریخ ساز طبقہ رہا ہے ان کا شاندار ماضی علم و فکر اور عزم و قربانی کا ایک حسین امتزاج رہا ہے اس وقت کے دیوبندی علماء گو اپنی روایات سے بہت دور جانکلے ہیں لیکن پھر بھی الحاد و قادیانیت اور مغرب واستعمار کی آنکھ کا خار ہیں۔

اس رپورٹ میں طالبان اور عورتوں سے متعلق اسلامی تعلیمات اور اسلامی سزاؤں کو ایک خوفناک پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے اور برطانیہ کے دینی مدارس کا تذکرہ بھی اس پس منظر میں کیا گیا ہے کہ یہاں پڑھنے والے طلباء کا ذہن اور ان کی سوچ اس سوچ سے مختلف نہیں جو طالبان میں پائی جاتی ہے اور ان میں بھی اس دینی بیداری کا جذبہ زوروں پر ہے۔

مذکورہ بالا رپورٹ میں کہاں تک صداقت پائی جاتی ہے اور کن کن موضوعات کو محض پروپیگنڈہ میڈیا کی ناانصافی اور جھوٹ کا نام دیا جاسکتا ہے اس سے قطع نظر اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات اب کوئی چھپی نہیں رہی کہ سابق سوویت یونین کی شکست و ریخت اور ایک مختلف ریاستوں میں بٹ جانے کا کام زیادہ انہی لوگوں کی جدوجہد سے عمل میں آیا ہے جو آج دیوبندی سمجھے جارہے ہیں اس انقلاب کے نتیجے میں امریکہ اب ایک سپر پاور کی حیثیت میں ہے اور اس کی تائید و تعاون میں مغربی ممالک اور خود روس کی ملحدانہ قوتیں بھی پوری طرح سرگرم عمل ہیں امریکہ کا اور مغرب کے زعماء اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ سوویت یونین کے بکھر جانے اور کمیونسٹ نظام کی تباہی کے بعد ایک ایسا نیا نظام ترتیب دیا جائے کہ دنیا کا ایک ایک ملک اور خطہ امریکہ کا دست نگر اور محتاج بن جائے پھر یہ لوگ اپنے افکار و نظریات

کو وہاں اس طرح غالب کر دیں کہ کسی اور فکر و نظر کا وہاں سایہ تک نہ پڑے۔ یعنی پوری دنیا اس ایک نظام کے تحت چلے جو امریکہ مغرب کے تعاون سے تیار کر چکا ہے اسی امید اور یقین پر سابق امریکی صدر نے نیو ورلڈ آرڈر New World order کا نعرہ لگایا تھا اور پوری دنیا کو اس نظام سے وابستہ کرنے کی ہر ممکن راہ تلاش کی تھی۔

لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہے ابھی کمیونزم کا خاتمہ ہوا ہی تھا کہ اسلام اس تیزی اور قوت سے ابھرا کہ مغرب کے دانشوروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ایک طرف اہل اسلام اسلام سے حد درجہ وابستگی اور قلبی تعلق کا بر سر عام اظہار و اعلان کرنے لگے ہیں اور نوجوانوں میں اسلام سے محبت اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کا جذبہ اور بیدار ہونے لگا ہے تو دوسری طرف غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ ان کے معروف حضرات کے قبول اسلام کے چرچے اخبارات کی زینت بنے ہوئے ہیں برطانیہ کے ولی عہد کی زبان اسلام کی تعریف و توصیف اور اسلامی نظام کی مدح کرنے میں ذرا نہیں جھجکی سو اسلام اب ان گھرانوں پر دستک دینے لگا ہے جہاں اسلام کو مٹانے کے منصوبے بنتے تھے اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے مغرب اور امریکہ کے اخبارات میں مسلسل یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام ایک خوفناک اور دہشتناک مذہب ہے یہ ساری دنیا کے امن کا دشمن اور ساری دنیا میں فساد کی جڑ ہے یہ کہنے والے امریکہ اور مغرب کے صدور و وزراء اور دانشور ہیں جو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر اس وقت اسلام کا راستہ نہ روکا تو نیو ورلڈ آرڈر کا خواب ادھورا رہ جائے گا اسی کو اسلام سے نمٹنے کے لئے بین الاقوامی میٹنگیں ہیں خفیہ منصوبے بن رہے ہیں اقتصادی۔ معاشی اور سیاسی طور پر مسلمانوں کا گھیراؤ کیا جا رہا ہے اسلام کے بارے میں غلیظ اور خبیث ترین پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ کبھی عورتوں کو اس کے خلاف طرح طرح سے اکسایا جا رہا ہے نام نہاد مسلمانوں کو اسلام کی خامیاں اور خرابیاں دکھانے کے لیے خریدا گیا ہے اور اسلامی ممالک کو قوت کے بل بوتے پر لڑانے اور تباہ کرنے کی چالیں چلی جا رہی ہیں اور جہاں جہاں مسلمانوں نے اسلامی نظام اور اسلامی اعمال کی بات کی ہے ان پر تنگ نظری بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا لیبل لگا کر دنیا بھر میں اسلام کو بدنام کرنے کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔

گذشتہ کچھ عرصہ سے برطانیہ کے اخبارات بنیاد پرستی اور اسلامی عقائد و اعمال اور

اسلامی قوانین کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور بار بار افغانستان کے طالبان کا نام لے کر مغربی عوام کی ذہن سازی کرر ہے ہیں کہ طالبان اس نظام کی پیداوار ہیں جنہیں دینی مدارس کہا جاتا ہے اور ان دینی مدارس کا اصل سر چشمہ دارالعلوم دیوبند ہے جسے دنیا بھر کے دینی مدارس میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے بقول اس رپورٹ کے یہ مسلم دنیا میں اپنی نوعیت کا دوسرا بڑا ادارہ ہے پہلا ادارہ وہ ازہر کو سمجھتے ہیں۔

The institution thr second - argest in the Muslin world........

یہ دیوبندی مکتب فکر ہے جس نے طالبان میں اسلامی روح بیدار کی اور ایک ایسا نظام دیا جسکی روشنی میں انہوں نے وہاں اسلامی نظام نافذ کر دیا ہے۔

مغرب بالخصوص برطانیہ دارالعلوم دیوبند اور دیوبندی مکتب فکر سے ناواقف نہیں۔ وہ لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کے حقیقی ترجمان یہی دارالعلوم کے علماء تھے جنہوں نے مسلم قوم میں دینی شعور بیدار کیا اور انہیں اپنے اسلاف سے وابستہ کئے رکھا وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ متحدہ ہندوستان میں علماء کا سب سے موثر ادارہ یہی دارالعلوم تھا اور یہاں کے علماء کے بیانات اور ان کے فتاوی بڑی اہمیت رکھتے تھے اور پوری مسلم قوم اس ادارے کو اپنا دینی رہنما مانتی چلی آئی ہے مسلم آف برٹش انڈیا کا مصنف پی ہارڈی ایک مقام پر لکھتا ہے کہ

The most vital school of ulama in India in the second half of the nineteenth century was that centred upon Deoband, the Dar-Ul-Uloom founded in 1867

(The Muslims of British India,p:170)

ہندوستان میں انیسویں صدی کے نصف ثانی میں علماء کا سب سے زیادہ موثر ادارہ وہ ہے جس کی مرکزیت دیوبند میں ہے یہ دارالعلوم دیوبند ہے جو ۱۸۶۷ء میں قائم ہو چکا تھا (ص: ۱۷۰)

The collection of Fatwa by Deobandi Ulama are of immense importance for understanding the pre-occupatiorts of Indian Muslims.

(The Muslims of British India,p:171)

علمائے دیوبند کے مجموعہائے فتاوی ہندوستانی مسلمانوں کے پہلے سے ذہن سازی کرنے میں بہت اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے (منقول از مطالعہ بریلویت، ج: ۳، ص: ۴۴۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم کے اکابر اور ان کے فتاویٰ نے مغرب کے نظام اور ان کے منصوبے کو بر سر عام فاش کیا ہے اور اس کے مقابلے پر وہ نظام پیش کیا ہے جس سے مسلمانوں کا تعلق اپنے اسلاف سے قائم رہے اور اسی نظام کی روشنی میں وہ اپنی اقتصادی سیاسی اور معاشرتی پالیسی مرتب کریں اور دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ دب کر نہیں بلکہ برابر کی سطح پر گفتگو کریں۔ یہ وہ نظام ہے جس سے مغربی اور اسلام دشمن قوتیں اپنے مقاصد میں ناکام ہورہی تھیں چنانچہ انہوں نے اس نظام کو نشانہ تنقید بنانے کے بجائے قوم کو علماء دیوبند سے بدظن کرنے کی راہ تلاش کی اور اس کے لیے کچھ ایسے شرپسند افراد بھی منتخب کئے جن کا کام ہی علماء اسلام کو گالیاں دینا اور مسلم قوم کو اپنے اسلاف سے باغی کرنا تھا۔ مسلمانوں میں تفرقہ کی یہ آگ انہی لوگوں کی لگائی ہوئی ہے۔ ان سب کے باوجود مغرب اپنے منصوبے میں ناکام ہوا اور اسے پسپا ہوکر واپس لوٹنا پڑا آج پھر ایک بار علمائے دیوبند کا امتحان ہے آج صرف برطانیہ نہیں دنیا بھر کی اسلام دشمن قوتیں یہ فیصلہ کرچکی ہیں کہ ان کے مقاصد واہداف کی راہ میں چونکہ سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہیں اس لیے سب سے پہلے ان سے نمٹا جائے اور انہیں مذہبی اور سیاسی سطح پر ہر طرح سے ناکام اور بدنام کیا جائے کیونکہ یہ علماء اس دین کے وارث اور ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنے اسلاف سے وابستہ رہنے کی تاکید کی ہے اور مسلمانوں کی ہر موڑ پر رہنمائی کی ہے۔ برطانیہ میں علمائے دیوبند کے داخلے پر پابندی اور پاکستان میں علماء دیوبند سے وابستہ علماء اور دانشوروں کے خلاف ایک منظم منصوبہ اور اس پر عمل یہ وہ حالات ہیں جن کی روشنی میں اس رپورٹ کو ملاحظہ کیا جائے تو بات بہت حد تک سمجھ میں آتی ہے کہ امریکہ اور مغرب کے دانشور اور سیاسی رہنما دیوبند اور ان سے وابستہ افراد اور جماعتوں سے کس لیے تشویش میں مبتلا ہیں؟ اور کیوں انہیں اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا سمجھ کر ان کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈہ کررہے ہیں۔

ہم ان مغربی مفکرین سے جو یورپ میں علمائے دیوبند کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خوفزدہ ہیں یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کو ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں یہاں کے نوجوانوں اور مسلم معاشرے میں دینی جذبہ بیدار ہو اور اس پر عمل کرنے کی خواہش ابھرے تو اسے یہیں کے رہنے والوں کی ایک فکری بیداری سمجھئے علمائے دیوبند کا مزاج اعتدال کا ہے

تشدد کا نہیں اور تشدد خود اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے اکابر دیوبند کی تحریرات اور ان کی سوانح حیات اسی نقطہ اعتدال کی شاہد ہیں اور ہم انہی لوگوں کے جانشیں ہیں جنہیں امت وسط کا لقب ملا ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مداہنت سے کام لیں اور اپنی اس دینی ذمہ داری کی ادائیگی کا احساس تک نہ کریں۔ ایسا نہیں۔ ہم دین کو سمجھنے اور سمجھانے میں نہ تو اس طرز کے حامی ہیں جو ماضی سے بالکل کٹا ہوا ہو اور اپنے اسلاف سے بالکل ہٹا ہوا ہو کیونکہ یہ ایک نئی راہ ہوگی اور اپنے اسلاف سے بدگمانی کو راہ ملے گی اور نہ ہم اس طریق کے قائل ہیں کہ شدت اور زور وجبر کے ذریعہ غیر مسلموں کو مسلمان کریں (کہ یہ قرآنی ہدایت **لااکراہ فی الدین** کے منافی ہے) ہمارا مسلک اعتدال کا ہے جس طرح ہم دوسرے ممالک میں جاکر وہاں کے نظام میں دخل اندازی نہیں کرتے اسی طرح ان ممالک کے مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت میں بھی لاپروائی نہیں برتتے۔ اور نہ ہم پسند کرتے ہیں کہ کوئی شخص محض اندیشے کی بناء پر اسلامی عقائد اعمال کو خواہ مخواہ تنقید وتبصرہ کا نشانہ بنائے اور یہاں کے عوام کو اسلام کے بارے میں غلط خبریں (Wrong information) دے اور اپنے نظریات کو اسلام کے سر تھوپ دے دیکھئے اسی مضمون میں یہ الزام لگایا ہے کہ اسلام میں عورت ہر برائی کا منبع (Source of evil) ہے حالانکہ یہ نظریہ اسلام کا نہیں عیسائی پیشواؤں کا رہا ہے مسیحی پیشوا ترتولیان مسیحی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عورت کے احترام کی جو تعلیم دی گئی اور جس تاکید کے ساتھ دی گئی ہے دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کا عشر عشیر تک نہیں ملتا اب اس غیر اسلامی نظریہ کو اسلام کے سر تھوپنے کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ اسلام کو یورپی عوام کے سامنے ایک خوفناک مذہب کی صورت میں رکھا جائے اور مسلمان میڈیا کے اس عمومی دباؤ میں ہی دب کر رہ جائیں اگر بات یہی ہے تو عوام کو ایک غلط فہمی میں رکھنے کی اس سے بدتر صورت کیا ہوگی۔

رہی بات برطانیہ اور یورپ میں مقیم علمائے دیوبند اور ان سے وابستہ افراد اور جماعتوں کی تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ آج مجدد حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (قدس اللہ اسرارہم) گو ہم میں موجود نہیں لیکن مغرب کا یہ اعتراف کہ دیوبندی

ب فکر ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور ان کی دینی خدمت کا یہ انداز مغرب کے لیے
درجہ قابل تشویش ہے علمائے دیوبند کے لیے کچھ کم اعزاز نہیں۔ اور یہ الفضل ماشہدت بہ
عداء کی ایک کھلی تصدیق ہے۔ اور کفر و اسلام کی معرکہ آرائی میں اسلام کے ترجمان اور
لاف کے جانشین آج بھی علماء دیوبند ہی سمجھے گئے ہیں ذلك فضل الله یوتیه من
شاء والله ذو الفضل العظیم۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ----- تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ہم علمائے دیوبند کو ان کی نسبت پر مبارک باد دیتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ
ارا اپنے مقام کو پہچانیں غیر تو آپ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں مگر آپ ہی اپنی تاریخ اور
ت کا اندازہ نہیں کر پائے خدارا اپنی نسبت کی لاج رکھ کر اپنے آپ کو اسلام کی دعوت اور
سلک حق کی خدمت کے لیے وقف کردیں اس راہ میں للّٰہیت۔ خلوص۔ ایثار۔ جذبہ۔
رردی۔ اخوت اور اتفاق کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چلا جاسکتا آپ آج بھی ایک
ھنڈے تلے جمع ہونے کی کوشش کریں اور ان کالی بھیڑوں کو اپنے سے نکال دیں جو محض
صول زر کے لیے مختلف تنظیمیں بنانا اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنی متاع گم
تہ کو نہ پالیں۔ ہمارے اکابر انہی بنیادوں پر آگے بڑھے تھے آج سالہا سال گذرنے کے
وجود مغرب اس خوف میں مبتلا ہے کہ یہ علماء دیوبند ہی ہیں، جو امریکہ اور مغرب کی آنکھوں
ں آنکھیں ڈال سکتے اور اسلام کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کرسکتے ہیں یہ سوچ امریکہ
ر مغرب کی ہے کہ کہیں یہ لوگ کائنات پر اسلام کا جھنڈا نہ لہرادیں ----

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

(وما علینا الا البلاغ ۳۰ اگست ۹۷ء)

کیا تلاوت نہ کی جائے

﴿جماعت اسلامی کا نظریہ﴾

مولانا عبدالحفیظ رحمانی لوھرسن ،سدھارتھ نگر

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت ہے۔اس میں انسانی زندگی گزارنے کے جو اصول واحکام بیان کئے گئے ہیں (خواہ وہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں یا اجتماعی) وہی دونوں جہاں میں فوز وفلاح کے ضامن ہیں۔ قرآنی احکام کے بجائے زندگی گزارنے کے قوانین خود مرتب کرنا یا قرآنی احکام میں کتربیونت کرنا سراسر گمراہی ہے۔انسان کو اپنا دستور حیات وضع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق قانون سازی کے لئے نہیں قانون پر عمل کرنے کے لئے کی ہے۔اس کو یہ بھی اختیار نہیں دیا ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ اصول واحکام کی من مانی تفسیر وتشریح کرے بلکہ اس کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا پابند کیا گیا ہے کہ آپ نے احکام الٰہی کی جو تشریح وتعبیر کی ہے اور ان کو جو عملی شکل دی ہے وہی اصل ہے۔اور ایسے شخص کو جو قرآن حکیم کی تفسیر وتعبیر میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے اس کو جہنم کی سزا سنائی گئی ہے۔

اس کے باوجود محدودے چند نام نہاد مفسرین نے تفسیری اصول وضوابط اور شرائط پیش نظر رکھنے کے بجائے اپنے خود ساختہ نظریہ کے مطابق تفسیر بیان کرنے کی جسارت کی ہے۔ان میں مودودی صاحب کسی ایسے مفسر سے پیچھے نہیں ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ قرآن حکیم کی عبارت پڑھ کر جو مفہوم ان کی سمجھ میں آیا ہے اس کو اپنی زبان میں منتقل کردیا ہے۔خواہ وہ مفہوم کتاب وسنت سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"میں نے اس (تفہیم القرآن) میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں"

(دیباچہ تفہیم القرآن جلد اول: ص:۱۰)

اس مختصر سے فقرہ میں مودودی صاحب کا پہلا دعویٰ تو یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ نہیں پہنایا ہے۔ ہم مودودی صاحب کے اس دعویٰ کی مکمل تصدیق کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کو سچ کر دکھایا ہے اور قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے اپنے خیالات و نظریات کو قرآنی الفاظ کا سہارا لے کر بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

ان کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے وہ میں نے اپنی زبان میں منتقل کیا ہے ہم اس دوسرے دعویٰ کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب تفہیم القرآن میں وہی لکھا ہے جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا ہے۔ خواہ وہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے احکام سے مناسبت رکھتا ہو یا اس کے برخلاف ہو، حضرات مفسرین کی تفسیروں سے مطابقت ہو یا نہ ہو، عقائد پر ضرب پڑتی ہو یا نہ پڑتی ہو، مفہوم وہی بیان ہوگا جو ان کی سمجھ میں آئے گا چنانچہ اس سمجھ کے الٹے سیدھے نقش و نگار کتاب میں جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مودودی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی ترجمانی کا مدار اپنی سمجھ پر رکھا ہے۔ یہ دعویٰ تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب کرنے کی جرأت نہیں کی گئی ہے۔ اور آپ خود ہی مدعی ہیں۔ اور ادھر تو مشکوٰۃ نبوت سے یہ روشنی چھن چھن کر آرہی ہے کہ "گفتہ او گفتہ اللہ بود" یعنی آپ کے ارشاد گرامی درحقیقت آپ کے نہیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور قرآن حکیم اس کی تصدیق کرتا ہے کہ آپ اپنی طبیعت سے کچھ نہیں کہتے ہیں لیکن مودودی صاحب کی سمجھ اتنی طاقتور اور بلند و بالا ہے کہ اس میں غلط مفہوم آہی نہیں سکتا اس لئے وہ قرآن حکیم کی ترجمانی اپنی سمجھ سے کریں گے اور وہی سمجھ سب کے لئے معتبر ہوگی۔ حالانکہ عقائد کی دنیا میں معتبر بزرگان دین کے الہام کو بھی کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ دعویٰ نہ کرتے تو مودودی صاحب کو اپنے سیاسی نظریہ کو اسلام کی روح اور نصب العین ثابت کرنے میں بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ قرآن حکیم میں حکومت الٰہیہ

کے قیام کی کوشش کرنا، تحریک چلانا، سیاسی غلبہ کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ سب کچھ سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی سمجھ کو قرآن حکیم کی ترجمانی کا مدار بنالیا ہے۔

ان کا تیسرا دعویٰ ہے کہ قرآن حکیم کی عبارت پڑھ کر جو اثر ان کے دل پر پڑا ہے وہ انہوں نے اپنی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ بات بالکل صاف ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے سنت رسول دیکھنے کی ضرورت ہے نہ آثار صحابہ اور نہ ہی متقدمین کی تفسیریں بلکہ دل میں جو کچھ سما جائے وہی آیات قرآنیہ کا صحیح مفہوم ہے چونکہ حضرات مفسرین نے مودودی اصولوں کے بجائے سنن و آثار کو پیش نظر رکھا اس لئے ان مفسرین نے مودودی صاحب کے بقول قرآن حکیم کا مفہوم سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں لکھتے ہیں۔

> اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلامی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے ان ہی دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب لغت تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔
>
> (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۸)

ان اہل لغت اور مفسرین پر ناسمجھی اور بددیانتی کا الزام اس لئے عائد کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے قرآنی الفاظ کو وہ سیاسی رنگ نہیں دیا جو مودودی صاحب کا مطمح نظر ہے اس سیاسی تعبیر و تشریح میں یہ جمہور امت سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ انہیں کی طرح ہر شخص قرآن کی تفسیر اپنی سمجھ سے کرتا رہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کی جماعت کے قلم کار ترجمۂ قرآن پر غور و فکر اور تدبر کی عوام کو دعوت دے رہے ہیں۔ خواہ یہ عام لوگ ترجمۂ قرآن سے مسائل کچھ بھی اخذ کریں اس لئے کہ وہ مودودی طرز فکر یا اصول تفسیر کی بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی ہماری سمجھ میں آیا ہے اور قلب پر وارد ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ترجمۂ قرآن کو سامنے رکھ کر غور و فکر کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جن کا مبلغ علم چند اردو رسائل تک محدود ہوگا اور اردو کی چند کتابیں مطالعہ میں ہونگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر کتاب و سنت کے علی الرغم مسائل وجود میں آجائیں گے اور ہر شخص آزاد ہوگا کہ وہ براہ راست کتاب اللہ سے ان لوگوں کو مسائل بتلایا کرے جو اردو سے بھی نابلد ہیں اور

اہل علم سے جھگڑتا ہے۔

یہی بات ایک مختصر سے جملہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مقبول ترین کتاب "تبلیغی نصاب" میں لکھ دی تو مودودی جماعت کے قلم کاروں نے قیامت برپا کر دی اور یہ الزام عائد کر دیا کہ۔

"انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک نہایت غلط بات کو نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ اس کی تائید میں انہوں نے قرآن سے بھی نہایت غلط استدلال کیا ہے"۔

(زندگی نو ماہ دسمبر ۹۲ء، ص:۲۱)

وہ نہایت غلط بات کیا ہے جو قرآن حکیم کے بیانات سے متصادم اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ مضمون نگار نے اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے پورے جملے کے ایک جزء کو نقل کر کے اسی پر تقریر کی ہے۔ پورا جملہ نقل کرتے تو جو الزام وہ حضرت شیخ الحدیث پر عائد کرنا چاہتے ہیں وہ عائد نہ ہوتا اس لئے انہوں نے اپنا حوصلہ پورا کرنے کی خاطر کتربیونت کافی ثبوت بہم پہنچایا اور ارمان نکال لئے حضرت شیخ الحدیث کے فقرہ کا جو ابتدائی حصہ مضمون نگار نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔

بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف....... دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اتنا عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے۔

(فضائل تبلیغ، ص:۲۷)

کون سی غلط بات نقل کر دی شیخ الحدیث نے؟ یہی نا کہ ہر شخص قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ قرآن مجید ایک ایسا ہدف بن جائے گا جس پر ہر کس و ناکس اپنی سمجھ اور قلبی تاثرات کے تیر چلائے گا چنانچہ اس دور میں مودودی صاحب کی پیروی میں بہت سے پرویز اور عطاء اللہ پالوی بن گئے جنہوں نے قرآن مجید کو اپنے خیالات و نظریات کا تابع بنانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ قرآن حکیم میں غور و فکر کے نتائج پیش کرنا عوام کا نہیں خواص کا کام ہے۔ بے علموں اور کم علموں کا نہیں متبحر علماء کرام کا ہے اور قرآن حکیم کی

اصطلاح میں علماء راسخین ہی اس کے اہل ہیں۔

یہی بات حضرت شیخ الحدیث کے پورے فقرہ سے واضح ہوتی ہے۔ آپ بھی ایک نظر ڈال لیں۔

بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے۔

> ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔ دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیان القرآن) یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق سے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چون و چرا کا کیا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپروائی کا معاملہ کیا جائے۔ ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے۔ اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔
>
> (فضائل تبلیغ، ص:۲۷)

اور اگر عوام کو قرآن حکیم میں غور و فکر کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تو اس کے نتائج نجران کے عیسائیوں سے ذرا بھی مختلف نہیں ہوں گے۔ دور کیوں جایئے آج کے عیسائی بھی کلمۃ اللہ، روح اللہ والی آیات پیش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کی ناروا کوشش کرتے ہیں اور ان تمام آیات سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہا گیا ہے۔ تو کیا ایک عام آدمی سے جو ترجمۂ قرآن کو سامنے رکھ کر غور و تدبر کریگا وہ محکمات اور متشابہات کے فرق کو ملحوظ رکھ سکے گا؟ یہی نہیں وہ کیا آیات محکمات جن میں عقائد عبادات معاملات اور زندگی گزارنے کے اصول بیان کئے گئے ہیں کے صحیح مفہوم تک پہنچ سکے گا؟ جواب یقیناً نفی ہی میں ہوگا۔ پھر بھی اصرار ہے کہ عوام کو غور و تدبر کا پورا پورا حق ہے۔ حالانکہ مضمون نگار نے غور و تدبر کے سلسلے میں جن قرآنی آیات

سے استدلال کیا ہے وہ آیتیں خود اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ اس کا تعلق عقل والوں سے ہے بے علموں اور بے عقلوں سے نہیں ہے وہ آیتیں آپ بھی پڑھ لیں۔

(۱) کتاب انزلناه الیك مبارك لید بروا اٰیته ولیتذکر اولوالالباب (ص)	ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تا دھیان کریں۔ اس کی باتوں پر اور تا سمجھیں عقل والے۔
(۲) ھٰذا بلٰغ للناس ولینذروابه ولیعلموا انما ھو اله واحد ولیذکر و اولوالالباب (ابراھیم)	یہ خبر پہنچادینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور تاکہ سوچ لیں عقل والے

اسی طرح مضمون نگار نے سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت کا ترجمہ شیخ الہند نقل کرکے غور و تدبر پر استدلال کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں محکم یعنی ان کے معنی واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں مشابہ یعنی جن کے معنی معلوم اور متعین نہیں۔ سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اوران کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے (آل عمران، آیت: ۷)

مذکورہ آیات میں غور و تدبر کرنے کا حکم عقل والوں کو دیا گیا ہے لیکن مضمون نگا کو اصرار ہے کہ عوام غور کریں جبکہ سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت میں پختہ علم والوں کی تعریف کی گئی ہے وہی قرآن حکیم سمجھتے ہیں اور وہی سمجھانے پر مانتے ہیں جن کو اللہ تعا نے عقل و شعور سے نوازا ہے۔ حالانکہ یہ بات مضمون نگار نے بھی تسلیم کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"حیرت ہے کہ قرآن کی وہ آیت جسے اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کے لئے قرآن میں غور و تدبر کے صحیح طریقے کی تعلیم کے لئے نازل فرمایا ہے اسی آیت کے ایک جزو کو محترم نے دلیل و حجت بنا کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عوام کو قرآن میں

چون وچرا کا کیا حق ہے"

(زندگی نو دسمبر ۹۲ء، ص: ۲۳)

اس کے باوجود غور و تدبر پر زور لگانے کا معاملہ صرف اس قدر ہے کہ تلاوت نہ کی جائے اس لئے کہ مضمون نگار کے نزدیک صرف تلاوت سے قرآن کریم کا منشاء پورا نہیں ہوتا۔ غور و تدبر تلاوت کے لئے لازمی شرط ہے۔ اس کی آیات میں تدبر و تفکر مومنین کی لازمی صفت ہے اور غور و تدبر سے خالی اندھے بہرے کی طرح پڑھنا اور سننا کافرانہ اور منافقانہ عمل کے مشابہ ہے (ص ۲۷)

اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ بمشکل تمام قرآنی الفاظ پڑھنے کی سکت رکھتے ہیں اردو سے بھی ناواقف ہیں ایک ایک حرف جوڑ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں وہ معاذ اللہ کفار و منافقین کے روش کے پابند ہیں۔ اسی لئے تو حضرت شیخ الحدیث ہر کس و ناکس کو فکر و تدبر کی اجازت نہیں دیتے ورنہ مضمون نگار کی طرح اور نہ جانے کتنے لوگ اس طرح کے مسائل بیان کر کے عوام کو تلاوت سے روک دیں گے۔

مضمون نگار نے یہ بھی سوچا کہ حضرات صحابہ کی ایک جماعت روزانہ ایک ختم قرآن کا معمول بنائے ہوئی تھی کیا وہ ایک ایک آیت پر فکر و تدبر کا حق ادا کر رہی تھی۔ اور فکر و تدبر کے ساتھ تلاوت میں کتنا وقت درکار ہے؟ کیا روزانہ ایک ختم قرآن فکر و تدبر کے ساتھ ممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ تلاوت ایک الگ کار ثواب ہے اور جو لوگ فکر و تدبر کی استعداد رکھتے ہیں وہ فکر و تدبر بھی کریں اور عوام کو اس سے فائدہ پہنچائیں۔ لیکن مودودی طرز فکر ان حضرات صحابہ کو مخالف سنت گردانتا ہے جو روزانہ ایک ختم قرآن کیا کرتے تھے چنانچہ یہی مضمون نگار صحابہ کرامؓ پر سنتوں کی مخالفت کا بھیانک الزام عائد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

> چند صحابہ کا کوئی مخالف عمل اگر ایسا موجود ہے جس کی کوئی معقول توجیہہ و تاویل نہ کی جا سکتی ہو تو وہ بھی امت کے لئے حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔

(زندگی نو جنوری ۹۳ء ص: ۴۶)

یہ الزام ان صحابہ کرامؓ پر عائد کیا جا رہا ہے جنھیں رضی اللہ عنہم کی سند اللہ تعالیٰ دے چکے ہیں اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ستاروں سے تشبیہ دے کر حکم دیا ہے کہ تم جس صحابی کی بھی پیروی کرو گے راہ ہدایت پر گامزن رہو گے۔ ستم ظریفی یہ کہ

کسی ایک صحابی پر خلاف سنت عمل کرنے کاالزام نہیں چند صحابہ پر اجتماعی طور پر سنتوں کی مخالفت کاالزام عائد کیا گیا ہے۔اس کی بنیاد صرف یہ ہے کہ یہ حضرات روزانہ پورے قرآن حکیم کی تلاوت کیا کرتے تھے تو وہ قرآن حکیم میں فکر و تدبر کس طرح کرتے ہوں گے۔ حالانکہ صرف تلاوت بھی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے،جب اس کے بندے اس کا کلام پڑھتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔پڑھنے والوں کے مدارج بلند کرتا ہے۔ان کو انعام واکرام سے نوازتا ہے۔قرآن کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت پیدا ہوتی ہے۔دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول لله صلى الله عليه وسلم ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه. الماء . قيل يا رسول الله وما جلاء ها قال كثرت الموت وتلاوة القرآن. (فضائل قرآن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ان کی صفائی کیسے ہوگی۔ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔

ظاہر ہے کہ جو پڑھے لکھے لوگ تلاوت کرتے ہیں ان کا ذہن مفہوم پر بھی رہتا ہے اور جو صرف قرآنی الفاظ کی حد تک پڑھے ہوئے ہیں وہ بھی تلاوت کی خیر و برکت سے محروم نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ کم پڑھے ہوئے ہیں اور اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں ان کو اس مشقت اٹھانے کی وجہ سے دوہرے ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ارشاد نبوت ہے۔

الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذى يقرأ لقرآن ويتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران (فضائل قرآن)

قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی ہیں اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔

اس صراحت کے باوجود اصرار ہے کہ تلاوت تدبر کے بغیر نہ کی جائے مضمون نگار کا بس چلتا تو اس طرح کی حدیثوں کو نا قابل اعتبار ٹھہرا دیتا اور یکھ مستبعد بھی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے غلط نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت پر سنت کی مخالفت کا

الزام عائد کر چکے ہیں۔ یہ کام تو اس الزام دہی سے آسان ہی ہے ہو سکتا ہے کر ہی گذریں۔ ان کا نامہ اعمال انہیں کے ساتھ ہوگا۔ ہم تو کتاب و سنت کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تلاوت اجر و ثواب کا کام ہے اور جو لوگ اس اجر و ثواب کی راہ میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں وہ کتاب و سنت کے فہم و شعور سے محروم ہیں آخر وہ احادیث تلاوت کی ترغیب دے رہی ہیں اور اس کو بالکل کھلے لفظوں میں خوشنودیٔ رب کا کام بتا رہی ہیں ان کی کیا تاویل کی جائے ذرا اس حدیث پر نظر ڈال لیجئے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلك عند آخر آیة تقرأها۔(فضائل قرآن)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائیگا کہ قرآن پڑھتا جا۔ اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا بس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

غرض کہ تلاوت قرآن کی فضیلت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے الگ الگ سورتوں کے فضائل بھی احادیث میں مذکور ہیں۔ پڑھنے کے مخصوص اوقات بھی بتائے گئے ہیں، چند آیتوں اور سورتوں کی اہمیت اور حیثیت بھی واضح کی گئی ہے حدیث کی کتابوں میں فضائل قرآن کے عنوان سے علیحدہ باب لکھے ہوئے ہیں جن میں محدثین کرام نے قرآن حکیم سے تعلق رکھنے والی احادیث کو یکجا کر دیا ہے مضمون نگار کو ان پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے تاکہ تلاوت اور غور و تدبر کی نوعیت واضح ہو جائے اور ہاں حضرت شیخ الحدیث کی پیش کردہ روایت کو قرآن حکیم سے متصادم قرار دینے سے پہلے اس روایت کی حیثیت پر بھی بحث ضروری تھی کہ وہ کس درجہ کی حدیث ہے اور جب شیخ کا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں تو مضمون کی یکسانیت نے ضعیف کو قوی بنا کر قابل حجت تو نہیں بنادیا ہے لیکن ان سب سے صرف نظر کر کے مضمون نگار نے تصادم فرض کر لیا اور حضرت شیخ الحدیث پر یہ الزام تھوپ دیا کہ انہوں نے ایک جھوٹی حدیث نقل کر کے عوام کو فکر و تدبر سے روکنے کا تہمت لگایا ہے حالانکہ جہاں تک قرآن حکیم میں فکر و تدبر کا معاملہ ہے حضرت

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کو اس کی طرف بار بار متوجہ کیا ہے۔

(فضائل قرآن)

ان کا ایک مختصر رسالہ ہے جو کل بہتر صفحات پر مشتمل ہے اس میں کم و بیش پندرہ بیس مقامات پر غور و تدبر کرنے اور قرآن حکیم کو پورے آداب کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے عوام کو ترجمۂ قرآن پڑھ کر "چوں وچرا" سے روکا ہے۔ لیکن مضمون نگار نے اپنا نظریہ ثابت کرنے سے زیادہ شیخ کو ہدف ملامت بنانے کی خاطر قوسین میں "قرآن کے سمجھنے" کا اضافہ کر دیا ہے۔ کیا کوئی اردو سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی "چون وچرا" کو سمجھنے کا ہم معنی سمجھتا ہے۔ اردو والے تو اس کو بحث و تکرار کے معنی میں بولتے ہیں اور اسی کی گنجائش حضرت شیخ الحدیثؒ نے ختم کی ہے۔ سمجھنے کا ترجمہ مودودی طرز فکر کے لوگ ہی کر سکتے ہیں یہ لوگ جب کتاب و سنت کے کھلے اور واضح الفاظ کے معنی و مفہوم بدلنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتے تو ایک شیخ الحدیث کی ہی عبارت میں اضافہ کر دیا تو کون سی بڑی بات ہو گئی۔

اسی طرح مضمون نگار نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے الفاظ میں اپنا نظریۂ تدبیر تلاش کرتے ہوئے مقدمہ فتح الرحمٰن کا اقتباس پیش کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے حضرت شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن نہیں ہے اس لئے جو عبارت مضمون نگار نے نقل کی ہے وہی پیش خدمت ہے۔

> "جس طرح یاران سعادت مند، مولانا روم کی مثنوی، شیخ سعدیؒ کی گلستاں، شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر، فارابی کے قصے، مولانا جامی کی نفحات الانس اور ان جیسی دوسری کتاب مجلسوں میں پڑھتے ہیں کیا اچھا ہو اگر اسی طرح وہ قرآن کریم کے ترجمہ کو آپس میں پڑھیں اور اس کی تفہیم سے شغل خاطر کریں۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام کا مشغلہ ہے تو یہ شغل کلام اللہ ہے اور وہ حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کا موعظہ ہے۔ اور وہ عزیزوں کے مکتوبات ہیں تو یہ رب العزت کا مکتوب ہے" (مقدمہ فتح الرحمٰن، ص:۱)

اس اقتباس میں حضرت شاہ صاحب نے جن کتابوں کا نام گنایا ہے۔ ان کے پڑھنے والے کیا عام لوگ تھے، مثنوی مولانا روم کا شمار ان کتابوں میں ہوتا ہے جو خاصی مشکل سمجھی

...ہیں۔ حضرت شاہ صاحب اس طرح کی استعداد کے لوگوں کو ترجمۂ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے اور سمجھانے کی ترغیب دے رہے ہیں نہ کہ ان عام لوگوں کو جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں۔ پھر مضمون نگار کو غور و تدبر کی عوام کو دعوت دینے سے قرآن حکیم کی ان آیات کو بار بار پڑھ لینا چاہیے تھا جن میں غور و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا مضمون نگار کوئی ایسی آیت پیش کرنے کی زحمت اٹھائیں گے جس میں عبرت و تدبر کے ساتھ عقل و بصیرت کی شرط نہ ہو لیکن انہوں نے ان سب سے منہ موڑ کر ہر عام آدمی کو قرآن حکیم میں چون و چرا کی اجازت فراہم ہی نہیں کی ہے بلکہ ضروری باور کرانے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔

مضمون نگار نے قرآن حکیم کے اردو تراجم کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے حالانکہ اردو تفاسیر اور ترجموں کا مقصد بھی ان لوگوں کو قرآن حکیم کی براہ راست تعلیمات سے روشناس کرنا ہے جو اردو یا دیگر ترجمہ کی زبانوں کے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ لیکن ان ترجمہ پڑھنے والوں کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ملتی اور ہاں یہ ترجمے ان خام استعداد والوں کے لئے بھی ہیں جو عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھتے ہیں۔ اس لئے تراجم کو چون و چرا کی تائید میں پیش کرنا سراسر زیادتی ہے۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے؟

از:- محمد بدیع الزماں۔ ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ہارون نگر۔
فرسٹ سیکٹر پھلواری شریف پٹنہ۔801505

مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اگر اس کی آواز حکومت کے ایوانوں میں گونج رہی ہوتی ہیں تو کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتا ہے کبھی وہ قلم سے جہاد کر رہا ہوتا ہے تو کبھی زبان سے یہی فریضہ ادا کرتا ہوتا ہے اس کے دل میں نور ایمان کی دولت ہوتی ہے اور یہ دولت ایسی ہے کہ دنیا کے تمام خزانے اس کے سامنے ہیچ ہیں خدائے تعالیٰ نے انسان کو شر اور خیر نافرمانی اور اطاعت کے دونوں راستے سمجھا کر کسی ایک کو اختیار کرنے کی چھوٹ دے رکھی ہے۔ مسلمان ان دونوں راستوں میں سے اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ دنیا کو اپنا مستقل مستقر نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک راہ گزر تصور کرتا ہے اس لئے اس کی آرزوئیں اور تمنائیں قلیل ہوتی ہیں اسے اپنے مقصد سے عشق ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اسے جدوجہد کے سوا اور کوئی کام نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے رضائے الٰہی کے لئے کرتا ہے۔

اقبال نے ایک مسلمان کی زندگی کی ان ہی ساری مقصدیت کو، قرآنی آیات کے پیش نظر "ضرب کلیم" کی نظم "مدنیت اسلام" کے درج ذیل شعر میں پہلے تو خود سوال کیا ہے کہ مسلمان کی زندگی کن مقاصد سے عبارت ہے اور دوسرے مصرعہ میں خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہتے ہیں ۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے — یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں

اقبال نے ان ہی مقاصد کو "نہایت اندیشہ" اور "کمال جنوں" کا نام دیا ہے جو ترجمان ہیں سورۂ آل عمران ۳ کی درج ذیل آیات کے :۔

"زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے (۱۹۰،۱۹۱) تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا، اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں اُنہیں دور کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر، خداوندا! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رُسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے (۱۹۲-۱۹۴)

اقبال جسے "نہایت اندیشہ" کہتے ہیں وہ ہے متذکرہ بالا آیات ۱۹۰ اور ۱۹۱ میں ایک مسلمان کا آثار کائنات کا بغور مشاہدہ اور ان پر غور و فکر اور اس مشاہدہ کے نتیجے کے طور پر اس کا یہ یقین کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے۔ اور یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو۔ جسے تصرف کے اختیارات دیئے ہوں، جسے عقل و تمیز عطاء کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو، اور اسے نیکی پر جزاء اور بدی پر سزا نہ دی جائے اس طرح نظام کائنات پر غور و فکر کرنے سے اسے آخرت کا یقین حاصل ہوتا ہے اور وہ خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتا ہے۔

اقبال جسے "کمال جنوں" کہتے ہیں وہ آیات ۱۹۲ تا ۱۹۴ میں اس کا آثار کائنات کے مشاہدے کے نتیجہ کے طور پر یہ ایمان ہے کہ پیغمبرؐ اس کائنات اور اس کے آغاز و انجام کے متعلق جو نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں اور زندگی کا جو راستہ بتاتے ہیں وہ سراسر حق ہے اسے اس میں کوئی شک تو نہیں کہ اللہ اپنے وعدے پورے کرے گا یا نہیں مگر اسے تردد اس امر پر ہے کہ آیا ان وعدوں کا مصداق وہ خود قرار پاتا ہے یا نہیں؟ اس لئے وہ یہ دعا مانگنے لگتا ہے کہ خدا اسے ان وعدوں کا مصداق بنائے اور اس کے ساتھ اسے پورا کرے۔

اقبال کے فلسفہ میں اسی "نہایت اندیشہ" کا نام "فکر" اور "کمالِ جنوں" کا نام "ذکر" ہے اور ان دونوں کی وضاحت انہوں نے "ضربِ کلیم" ہی کی نظم "ذکر و فکر" میں اس طرح کی ہے ؎

مقام فکر ہے پیائش زمان و مکاں   مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

"نہایت اندیشہ" یعنی فکر سے مراد ہے آثار کائنات پر غور کرنا، تدبر کرنا، استدلال، استنباط اور استخراج کرنا، ادراک حقائق کرنا اور جزئیات سے کلیات بنانا یعنی ذہن میں چند مسلمات کو اس طرح ترتیب دینا کہ اس کی مدد سے نئے معارف حاصل ہو سکیں۔ اس طرح اس "نہایت اندیشہ" یعنی غور و فکر کی بناء پر اس میں ذوق تحقیق و تجسس پیدا ہوتا ہے وہ حکمت کے ذریعے اشیاء کی ماہیت معلوم کر کے نظام عالم کو مسخر کرتا اور نئے جہان تعمیر کرتا ہے جب مسلمان اشیاء کا علم حاصل کر لیتا ہے تو وہ پہلے سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا بن جاتا ہے اور اپنے علم کو نوع انسانی کی فلاح کے لئے استعمال کرتا ہے۔

"کمالِ جنوں" یعنی ذکر سے مراد ہے عشق الٰہی بتوسط عشق رسولؐ (سورۂ آل عمران ۳ آیات ۳۱ اور ۳۲) میں سرشاری اس لئے کہ انسان سے کامل اطاعت کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب اسے اپنے مطاع سے عشق کی حد تک محبت ہو۔ ایک مسلمان کو متواتر عمل کے لئے یقین محکم کی دولت توحید اور رسالت کے عقیدے پر بھرپور ایمان رکھنے کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہی ایمان اسے موحد اور عاشق رسولؐ بناتا ہے اس عشق کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت بلندیوں کو چھوتی چلی جاتی ہے اور اس کا عمل اس کی شخصیت کا مظہر بن کر اس کی ذات کا استحکام کرتا جاتا ہے۔

ایک مسلمان کی زندگی میں اسی ذکر و فکر کی وجہ سے خیال اور نگاہ دونوں میں جذب و مستی کا امنگ پیدا ہوتا ہے اقبال جسے فقر کہتے ہیں وہ اسی ذکر و فکر کے اختلاط کا نام ہے ؎

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر

اقبال نے "نہایت اندیشہ" یعنی فکر کو "پیائش زمان و مکاں" بتلایا ہے اس پیائش کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس غور و فکر میں رہنا چاہئے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ صرف اسمائے صفات الٰہیہ کی وجہ سے ہے اور زندہ رہنے والی صرف خدا کی ذات ہے یہ نشانیات جو

ایک مسلمان دیکھتا ہے ان کا بذات خود کوئی وجود نہیں۔اس پیائش سے اقبال یہ بھی مراد لیتے ہیں کہ زمان اور مکان کا رشتہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان عشق سے سرشار ہے، یعنی اس میں کردار کی مستی اور نیابت الٰہی کے فریضوں کو پورا کرنے کی اہلیت ہے تو وہ وقت کا راکب ہے اور وقت اس کا مرکب ہے اور اگر نہیں تو وقت اس کا راکب اور وہ اس کا مرکب ہے اس کے لئے غور وفکر کی بات یہ ہے کہ سارے حادثات اپنے وقت پر صادر ہوتے ہیں اور وقت اس کا پورا حساب رکھتا ہے الغرض زمانہ کا انحصار حیات انسانی پر ہے اور زمانہ دراصل اس کی حیات کے تسلسل ہی سے وابستہ ہے اور وہ تسخیر جہات میں اس کا معاون ہے۔ارشاد ہے:۔

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے گردش لیل و نہار اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی"

(سورۃ المؤمنون ۲۳۔ آیات ۷۸ تا ۸۰)

اب یہ مسلمان سلوک کے مراحل میں، جب "نہایت اندیشہ" کے اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے خدائے تعالیٰ کے ارشادات یاد آتے ہیں کہ:۔

"واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے آخر کار اس سب کو ہم چٹیل میدان بنادینے والے ہیں" (سورۃ الکہف ۱۸، آیات ۷ اور ۸)

"فکر اس دن کی ہونی چاہئے جب کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے، اور تم زمین کو بالکل برہنہ پاؤ گے، اور ہم تمام انسانوں کو اس طرح گھیر کر جمع کریں گے کہ (اگلوں پچھلوں میں سے) ایک بھی نہ چھوٹے گا، اور سب کے سب تمہارے رب کے حضور صف در صف پیش کئے جائیں گے۔ (سورۃ الکہف ۱۸۔ آیات ۴۷ اور ۴۸)

اس مقام پر پہنچنے کے بعد ایک مسلمان میں "کمال جنوں" یعنی جذب و مستی کی سرشاری ان ارشادات سے پیدا ہوتی ہے:

"اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو"۔

(سورۃ الجمعہ ۶۲۔ آیت ۱۰)

"بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے"۔۔(سورۃ الاحزاب ۳۳۔ آیات ۳۵)

یہ ہے ایک مسلمان کی زندگی جس کی تمام قوتوں کا سرچشمہ دین فطرت ہے وہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ قرآن یعنی احکام خداوندی کی عملی تفسیر ہے اور قرآنی احکامات سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے اس کے ارادے معیار قدرت کا مرتبہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے دینا اور آخرت کی میزان یہی عزائم اور ارادے ہیں جو عمل پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

اس مضمون کا عنوان "ضرب کلیم" کی نظم "مدنیت اسلام" کے پہلے شعر کا ایک مصرعہ ہے اس نظم کے باقی درج ذیل اشعار میں اقبال نے ایک مسلمان کی تین فطری صلاحیتوں اور خوبیوں کا ذکر کیا ہے ایک "روح القدس" (سورۃ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۲) کا ذوق جمال یعنی حضرت جبرئیلؑ جیسی نیکی، پاکیزگی اور خیر و برکت کا ذوق، دوسری عجم کا حسن طبیعت یعنی علم و فن کا دلدادہ ہونا اور تیسری عرب کا سوز دروں یعنی عشق رسولؐ میں سرشاری۔ باقی اشعار یہ ہیں :۔

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب ... یگانہ اور مثال زمانہ گوناگوں
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیاء سے بیزاری ... نہ اس میں عہد کہن کے فسانہ و افسوں
حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی ... یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسم افلاطوں
عناصر اسکے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال ... عجم کا حسن طبیعت، عرب کا سوزِ دروں

احمد برازیلی کا قبول اسلام

از: ضمیر الدین قاسمی برنلے۔ استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ نوٹنگم برطانیہ

نوٹ:۔ احمد برازیلی کے تاثر میں دیکھیں کہ وہ کسطرح تثلیث کے بھول بھلیوں اور پادری کے سفارشی ہونے سے پریشان ہیں۔ اسطرح کتنے عیسائی تثلیث اور سفارشی سے پریشان ہونگے۔

الجامعۃ الاسلامیہ نوٹنگم (برطانیہ) عربی ہوٹل کے ایک محنتی طالب علم کو ہم لوگ "احمد برازیلی" کہتے ہیں۔ یہ برازیل کے شہر سنپال کے باشندے ہیں یہ تین سال پہلے تک عیسائی مذہب رومن کیتھولک کے پیروکار تھے، اس وقت ان کا نام ٹیمس ٹیکلس Temistcles تھا۔ ان کے والدین پکے عیسائی تھے اس لئے ان کو کثرت کے ساتھ چرچ لے جایا کرتے تھے تاکہ یہ بھی عیسائیت میں پختہ اور مضبوط ہو جائے اور ان کا مبلغ اور داعی بن جائے۔ احمد صاحب فلسفہ کے طالب علم تھے، اس میں ان کو اچھی مہارت تھی اس لیے وہ ہر مسئلے کے دلائل پر اچھی طرح غور کرنے کے عادی تھے۔ ایسے اعتقادات کا جو مسئلہ فطرت سے بہت دور عقل کے خلاف اور متضاد باتوں پر مبنی ہوتے ان پر ان کا ذہن بار بار اٹک جاتا اور سوچتا رہتا کہ یہ بات بالکل خلاف عقل و فطرت ہے، آسمانی اور خدائی مذہب میں یہ کیسے درست ہو سکتی ہے، چنانچہ چرچ کے پادری صاحب جب یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے کہ باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور ہولی گھوسٹ (روح القدس) تین اہم خدا ہیں پھر فوراً کہتے کہ یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں تو احمد پریشان ہو جاتا کہ تین خدائیں الگ الگ ہوں پھر ایک ہی شی ہوں یہ متضاد باتیں کیسے ہو سکتی ہیں، پھر یہ تضاد کسی جزئی مسئلہ میں نہیں تھا بلکہ عیسائیت کے سب سے پہلے اور اہم مسئلے میں واقع تھا اس لئے وہ تثلیث کے اعتقاد سے انتہائی پریشان ہوتے، پادری صاحب ان کے چہرے سے شکوک و شبہات کی چنگاری بھانپ لیتے اور بار بار انکو سمجھانے کی کوشش کرتے لیکن احمد صاحب کی فطرت سلیمہ اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

جناب احمد صاحب کے والد رومن کیتھولک کے پیروکار تھے رومن کیتھولک کے یہاں

پادری اللہ اور امت کے یہاں سفارشی مانا جاتا ہے، پادری کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اللہ کی جانب سے کسی آدمی کے گناہ کو معاف کردے یا کسی آدمی کی اللہ کے یہاں سفارش کرے بغیر پادری کے واسطے کے کوئی انسان خدا تک قربت حاصل نہیں کرسکتا، احمد صاحب کے ذہن میں زبردست خلجان رہتا تھا کہ ایک آدمی جو ہماری ہی طرح انسان ہے وہ خدا کی جانب سے گناہ بخشنے والا کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم گناہ گاروں کا رابطہ براہ راست خداوند کریم سے کیوں نہیں ہوسکتا نعوذ باللہ یہ کیسے خدا ہیں کہ انہوں نے ایک آدمی کو اپنے اور امت کے درمیان حائل کر رکھے ہیں۔

احمد صاحب کو یہ بات بھی بار بار ستاتی تھی کہ ان کو صلیب کی تصویر کی پوجا کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ تصویر ہمارے ہاتھوں کی مصنوعات ہے پھر بھی اس میں کون سی قوت آگئی ہے کہ ہم اس کی پوجا کریں اور اس کو خدا مانیں۔

جناب احمد صاحب جہاں عیسائیت کی اور خامیوں کے بارے میں حیراں اور سرگرداں رہتے اور بطور خاص ان تین اہم اعتقاد تثلیث پادری کا سفارشی اور تصویر کی پوجا کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے اسی دوران انہوں نے اپنی زبان پر تگیز میں دستیاب اسلامی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ وہ اسلام کے بارے میں جتنی گہرائی میں پہنچتے اتنی ہی ان کو سرور، خوشی اور مسرت حاصل ہوتی وہ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس بات سے اطمینان ہوا کہ اسلام اس بات کا اولین داعی ہے کہ ہمارا خدا صرف ایک ہے، وہی کارساز ہے اور تنہا وہی ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، ہم نہ کسی پادری کے محتاج ہیں اور نہ کسی "بیٹے" اور گھوسٹ کے دست نگر ہیں، ہم اپنے خالق ومالک سے براہ راست رابطہ رکھ سکتے ہیں اور جتنا چاہے تقرب حاصل کرسکتے ہیں اور یہی وہ توحید خالص کی تعلیم ہے جس نے مجھے عیسائیت سے نکال کر ایمان لانے اور اسلام پر طمٔننے کی طرف کھینچ لائی۔

وہ کہتے ہیں کہ میرا دل اس بات سے بھی بہت شاد ہے کہ مسلمان تمام رسولوں اور نبیوں کو یکساں محترم اور مکرم مانتے ہیں وہ کسی نبی کی ادنیٰ توہین بھی برداشت نہیں کرتے بلکہ ان نبیوں کے صحابی کا بھی نام احترام سے لیتے ہیں اسکے برخلاف عیسائیت ویہودیت میں اتنا غلو ہے کہ اپنے نبیوں کو خدا تک کا درجہ دے دیتے ہیں اور دوسرے نبیوں کی صرف انکار ہی نہیں توہین تک کے درپے ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے بھیجے ہوئے سارے نبی یکساں قابل احترام ہیں۔ ہم لوگ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام احترام سے لیتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں تو احمد صاحب آج بھی خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔

صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک برازیل میں بہت سے لوگ ہیں جو حق کے متلاشی ہیں، لیکن وہاں صحیح انداز میں اسلام کو پیش کرنے والے مسلمان نہیں ہیں کچھ عرب حضرات وہاں رہائش پذیر ہیں لیکن وہ سنت پر اتنا عمل پیرا نہیں ہیں اور نہ اچھے انداز میں تبلیغ ودعوت کے فرائض کو انجام دیتے ہیں وہ لوگ تقریباً ہماری طرح دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اسلام کو کوئی خاصی ترقی نہیں ہے، کاش کہ یہ نسلی مسلمان دعوت و تبلیغ کو اوڑھنا بچھونا بناتے تو کتنے برازیلی جہنم کی آگ سے بچ جاتے اور ایمان ویقین کی دولت سے مالامال ہوتے۔

جناب احمد صاحب بڑے وجد کے انداز میں اس بات کو دہراتے ہیں کہ کڑوروں عیسائی ایسے ہیں کہ صرف ماحول کے اثر اور معاشرے کی دباؤ کی وجہ سے تثلیث کی بھول بھلیوں کو رسمی طور پر تسلیم کئے ہوئے ہیں لیکن ان کا ذہن تثلیث کے تضاد سے قطعاً غیر مطمئن ہے۔ البتہ معاشرے کا دباؤ اتنا ہے کہ میری طرح جرأت کے ساتھ اس اعتقاد سے احتجاج نہیں کر سکتے اور باول نخواستہ اس تضاد کو مان لیتے ہیں، میرا تو یقین ہے کہ خود پادری صاحب اور مبلغ کا ذہن بھی اس تضاد سے مطمئن نہیں ہے لیکن معاشرہ کو اور عہدہ کو نبھانے کے لئے وہ اس کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔

احمد صاحب کا عزم یہ ہے کہ وہ پہلے دینی علوم میں مہارت پیدا کریں گے پھر برازیل جا کر ایک نومسلمہ لڑکی جو ابھی کالج میں زیر تعلیم ہے ان سے شادی کریں گے اور اپنا گھر بسا کر اعلیٰ پیانہ پر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام کریں گے وہ کہتے ہیں کہ پورے برازیل میں حقانیت اسلام کی اشاعت کرنے کا میرا مکمل ارادہ ہے واللہ المستعان۔

قابل غور باتیں

یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ اہل مغرب بار بار یہ دہراتے ہیں کہ اسلام تلوار کی زور سے پھیلا ہے یا یہ کہ اسلام میں تشدد اور سختیاں ہیں۔ بھلا یہ بتائیں کہ احمد صاحب کو کس نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا اور کس تلوار کی زور پر وہ پختہ مسلمان ہیں۔ آج کل یورپ اور امریکہ میں ہزاروں آدمی مسلمان ہورہے ہیں آخر ان لوگوں کو کس نے مجبور کیا کہ یہودیت اور عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کریں آخر میں ایک ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی حقانیت سچائی معقولیت اور اخلاق مندی نے ان کے دلوں کو موہ لیا اور وہ لوگ خوشی سے اس کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

حقیقت خود منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے یہ قصہ جدید وقدیم

مکرمی ومحترمی مولانا عبدالقدوس رومی صاحب............ سلام مسنون!

آپ کو علم ہوگا کہ سماجی علوم کے مسلم اساتذہ اور دانشور کئی بار باہم ملے۔ مسلمانوں کے مسائل اور ان کی علمی پسماندگی پر انہوں نے غور کیا، پھر انہوں نے ایک تنظیم قائم کی ہے ان کی خواہش ہے کہ علم کے ان میدانوں میں مسلمانوں کا نمایاں حصہ ہو اور دین اسلام کی ان پر چھاپ ہو اور جب نئی صدی کا آغاز ہو ان کی نمایاں پیش رفت شروع ہو چکی ہو۔

اسلام علم ومعرفت کا دین ہے۔ اس کا پیغام آفتاب کی طرح ہمیشہ تازہ ہے۔ اس میں جدید وقدیم کی کوئی کشمکش نہیں۔ بہت سے تاریخی اسباب کی بناء پر مسلمان علماء اور جدید علوم کے ماہرین کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے۔ یہ خلیج اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ایک رکاوٹ ہے۔ ضرورت ایسے علماء کی ہے جو قرآن وسنت پر گہری نظر کے ساتھ جدید افکار ونظریات سے بھی واقف ہوں اور ضرورت ایسے دانش وروں کی ہے جو قرآن وسنت کی رہنمائی میں جدید افکار ونظریات کا تنقیدی جائزہ لے سکیں اور وقت کی زبان اور اسلوب میں اہل زمانہ کے سامنے مؤثر طریقہ سے صحیح نظریۂ حیات کی ترجمانی کر سکیں اور اسلام کے ساتھ وابستگی کو اپنا شعار بناتے ہوئے تمام علوم کی ترقی میں اپنا رول ادا کر سکیں۔ امت اسلامیہ کی زندگی کا ایک کنارہ آسمانی ہدایات اور تعلیمات نبوی سے جڑا ہوا ہے اور دوسرا کنارہ اس رواں دواں اور ہر دم جواں زندگی کے ساتھ پیوستہ ہے۔ یہ دونوں ہی کنارے ضروری ہیں اور کسی ایک سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔

بناء بریں مسلم سوشل سائنٹسٹس کی کانفرنس منعقدہ حیدرآباد میں اس پر زور دیا گیا کہ جدید وقدیم کی اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے۔ اس خلیج کو پاٹنے کے لیے بطور تدبیر یہ ضروری ہے کہ جدید علوم کی مسلم تعلیم گاہوں میں ایسا نصاب ہو جس کے ذریعہ مبادی

اسلام سے طلبہ واقف ہو سکیں اور عربی اور اسلامی علوم کے مدرسوں میں ایسا نصاب ہو جس سے طلبہ قرآن وسنت پر عبور حاصل کرنے کے ساتھ جدید افکار و نظریات سے واقف ہو سکیں اسی طرح بطور تدبیر یہ بھی ضروری ہے کہ جدید علوم بالخصوص سماجی علوم کے اساتذہ اور مدارس کے علماء کے درمیان ربط وتعاون اور اتحاد ویگانگت کو بڑھایا جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے کے تجربات اور اختصاص سے استفادہ کر سکیں اور یہ باہمی اتحاد واعتماد اور احترام مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مفید اور بابرکت ہو سکے۔ یقیناً یہ کام دونوں حلقوں کے باہمی تعاون سے انجام پاسکتا ہے۔

انڈین ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس آپ حضرات سے تعاون اور رہنمائی کی درخواست کرتی ہے اور اس سلسلہ میں کوششوں کے آغاز کی درخواست کرتی ہے۔

والسلام
نفیس احمد صدیقی
سکریٹری

مکرمی جناب ڈاکٹر نفیس احمد صاحب صدیقی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مراسلہ گرامی، مورخہ ۱۲/۵/۹۷ء ٹھیک دو ہفتے بعد آج ۱۸/محرم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۷/۵/۹۷ء کو موصول ہوا۔ سرنامہ پر لکھا ہوا شعر بہت ہی برمحل اور حسب حال نظر آیا کیا خوب شعر ہے ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے یہ قصۂ جدید وقدیم

اس شعر پر مختصر نقد تو اسی زمین میں کہے ہوئے ایک شعر میں نقد ہی عرض کر دیا گیا ہے ؎

زمانہ گن نہیں سکتے، حیات سب کی الگ
ہیں کائنات بھی لاکھوں اگر ہو عقل سلیم

جناب خود بھی ذرا غور فرمالیں کہ کیا ہم آپ آج سے چودہ سو سال پہلے کے کردار و اخلاق، ایمان وایقان، اسلامی معاشرہ اور جذبہ اطاعت خدا اور رسول کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہم اس مقصد کے لیے چودہ سو سال پیچھے پلٹنے کی جرأت وہمت رکھتے ہیں؟

اگر ہاں؟ تو پھر بسم اللہ اس کم نظری کی چھٹی کیجئے۔ اور چودہ سو سال پہلے والے اسلامی معاشرہ، اسلامی کردار واخلاق کی دعوت عمل کے ساتھ ملت مسلمہ کی نئے سرے سے شیرازہ

ندگی کے لیے میدان عمل میں تشریف لائیے۔

آپ اس حقیقت سے یقیناً بے خبر نہ ہوں گے کہ اسلامی تعلیمات میں نری فلسفیانہ
رکھ دہندوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے اسلام ایک حق پسند و حقیقت اساس مذہب ہے جس
روح، جذبۂ عمل ہے۔ اسلام کی حقیقی، تعلیمات پر اس قسم کے فلسفوں اور سفسطوں سے
دہ نہیں ڈالا جاسکتا ہے جیسے مغالطے آئے دن سننے اور دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ ایک مفکر
ماحب نے یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں یہ ارشاد فرما کر کہ علم صرف ایک اکائی ہے۔
س میں دین و دنیا کی تقسیم و تفریق نہیں ہے اہل دانش گاہ سے بڑی واہ واہ حاصل فرمالی۔ مگر
ابتلایئے تو اگر حقیقت یہی ہے تو پھر دینی مدارس پر کی جانے والی محنت کیوں گراں گذرتی
ہے؟ سوال ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث میں علم کی جو فضیلتیں آئی ہیں عصر حاضر کے تمام
م مروجہ کیا ان فضیلتوں کے محل قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا
پھر علم صرف ایک اکائی ہونے کا فلسفہ کہاں گیا؟

آیت قرآنی: ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' کہ اللہ کے بندوں میں
ہ سے صرف اہل علم ہی خوف و خشیت رکھتے ہیں میں اہل علم سے کون سے اہل علم مراد
ں؟ علم کو صرف ایک اکائی کہنے والوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے۔ حدیث شریف پر نظر
لتے ہیں تو وہاں بھی اس طرح کی دعائیں ملتی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اسئلك علماً نافعًا یا
ہُمَّ انی اعوذبك من علم لا يَنْفَعُ جن سے علم نافع اور غیر نافع کی تفریق و تقسیم
بت ہوتی ہے۔ ان معروضات سے مقصد صرف یہی ہے کہ زبان زد اس قسم کے فلسفہ پر
تمل فقرے سراسر سفسطه اور مغالطه کا مصداق ہیں جو دلیل و برہان کا ادنی سہارا
نہیں رکھتے اس بحث کو ختم کرتے کرتے سرنامہ میں تحریر شعر سے متعلق اتنی بات اور
عرض کردوں کہ یہ شعر حدیث مشہور'' خیر القرون قرنی'' کے مفہوم لازم سے
ملازم بھی ہے اور حقیقت زمانہ سے بے خبری کا صاف اعلان بھی ہے۔

اگر قدیم وجدید کے فرق کو اس طرح لپیٹ کر رکھ دیں گے تب تو زمانہ صرف حال ہی
باقی رہے گا ماضی معدوم اور مستقبل ناپید ہو جائے گا۔
سلے گرامی میں بعض اور باتیں بھی قابل غور اور تشریح طلب ہیں۔
(۱) آغاز سرسلسلہ ہی میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کی علمی پس ماندگی کا ذکر ہے

مسلمانوں کے مسائل کون سے ہیں جو آپ حضرات کی مجوزہ تنظیم کے پیش نظر ہیں اس اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تشریح ضروری ہے۔

علمی پس ماندگی سے کون سی پس ماندگی مراد ہے علم دین کی پس ماندگی یا علوم جدیدہ عصریہ سائنس و ٹکنالوجی وغیرہ کی پس ماندگی مراد ہے؟ بظاہر یہی دوسری شق مراد معلوم ہوتی ہے بتایا جاتا ہے کہ دینی تعلیم کے میدان میں مسلمان کیا کوئی قائدانہ کردار ادا کرسکتے ہیں؟ اگر نہیں کرسکتے تو اس دینی تعلیم کی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے کیا صورت تجویز کی گئی ہے؟

مراسلہ کے اسی پہلے ہی پیراگراف میں آپ نے نئی صدی کے آغاز تک اپنی تنظیم کی نمایاں پیش رفت کی توقع بھی ظاہر فرمائی ہے۔ اس نئی صدی سے آپ حضرات نے کون سی صدی مراد لی ہے؟ یہ بات مراسلہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔

آگے مراسلہ کے دوسرے پیراگراف میں قدیم وجدید کی کشمکش اور مسلمان علماء اور جدید علوم کے ماہرین کے درمیان پائی جانی والی خلیج کا ذکر فرک و تشویش کے انداز میں فرمایا ہے۔ اور اس کشمکش و خلیج کو دور کرنے اور پر کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

عہد سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے تو خود عہد رسالت میں حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسے جاں نثاران رسالت کے بالمقابل ابولہب ابوجہل، ابی ابن ابی سلول، عقبہ بن ابی معیط وغیرہم دشمنان اسلام بطی ملیں گے بعد کے دور میں جب علم فلسفہ نے اپنے برگ وبار پھیلانا شروع کئے تو ان گمراہان فلسفہ افکار الشیاطین ابن بوعلی سینا وغیرہم کے فلسفیانہ افکار کی تردید کے لیے امام غزالی اور فخر الدین رازی سامنے آئے۔ یہ بھی اسی طرح کی ایک کشمکش تھی جس طرح آج کی یہ کشمکش ہے وہ بھی دو مختلف نظریات کی کشمکش و جنگ تھی۔ اور آج بھی یہ کشمکش دو مختلف نظریات کی کشمکش ہے کہ نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کیا ہوں تعلیمات ربانی اور ہدایات آسمانی کے مطابق اور پوری طرح ان کی زیر اثر ہو یا بالکل سیکولر اور دین و مذہب کی قید سے آزاد ہو۔

مراسلہ کے تیسرے اور گویا آخری پیراگراف میں علماء اسلام اور علوم جدیدہ کے ماہرین کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو پر کرنے اور پاٹنے کی جو تجویز رکھی گئی ہے اس سلسلہ میں یہ مختصر سی گذارش پیش کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سردست پہلے مرحلہ میں جدید علوم کی مسلم تعلیم

گاہوں کے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کی اصلاح پر محنت کی جائے اگر ان مسلم تعلیم گاہوں پر کی جانی والی محنت کے اچھے نتائج سامنے آجاتے ہیں تو امید کی جاسکے گی کہ عربی تعلیم کے طرز قدیم والے قدامت پسند مدارس بھی ضروری واہم تغیر و تبدل کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔
اس تجربہ کے بغیر قدیم طرز کے قدامت پسند مدارس کو آمادہ تبدیل کرنا دوراندیشی کے خلاف ہے۔
خدا جانے تجربہ کے بعد کیا صورت سامنے آئے ابھی موجودہ صورت میں اتنا تو اطمینان ہے کہ اس قدیم تعلیم کے نتیجہ میں دین تو باقی رہتا ہے آخرت میں نجات کی امید تو رہتی ہے ورنہ یہ بچارے ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کا ورد پڑھنے پر مجبور ہوں گے۔

والسلام
عبدالقدوس رومی مفتی شہر آگرہ

عارف باللہ مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رح کی وفات

ملتِ اسلامیہ عظیم ترین شخصیت سے محروم

مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری دارالافتاء جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

عالم اسلام کی عظیم ہستی، ملک کے مقتدا اور ممتاز عالم دین، ملت اسلامیہ کے مسلمہ بزرگ، بلاامتیاز مذہب وملت لاکھوں افراد کے دلوں کی دھڑکن، ہزاروں علماء، طلباء اور عوم وخواص کے ماویٰ وملجا اور مرشد اور صاحب نسبت بزرگ، جامعہ عربیہ ہتھوڑا ضلع باندہ کے بانی وناظم وشیخ الحدیث عارف باللہ نمونہ اسلاف حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ / اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات صبح دس بجے لکھنؤ کے ایک ہسپتال میں انتقال فرماگئے اور ہزاروں لاکھوں سوگواروں کو اشکبار چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

نام ونسب اور ولادت

آپکا اسم گرامی صدیق احمد اور والد بزرگوار کا اسم گرامی سید احمد ہے۔ آپکی ولادت اپنے وطن مالوف ہتورہ ضلع باندہ میں ۱۳۴۳ھ میں ہوئی۔

(ندائے شاہی تاریخ شاہی نمبر ص: ۵۷۵)

تعلیمی سفر کا آغاز

اولاً آپ نے اپنے جد امجد جناب قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تلمیذ رشید مولانا قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی اور اپنے ماموں مولانا سید امین الدین صاحب کے

پاس رہ کر حفظ قرآن مجید کی تکمیل فرمائی پھر حصول علم کا شوق آپکو کان پور لے آیا۔ یہاں جید الاستعداد اور ماہر فن اساتذہ سے آپ نے ابتدائی عربی و فارسی کی کتب پڑھیں۔ کان پور کے نامور اساتذہ کرام میں مولانا مفتی سعید احمد لکھنوی۔ مفتی صدر الدین صاحب، مولانا سید سہراب علی نقشبندی وغیرہ ہیں۔

پھر مشیت ایزدی آپکو پانی پت لے آئی۔ یہاں مدرسہ گنبدان میں شرح جامی بحث فعل تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی اور ساتھ ہی قرأت شعب سبعہ عشرہ کی تکمیل بھی فرمائی۔ کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی اور مدرسہ معینیہ اجمیر شریف بھی پڑھا۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ

۱۳۵۹ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور اس سال اصول الشاشی، میر قطبی، کنز الدقائق، شرح جامی بحث اسم سلم العلوم اور تلخیص المفتاح وغیرہ کتب پڑھیں۔ ۱۳۶۰ھ میں مقامات حریری، شرح وقایہ، مختصر المعانی، نور الانوار وغیرہ ۱۳۶۱ھ میں جلالین، ہدایہ اولین، میبذی، رشیدیہ وغیرہ کتب پڑھیں۔ ۱۳۶۲ھ کے اوائل میں مظاہر علوم چھوڑ دیا۔

مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ

آپ کی عمر شریف جب ۱۹ سال کی ہوئی تو ۵ / جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ کو آپ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یادگار جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخلہ لیا۔ اور اس سال ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، ملا حسن وغیرہ کتب پڑھیں اور قرأت میں مولانا قاری عبد اللہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ مدرسہ شاہی میں قیام کے دوران آپ نے تکرار، مطالعہ، کتب بینی اور اسباق کی پابندی کے ساتھ انجمن اصلاح البیان سے وابستہ ہو کر تحریر و تقریر کی مشق بھی کی۔ حضرت مولانا اشفاق حسینؒ سابق استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد رقم طراز ہیں کہ حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ میرے رفیق درس ہیں طالب علمی کے زمانہ میں انجمن کے جلسوں میں شریک رہتے تھے (ندائے شاہی، ص: ۴۹۲)

اس سال آپ نے شاہی کے امتحانات میں معیاری و امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ شعبان ۱۳۶۲ھ کے رجسٹر نتائج امتحانات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال آپ نے

مشکوٰۃ شریف میں ۵۱ / اور ہدایہ آخرین میں ۵۰ نمبرات حاصل کئے۔

(ندائے شاہی ص: ۵۷۴)

مظاہر علوم میں دوبارہ داخلہ

شوال ۱۳۶۲ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر علوم میں دوبارہ دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ ابوداؤد شریف اور بخاری شریف اول حضرت شیخ الحدیث، قطب الاقطاب مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی۔ بخاری ثانی استاذ الاساتذہ مولانا عبد اللطیف صاحبؒ سے، مسلم شریف علامہ منظور احمد صاحبؒ سے، ترمذی شریف، شمائل ترمذی، طحاوی شریف مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری صاحبؒ سے، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور مؤطا امام مالک و مؤطا امام محمد مناظر اسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا مذکورہ اساتذہ کرام کے علاوہ مظاہر علوم کے قیام کے پہلے دور میں مولانا مفتی قاری سعید احمد صاحب اجراڑویؒ، علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، مولانا امیر احمد کاندھلویؒ، مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور مولانا عبدالشکور صاحبؒ سے پڑھنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

بیعت و خلافت

مدرسہ مظاہر علوم میں قیام کے دوران ہی آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اجل مناظر اسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری قدس سرہٗ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی تھی۔ عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کیا اور مراحل سلوک طے کرکے امت کے لئے مصلح و مرشد کامل بن گئے آخر کار ۱۳۷۶ھ میں آپکے پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے عرصہ دراز تک ریاضت و مجاہدہ کے بعد آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے بیاض خاص میں خلافت نامہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"دن کے دس بجے مسجد کلثومیہ (مسجد مدرسہ مظاہر علوم قدیم) میں یوم چہار شنبہ ۲۵/ربیع الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۳۱/اکتوبر ۱۹۵۶ء عزیز محترم مولوی حافظ سید صدیق

احمد صاحب باندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت بیعت و تلقین دی گئی" محمد اسعد اللہ
(حیات اسعد ص: ۷۸-۳۰۷ بحوالہ بیاض خاص)

حضرت قاری صاحبؒ پر آپ کے پیر و مرشد کو بڑا اعتماد تھا اور آپ کو اپنی نجات کا سہارا سمجھتے تھے۔

حضرت اسعد بجا نازاں تھے ان کی ذات پر آپ فرماتے میرا صدیق ہے جنت نشاں
حق نے فرمایا اگر اسعد سے تو لایا ہے کیا عرض کردونگا کہ یہ صدیق اے رب جہاں
میری بخشش کا سہارا حضرت صدیق ہیں نور چشم و لخت دل ہے بالیقیں وہ جان جاں
(حیات اسعد ص: ۸۱-۷)

تدریسی سفر کا آغاز

تعلیمی مراحل مکمل کر لینے کے بعد آپ نے اپنا تدریسی سفر شروع کیا۔ اولاً چند ماہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں پھر چند سال مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں آپ نے تدریسی فرائض انجام دیئے اسی دوران آپ نے ایک روز کسی اخبار میں دیکھا کہ باندہ اور اس کے اطراف میں کچھ ہندو تنظیمیں مسلمانوں کو مرتد بنارہی ہیں اور ارتداد زور پکڑتا جارہا ہے آپ نے اس وقت مدرسہ سے مستعفی ہو کر اپنے وطن کا قصد کیا اور مختلف مقامات کا دورہ کیا اور گشت کر کے مسلمانوں کو راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر لانے کی بھرپور کوشش کی جس کی وجہ سے بحمد اللہ حالات قابو میں آگئے پھر یہ سوچا کہ یہ مسئلہ کا مکمل حل نہیں ہے صرف وقتی حل ہے اور آپ نے ایک مدرسہ کی ضرورت محسوس فرمائی۔

جامعہ عربیہ ہتھورا کا قیام

باندہ اور ہتھورا کی سرزمین ماضی قریب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور آپ کے اخلاف سے مستفید ہو چکی تھی اور ان کے قدموں کی برکت یہاں عظیم مرکزی ادارہ کی متقاضی تھی۔ بالآخر غیبی فیصلہ کے تحت ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں اچانک ایک مدرسہ کی صورت پیدا ہو گئی اور اس کی ابتداء حضرت مولانا نے چند مبتدی اور صغیر السن طلبہ سے ایک مسجد اور چوپال میں فرمائی پھر اپنی ذاتی زمین میں ایک کچا کمرہ مدرسہ کے نام سے تعمیر کیا جو آج وسیع و عریض رقبہ آراضی کے اندر پھیلا ہوا ہے اور جامعہ عربیہ

ہتھورا کے نام سے ملک کے مرکزی اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ عالم اسلام کے مسلمان اس کو عظمت ووقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں آپ اس ادارہ کے بانی وناظم اور کامیاب استاذ روز اول سے رہے۔ اور دورۂ حدیث شریف شروع ہونے کے بعد شیخ الحدیث بھی منتخب ہوئے ۔ آپ نے اس ادارہ سے وابستہ رہ کر جملہ علوم وفنون ، معقولات ومنقولات اور علوم آلیہ اور علوم عالیہ کا درس دیا، تمام درس نظامی کی کتب پڑھانے کی پروردگار عالم نے آپ کو سعادت عطا فرمائی۔ شرح جامی، مختصر، جلالین، متنبی اور بخاری شریف آخری سانس تک آپ سے وابستہ رہیں۔ آپ کی توجہات اور مخلصانہ خدمات کی وجہ سے جامعہ عربیہ ہتھورا کو ہمہ جہتی ترقی نصیب ہوئی علماء، طلبہ اور مشائخ کا رجوع ہوا۔ اور آپ ہی کی برکت سے چھوٹی سی گمنام بستی پوری دنیا میں مشہور و معروف ہوئی پورے علاقہ کے لوگ آپ کو ہتھورا والے بابا کے نام سے پہنچانتے تھے۔

اخلاق وعادات

آپ خصائل حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے مجسم پیکر تھے، محنت وجفاکشی، حلم وتدبر آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی آپ اکابر واسلاف کی جیتی جاگتی تصویر اور زندہ وجاوید نمونہ تھے۔ ہندو مسلم عوام وخواص حتیٰ کہ ایوان حکومت کے لوگ بھی آپ کی بے حد قدر کرتے تھے آپ کے دربار سے ہر طبقہ کے لوگ فیض یاب ہوتے تھے آپ کے ارادتمندوں میں ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے، افتراق وتشتت سے آپ کوسوں دور تھے ملی اور جماعتی اختلاف بھی آپ کو پسند نہ تھا سبھی سے آپ کا یکساں تعلق تھا، ڈھیروں ڈاک کا جواب از خود دینا تعویذات لکھنا، اسفار کی ہمہ ہمی اور تدریسی ذمہ داریوں کی از خود انجام دہی آپ کا روز مرہ کا معمول تھا اور سبھی کو آپ خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ جناب الحاج سی، کے، جعفر شریف سابق مرکزی وزیر ریلوے حکومت ہند نے آپ کے اخلاق وعادات سے متاثر ہو کر آپ ہی کے وجہ سے آپ ہی کے نام پر قطب ایکسپریس دہلی سے باندہ تک جاری کیا اور آپ ہی سے اس کا افتتاح کرایا۔

مدارس اسلامیہ کی سرپرستی

ہندوستان کے سینکڑوں مدارس کے آپ سرپرست تھے، بے شمار مدارس کے سالانہ

جلسوں اور میٹنگوں میں آپ شرکت فرماتے، جن پسماندہ علاقوں میں مدارس کی ضرورت ہوتی وہاں خود جاکر مدارس قائم فرماتے اور پھر ان کا ہر ممکنہ تعاون بھی کرتے، دارالعلوم دیوبند کی موقر مجلس شوریٰ کے بھی آپ رکن رہے لیکن بعد میں غیر معمولی مشغولیت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے باضابطہ رکنیت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ لیکن تادم واپسیں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوتے رہے اور اپنی توجہات سے مرکز رشد وہدایت دارالعلوم دیوبند کو محروم نہ رکھا، جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ سال میں دو تین مرتبہ ضرور تشریف لاتے یہاں کے ذمہ داران اساتذہ کرام اور طلبہ عظام سے آپ کو غایت درجہ محبت تھی۔ یہاں کے تعلیمی کام پر بڑا اعتماد تھا۔ ہر سال اپنے فضلاء اور متعلقین کو جامعہ کے دارالافتاء میں داخلہ کے لئے ضرور بھیجتے تھے اس کے علاوہ مدرسہ شاہی مراد آباد جو آپ کا مادر علمی بھی ہے وہاں آپ بار بار جاتے تھے۔

تصنیف وتالیف

درس وتدریس، اہتمام وانتظام، وعظ وتقریر، دعوت وارشاد کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی آپ کو شغل تھا۔ آپ کامیاب اور تجربہ کار مدرس تھے۔ پوری زندگی درسی کتب ہی پڑھاتے رہے۔ آپ کے قلم سے شستہ اور عمدہ کتب منصۂ شہود پر آئیں اکثر نصابیات سے متعلق ہیں بلکہ بعض کتب بعض مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب بھی ہیں جن میں تسہیل التجوید، تسہیل النحو، تسہیل الصرف، تسہیل المنطق وغیرہ کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کتب معقولات میں سلم العلوم کی کامیاب اور وقیع شرح اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ کے نام سے استبراک حاصل کرتے ہوئے اسعاد الفہوم کے نام سے مرتب فرمائی نیز فن نحو میں شرح ملا جامی مسمّٰی بہ فوائد ضیائیہ کی شرح التسہیل السامی فی حل شرح الجامی مرتب فرمائی، دونوں کتب آپ کی تدریسی زندگی کا نچوڑ اور آپ کا زبردست علمی شاہ کار ہیں دونوں ہی دو دو جلدوں میں ہیں اور اہل علم سے خراج تحسین وصول کررہی ہیں۔ آپ نے استاذ وشاگرد کے مابین رشتہ میں کمزوری محسوس کی تو اس رشتہ کے احکام کے لئے آداب المعلمین اور آداب المتعلمین ترتیب دیں اس کے علاوہ احکام المیت، حق نما، فضائل نکاح وغیرہ درجنوں کتابوں کے آپ مصنف ہیں آپ کے صاحب زادگان،

تلامذہ اور متوسلین کی ذمہ داری ہے کہ آپ کے علوم و معارف اور مواعظ نیز حیات طیبہ کے نقوش کو مرتب کر کے شائع کریں اور امت کے سامنے پیش کریں۔

اولاد و احفاد

آپ نے تین صاحبزادے، مولانا حبیب احمد صاحب، مولانا حسیب احمد صاحب مولانا نجیب احمد صاحب اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں ماشاء اللہ سبھی صاحب اولاد ہیں اور تینوں صاحبزادگان عالم دین اور حافظ و قاری ہیں اسکے علاوہ ہزاروں تلامذہ اور متوسلین بھی آپ نے اپنے پسماندگان میں چھوڑے ہیں جو آپکی علمی اور روحانی اولاد ہیں خدا تعالی سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائیں (آمین)

وفات

کافی عرصہ سے حضرت والا علیل تھے لیکن اسفار، اسباق اور اصلاح امت کی ذمہ داریاں آپ حسب معمول پوری کرتے رہے لیکن چند ماہ پیشتر آپ پر فالج کا حملہ ہوا تو اسفار موقوف کر دیئے گئے۔ البتہ اسباق وغیرہ جاری رہے۔ ۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بروز بدھ آپ نے حسب معمول سبھی اسباق پڑھائے شام کو بخاری شریف کا آخری سبق پڑھانے کی تیاری کر رہے تھے وضو کرتے ہوئے غشی طاری ہو گئی اور لیٹ گئے کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اہل خانہ کو بلایا اور باندہ چلنے کا ارادہ کیا۔ باندہ کے ڈاکٹروں نے لکھنؤ جانے کا مشورہ دیا۔ فوراً ہی لوگ آپکو لکھنؤ لے گئے لیکن وقت موعود آگیا تھا اور آپ جانبر نہ ہو سکے بالآخر ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بروز جمعرات صبح دس بجے کے قریب آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے جنازہ لکھنؤ سے وطن مالوف ہتھورا لیجایا گیا اور بعد نماز عشاء لاکھوں افراد نے آپکی نماز جنازہ ادا کی نماز جنازہ آپکے فرزند اکبر مولانا حبیب احمد صاحب نے پڑھائی اور پھر لاکھوں سوگواروں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ آپکو سپرد خاک کر دیا

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی رپورٹ کے مطابق، صوبہ یوپی کے اضلاع خصوصاً آگرہ، متھرا، ایٹہ، ہاتھرس وغیرہ میں قادیانی فتنہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔

مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء اترپردیش کا یہ اجلاس ارباب مدارس، ذمہ داران جمعیۃ، علماء کرام، اور مقتدر شخصیات کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس دینی حساس مسئلہ پر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں، اور قادیانیت کی سرکوبی کے لئے بھرپور جدوجہد کریں تاکہ سادہ لوح مسلمان ارتداد سے محفوظ رہیں۔

نیز یہ اجلاس تحفظ ختم نبوت کانفرنس دھلی
(منعقدہ ۱۴ جون ۱۹۹۷ء)
کی قراردادوں کی پرزور تائید کرتا ہے جن کا متن درج ذیل ہے۔

مذہب اسلام کے بنیادی عقائد میں وحدانیت اور رسالت کا اقرار شامل ہے اور عقیدۂ رسالت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغمبر ماننے کے ساتھ ساتھ خاتم النبیین یعنی سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی بھی مانا جائے۔

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰ء تا ۱۹۰۸ء) نے ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا۔ اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی اور جو مرزا قادیانی کی نبوت کو نہ مانے اسے دائرۂ اسلام سے سے خارج قرار دیا۔ ان وجوہات کی بناء پر اس وقت سے امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کے مفتیان اور علماء کرام نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے مرتد اور زندیق ہونے کے متفقہ فتاویٰ صادر کئے اور سرکاری عدالتوں میں بھی مکمل بحث و تمحیص کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

۱- لہٰذا یہ عظیم الشان کانفرنس قادیانیوں (نام نہاد احمدیوں) کو آگاہ کرتی ہے کہ اسلام کے نام سے اپنے مذہب کا پرچار کرنا فوراً بند کریں، تمہارا اعقائد کفریہ پر اسلام کا لیبل لگانا ایسی ہی دھوکہ بازی ہے جیسے شراب کی بوتل پر زمزم کا لیبل لگا کر شراب کا کاروبار کرنا۔ لہٰذا یہ اسلام کی زبردست توہین ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

۲- نیز یہ کانفرنس پوری سنجیدگی کے ساتھ حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ قادیانیوں کو مسلم فرقہ سے الگ کر کے غیر مسلم قرار دے، اور انہیں مسلمانوں والا کلمۂ طیبہ اور دوسری اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے اور اپنی عبادت گاہیں مسجد کی شکل میں بنانے، اور ان کو مسجد کا نام دینے سے روکے۔

۳- یہ کانفرنس مسلمانوں پر واضح کر دینا چاہتی ہے کہ قادیانی لوگ مرتد بلکہ زندیق اور کافر ہیں یعنی کفر پر ایمان واسلام کی ملمع سازی کر کے کفر پھیلانے میں مصروف ہیں لہٰذا قادیانی لوگ خدا اور رسول کے دشمن ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق ایسے لوگوں سے تعلقات اور دوستی رکھنا ایمان کے خلاف ہے اس لئے ان کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کا مکمل سماجی معاشرتی بائیکاٹ کرنا واجب ہے۔ ان سے سلام وکلام، لین دین اور تعلقات رکھنا، ان کی تقریبات میں شریک ہونا ان کو اپنی کسی تقریب میں شریک کرنا، ان سے رشتہ ناطہ، اور شادی بیاہ کرنا مسلمانوں کے قبرستان میں ان کے مردوں کو دفن کرنا، غرض یہ کہ مسلمانوں جیسا سلوک انکے لئے روا رکھنا قطعی حرام ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت اور قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے نام نہاد احمدیوں (یعنی قادیانیوں لاہوریوں کے بارے میں) شرعی حکم پر عمل پیرا ہو کر ان کا مکمل بائیکاٹ کریں، اور اپنی ایمانی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہات اپنی طرف مبذول کرانے کی سعادت حاصل کریں۔

۴- یہ کانفرنس تمام مدارس اسلامیہ اور مسلم تنظیموں سے اپیل کرتی ہے کہ قادیانی عبادت گاہوں اور دوسرے تمام مقامات پر جہاں وہ ارتدادی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں کڑی نگاہ رکھیں اور ان کی سرگرمیوں کا محاسبہ کرتے ہوئے ان کے پھیلائے ہوئے جال سے بچنے کے لئے مسلمانوں کے سامنے ان کو پوری طرح بے نقاب کریں۔

دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہ شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۹۷ء

جلد ۸۲	شمارہ ۱۲	فی شمارہ۔/۶	سالانہ۔/۶۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند	استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم۔ دیوبند، سہارنپور۔ یو،پی

سالانہ بدل اشتراک	
	سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ۔/۴۰۰ روپے
	پاکستان سے ہندوستانی رقم۔/۱۰۰ بنگلہ دیش سے ہندوستانی رقم۔/۸۰
	ہندوستان سے۔/۶۰

Ph. 01336-22429 Pin-247554

Composed by Nawaz Publications, Deoband

فہرست مضامین

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔

● چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے، اس لئے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔

● پاکستانی حضرات مولانا عبدالستار صاحب مہتمم جامعہ عربیہ داؤد والا براہ شجاع آباد ملتان کو اپنا چندہ روانہ کردیں۔

● ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

● بنگلہ دیشی حضرات مولانا محمد انیس الرحمٰن سفیر دارالعلوم دیوبند معرفت مفتی شفیق الاسلام قاسمی مالی باغ جامعہ پوسٹ شانتی نگر ڈھاکہ ۱۲۱۷ کو اپنا چندہ روانہ کریں۔

کمپیوٹر کتابت نواز پبلی کیشنز دیوبند

خدائے رحیم و کریم نے اپنے الطاف بے پایاں اور فضل بے نہایت سے سال کے مختلف مہینوں اور اس کے مختلف دنوں اور راتوں میں ایسی برکات و خصوصیات رکھ دی ہیں کہ ان میں معمولی کوشش اور تھوڑی محنت سے وہ ثواب اور دینی و دنیوی فوائد ہو جاتے ہیں جن کا دوسرے اوقات میں طویل مشقت اور بڑی محنت سے بھی حاصل ہونا دشوار ہے۔

مگر آج کل عموماً مسلمانوں کو شریعت و سنت سے غفلت و لاپرواہی کی بناء پر ان اوقات اور ان خاص اعمال و آداب کا علم نہیں جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی صلاح وفلاح کے لیے تعلیم فرمائے ہیں۔ اس لئے ان ایام کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں اور صرف اتنا ہی ہوتا تو زیادہ جرم نہیں تھا ہونے یہ لگا کہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی رسمیں گھڑلیں جن میں بہت سی چیزیں خلاف شرع بھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام وسلف صالحین سے ثابت اعمال و آداب کی بجائے اپنی ان خانہ ساز رسموں کے پیچھے لگ گئے اس کے نتیجہ میں وہ ان مبارک ایام میں ثواب آخرت اور دینی و دنیوی برکات وفوائد حاصل کرنے کے بجائے گناہ مزید میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ مبارک ایام میں جس طرح اچھے اعمال کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں گناہ کے ارتکاب سے گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

ان مبارک ایام میں ماہ شعبان بالخصوص اس کی پندرہویں تاریخ کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں خاص طور پر نفلی روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔ سنن نسائی میں ہے۔

(۱) عن اسامة بن زيد رضى الله عنهما قال: قلت : يارسول الله لم ارك

تصوم من شهر ما تصوم من شعبان؟ قال: ذاك شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان وهو شهر ترفع الاعمال الى رب العلمين واحبُ ان ترفع عملي وانا صائم۔ (الترغیب والترھیب: ج: ۲، ص: ۱۱۶)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو کسی اور مہینے میں اس قدر روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ ماہ شعبان میں روزہ رکھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ رجب اور رمضان کے درمیان میں ایک ایسا مہینہ ہے جس سے بالعموم لوگ غفلت برتتے ہیں حالانکہ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں رب العالمین کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ بارگاہ الٰہی میں میرے اعما[illegible] حالت روزہ پیش ہوں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

(۲) ومارأيته في شهر اكثر منه صياما في شعبان (مشكوٰة، ص: ۱۷۸)

مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی آپ نفلی روزے رکھتے تھے مگر شعبان میں جس قدر روزے رکھتے تھے اتنا کسی اور مہینہ میں نہیں۔

(۳) وعن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كا ن يصوم شعبان كله۔ قالت قلت: يا رسول الله احب الشهور اليك ان تصومهٗ شعبان؟ قال: ان الله يكتبُ فيه على كل نفس ميتةٍ تلك السنة فاحبُ ان ياتيني اجلي، وانا صائم: رواه ابو يعلى وهو غريب واسناده حسن۔

(الترغیب والترھیب، ج: ۲، ص: ۱۱۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کے پورے (یعنی اکثر) روزے رکھتے تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو سب مہینوں سے زیادہ ماہ شعبان کے روزے محبوب ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک سال میں مرنے والوں کے نام اللہ تعالیٰ ماہ شعبان میں تحریر فرمادیتے ہیں اور میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ میری مدت حیات بحالت صیام لکھی جائے۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اور مہینوں کے اعتبار سے ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت کرنی چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یہی ہے جس کی کرامت

وشرافت میں کسی مرد مؤمن کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں خاص طور سے شعبان کی پندرہویں تاریخ کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ملاحظہ ہوں۔احادیث

عن معاذ بن جبل رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یطلع لله الی جمیع خلقه لیلة للنصف من شعبان فیغفرلجمیع خلقه الالمشرك اومشاحنٍ. رواه ابن حبان فی صحیحه

(الترغیب والترہیب، ج:۲، ص:۱۱۸۔ وفی مجمع الفوائد، ج:۸، ص:۶۵ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہما ثقات)

(۴) حضرت معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کی جانب خصوصی رحمت ومغفرت کے ساتھ تجلی فرماتے ہیں اور تمام لوگوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔

مسند بزار میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مرفوعاً اسی مضمون کی روایت نقل کی گئی ہے (مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۶۷)

اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا نزول اور خصوصی رحمت وغفران کا ظہور ہر رات کے آخری تیسرے حصہ میں ہوتا ہے لیکن پندرہویں شعبان کی شب میں یہ نزول سر شام مغرب کے وقت ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور اس کار رحمت بخش کا سلسلہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے اسی وجہ سے شعبان کی پندرہویں شب خصومیت کے ساتھ جامع خیرات وبرکات اور حامل فضیلت وبرتری ہوگئی ہے۔

(۵) عن عائشة رضی الله عنها قالت:قام رسول الله صلی الله علیه وسلم من اللیل فصلی فاطال السجود حتی ظننت انه قبض فلما رأیت ذالك قمت حتی حرکت ابهامه فتحرك فرجعت فسمعته یقول فی سجوده: اعوذ بعفوك من عقابك،واعوذ برضاك من سخطك،واعوذبك منك الیك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك فلما رفع راسه من السجود، وفرغ من صلاته قال یا عائشة اویا حمیرك اظننت ان النبی

صلی الله علیه وسلم قد خاس بك؟قلت:لاوالله یا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ولکنی ظننت انك قبضت لطول سجدك،فقال اتدرین ای لیلة هذه؟ قلت: الله ورسوله اعلم،قال: هذه لیلة النصف من شعبان ان الله عزوجل یطلع علی عباده فی لیلة النصف من شعبان فیغفر للمستغفرین، ویرحم للمسترحمین یؤخر اهل الحقد کما هم رواه البیهقی من طریق العلاء بن الحارث عنها،وقال هذا مرسل جید یعنی ان العلاء لم یسمع من عائشة والله سبحانهٗ اعلم۔

(الترغیب والترہیب،ج: ۲،ص: ۱۱۹)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے بڑا طویل سجدہ کیا جس کی وجہ سے مجھے یہ گمان ہوگیا کہ (خدانخواستہ) آپ کی روح مبارک قبض کرلی گئی(اس اندیشہ پر) میں نے آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو اس میں حرکت معلوم ہوئی تو میں (مطمئن ہوکر اپنی جگہ)لوٹ آئی اور میں نے سنا کہ سجدہ میں آپ یہ دعاء پڑھ رہے تھے اعوذ بعفوك الخ پھر جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اپنی نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا اے عائشہ یا اے حمیراء کیا تو نے یہ خیال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے حق میں کمی کی، میں نے عرض کیا بخدا یہ بات نہیں تھی!یارسول اللہ مجھے تو آپ کے طویل سجدہ کی بناء پر یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ آپ وفات پاگئے، پھر آپ نے فرمایا جانتی ہو یہ کونسی رات ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو ہی اس کے بارے میں زیادہ علم ہے۔ فرمایا یہ شعبان کی پندرہویں شب ہے اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خصوصی فضل وکرم کے لئے سمائے دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور طالبان مغفرت کی بخشش اور خواہشگاران رحمت پر رحمتیں نچھاور کرتا ہے اور کینہ ور کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

(٦) عن علیؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا یومها فان الله تبارك وتعالی منزل فیها لغروب الشمس الی السماء الدنیا فیقول الامن مستغفر فاغفرله الامن مسترزق فارزقه الا من مبتلی فاعافیه الا کذا الاکذا حتی یطلع الفجر۔ رواه

ابن ماجه (مشکوة،ص:۱۱۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ پندرہویں شب میں نوافل پڑھواور اس دن میں روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی سارے دنیا پر اپنی رحمت ومغفرت کے ساتھ نزول اجلال فرماتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے ہے طالب رحمت کہ اس کی بخشش کر دوں۔ ہے کوئی روزی مانگنے والا کہ اسے خوب روزی دوں، ہے کوئی مصیبت کا مارا عافیت خواہ کہ اسے عافیت دے دوں اسی طرح کاکرم آفریں اعلان طلوع صبح تک ہوتا رہتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پندرہویں شعبان کی رات اور اس کا دن اوقات رضا اور باری تعالیٰ سے مناجات اور طلب حاجات کا زمانہ ہے اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ خصوصیت کے ساتھ بندوں کی جانب متوجہ ہوتی ہے اس لئے اس بابرکت وقت کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس لئے کہ آقائے کریم کی رحمت بے پایاں اس وقت بندوں کی جانب متوجہ ہے تو ہماری بندگی اور سراپا احتیاج کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کے ذریعہ اپنے دامن مراد کو خوب خوب بھرلیں۔

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے بہت کمزور اور ضعیف ہے لیکن اس کے مضامین کی تائید دوسری صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لئے محدثین فضائل شعبان کے ذیل میں اسے ذکر کرتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا احادیث سے حسب ذیل امور کا ثبوت ہوتا ہے۔

۱۔ ماہ شعبان میں کثرت روزہ کی فضیلت

۲۔ اسی ماہ میں سال بھر میں جو نیک اعمال کئے جاتے ہیں وہ الگ لکھ دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ سال میں مرنے والوں کا دفتر بھی اسی ماہ میں مرتب کیا جاتا ہے۔

۴۔ شعبان کی پندرہویں تاریخ کی شب میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ومغفرت کا نزول ہوتا ہے۔
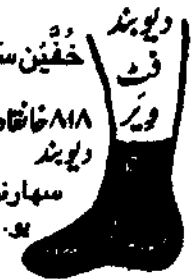
۵۔ اس تاریخ کو بے شمار گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے مگر مشرک اور کینہ ور اس عمومی مغفرت سے محروم رہتے ہیں۔

۶۔ پندرہویں شعبان کی نیت میں کثرت عبادت اور دن میں روزہ رکھنا بہتر ہے۔

بدعات و خرافات: ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں لوگوں میں یہ رواج ہے کہ پندرہویں شب میں کثرت سے چراغاں کرتے ہیں۔ بعض بلکہ اکثر علاقوں میں اجتماعی وانفرادی طور پر آتش بازی کا مذموم طریقہ بھی رائج ہے یہ جاہلانہ رسوم اور خلاف شرع امور عقل و شرع دونوں کے خلاف ہیں اسلام میں ایسے امور کی قطعاً گنجائش نہیں در حقیقت مسلمانوں نے یہ رسم ہندوؤں کی دیوالی سے اخذ کرلی ہے۔

ایک طریقہ یہ بھی جاری ہوگیا ہے کہ اس رات کو دینی اجتماع کے نام پر لوگوں کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر اس میں وہ ساری قباحتیں پیش آتی ہیں جو اس قسم کے عمومی اجتماعات میں لوگوں کی غفلت اور دین سے بے پرواہی کی بناء پر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اس خاص تاریخ میں اس قسم کے اجتماعات کا سلف صالحین سے کوئی ثبوت نہیں۔ اس لئے اس دن انفرادی طور پر لوگوں کو ذکر تلاوت قرآن اور نوافل وغیرہ عبادتوں میں مشغول رہنا ہی مستحب اور بہتر ہے۔

حضرات اکابر و سلف صالحین جو مواقع خیر کے متلاشی رہا کرتے تھے اگر اس موقع پر اجتماع کو باعثِ خیر و ثواب سمجھتے تو وہ اس سے غافل نہ رہتے اس لئے متعین طور پر پندرہویں شعبان کو کسی خاص اجتماع کے لئے مخصوص کرلینا اور اسے باعث خیر و برکت باور کرنا بلاشبہ بدعت ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے بالخصوص طبقہ دیوبند کو جو حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، وغیرہ اکابر کو فہم دین میں پیشوا مانتے ہیں انہیں بطور خاص اس طرح کے امور سے اجتناب کرنا چاہیے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

کمپیوٹر کتابت سواز پبلی کیشنز دیوبند

خطبہ جمعہ کا احترام

از: حافظ محمد اقبال رنگونی (مانچسٹر)

الحمد لله وسلام علی عباده الذين اصطفى اما بعد

گذشتہ دنوں برطانیہ کے غیر مقلدوں کے جماعتی آرگن میں سعودی عرب کے مشہور و معروف عالم اور مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ سے پوچھے گئے چند سوالات کے جوابات (کا اردو ترجمہ) شائع ہوا ہے جن میں سے ایک سوال جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کے متعلق ہے شیخ موصوف اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے چاہے امام خطبہ دے رہا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذا دخل احدکم المسجد فلايجلس حتى يصلي ركعتين (صحیح بخاری و مسلم) اور ایک جگہ اور آپ نے فرمایا اذا جاء احدکم يوم الجمعة والامام يخطب فليصل ركعتين وليتجوز فيهما ان صریح احادیث کی موجودگی میں کسی کو یہ جائز ہی نہیں وہ اس کے مخالف عمل کرے امام مالک سے اس سلسلے میں مخالف روایت آتی ہیں جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے ان تک احادیث نہ پہنچی ہوں اور بحیثیت مسلمان جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سنت ثابت ہو جائے تو کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اور کے قول پر عمل کرتے ہوئے سنت کی مخالفت کر بیٹھے۔ الخ۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث اپنی پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آجائے ممکن ہے کہ سماحۃ الشیخ نے بھی اس پر بحث کی ہو مگر ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ شیخ موصوف کے بیان کا اردو ترجمہ ہے۔ ممکن ہے کہ مترجم نے جواب کو مختصر کر دیا ہو۔ بہر حال جو کچھ شائع ہوا ہے اس کے بارے میں ہماری

گذارشات ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ ھو الموفق والمعین۔

جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے نماز (تحیۃ المسجد ہو یا نفل یا سنت) بالاتفاق جائز ہے اس میں کسی کو کلام نہیں ہے ہاں جب امام خطبہ کے لئے آموجود ہو اور خطبہ شروع ہو جائے تو اس وقت نماز (تحیۃ المسجد ہو یا سنت) ادا کی جائے یا نہیں؟ اس میں بعض حضرات کی رائے مختلف ہے۔ جو حضرات خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں وہ مذکورہ حدیث کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں (اس سلسلے میں تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی انشاء اللہ) اور جو حضرات خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد کو ممنوع قرار دیتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پیش کرتے ہیں بلکہ حضرات خلفاء راشدین۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال واعمال بھی سامنے لاتے ہیں اور ان کی روشنی میں حدیث مذکورہ بالا کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں کہ خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف ہے۔ ثم ینصت اذا تکلم الامام (صحیح بخاری ج:۱۔ ص:۱۲۱) امام کے تکلم پر مقتدیوں کو چپ رہنے کا حکم ہے اب اگر وہ نماز پڑھے تو کیا وہ چپ رہ سکتا ہے اور اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت تھی کہ خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھی جاسکتی ہے تو پھر حضرات خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ کرام نے اس سے کیوں روکا اور اکابر امت اسی پر کیوں عمل کرتے رہے کیا انہوں نے اپنی صریح حدیث کے ہوتے ہوئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی؟ اگر نہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ مذکورہ حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خطبہ کے ہوتے ہوئے بھی تحیہ المسجد پڑھنا سنت ٹھہرے۔

شیخ موصوف کا فرمانا کہ حضرت امام مالک سے مروی حدیث میں جو منع لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام مالک کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں تحیہ المسجد کو ضروری بتایا گیا ہے

ہماری گذارش یہ ہے کہ بالفرض اگر ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت امام مالک کو اس حدیث کا پتہ نہ تھا اس لئے آپ نے اس کو روکا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرات خلفاء راشدین بھی اس حدیث سے واقعی بے خبر تھے؟ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عقبہ بن عامرؓ کو کیا یہ حدیث معلوم نہ تھی؟ پھر تابعین عظام کو بھی اس حدیث کا پتہ

نہ چلا تھا؟ امام مالک باوجودیکہ امام دارالہجرت کہلاتے ہیں اور ہر بات میں عمل اہل مدینہ کو دیکھتے ہیں انہیں پورے مدینہ میں یہ عمل کسی میں نظر نہیں آیا یا ان حضرات کو یہ حدیث معلوم تھی لیکن اس کے باوجود ان حضرات نے خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے سے روکا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس کے سنت ہونے سے انکار کیا اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے ناپسند جانا حضرت عقبہ بن عامر نے اسے معصیت تک فرمادیا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ نے عمداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سنت پر عمل کرنے سے روکا یا پھر یہ مانا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو یہ حدیث معلوم تھی اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کا یہ ارشاد کس پہلو پر مبنی تھا اور اصل صورت حال کیا تھی اور منشاء نبوی کیا تھا۔ اہل سنت کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عمداً آپ کی سنتوں کی مخالفت کی ہو یہ اہل بدعت ہی کہہ سکتے ہیں۔

اس وقت مالکی مذہب کی تفصیلات زیر بحث نہیں قابل غور بات یہ ہے کہ امام مالک عمل اہل مدینہ کے ترجمان ہیں اگر آپ کے دور میں مسجد نبوی میں بوقت خطبہ کوئی بھی دو رکعت پڑھتا تو آپ کے علم میں یہ بات ضرور آتی۔

شیخ موصوف کا یہ فرمانا کہ کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اور کے قول پر عمل کرتے ہوئے سنت کی مخالفت کر بیٹھے اسی وقت صحیح ہے جب وہ واقعی کسی سنت کی مخالفت کر رہا ہو لیکن یہاں مسئلہ کی نوعیت ہی اور ہے یہ مسئلہ کسی ایک فقیہ کا نہیں قرآن کریم احادیث خلفاء راشدین اور صحابہ کرام سے ثابت ہے اور ان کے اقوال و افعال تو خود لسان نبوت کی رو سے سنت قرار دیئے گئے ہیں اور ان کی اقتداء کو امت پر لازم ٹھہرا لیا گیا ہے۔

شیخ موصوف کے اس فتوی کا مذکورہ جواب ہی کافی ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کی کسی قدر تفصیل بھی کر دی جائے اور اس باب میں وارد شدہ روایات پر بھی ایک نظر ہو جائے تو انشاء اللہ بہت سے اشکالات اور اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں گے اور واضح ہو جائے گا کہ جو حضرات خطبہ کے وقت نماز (تحیۃ المسجد ہو یا سنت) کو منع کرتے ہیں وہ اپنی رائے میں اکیلے نہیں بلکہ قرآن اور احادیث نبویہ نیز خلفاء راشدین صحابہ کرام اور تابعین کی تعلیم و تاکید بھی یہی ہے۔

قرآن کریم کا حکم

قرآن کریم میں قرآن پڑھے جانے کے وقت اسے سننے اور چپ رہنے کا حکم ہے۔
واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (پ۹الاعراف ۲۰۴)
(ترجمہ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت جس طرح نماز میں (امام کے پیچھے) خاموش رہنے کا حکم دیتی ہے اسی طرح خطبہ کو بھی خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم دیتی ہے (تفسیر کبیر ج: ۲، ص: ۵۰۰ تفسیر ابن کثیر ج: ۲۔ ص: ۲۸۰ روح المعانی ج: ۹، ص: ۱۵۰)
حنبلی مذہب کے ممتاز عالم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں

وذكر احمد ابن حنبل الاجماع على انها نزلت في ذلك (فتاوی ابن تیمیہ ج: ۲۳، ص: ۳۶۹)

حضرت امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں اتری ہے۔
آپ یہ بھی لکھتے ہیں

احدها ما ذكره الامام احمد من اجماع الناس انها نزلت فى الصلوٰة وفى الخطبة وكذلك قوله فاذا قرء فانصتوا (ایضاً ص: ۳۱۳)
(ترجمہ) ایک وہ ہے کہ جسے امام احمد نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں اتری ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ جب امام قراءت کرے تو تم چپ رہو اس پر اجماع ہے۔
امام ابن تیمیہ نے یہاں جس حدیث (**واذا قرء فانصتوا**) کو اجماعاً ثابت کیا ہے وہ مسند ابی یعلی میں اس طرح موجود ہے۔

عن ابى موسى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا (مسند ابی یعلی ج: ۶، ص: ۳۱۸)
امام مسلم نے بھی صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۱۷۴ میں اسے روایت کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے اگلے

الفاظ یہ نقل کئے ہیں کہ پھر جب امام ولا الضالین کہے تو تم بھی آمین کہو (دیکھئے غنیۃ الطالبین ۵۴۸) اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہی وارد ہوئی ہے کہ جب امام پڑھے تو مقتدی خاموش رہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ حافظ ابن تیمیہ قدس سرہ کی ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ خطبہ کو (جس میں قرآن بھی پڑھا جاتا ہے) خاموشی کے ساتھ سننا واجب ہے اس وقت ہر ایسے قول و عمل سے بچنا ضروری ہے جو اس استماع کے منافی ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر اپنی نماز میں توجہ ہوگی تو خطبہ کا استماع اور انصات ناممکن ہے اور خطبہ سنا جائے تو اپنی نماز پڑھی نہ جاسکے گی۔ حضرت امام احمد اس باب میں اجماع نقل فرماتے ہیں کہ خطبہ پڑھا جائے تو تم خاموش رہو اور اسے سنو۔

خطبہ کی اصولی حیثیت قرآن کریم کی رو سے

قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں اصل انصات تو نماز کے لئے تھا مگر چونکہ جمعہ کے دن اسی نماز کی رکعتیں دو ہو جاتی ہیں اور خطبہ دو حصوں میں پڑھا جاتا ہے تو خطبہ اب ان دو رکعتوں کے قائم مقام ہوگا۔ سو خطبہ میں بھی حاضرین پر استماع اور انصات واجب ہوگا شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ حافظ بدر الدین العینی (۸۸۵ھ) لکھتے ہیں۔

ان الخطبة اقيمت مقام الركعتين فكما لايجوز التكلم فى المنوب لايجوز فى النائب (عمدۃ القاری ج:٦، ص:۲۴۰)

(ترجمہ) خطبہ جمعہ دو رکعت کے قائم مقام ہے پس جس طرح نماز میں بات کرنا جائز نہیں اسی طرح خطبہ کے دوران تکلم بھی جائز نہیں۔

اب آپ ہی سوچیں جب خطبہ نماز کے حکم میں ہے تو کیا یہ نماز خطبہ نماز در نماز نہ ہوگی؟

حضرت علامہ عینی کا یہ بیان در اصل امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے آپ فرماتے ہیں۔

انما جعلت الخطبة مكان الركعتين (المصنف لابن ابی شیبہ ج:۲، ص:۱۲۸۔ المصنف لعبد الرزاق ج:۳، ص:۲۳۷)

(ترجمہ) جمعہ کا خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

غیر مقلدین حضرات امیر المومنین حضرت عمرفاروق اور شارح بخاری حضرت علامہ عینی کی بات سے اتفاق نہ کریں تو انھیں اپنے ہی عالم حافظ عنایت اللہ اثری کی اس بات سے توضرور اتفاق کرنا چاہئے کہ خطبہ میرے نزدیک دو رکعت کا بدل ہوکر بمنزلہ نماز ہے (العطر البلیغ ص:۱۷۹)

خطبہ میں خاموشی کا حکم احادیث کی رو سے

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثم ینصت اذا تکلم الامام (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۲۱ مسند احمد ج:۹، ص:۱۷۹)

(ترجمہ) پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو مقتدی خاموش ہو جائے۔

اس میں صریح طور پر امام کے تکلم اور مقتدیوں کے انصات کو جوڑا گیا ہے یعنی جونہی امام بولے سامعین کے لئے انصات لازم ہے اب اسے خاموشی سے چارہ نہیں اس صراحت کے ہوتے ہوئے کون تکلم امام کے بعد اپنی علیحدہ نماز (تحیۃ المسجد) کی جرات کر سکتا ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اس حدیث کی تائید مروی ہے کہ جب تک امام خطبہ سے فارغ نہ ہو سامعین کے ذمہ چپ رہنا ہے گا اب وہ بولے نہیں بلکہ خاموش رہے (دیکھئے صحیح مسلم ج:۱، ص:۳۸۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے۔

ثم صلی ما کتب الله له ثم انصت اذا خرج الامام (سنن ابو داود ج:۱، ص:۱۸۰)

(ترجمہ) پھر اس نے نماز (خطبہ سے پہلے ادا کی جتنی اللہ نے اس کی قسمت میں لکھی تھی پھر جب امام خطبہ کے لئے آگیا تو اب وہ خاموش رہے۔

حضرت نبیشہ الہذلیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فان لم یجد الامام خرج صلی مابداله وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتیٰ یقضیٰ الامام جمعته وکلامه (مسند احمد ج:۵، ص:۷۵ مجمع الزوائد ج:۲، ص:۱۷۱)

(ترجمہ) پس اگر امام ابھی نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز ادا کرے اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے

تو بیٹھ جائے (پس) سننے لگے اور خاموش رہے یہاں تک کہ امام خطبہ ونماز سے فارغ ہوجائے۔

یہاں یہ تصریح ہے کہ امام کے نکلتے ہی مقتدی بیٹھ جائے اور خاموشی کے ساتھ خطبہ سنے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ تحیۃ المسجد میں قیام رکوع سجود سب ہوگا اور اس میں تلاوت بھی ہوگی حالانکہ آپ نے خطبہ میں استماع اور انصات کی تاکید فرمائی ہے اب ان دونوں متقابل عملوں کو کیسے جمع کیا جاسکے گا۔

حضرت امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے۔

باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب واذا قال لصاحبه انصت فقد لغا(صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۲۷)

(ترجمہ) خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنا اور جب کسی نے اپنے ساتھی کو کہا چپ رہ تو اس کا یہ بولنا لغو ہے۔

اور اس میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث نقل فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا قلت لصاحبکم یوم الجمعة والامام یخطب فقد لغوت (ایضا ص:۱۲۸)

اس قسم کی دیگر احادیث بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تاکید یہ ہے کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس حالت میں بالکل خاموش رہ کر ساری توجہ خطبہ کی جانب مبذول کرو۔ جس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ اگر اس وقت نماز شروع کرے گا تو اس کا قرات کرنا اور نماز پڑھنا خطبہ سننے کی طرف متوجہ ہونے میں مخل ہوگا اس لئے یہاں اسے نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

خطبہ جمعہ کا احترام خلفائے راشدین کی نظر میں

قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد اور متواتر احادیث کی روشنی میں حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے خطبہ کے دوران نماز کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ خطبہ کی جانب توجہ کی تاکید فرمائی ہے۔

(۲) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سیدنا حضرت عمرفاروق کے زمانہ کا حال بیان کرتے

ہیں کہ آپ کے ﷺ میں لوگ (خطبہ سے قبل) نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ حضرت عمر
اروق تشریف لے آتے۔جب آپ تشریف لاکر منبر پر بیٹھ جاتے اور موذن اذان کہتا تو ہم
ات کر لیتے پھر جب موذن خاموش ہو جاتا تو ہم سب خاموش ہو جاتے۔

وقام عمر يخطب انصتنا فلم يتكلم منا احد قال ابن شهاب فخروج
امام يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام (موطا امام مالک ص:۳٦ موطا امام محمد
ص:۱۳۸)

(ترجمہ) اور حضرت عمر خطبہ فرمانے کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش ہو جاتے پس ہم
یں سے کوئی شخص بات نہ کرتا ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو
ور اس کا خطبہ دینا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

حضرت امام مالک عمل اہل مدینہ کے ترجمان ہیں اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد
بوی میں عمل یہی تھا کہ امام کے خطبہ شروع کرتے ہی مقتدیوں کا آپس میں کلام کرنا یا نماز
پڑھنا دونوں ممنوع ہو جائیں۔اب یہ بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے کہ امام زہری جیسے مرکزی
راوی اور امام مالک جیسے امام دار الہجرت کو مدینہ منورہ کے اس عمل کا علم نہ ہو۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

اذا قام الامام فاستمعوا وانصتوا فان المنصت الذى لايسمع من
خطبة مثل ماللسامع المنصت (موطا امام محمد ص:۱۳۸)

(ترجمہ) جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس کی طرف دھیان دو اور خاموش رہا کرو
کیونکہ جو شخص خاموش رہے خواہ خطبہ نہ سنتا ہو (یعنی معذور ہو یا آواز ہی نہ پہنچ رہی ہو) اس
کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ خاموش رہ کر سننے والے کو ملتا ہے۔

(۴) حضرت ثعلبہ بن مالک حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں۔

ادركت عمر وعثمان فكان الامام اذا خرج يوم الجمعة تركنا الصلوة
(المصنف لابن ابی شیبہ ج:۱،ص:۴۴۷)

(ترجمہ) میں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا دور پایا ہے پس جب امام خطبہ کے لئے نکل
آتا تھا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے۔

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ورجل صلى بعد خروج

الامام فلیت لنیۃ(المصنف لعبدالرزاق ج:۳،ص:۲۱۰)
(ترجمہ)وہ شخص جس نے امام کے نکل آنے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت شمار نہ ہوگی(یعنی یہ تحیۃ المسجد نہیں ہے)
(نوٹ)حضرت علی مرتضیٰؓ کا یہ کہنا کہ یہ سنت نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں۔ صحابی رسول جب کسی بات کے بارے میں یہ کہے کہ یہ سنت نہیں تو یہی مراد ہوتی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں
واصحاب النبی صلی الله علیه وسلم لایقولون بالسنة والحق الا لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم انشاء الله تعالی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب یہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور حق ہے تو اسکا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ سنت رسول ہے انشاءاللہ تعالیٰ۔
حارث نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں جب امام خطبہ دے رہا ہو۔
عن الحارث عن علی انه کره الصلوة یوم الجمعة والامام یخطب (المدونہ الکبریٰ ج:۱،ص:۱۴۸)
حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ۔
انہم کانوا یکرھون الصلوة والکلام بعدخروج الامام(المصنف لابن ابی شیبہ ج:۱،ص:۴۴۸ عمدۃالقاری ج:۶،ص:۲۴۰)
(ترجمہ)کہ یہ حضرات امام کے خطبہ کے لئے نکل آنے کے بعد نماز اور گفتگو دونوں کو مکروہ جانتے تھے۔
صحابہ میں خلفائے راشدین۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر کا مسلک تو آپکے سامنے آگیا اب ایک صحابی حضرت عقبہ بن عامر (۵۸ھ) کا یہ بیان بھی ملاحظہ کیجئے۔
(ترجمہ)جب امام منبر پر آجائے تو نماز پڑھنا گناہ ہے۔

خطبہ کا حکم تابعین کے یہاں

حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت کے مشہور قاضی امام شریح (۷۸ھ) کا حال امام شعبی سے سنئے

كان شريح اذااتى الجمعة فان لم يكن خرج الامام صلى ركعتين وان كان خرج جلس واحتبس واستقبل الامام فلم يلتفت يمينا وشمالا (المصنف لابن ابی شیبہ ج: ۲، ص: ۱۱۲ المصنف لعبد الرزاق ج: ۳، ص: ۲۴۵)

(ترجمہ) امام شریح جب جمعہ کے لئے آتے اور امام کو خطبہ دیتے ہوئے نہ پاتے تو آپ دو رکعتیں ادا فرماتے اور اگر امام خطبہ کے لئے آچکا ہوتا تو آپ بیٹھ جاتے اور بندھ جاتے اور امام کی طرف متوجہ ہوتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

جلیل القدر تابعی حضرت امام عطاء (۱۱۵ھ) سے پوچھا گیا کہ اگر آپ جمعہ کے دن اس وقت تشریف لائیں جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا آپ نماز (تحیۃ المسجد ہو یا سنت نماز) ادا کریں گے آپ نے فرمایا اگر امام حالت خطبہ میں ہو تو نماز نہیں پڑھوں گا۔

عن عطاء قال قلت له جئت والامام يخطب يوم الجمعة اتركع؟ قال اما والامام يخطب فلم اكن اركع (المصنف لعبد الرزاق ج: ۳، ص: ۲۴۵)

حضرت عطاء سے میں نے پوچھا آپ جمعہ کے لئے آئیں اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا آپ نماز پڑھیں گے؟ فرمایا جب امام خطبہ دے رہا ہو تو میں نماز (تحیۃ المسجد یا سنت) نہ پڑھوں گا

حضرت امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) امام سعید بن المسیب (۹۳ھ) امام مجاہد (۱۰۰ھ) امام ہشام بن عروہ (۱۴۶ھ) سب خطبہ کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

عن مجاهد انه كره ان يصلى والامام يخطب (طحاوی ج: ۱، ص: ۲۵۵)

عن ابن سيرين انه كان يقول اذا خرج الامام فلايصل احد حتى فرغ الامام (المصنف لابن ابی شیبہ ج: ۲، ص: ۱۱۱)

عن الزهرى فى الرجل يجئى يوم الجمعة والامام يخطب يجلس ولا يصلى (ایضا ص: ۱۱۱۔ طحاوی ص: ۲۵۴)

عن ابن المسيب قال خروج الامام يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام (ایضا المصنف لعبد الرزاق ج: ۲، ص: ۲۰۸)

عن هشام بن عروة عن ابيه قال اذا قعد الامام على المنبر فلا صلوة (ایضا ج: ۲، ص: ۱۱۱)

امام نووی شافعی کا بیان

شارح مسلم حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی اور امام ابو حنیفہ امام مالک اور لیث بن سعد امام سفیان ثوری اور جمہور صحابہ اور تابعین کا مسلک یہی ہے کہ خطبہ کے وقت نماز ادا نہ کرے۔

ونقل مالك والليث وابو حنيفة والثورى وجمهور السلف من الصحابة والتابعين لايصليهما وهو مروى عن عمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم وحجتهم الامر بالانصات (نووی شرح مسلم ج:۱، ص:۲۸۷۔ عمدۃ القاری ج:۲، ص:۲۳۱)

علامہ عراقی شافعی کا بیان

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت مجاہد عطاء بن ابی رباح سعید ابن المسیب امام محمد بن سیرین امام زھری امام قتادہ امام ابراہیم نخعی اور قاضی شریح کا بھی یہی مذہب تھا (دیکھئے فتح الملہم ج:۲، ص:۴۱۵)

قرآن کریم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث۔ خلفائے راشدین کا عمل۔ صحابہ کرام کے فرمان۔ اور تابعین عظام کے آثار اور جمہور السلف من الصحابہ والتابعین کے فیصلہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے اس وقت کوئی نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خطبہ کا احترام یہ ہے کہ اسے خاموشی کے ساتھ سنا جائے اور ہر ایسے عمل سے بچے جو استماع اور انصات کے خلاف ہو۔

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کی روایت پر ایک نظر

جو حضرات خطبہ کے شروع ہو جانے کے بعد بھی تحیۃ المسجد پڑھنے کے قائل ہیں اور اپنے اس موقف پر اصرار کرتے ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت جابر کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت سلیک غطفانی کے واقعہ سے متعلق ہے۔ آیئے اس خبر واحد پر بھی نظر کریں۔

حضرت سلیک غطفانی جمعہ کے دن مسجد میں آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لا چکے تھے اور خطبہ ہونے والا تھا یہ بزرگ آکر بیٹھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے خطبہ کو روک لیا اور انہیں دو رکعت نماز کے لئے کہا۔

اس حدیث سے بعض دوست یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ امام کے خطبہ پڑھنے کے دوران بھی نماز تحیۃ المسجد پڑھی جاسکتی ہے۔

جواباً گذارش ہے کہ جو دوست اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ اس واقعہ کے پورے پہلو بھی سامنے نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ خطبہ کے وقت تم نماز ادا کرو اور آپ کے حضرت سلیک کو نماز کے لئے کہنے پر تو ان کی نظر ہے لیکن اسی واقعہ سے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر خطبہ کے وقت تحیہ المسجد پڑھی جاسکتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ کو کیوں روک لیا تھا اور جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے پھر خطبہ شروع فرمایا تھا اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ خطبہ کا حکم یہی ہے کہ کوئی نماز پڑھنے لگے تو امام اپنا خطبہ روک لے اور ایسے موقع پر اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آیا بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک لیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ شخص نماز بھی پڑھتا رہے اور آپ خطبہ بھی دیں۔ یہ خطبہ کے احترام کے منافی تھا اس لئے آپ نے خطبہ روک لیا۔ مقتدی میں عمل انصات اور عمل صلوۃ کیا دونوں جمع ہوسکتے ہیں؟ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے خطبہ روک لیا تھا کہ وہ شخص انصات کا مکلف نہ ٹھہرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک لیا اور اس کے شواہد صحیح مسلم میں ہے۔

ترك خطبته ...... ثم اتى خطبته فاتم آخرها (صحیح مسلم ج:۱، ص:۲۸۷)

(ترجمہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ روک لیا...... پھر آپ اپنے خطبہ پر آئے اور اسے آخر تک پورا فرمایا۔

حضرت امام نووی شافعی تصریح کرتے ہیں کہ آپ نے (اپنے اس امتی پر شفقت کرتے ہوئے) اپنا خطبہ منقطع کر دیا تھا۔

قطع النبى لها الخطبة وامره بها (شرح مسلم ج:۱، ص:۲۸۷)

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ اس کی نماز کے لئے روک لیا تھا اور اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں۔

فقطع بذلك خطبته اداده منه ان يعلم الناس كيف يفعلون اذا دخلوا المسجد ثم استانف الخطبة (شرح معانی الآثار ج:۱، ص:۱۷۹)

اس تصریح کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مقتدیوں کو خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کی اجازت ہے ہمارے جو دوست دوران خطبہ تحیہ المسجد پڑھنے پر زور دیتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنے اماموں کو ایسے مقتدیوں کے نماز پڑھنے تک خطبہ پڑھنے سے روک دیا کریں۔ جب آنے والا تحیۃ المسجد پڑھ کر فارغ ہو جائے پھر امام اپنے خطبہ پر واپس آجایا کرے اور بقیہ حصہ شروع کیا کرے اس دوران پھر اگر کوئی اور آجائے اور وہ نماز پڑھنا شروع کرے تو پھر امام خطبہ منقطع کر دیا کرے کیا یہ صورت عملاً اختیار کی جاسکتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی یہ صورت اختیار کرنا پسند نہیں کرے گا۔

پھر مندرجہ ذیل روایتوں کو بھی دیکھئے اور منشاء روایت کو سمجھئے۔

ان النبی صلی الله عليه وسلم حيث امره ان يصلی ركعتين امسك عن الخطبة حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى الخطبة (المصنف لابن ابی شیبہ ج:۱، ص:۴۴۷)

عن انس قال دخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب فقال له النبی صلى الله عليه وسلم قم فاركع ركعتين وامسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاته (رواہ الدار قطنی کما فی عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۳۲)

ان دونوں روایتوں میں امسک عن الخطبۃ کے الفاظ پر نظر کیجئے۔

امام احمد سے مروی یہ روایت بھی دیکھئے۔

قال جاء رجل والنبی صلى الله عليه وسلم يخطب فقال يافلان اصليت قالا لاقال قم فصل ثم انتظره حتى صلى (ایضاً ص:۲۳۳)

یہاں ثم انتظرہ کے الفاظ قابل غور ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ کے دوران رک جانا اور اس شخص کے نماز پڑھنے تک خاموش رہنا پھر خطبہ شروع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا احترام خطبہ کے منافی تھا۔ امام جونہی خطبہ شروع کرے مقتدیوں کے لئے اب سوائے انصات کے اور کوئی راہ عمل نہیں۔ ہاں امام ہی اگر کسی کے لئے خطبہ کو روکے رکھے تو یہ اور بات ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اس حدیث کا پورا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص شکستہ حال بوقت خطبہ حاضر ہوا آپ کو اس پر رحم آیا آپ نے منبر سے اتر کر صحابہ سے ایک کرسی منگوائی اور صحابہ سے ارشاد فرمایا انہوں نے کپڑے لاکر جمع کر دیئے آپ نے ان میں سے دو کپڑے اٹھا کر اس کو دے دیئے پس شوافع کو اگر اس پر عمل کرنا ہے تو روایت کے تمام افعال کی اجازت دیجئے۔ منبر سے اترنا۔ خطبہ ترک کرنا۔ سامعین کا وہاں سے جاکر کپڑے لانا پھر آپ کا اس کو عطا فرمانا۔ اتنی حرکتیں اور افعال خطبہ میں صادر ہوئے یہ کوئی بات نہیں کہ اور افعال کو تو منسوخ کہا جائے اور صرف رکعتین پر جم جائیں تعجب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو اس وقت منع ہو۔ چنانچہ اذا قلت لصاحبك انصت فقد لغوت وارد ہے اور تحیۃ المسجد جو عند الشوافع بھی نوافل سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتی وہ بوقت خطبہ جائز ہو جائے۔ غرض جمہور سلف کا موافق ہونا اور آیت کی شان نزول اور روایات کثیرہ کی تائید یہ ایسے امور ہیں کہ امام صاحب کو ان کے بعد اپنے مذہب میں کسی قسم کی دقت نہیں رہتی۔ تعجب ہے کہ تشمیت عاطس واجب ہے اور مختصر بھی ہے اس میں تو شوافع امام (اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے ساتھ ہوں اور منع کریں اور تحیۃ المسجد جو تمام جہاں کے نزدیک مستحب ہے اس میں مخالف رہیں۔ (تقاریر شیخ الہند ص:۹۰)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) پیش نظر مضمون کو ملاحظہ فرماتے ہوئے امام احمد سے مروی مذکورہ حدیث کے بارے میں (اپنے ایک گرامی نامہ میں) تحریر فرماتے ہیں کہ۔

اس عبارت میں یہ کلمہ (قم فصل) اس بات کو بتلاتا ہے کہ وہ آنے والا آدمی دوران خطبہ آکر بیٹھ گیا تھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نظر پڑی تو فرمایا کہ اٹھ جا اور نماز پڑھ پس اس پوری عبارت کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ دوران خطبہ ایک شخص آکر بیٹھ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت اور نور فراست سے یہ معلوم فرمالیا کہ یہ شخص صاحب ترتیب ہے ایک واجب نماز اس کی باقی رہ گئی ہے پس اگر یہ نماز جمعہ میں شریک ہو گیا تو اس کی جمعہ کی ادائے گی معلق رہ جائے گی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اصلیت (الواجب) اس نے جواب دیا کہ نہیں پڑھی ہے تو آپ نے حکم فرمایا کہ قم فصل۔

تواس نے جب تک اپنی واجب نماز نہیں پڑھ لی آپ منتظر کھڑے رہے۔ صاحب ترتیب کا ہر نماز کو ترتیب سے ادا کرنے کا وجوب غزوہ خندق میں مسلسل چار فرضوں کے ترک ہو جانے پر ہے پھر ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کے حکم سے ظاہر ہے نیز اس حکم کو فقہاء کرام نے مدلل اور مفصل طور پر قضاء فوائت کے بیان کے اندر بیان فرمایا ہے اس کے لئے ہدایہ عنایہ فتح القدیر کی قضاء فوائت کے بیان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد تمام مخاطبین پر انصات واستماع واجب ہو جاتا ہے حتی کہ اگر کسی نے اپنے قریب ترین سے بھی کہہ دیا کہ انصت (خاموش رہ) تو اس پر بھی نکیر وارد ہے اور اگر عاطس کا جواب دیا حالانکہ جواب دینا فی الجملہ واجب ہو جاتا ہے مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کا بھی عدم جواز منقول ہے پھر تحیۃ المسجد جو کسی کے نزدیک واجب نہیں تو اس کا جواز کیونکر جائز کہا جا سکتا ہے...... اور جو شخص مذکور (مخاطب) اصلیت الخ۔ صاحب ترتیب تھا اور اس پر ایک واجب صلوۃ تھا اس لئے جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم شرعی متوجہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلسل خطبہ منقطع فرما کر یہ حکم دیدا تاکہ سب تک یہ حکم شرعی پہنچ جائے اسی طرح تقریر ترمذی کی بے نظیر تفصیل ہے بھی یہ حکم شرعی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ واقعہ بھی ابتدائے اسلام کا تھا۔ اور اسی اصل شرعی اور کلی کے تحت دوران خطبہ جب خطیب کو موقع ایسا آجائے جس میں حکم شرعی (دے دینا یا منع کرنا) واجب ہو جاتا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تسلسل خطبہ منقطع فرما کر خصوصی حکم بالخصوصی ممانعت فرمادیتے اور یہی حکم اب بھی شرعاً باقی ہے نہ دوران خطبہ خطیب فوری عائد شدہ حکم جو ضروری ہو تسلسل خطبہ موقوف کر کے بیان کر دے۔ اور سلف کے نزدیک تحیۃ المسجد کے اس قسم کا کوئی حکم متوجہ نہیں اسلئے اس کے جواز کا قائل ہونا شرعاً صحیح نہ ہوگا اور گنجائش دینا جائز نہ ہوگا۔

حضرت سلیک غطفانی کا واقعہ

حضرت سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی دو اور روایتوں کو ساتھ ملالیں اور ان کا اختلاف بھی ساتھ ہی حل کرلیں۔

(۱) حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ سلیک غطفانی جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے تشریف فرماتے ابھی خطبہ شروع نہ ہوا تھا اس دوران

آپ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہا۔

ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد على المنبر (صحیح مسلم ج:۱، ص:۲۸۷)

دوسری روایت میں حضرت جابر ہی سے مروی ہے اور اسی واقعہ سلیک غطفانی سے متعلق ہے اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين۔

یہ ایک واقعہ کی دو تعبیریں ہیں پہلی روایت صحیح صورت حال کا پتہ دیتی ہے اور دوسری سے اس کی تائید ملتی ہے سو اس دوسری روایت میں والامام یخطب کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ امام خطبہ کے لئے آموجود ہوا ہو لیکن عملاً ابھی خطبہ شروع نہ ہوا ہو اس صورت میں دونوں روایتیں ایک ہو جائیں گی اور اس عمل کا آیت قرآنی فاستمعوا له وانصتوا سے بھی کوئی ٹکراؤ نہ رہے گا۔

اور اگر یہ تعبیر اختیار نہ کی جائے بلکہ اسی پر اصرار کیا جائے کہ دوران خطبہ بھی تحیۃ المسجد پڑھنا ضروری ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ آیت قرآنی سے ٹکراؤ رہے گا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جس میں استماع اور انصات کا حکم دیا گیا ہے ان کی مخالفت بھی لازم آئے گی۔ پھر خلفائے راشدین۔ حضرات صحابہ۔ حضرات تابعین سب کے بارے میں یہ بات کہنی پڑے گی کہ انہوں نے آپ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی اور مسلمانوں کو ایک ایسے عمل سے روکا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے اپنانے کا حکم دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت عقیدہ رکھنے والا کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔

دوران خطبہ کلام کرنے کا حق صرف امام کے لئے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں اپنا یہ حق استعمال کیا لیکن جہاں تک مقتدی کا تعلق ہے وہ اس دوران ایک دوسرے کو اتنی بات بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت چپ رہو۔ یہ نصیحت کرنا بھی اس وقت ایک لغو عمل شمار ہوگا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس دوران پوری نماز پڑھنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے اس کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ امام اپنا خطبہ ترک کر دے اور پھر کوئی اس دوران تحیۃ المسجد ادا کر لے پھر امام دوبارہ خطبہ شروع کرے وما علینا الا البلاغ۔

از:- حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت برکاتہم صاحب فتاوی رحیمیہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد واله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

امابعد: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مقدس جماعت اللہ تعالیٰ کی چنندہ جماعت ہے. قرآن وحدیث میں اس جماعت کے بے شمار مناقب وفضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ سلف صالحین اور علماء محققین نے بھی اس جماعت کے مناقب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ہمارے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی جماعت واسطہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے گلشن اسلام کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور اسلام کے بقاء کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا ہے۔ قرآن اور اسلامی تعلیمات سب کی سب اسی جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے فرقۂ ناجیہ کی علامت لسان نبوت سے "ماانا علیہ واصحابی" بیان فرمائی گئی ہے اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ الصحابۃ کلہم عدول کا ہے، وغیرہ وغیرہ تمام باتوں سے علماء کرام واقف ہیں اور ہر زمانہ میں علماء کرام نے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اور امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ آخری تین چار دھائی سے جماعت اسلامی کے سربراہ کی جانب سے ایک بات کہی گئی "رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے" اور اسے دستور اساسی کا درجہ دیا گیا۔ غیر مقلدین بھی اس سلسلہ میں ان کے ہم مشرب وہم خیال ہیں۔ علماء کرام نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔

اس وقت حسن اتفاق سے ایک صاحب نے ایک کتاب "صدائے غیب" برائے مطالعہ عنایت کی۔ اس کتاب میں مولانا حکیم محمد اختر صاحب خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی مد ظلہم نے بقیۃ السلف عارف باللہ مجسم　　　ومحبت حضرت مولانا محمد احمد

پرتابگڈھی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات اور عارفانہ کلام کو جمع فرمایا ہے۔حضرتؒ کے ملفوظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق بہت ہی عمدہ اور بے حد مفید اور کام کی باتیں ہیں یہ ملفوظ اور الہامی دلائل سنکر دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا کہ دیگر علماء کرام اور لوگوں کو بھی اس سے باخبر کیا جائے۔ اللہ والوں کے کلام میں بڑی نورانیت ہوتی ہے اور ان کی باتوں کا بہت اثر ہوتا ہے خدا کرے حضرت رحمہ اللہ کے یہ ... رک ملفوظات دلوں کی صفائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت اور دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہونے اور اس میں زیادتی اور اضافہ کا ذریعہ بن جائیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں بعض اہل قلم سے نہایت درجہ فرد گذاشت اور نادانی اور علمی سطحیت اور تفقہ و تدبر کی سے بے مائگی کا ظہور ہوا ہے پھر عظمت صحابہؓ پر یہ شعر پڑھا ۔

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر ... ئی اس کے لئے جان جلانے والا

پھر حضرت پرتابگڈھی دامت برکاتہم نے بیس دلائل عظمت صحابہ کرامؓ پر بیان فرمائے۔

(۱) اگر تنقید سے کسی صحابیؓ کو بالاتر نہ سمجھنے کا حاصل یہ ہو کہ کسی کا بھی تزکیہ کامل نہ ہوا جب کہ ان کے مزکی رسول اکرم ﷺ تھے تو یہ قول لازمی طور پر رسول اکرم ﷺ کی شان تربیت اور شان تزکیہ کی تنقیص اور توہین کرتا ہے کہ نعوذ باللہ آپؐ کے شاگردوں میں ایک بھی کامل نہ پیدا ہو سکا کہ وہ شریعت میں فانی ہوتے حالانکہ موقع تمنن پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً الخ اگر سب ناقصوں کی بھیڑ تھی تو یہ تمنن کیا؟

(۲) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ان عبادی لیس لك علیھم من سلطان اولیاء مقربین کیلئے حفاظت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لئے عصمت ہے۔

(۳) حدیث پاک اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم اگر کل حضرات صحابہ عادل اور مقتدانہ ہوتے تو یہ جملہ مشروط ہوتا مگر مطلق فرمایا۔

(۴) اگر کسی استاذ کے شاگرد ہوں اور سب کے سب فیل ہو جائیں تو استاذ پر بالیقین حرف آئے گا لہذا جملہ صحابہ کرام کو معیار حق سے گرانا یہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کو لازم کرتا ہے۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا بها بالنواجذ او کما قال

(۶) حدیث موقوف کو حکماً مرفوع قرار دیا گیا اور اس پر امت کا اجماع ہے پس ان کا عدل اور ان کی دیانت پر اجماع ہوا کیونکہ دین کے باب میں حضرات صحابہؓ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں گھڑ سکتے۔

(۷) حَبَّبَ الیکم الایمان وزیَّنَهٗ فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئك هم الراشدون فضلاً من الله ونعمة والله علیم حکیم حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات مذکورہ میں حضرات صحابہؓ کے قلوب میں اپنی طرف سے جس تحبیب ایمان اور تکریہ کفر وفسق اور عصیان کا ذکر فرمایا ہے کیا یہ تحبیب وتکریہ ناقص تھی جو ان کے ایمان اور حفاظت عن المعاصی پر اعتراض کیا جا رہا ہے پھر اولئك هم الراشدون جملہ اسمیہ سے بیان فرما کر کیا دوام رشد اور ثبات واستقامت کی خوشخبری نہیں دی آگے علیم وحکیم بیان فرما کر حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ یہ انعامات کا مجملہ اور مصالح وحکمتوں کے یہ بھی ہے کہ بعد کے نااہل ونادان اہل قلم کے اعتراضات لچر سے ہم باخبر ہیں اس فتنے کے انسداد کی خاطر ہماری حکمت ان بشارتوں کی مقتضی ہوئی۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ علیم وحکیم کے عجیب لطائف حضرت نے بیان فرمائے جو قابل وجد ہیں،

(۸) یوم عرفہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی تو کیا اس اکمال اور اتمام کا مصداق بھی کوئی اس وقت تھا یا نہیں اگر سب کے سب ناقص اور معیار حق سے گرے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے تو ان آیات کے نزول کا صرف یہ مقصد ہوا کہ یہ اکمال اور اتمام صرف لغت تک محدود تھا مگر ان مفاہیم کے مصادیق نہ تھے۔

(۹) کنتم خیر امة کے مصداق حضرات صحابہ کرامؓ اور یہ خیر امة ان کے نزدیک گویا معیار حق سے گری ہوئی ہے۔

(۱۰) اخرجت للناس کے باوجود اگر حضرات صحابہ کی جماعت غیر معیار حق ہے تو تمام انسانوں کے لئے ان کو نمونہ بنا کر کیوں پیش کیا گیا تمام عالم

سے کہ انسانوں کو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور خود ان کی علمی زندگی نعوذباللہ معیار حق سے گری اور تنقید سے ملوث ہو۔

(۱۱) حضرات صحابہ کا ایک مد جو صدقہ غیر صحابی کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے افضل کیوں ہے کیا انکے مقام اخلاص کی بلندی پر غیر صحابی پہنچ سکتا ہے۔

(۱۲) من سب اصحابی فقد سبنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعلق حضرات صحابہؓ سے کس طرح بیان فرمایا۔

(۱۳) جادوگروں نے امنًا برب العالمین کے بعد رب موسی وھرون کیوں کہا کہ فرعون کی ربوبیت سے مطلق نفی ہو جاوے ایک نظر ایمان کے ساتھ نبی کو دیکھنے سے ایمان کا کیا مقام عطا ہوتا ہے ستر ہزار جادوگروں نے دھمکی دی اور فرعون کو دھمکی دی کہ فاقض ماانت قاض اس کا ترجمہ میں یہ کرتا ہوں۔

اب کر جو تجھے کرنا ہو تو اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ انما تقضی ھذہ الحیواۃ الدنیا ابھی تو مقابلے کے لئے آئے تھے اور ابھی ابھی ایمان عطاء ہوا تھا نہ صحبت ملی نہ نماز نبی کے ساتھ پڑھی نہ جہاد کیا نہ نبی کے ساتھ کھانا کھایا مگر یہ چند سکنڈ میں نبی کا کیا فیض ہوا جو ایمان کے اتنے بلند مرتبے پر ان کو لے گیا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو سید الانبیاء ہیں ان کی صحبت سے ایمان کا کیا مرتبہ حضرات صحابہ کو حاصل ہوا ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ میری شریعت کی اتباع کرتے تو وہ حضرات صحابہ کرام جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں کھانا کھایا مدتوں رات دن ساتھ رہے جہاد کیا ان کو کس درجہ کا ایمان عطا ہوا ہوگا انکی بلندی کا کیا م ہوگا کیا ان پر زبان درازی جائز ہو سکتی ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نبی اور صدیق ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں فرق یہ ہوتا ہے کہ نبی اصل ہوتا ہے اور صدیق طفیلی ہوتا ہے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے جھگڑا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ہمارے صدیق کو راضی نہ کروگے خدا کا رسول راضی نہ ہوگا۔

(۱۴) اہل بیت کی مثال کشتی کی سی ہے اور اصحابی کالنجوم فرمایا کشتی ستاروں کی مدد سے رہنمائی حاصل کرتی ہے وبالنجم ھم یھتدون پس اہل بیت کو ماننا

بھی ضروری ہے اور اصحاب کو ماننا بھی ضروری ہے۔

(۱۵) رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کا پروانہ بھی انہیں کو ملتا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا اور حق تعالیٰ شانہ اُن سے راضی ہوئے۔ بوجہ حسن ظن اس ناکارہ عبد احقر مؤلف کو ۸ مئی ۱۹۹۷ء کو بمبئی آل انڈیا تحفظ ناموس صحابہؓ کے اجلاس کا صدر بنایا گیا تھا احقر نے اس میں اپنا مقالہ بھی سنایا تھا جو وہاں سے عنقریب شائع ہونے والا ہے اور احقر کا حضرات صحابہؓ کی عظمت وشان پر وعظ بھی ہوا تھا جس کو منتظمین حضرات نے ٹیپ بھی کیا تھا۔ احقر کی حاضری اس جلسہ میں حضرت مرشد نا مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ سے ہوئی تھی حضرت والا کی برکت سے جلسہ گاہ ہی میں یہ دو شعر بھی ہو گئے تھے جن کو یہاں درج ذیل کرتا ہوں۔

خدا نے خود جنہیں بخشا رضامندی کا پروانہ
انہیں پر بعض ناداں کچھ گھڑا کرتے ہیں افسانہ
خدا کے فیصلہ سے بھی منحرف تو ہے معاذ اللہ
میں کہدوں کیوں نہ اے ظالم تجھے پھر حق سے بیگانہ

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم ان اشعار سے اور احقر کے بیان سے بہت مسرور ہوئے تھے۔

(۱۶) اللہ اللہ فی اصحابی الخ حدیث میں کس اہتمام سے حضور ﷺ نے حضرات صحابہؓ کے بارے میں محتاط رہنے اور ان سے محبت اور حسن ظن کا حکم دیا ہے کہ میرے بعد ان کو نشانہ ملامت واعتراض نہ بنانا۔

(۱۷) اگر کسی صحابی سے کوئی اجتہادی خطا بھی ہوئی ہے بھی انہیں ایک اجر ملیگا اور صحیح تحقیق پر دو اجر ملیں گے۔ ہمارے سید بدر علی شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہاں چیہ بھر کہاں بھینسہ بھر۔ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک کا اردو با محاورہ ترجمہ کر دیا)

(۱۸) اگر ہم صحابہ کرامؓ سے کٹتے ہیں اور ان کے عدل وانصاف و دیانت کو غلط سلط تاریخی روایات سے مجروح کرتے ہیں تو قرآن ہم کو ان سے ملا حدیث ان سے ملی تو ہم پھر کس کے پاس جائیں گے کہ جس سے ان کی صحت کا پتہ چلے کیونکہ بقول ان کے صحابہ تو قابل اعتبار نہ رہے اب کسی اور کا نام بتاؤ جس

کے پاس ہم جائیں اور وہ قرآن اور حدیث کی صحت پر گواہی دے اور اس سے کوئی چوک نہ ہوئی ہو اور اس کی دیانت وعدالت حضرات صحابہ سے زیادہ ہو۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کی جماعت کو اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون فرمایا ہے تو کیا یہ اللہ کا گروہ غیر معیار حق تھا اور تنقید سے ملوث تھا تو کیا اولئك حزب الشيطان الا ان حزب الشيطان هم الخسرون شیطانی گروہ میں کوئی معیار حق ملے گا؟

(۲۰) ولئك كتب الله في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه

(ترجمہ) ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا تھا اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے یہ آیات حضرات صحابہ کرامؓ کی شان میں نازل ہوئی ہیں پھر ان کے ایمان کو معیار حق نہ تسلیم کیا جاوے گا تو پھر کس کا ایمان معیار حق ہوگا۔

(صدائے غیب ص: ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ناشر: کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال ۲ کراچی)

اللہ تعالیٰ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائیں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ کی کتنی قیمتی باتیں جمع فرما کر امت کو فیض پہونچایا اور امت کی صحیح رہنمائی فرمائی جزاھم اللہ۔

مودودی صاحب نے جو لکھا ان کے پیروکاروں نے اسی کو اختیار کیا اور اسی انداز فکر پر ان کی ذہنی تربیت ہوئی جس کے نتیجہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت وعظمت کم ہوئی اور ان پر تنقید کرنے کی جرأت بڑھنے لگی بعض صحابہؓ کی مقدس زندگی کا وہ نازک پہلو جس کی بنا پر حد نافذ ہوئی اس کو موضوع بحث نہ بناتے ہوئے اپنے حسن ظن اور محبت وعظمت کو قائم رکھنا چاہئے تھا اور اس نازک مرحلہ کے بعد ان صحابی رسول رضی اللہ عنہ کی جو کیفیت اور توبة النصوح کا جو شدید تقاضا ان کے قلب ورگ میں پیدا ہوا اور جس انداز سے انہوں نے خود کو نفاذ حد کے لئے پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے اور حضور پاک ﷺ نے ان کی قبولیت توبہ کی جو بشارت بیان فرمائی اور اللہ رب العزت نے "رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ" سے پوری جماعت صحابہؓ (جس میں وہ صحابیؓ بھی یقیناً شامل ہیں) کے متعلق اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ان تمام چیزوں کو اختیار کرنا چاہئے تھا اس کے بجائے ان تمام باتوں سے صرف نظر کر کے مودودی صاحب کی اس بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو انداز تحریر کیا ہے وہ

ملاحظہ فرمائیں۔

ایک رسالہ "معیار حق کیا اور کون" کے ص: ۱۴پر لکھا ہے۔
"جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کب یہ رہا ہے کہ غیر معصوم یعنی غیر انبیاء سے عمداً وقصداً معاصی کا صدور نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ واقعات نہیں ہیں کہ خود حضور نے اپنے وقت میں حدود جاری فرمائے ہیں؟ کیا حدود کا نفاذ مسلمانوں کے علاوہ کفار ومشرکین پر بھی ہوتا ہے؟ کیا جن مسلمانوں پر حضور نے حدود جاری فرمائے ہیں وہ اصحاب رسول نہیں کہلائیں گے؟

اس کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ لکھوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز مضمون نقل کر دوں۔ انشاء اللہ اس میں اس اشکال کا جواب بھی ہے اور دیگر مفید وکار آمد باتیں بھی آپ کے مطالعہ میں آئیں گی اور انشاء اللہ اس مضمون سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت وعظمت میں اضافہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "شریعت وطریقت کا تلازم" میں تحریر فرماتے ہیں۔

> بعض دینی علوم سے ناواقف لوگوں کا یہ قول جب کان میں پڑتا تھا کہ قرآن پاک سے براہ راست جو مضمون سمجھ میں آوے وہ اصل ہے تفاسیر وغیرہ کتب کی اس کے لئے ضرورت نہیں تو میں اسے پاگل پن سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ اگر قرآن پاک سے براہ راست اخذ کرنا آسان ہوتا تو انبیاء کی ضرورت کیا رہتی۔ قرآن پاک کعبہ شریف کے درمیان لٹکا دیا جاتا اور اس سے لوگ حاصل کرتے رہتے انبیاء کی بعثت کا تو بڑا راز یہ بھی ہے کہ وہ عملی طور پر ارشادات الٰہیہ کی تکمیل وتشکیل کر کے دکھلائیں اور اس سلسلہ میں اللہ کا احسان ہے اسی کا شکر ہے کہ کبھی کوئی شبہ پیش نہیں آیا بلکہ اس سے بہت سے مسائل اور فروعات ایسے ذہن نشین ہوئے کہ ان میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ شریعت کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے آئی تھی اس لئے جو چیزیں شان نبوت کے منافی نہ تھیں وہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر کرائی گئیں جیسے لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مع جماعت صحابہ کے نماز صبح کے لئے بیدار نہ ہو سکنا جب کہ حضور کے چاکروں کے

ذاکروں کا یہ حال ہے کہ وہ کہیں کہ بیعت ہو جانے کے بعد سے رات کو دو بجے سے ایک کھلی اٹھتی ہے کہ نیند نہیں آتی۔ محدثین میں اس میں بھی اختلاف ہے کہ صبح کو حضور کا سوتے رہ جانا ایک دفعہ ہوا یا متعدد دفعہ جیسا کہ اوجز ص:۲۵، ج:۱، میں تفصیل ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تین دفعہ ہوا۔

یہاں ایک تصوف کی بات بھی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ نہیں تھی کہ لیٹنے کے وقت پوچھیں کہ ہمیں کون جگائے گا اس قصہ میں بخاری ص: ۸۳ میں یہ ہے کہ صحابہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ تھوڑی دیر آرام فرمالیجئے۔ حضور اقدس ﷺ یہ فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا میں جگاؤں گا۔

اس قصہ میں سلوک کے دو مسئلے ہیں اول حضور اقدس ﷺ کا یہ اندیشہ کہ مجھے ڈر ہے کہ صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے حالانکہ عرب کا عام دستور یہی تھا کہ شروع رات میں سفر کرتے اور اخیر رات میں آرام کرتے اسی رات میں حضور اقدس ﷺ نے کیوں فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں صبح کی نماز نہ فوت ہو جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشائخ کے قلوب پر بسا اوقات آنے والے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے یا اندیشہ ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت بلال کا یہ کہنا کہ میں جگاؤں گا اوجز ج:۱، ص:۲۵ میں لکھا ہے کہ "مشائخ نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت بلال پر تنبیہ ہے اس بات کے کہنے پر کہ میں جگاؤں گا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا تھا تو حضرت بلال کا یہ کہنا میں جگاؤں گا اس کا سبب ہوا مگر اس پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب لیلۃ التعریس کے نزدیک کئی دفعہ ہوئی تو حضرت بلال کا یہ قول تو ایک ہی دفعہ ہوا ہوگا لیکن جواب ظاہر ہے کہ ایک واقعہ میں حضرت بلال کے اس قول کو دخل ہے اور دوسرے واقعات میں دوسرے اسباب ہوئے ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں بھولنے کی احادیث میں کبھی اشکال نہ ہوا اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمادیا کہ انی لاانسی ولکن انسئ لاسمن یعنی میں نماز میں بھولتا نہیں جبراً بھلایا جاتا ہوں تاکہ طریقہ بتاؤں

یعنی تمہارے لئے نماز میں بھولنے کے احکام سجدہ سہو وغیرہ کا طریقہ بتاؤں۔
او جزج :ا، ص: ۱۳۱۷ باب العمل فی السہو میں اس حدیث کی بڑی تفصیل ہے۔

اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی بھی کوئی خلجان طبیعت میں نہیں آیا جب کہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی اشکال نہیں ہوا۔ اکابر کی جوتیوں احادیث کی برکت سے ان سب کے متعلق ہمیشہ یہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تعلیم کی تکمیل کے لئے تکوینی طور سے کرائے گئے۔ ع

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ان انفاس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعت مطہرہ کی تکمیل کیجئے۔ ہم اس کے لئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں کوڑے کھانے کو تیار ہیں یہی میرے نزدیک مصداق ہیں قرآن کریم کی آیت فاولئك یبدل الله سیٔاتهم حسنات کے (بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا) اور یہی مصداق ہیں ان احادیث مغفرت کے جس میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دیدو۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے (صحیح مسلم ج:ا ص: ۱۰۶ میں) ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن بلایا جائے گا۔ (یہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ایک طبقہ مراد ہوتا ہے جس کے ہر فرد کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں رجل کی جگہ ناس کا لفظ صریح ہے) اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو۔ پس چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے اور بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ گناہ کیا اور فلاں دن یہ گناہ کیا اس کو اقرار کئے بغیر چارہ نہیں ہوگا اور وہ ڈرتا رہے گا کہ ابھی تو چھوٹے چھوٹے پیش کئے جا رہے ہیں جب

بڑے گناہوں کا نمبر آئے گا تو کیا بنے گا۔ ارشاد ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب ابھی تو بہت گناہ باقی ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔ حضرت ابو ذرؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس وقت حضور ﷺ نے تبسم فرمایا کہ حضور کے اگلے دانت مبارک نظر آنے لگے (مسلم ترمذی شمائل)

دوسری حدیث میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں بہت سے لوگ لائے جائیں گے جو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے گناہ بہت زیادہ ہوتے صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنکے گناہوں کے بدلے نیکیاں ملیں گی۔

یہاں ایک بات نہایت قابل اہتمام یہ ہے کہ یہ مراحم خسروانہ کہلاتے ہیں کہ مراحم خسروانہ میں قاتلوں کو پھانسی کی سزا سے بھی معاف کردیا جاتا ہے لیکن اس اطمینان پر کہ میں تو مراحم خسروانہ میں چھوٹ جاؤں گا قتل کی ہمت کوئی نہیں کرتا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ صحابہ کرام سب ان میں داخل ہیں اس لئے کہ ان کے معاصی کے جو قصے احادیث میں آتے ہیں وہ ان ہی مراحم خسروانہ کے مستحق ہیں حضرت ماعزؓ سے زنا صادر ہو جاتا ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا استغفار کر توبہ کر وہ تھوڑی دور ہو جاتے ہیں بے چینی غالب ہوتی ہے پھر آ کر یہی عرض کرتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کا یہی جواب ہوتا ہے چار دفعہ یہی واقعہ پیش آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ان کو توبہ استغفار کی تاکید کر کے واپس کر دیتے ہیں چوتھی دفعہ میں حضور اقدس ﷺ حسب قواعد شرعیہ سنگسار کرنے کا حکم فرماتے ہیں

اس پر دو صحابہ نے یوں کہا کہ اس شخص کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا مگر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا حتیٰ کہ کتے کی طرح سے رجم کیا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور آگے تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک گدھا مرا پڑا تھا اور اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا جس کی وجہ سے

اس کی ایک ٹانگ ابھر گئی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں انہوں نے کہا کہ ہم حاضر ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مردار میں سے کھاؤ انہوں نے کہا کہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو مسلمان بھائی کی آبروریزی کی وہ اس سے زیادہ سخت ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

اسی طرح ایک غامدیہ عورت رضی اللہ عنہا اور ضاہا کا قصہ پیش آتا ہے وہ بھی آکر درخواست کرتی ہیں کہ یارسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی یہی فرمایا کر واپس کر دیتے ہیں کہ جا توبہ استغفار کر۔ وہ عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ آپ مجھے اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ماعزؓ کو واپس کیا تھا میں خدا کی قسم زنا سے حاملہ ہوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنے بچہ پیدا نہ ہو جائے اتنے تجھے رجم نہیں کیا جا سکتا، جب وہ بچہ جنتی ہیں پھر وہ حاضر ہوتی ہیں کہ یارسول اللہ میں نے بچہ جن دیا مجھے پاک کر دیجئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو دودھ چھوٹنے کی زمانہ تک دودھ پلا وہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ گود میں لاتی ہیں بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ یہ روٹی کھانے لگا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسب قواعد شرعیہ سنگساری کا حکم دیتے ہیں۔

حضرت خالدؓ بھی سنگسار کرنے والوں میں تھے اس کو سنگسار کرتے ہوئے اس کو خون کا ایک قطرہ اڑ کر حضرت خالدؓ کے رخسار پر پڑ گیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو کوئی سخت بات کہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا خالد! ایسا مت کہہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی کا افسر بھی ویسی تو کر لیتا تو اس کو کافی ہوتی (چنگی کے افسر سے مراد اس محکمہ کے لوگ ہیں کہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور بہت ظلم کرتے ہیں) اسی قسم کے اور ایک قصہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ہم اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی توبہ کی ہے کہ

اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کردی جائے تو سب کو کافی ہو جائے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی جان کی قربانی کردی۔

احادیث کی کتاب الحدود میں متعدد روایات ان قصوں کی وارد ہوئی ہیں جن میں سے بڑے سے بڑا بھی کوئی ایسا ہے جو گناہ پر اتنا بے چین ہو جائے جتنا یہ حضرات ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد ہے کہ جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کوئی شخص پہاڑ کے پیچھے بیٹھا ہو اور اس سے ڈر رہا ہو کہ یہ پہاڑ مجھ پر گر جائے گا اور جب فاجر کوئی گناہ کرتا ہے تو ایسا آسان محسوس کرتا ہے جیسا کہ مکھی ناک پر بیٹھ گئی اور اس کو ہاتھ سے اڑادیا (مشکوٰۃ ص:۲۰۶ بروایت بخاری)

اللہ جل شانہ عالم الغیب ہے وہ سب کے گناہوں کو بھی جانتے ہیں اور گناہوں کے بعد ان کے حالات کو بھی اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں باوجود معاصی کے بھی اپنی رضا اور خوشنودی کے پروانے جگہ جگہ ارشاد فرماتے ہیں ۔وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔(اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص (احسان) کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے (بیان القرآن)

بیان القرآن کے حاشیہ پر در منثور سے والذین اتبعوھم باحسان کی تفسیر میں ابن زید سے نقل کیا ہے کہ والذین اتبعوھم باحسان میں تمام مسلمان قیامت تک کے آگئے جو احسان کے ان حضرات کے متبع ہوں اس لئے صحابہ کرام یا مشائخ عظام کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی کرنا اپنے کو محروم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان سے راضی اور تم ناراض۔ قرآن

پاک کی متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت رضوان وغیرہ کے مبشرات ہیں اور یہ معاصی علام الغیوب کے علم میں بھی ہیں لیکن چونکہ اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ ان معاصی کے باوجود ان کی مغفرت دخول فی الجنۃ وغیرہ کے وعدے ہیں تو ایسی حالت میں صحابہ کرامؓ کی کسی معصیت پر ان کی شان میں گستاخی نہایت ہی حماقت اور جرأت ہے اور ان حضرات کی لغزشوں کو آڑ بنا کر خود کوئی گناہ کرنا اس سے زیادہ حماقت ہے اس لئے کہ ان کے گناہوں کی معافی تو آیات قطعیہ سے ثابت ہو گئی۔ مگر ہمارے لئے ان کو آڑ بنا کر کسی قسم کا گناہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ جل شانہ کا قطعی ارشاد ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اللہ تعالیٰ جاننے والے اور حکمت والے ہیں (بیان القرآن)

نیز بیان القرآن میں فسوق کی تفسیر گناہ کبیرہ اور عصیان کی تفسیر گناہ صغیرہ سے کی ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تو صغائر و کبائر انشاء اللہ سارے ہی معاف ہیں ان کی کسی غلطی پر گرفت کرنا انتہائی خطرناک ہے اور ان کے صغائر و کبائر کی آڑ لیکر خود عمل کرنا اپنے لئے ہلاکت ہے۔

فتح مکہ میں حضرت حاطب بن بلتعہؓ نے مکہ والوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ غزوہ کی اطلاع کر دی وہ خط پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو تو جوش آنا ہی تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑادوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدری ہیں تجھے کیا خبر کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو فرمادیا ہو کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی جو چاہے کرو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ عقیدہ واسطیہ ص: ۱۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

اہل سنت والجماعت کے قواعد مقررہ میں سے یہ ہے کہ صحابہ کے بارے میں ان کے قلوب اور زبان محفوظ ہیں۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے میرے صحابہ کو برا مت کہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سونا خرچ کرے تو میرے صحابہ کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی (ثواب کے اعتبار سے) نہیں پہنچ سکتا۔

اور اہل سنت والجماعت ان تمام چیزوں کو قبول کرتے ہیں صحابہ کے فضائل مراتب کے بارے میں جو قرآن وحدیث اور اجماع میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جنہوں نے بیعت فرمائی ہے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے جیسا کہ حدیث پاک میں وادر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور وہ چودہ سو کے قریب ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت صحابہ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے اس میں کلام کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اقوال ان کے عیوب کے نقل کئے جاتے ہیں ان میں بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعضوں میں تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور جو صحیح بھی ہیں تو صحابہ ان میں معذور ہیں یا تو مجتہد مصیب ہیں یا مجتہد مخطی ہیں لیکن ان سب کے باوجود اہل سنت صحابہ کے معصوم ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ گناہ ان سے ہو سکتے ہیں مگر ان کے فضائل اور مناقب ایسے ہیں کہ اگر ان سے گناہ ہو بھی جائیں تو ان سے معاف ہیں یہاں تک کہ ان کے وہ گناہ بھی معاف ہو جائیں گے جو بعد والوں سے معاف نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے پاس ایسی نیکیاں گناہوں کو مٹانے والی ہیں جو بعد والوں کے پاس نہیں ہیں۔

پھر ان میں سے اگر کسی سے گناہ ہوا بھی ہے تو یقیناً اس نے توبہ کر لی ہے یا اتنی نیکیاں کیں جن سے وہ سیأت معاف ہو گئے یا ان کے قدیم الاسلام ہونے کی وجہ سے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شفاعت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں یا دنیا میں ہی کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے جس سے معافی ہو گئی۔ یہ بات تو ان گناہوں کے متعلق ہے جو محقق تھے پھر جن امور میں اجتہاد کو بھی دخل تھا ان کا تو کیا پوچھنا کہ اگر وہ صواب پر تھے تو دو اجر اور غلطی پر تھے تو ایک اجر اور غلطی معاف (جیسا کہ عام مجتہدین کے لیے بھی یہی قاعدہ ہے) پھر ان کی جن باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ بہت ہی کم ہیں، ان کے فضائل اور محاسن کے مقابلہ میں اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور نصرت اور علم نافع اور عمل صالح کے مقابلہ میں اور جو آدمی بھی صحابہ کرام کی سیرت کو علم اور بصیرت سے غور کریگا اور اللہ تعالیٰ نے جن فضائل سے ان کو مشرف کیا ہے وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل ترین ہیں نہ ان جیسے پہلے ہوئے نہ بعد میں ہوں گے اور وہ اس خیر الامم کے چنے ہوئے حضرات ہیں فقط

شیخ الاسلام نے جو لکھا بالکل صحیح ہے قرآن پاک کی آیات کثرت سے ان حضرات کے فضائل مناقب اور ان حضرات کو تکفیر سیات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے للفقراء المهاجرين الذين الآية۔ پارہ ۲۸ (مال فیئے کے مصارف میں ارشاد فرماتے ہیں)

ان حاجتمند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے دار الاسلام میں اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے فالذین هاجروا واخرجوا من دیارهم (الآیۃ پارہ ۴ سورہ آل عمران کا آخری رکوع) سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان

کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا اللہ تعالیٰ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے"۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو حقوق معاف کرنے کو بتلا رہی ہیں اور اللہ جل شانہ تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں ضرور بالضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ مگر مدعی سست گواہ چست ہمارے حمقاء کہتے ہیں کہ وہ تو گنہگار تھے چناں تھے چنیں تھے"۔

(شریعت وطریقت کا تلازم، ص:۹تا۲۰)

امام ابوزرعہ رازیؒ جو امام مسلم رحمہ اللہ کے اجلہ شیوخ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اذا رأيت الرجل ينقص احداً من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انه زنديق وذلك ان القرآن حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادى ذالك الينا كله الاالصحابة فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليه بالزندقة والضلالة اقوم واحق

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کی بھی تنقیص کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے رسول حق ہیں، اور جو کچھ رسول لائے وہ برحق ہے اور یہ چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب سنت کو باطل کرنا چاہتا ہے پس خود اسی کو مجروح کرنا مناسب ہے اور اس پر گمراہی وزندقہ کا حکم لگانا بالکل صحیح ودرست ہے۔

(فتح المغیث، ص:۳۷۵)(مظاہر حق ج:۴، ص:۵۷۸)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت وعظمت نصیب فرمائیں اور قرآن وحدیث میں جو کچھ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے اور سلف صالحین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کی شان میں کسی بھی طرح کی تنقیص، تنقید اور بدگمانی سے ہمارے دلوں کو محفوظ رکھیں۔ اللهم آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم تسليما كثيرا كثيرا كثيرا۔

پہلی قسط

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی لکچرر شعبہ دینیات (سنی)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
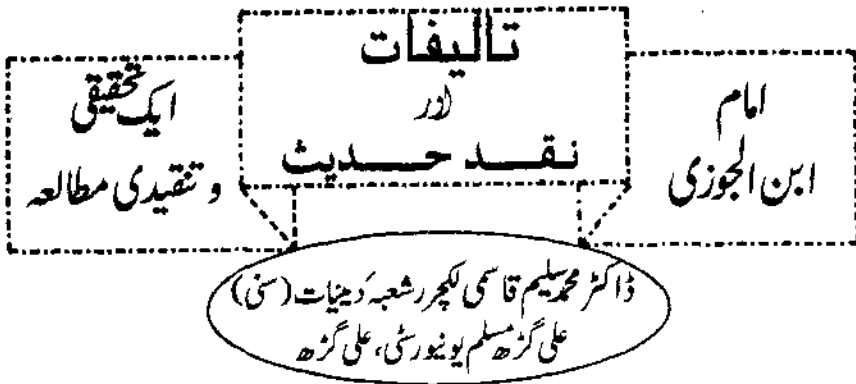
آپ کا نام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد کنیت ابوالفرج اور لقب ابن الجوزی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب پندرہ پشتوں کے بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کی آٹھویں پشت میں جعفر نام کے ایک بزرگ بصرہ میں "جوزہ" نامی محلہ میں رہتے تھے انہیں کی نسبت سے آپ ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہوئے (۱) آپ کی پیدائش ۵۱۰ھ یا اس سے قبل بغداد میں ہوئی (۲) بچپن میں جب آپ کی عمر ۳ برس کی تھی والد کا انتقال ہوگیا۔ تو آپ کی ایک صالحہ پھوپھی اور والدہ کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت ہوئی جب بڑے ہوئے تو پھوپھی آپ کو محدث العراق حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی الحنبلی (م ۵۵۰ھ) کی مسجد لے گئیں اور ان کے حوالہ کردیا۔ حافظ ابوالفضل رشتہ میں ابن جوزی کے ماموں لگتے تھے۔ ابن الجوزی نے ان کے پاس رہ کر قرآن حفظ کیا اور ان سے بہت سی حدیثوں کا سماع کیا۔ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے مسند احمد بن حنبل اور حدیث کی بڑی بڑی کتابیں ان کی قرأت سے سنیں اور انہیں سے علم حدیث حاصل کیا۔ (۳)

ابن جوزی نے فلسفہ اور علم کلام کے علاوہ باقی تمام علوم متداولہ اپنے وقت کے اکابر علماء سے حاصل کئے آپ کے اساتذہ میں ۸۷ بزرگوں کا نام آتا ہے ان میں مشہور اسماء یہ ہیں۔ ابوالقاسم ابن الحصین علی بن عبدالواحد الدینوری، ابو عبداللہ الحسین بن محمد البارع، ابو السعادات احمد بن احمد المتوکلی اسماعیل بن ابو صالح المؤذن، فقیہ ابوالحسن ابن الزغوانی، ہبۃ اللہ ابن الطبر، ابو غالب ابن البناء ابو بکر محمد ابن الحسین المزرفی، ابو غالب محمد الحسن الماوردی، خطیب اصبہان ابوالقاسم عبداللہ بن محمد

ابن السمر قندی اور ابوالوقت السجزی وغیرہ (۴) لیکن حدیث خاص طور پر آپ نے حافظ محمد ناصر (م ۵۵۰ھ) علم وعظ اور فقہ ابن الجر غوانی (م ۵۲۷ھ) اور ابو بکر الدینوری (م ۵۳۷ھ) سے اور عربی زبان وادب ابو منصور الجوالیقی (م ۵۴۲ھ) سے سیکھا (۵) آپ کے مشہور تلامذہ میں آپ کے بیٹے محی الدین، حافظ عبدالمغنی، ابن الدبیثی، ابن البخار، ابن خلیل، ابن عبدالدائم، نجیب عبداللطیف اور دوسرے بہت سے ممتاز ائمہ شامل ہیں۔ (۶)

ابن جوزی نے اپنے بے مثل وعظ کی بدولت جس میں ان کی فصاحت وبلاغت اور ان کے علم نے چار چاند لگادیئے تھے بڑی شہرت پائی اور اپنے وقت کے خلفاء اور وزراء کے قریب ترین لوگوں میں رہے۔ چنانچہ ابن ہبیرہ کی وزارت کے زمانہ میں ان کے قریب ترین لوگوں میں تھے۔ المستنجد باللہ جب ۵۵۵ھ میں خلیفہ ہوا تو بغداد کے دیگر مشائخ وعلماء بزرگ کے ساتھ ابن جوزی کے لیے بھی ایک خلعت فاخرہ بھیجا گیا اس کے بعد خلیفہ المستضی باللہ کے عہد (۵۶۶-۵۷۵ھ) میں بھی وہ ان کے مقربین میں رہے لیکن خلفاء ووزراء سے ابن جوزی کے یہ تعلقات کسب مال یا کسی دنیوی غرض کے تحت نہ تھے بلکہ علم وفضل میں ان کے مرتبہ کا یہ طبعی نتیجہ تھا (۷)

ابن جوزی نے بیس سال سے کم عمر میں وعظ کہنا شروع کیا اور یہ سلسلہ آپ کی آخری حیات تک جاری رہا۔ آپ کا کلام نہایت شستہ، عمدہ اشارات، لطیف معانی اور نفیس استعارات پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپ کی مجالس میں خلفاء ووزراء اور بغداد کے عام لوگ بڑی پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ سبط ابن الجوزی نے بیان کیا کہ ان کی مجلسوں میں عموماً دس ہزار لوگ شریک ہوتے تھے اور کبھی کبھی یہ تعداد بڑھ کر ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کے وعظ اس قدر پر اثر ہوتے تھے کہ ایک لاکھ آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اپنے فسق وفجور سے توبہ کی اور دس ہزار سے زیادہ یہود ونصاریٰ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے (۸)۔

ابن جوزی بدعت کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے اپنی بے مثل خطابت زبردست علمی مقام کی وجہ سے اپنے زمانے میں بدعت کو اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ اہل بدعت پر اس سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے کہ خود آپ کے ہم مذہبوں کو بارہا فتنہ کا خوف ہوا اور انہوں نے آپ کو اس سخت روی سے روکنا بھی چاہا لیکن ابن جوزی نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ طبعی طور پر آپ زہد کی طرف بالکل مائل نہ تھے۔ بلکہ گروہ صوفیاء کے سخت خلاف تھے انہوں نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں اس گروہ پر سخت نکتہ چینی بھی کی ہے اواخر عمر میں ابن جوزی

کو بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ امام ذہبی نے بیان کیا کہ ابن جوزی اور عبدالسلام بن عبدالوہاب بن شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۶۱۱ھ) سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا عبدالسلام نہایت بد خلق اور فتنہ انگیز شخص تھا لیکن وزیر ابن قصاب شیعی کے قریبی لوگوں میں تھا۔ ابن جوزی کے اشارہ پر ان کے تلامذہ نے عبدالسلام کی ساری کتابیں نذر آتش کر دیں اور اس کا مدرسہ اپنے قبضہ میں لے لیا عبدالسلام نے ابن جوزی سے بدلہ لینے کے لیے وزیر ابن قصاب شیعی کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور کہنا شروع کیا کہ ابن جوزی کٹر ناصبی اور اولاد ابو بکرؓ سے ہے اور آپ کے منصب کے لئے کسی وقت بھی خطرہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس جرم ولا جرم کی پاداش میں ابن جوزی کی ساری جائداد، گھر اور اس کا مکمل اثاثہ ضبط کر لیا گیا اور اہل خانہ و بچے بچیوں سے جدا کر کے شہر واسطہ میں قید کر دیا گیا جہاں آپ نے پانچ سال گذارے۔ بالآخر ۵۹۵ھ میں خلیفہ وقت کے حکم سے انہیں رہا کیا گیا (۹) اس کے بعد آپ بغداد تشریف لائے بروز جمعہ ۱۳ر رمضان ۵۹۷ھ میں مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔ انتقال کے روز بغداد کی تمام دکانیں بند رہیں اور تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ جنازہ جامع منصور لے جایا گیا۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے ابو القاسم نے پڑھائی اور باب حرب بغداد میں آپ کو دفن کیا گیا (۱۰)۔

آپ کی اولاد نرینہ میں سب سے بڑے عبدالعزیز تھے مگر ان کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہو گیا ان سے چھوٹے ابو القاسم، علی اور محی الدین تھے۔ لڑکیوں میں رابعہ (صاحب مرأۃ الزماں سبط ابن الجوزی کی والدہ) شرف النساء، زینب اور جوہرہ تھیں (۱۱)

تالیفات

ابن جوزی کو وعظ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے غیر معمولی شغف تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے خطبہ کے دوران فرمایا کہ میں نے ان انگلیوں سے دو ہزار جزء لکھے ہیں (۱۲)

حافظ ابن العماد الحنبلی نے فرمایا کہ ابن جوزی سے ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تین سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں (۱۳)

ابن جوزی کثرت تالیفات کی بنا پر بھی بہت مشہور ہوئے۔ انکے وقت تک کسی نے بھی اتنی تعداد میں کتابیں نہیں تصنیف کیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔ **ماعلمت احدمن العلماء صنف ما صنف هذا الرجل** (۱۴) (میں نہیں جانتا کہ کسی نے اتنی تعداد میں کتابیں تصنیف کی ہوں جتنی انہوں نے کیں)

تمام ائمہ و محدثین نے ابن جوزی کے علم و فضل کو سراہا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے فرمایا:

وله فى العلوم كلها اليد الطولىٰ والمشاركات فى سائر انواعها من التفسير والحديث والتاريخ والحساب والنظر فى النجوم والطب والفقه وغير ذلك من اللغة والنحو(۱۵) (ابن جوزی تمام علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے یعنی تفسیر، حدیث، تاریخ، حساب، فلکیات، طب فقہ اور نحو اور ادب وغیرہ جملہ اقسام علوم میں مشارکت رکھتے تھے)

ابن جوزی کی کتابوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزماں میں مضامین کی ترتیب سے ان کی دو سو سے زائد کتابوں کے نام گنائے ہیں۔ لیکن عصر حاضر کے محقق عبدالحمید العلوچی نے "مولفات ابن الجوزی" میں ۵۱۹؍ کتابوں کی فہرست دی ہے۔ ان کتابوں میں آج جو کتب موجود یا معلوم ہیں ان کی تعداد ۱۳۹؍ کے لگ بھگ ہے جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں تقریباً ۳۰؍ کتابیں دنیا کے مختلف اداروں سے شائع بھی ہوچکی ہیں جن کے نام اس طرح ہیں۔

۱۔ اخبار اہل الرسوخ، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، بمبئی (بغیر سن طباعت)

۲۔ اخبار الظرف والمتماجنین، دمشق، ۱۳۴۷ھ۔

۳۔ اخبار النساء، قاہرہ، بیروت (بغیر سن طباعت)

۴۔ الاذکیاء، مصر ۱۳۰۷ھ

۵۔ بستان الواعظین وریاض السامعین، قاہرہ ۱۹۳۳ء، ۱۹۶۴ء۔

۶۔ تاریخ عمر ابن الخطاب، قاہرہ ۱۳۴۲ھ

۷۔ تلقیح فہوم الاثر (مطبوعہ ناقص) لائیڈن ۱۸۹۲ء (مطبوعہ کامل) دہلی ۱۹۶۹ء۔

۸۔ تنبیہ النائم الغمر علی حفظ مواسم العمر، الجوائب ۱۸۸۵ء۔

۹۔ دفع شبہ التشبیہ والرد علی المجسمۃ، دمشق ۱۳۴۵ھ۔

۱۰۔ ذم الہویٰ، قاہرہ ۱۹۶۲ء

۱۱۔ الذہب المسبوک فی سیر الملوک، بیروت ۱۸۸۵ء

۱۲۔ روح الارواح، قاہرہ ۱۹۰۹ء

۱۳۔ رؤس القواریر، قاہرہ ۱۹۱۳ء

۱۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، قاہرہ ۱۳۳۱ھ

۱۵- صفوۃ الصفوہ، حیدر آباد ۱۹۳۶ء
۱۶- صید الخاطر، دمشق، ۱۹۶۰ء، قاہرہ (بغیر سن اشاعت)
۱۷- الطب الروحانی، دمشق ۱۳۴۸ھ۔
۱۸- العروس (مولد النبی) قاہرہ ۱۳۰۰ھ، قاہرہ ۱۹۲۶ء، بیروت ۱۳۳۰ھ، مع شرح نووی بولاق، مصر، ۱۲۹۲ھ۔ قاہرہ ۱۹۲۷ء میں بعنوان غنیۃ العوام فی شرح مولد سید الانام۔
۱۹- کتاب الحمقی والمغفلین، دمشق ۱۳۴۵ھ۔ مصر ۱۹۲۸ء بعنوان اخبار الحمقی والمغفلین۔
۲۰- کتاب الوفا فی فضائل المصطفیٰ۔ ناشر بروکلمان۔
۲۱- مختصر مناقب عمر بن عبد العزیز لیبز گ ۱۸۹۹ء قاہرہ ۱۳۳۱ھ۔
۲۲- الدہش بغداد ۱۳۴۸ھ۔
۲۳- ملتقط الحکایات، قاہرہ ۱۳۴۹ھ۔
۲۴- مناقب احمد بن حنبل، قاہرہ ۱۳۴۹ھ۔
۲۵- مناقب بغداد، بغداد ۱۳۴۲ھ۔
۲۶- مناقب حسن بصری، قاہرہ ۱۹۳۱ء
۲۷- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، حیدر آباد ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء۔
۲۸- الناموس فی تلبیس ابلیس، دہلی ۱۳۲۳ھ، قاہرہ ۱۳۴۰ھ ۱۳۴۷ھ۔ دوبارہ قاہرہ سے تلبیس ابلیس کے نام سے ۱۳۶۸ھ میں شائع ہوئی۔
۲۹- یاقوتۃ المواعظ والمواعظۃ، قاہرہ ۱۳۰۹ھ، ۱۳۲۲ھ
۳۰- تقویم اللسان، مصر۔

امام ابن الجوزی یوں تو تمام علوم متداولہ میں مہارت رکھتے تھے لیکن علم حدیث میں ان کو دائمی اور آفاقی شہرت حاصل ہوئی صرف حدیث وعلوم حدیث میں لگ بھگ ان کی ۴۲ تصنیفات ہیں۔ لیکن آج ان کی جن کتابوں کے نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ تقریباً ۱۴ ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱- اخبار اہل الرسوخ: برطانیہ، تونس، بغداد، حیدر آباد (انڈیا) اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب مراتب المدلسین کے ساتھ قاہرہ سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہو گئی ہے۔
۲- التحقیق فی احادیث الخلاف، مصر، دمشق۔
۳- المؤتلف والمختلف، مصر، تونس، مکہ (۷ / جلدوں میں)

۴- الجرح والتعدیل-یا-کتاب الضعفاء والمتروکین، قاہرہ، برطانیہ۔
۵- جزء فی الاسانید المفردہ، حیدر آباد (انڈیا)
۶- درر الاثر، مصر
۷- العلل المتناہیہ، رامپور، علی گڑھ (انڈیا)
۸- غریب الحدیث، استنبول
۹- کتاب اسماء الضعفاء والواضعین، دمشق۔
۱۰- کتاب المصفّٰی، بغداد
۱۱- کتاب الموضوعات، مصر، استنبول، دمشق (۴ جلدوں میں)
۱۲- مقلق، مصر۔
۱۳- ناسخ الحدیث ومنسوخہ۔یوگوسلاویہ
۱۴- آفۃ اصحاب الحدیث، مکتبہ مشہد الرضوی۔

ابن جوزی اگرچہ مسلکاً حنبلی تھے لیکن بعض چیزوں میں ان کا میلان اہل کلام کی طرف تھا۔اس لیے خود ان کے ہم مذہبوں نے تنقید کی ہے۔چنانچہ حافظ ابن العماد حنبلی نے فرمایا۔ نقم علیه جماعة من مشائخ اصحابنا وائمتهم میله الی التاویل فی بعض کلامه واشتدنکیر هم علیه فی ذلك ولا ریب ان کلامه فی ذلك مضطرب مختلف وهو وان کان مطلعا علی الاحادیث والآثار فلم یکن یحل شبه المتکلمین وبیان فسادها وکان معظما لا بی الوفا بن عقیل بارعا فی الکلام ولم یکن تام الخبرة بالحدیث والاثار فلهٰذا یضطرب فی هٰذا الباب ویتلون فیه آرائه وابو الفرج تابع له فی هٰذا التلون(۱۷)(ہمارے مذہب حنبلی کے مشائخ اور ائمہ نے انکی بعض چیزوں میں مائل الی تاویل ہونے کی وجہ سے انکا سختی سے رد کیا ہے۔اور اسمیں شک نہیں کہ اس سلسلہ میں ان کا کلام مضطرب اور مختلف ہے اگرچہ وہ حدیث اور آثار پر عبور رکھتے تھے لیکن وہ متکلمین کے شبہات کا حل اور ان کی خرابیوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ابن جوزی کی آراء مختلف ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابو الوفا ابن عقیل کے اتباع کرتے تھے اگرچہ بعض مسائل میں ابن جوزی نے ان پر رد بھی کیا ہے لیکن حدیث آثار سے پوری طرح واقفیت نہ تھی اس لیے اس باب میں وہ مضطرب اور ان کی آراء مختلف نظر آتی ہیں۔اور ابن جوزی ان کی اتباع کرنے والوں میں تھے)

باقی آئندہ

پہلی قسط

دیار پورب کی ایک علمی وروحانی شخصیت

محی السنۃ مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب بلیاویؒ

از:۔ڈاکٹر عبدالمعید کھیری، باغ روڈ مئو ۲۷۵۱۰۱

ضلع بلیا محلہ قاضی پورہ کے نہایت ہی معزز متمول اور دیندار گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد حاجی شیخ خادم علیؒ بن شیخ فقیر علیؒ عرف فقیرا میاں ابن شیخ مہنگو میاںؒ ابن شیخ بختیار میاںؒ بلیا کے سب سے بڑے مالدار اور رئیس تھے۔ مال ودولت کی فراوانی کے ساتھ دینداری، تقویٰ اور فیاضی میں پورے ضلع میں مشہور ومعروف تھے۔ والدہ ماجدہ بھی عابدہ، زاہدہ اور تہجد گذار خاتون تھیں۔ آپ کی دادی صاحبہ امام المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی سگی پھوپھی اور علامہ کے والد حضرت مولانا عبد الرحیم صاحبؒ کی حقیقی بہن تھیں۔ ایسے ہی دینی وعلمی ماحول میں آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔

خاندانی حالات

مولانا اسحاق صاحب بلیاویؒ کا خاندان اصلاً میرٹھ کا رہنے والا تھا۔ وہاں پر آپ کے بزرگوں کا جنگی آلات وحربی سامان بنانے کا کارخانہ تھا جس میں یہ حضرات خود بھی کام کرتے تھے اور ملازمین سے بھی کام لیتے تھے۔ جنگی سامان بنانے کی وجہ سے ہندوستان کے مغل بادشاہوں خصوصاً بہادر شاہ ظفر اور ہندو راجاؤں سے قریبی تعلقات تھے۔ ان سے آرڈر لے کر یہ حضرات ان کو سامان جنگی سپلائی کیا کرتے تھے اور مالی اعتبار سے باحیثیت اور بااثر تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں یہ لوگ شاہان ہند اور ہندو راجاؤں سے قریبی تعلقات اور سامان جنگی بنانے کی وجہ سے انگریزوں کے عتاب کا شکار ہوئے اور یہ حضرات میرٹھ سے بھاگ کر بکسر آگئے۔ لیکن یہاں بھی یہ لوگ انگریزوں کی طرف سے مامون نہیں تھے۔ مجبوراً وہاں سے بھی منتقل ہونا پڑا اور بکسر (بلیا) کے قریب ایک موضع جام میں غیر مسلم زمینداروں سے زمین

لے کر مکان بنوایا اور رہنے لگے۔ جام چونکہ دیہات تھا اور تجارت کے وسائل معدوم تھے۔ اس لئے یہ لوگ تنگیٔ معاش کا شکار ہوئے اور وہاں سے مولانا اسحاق صاحبؒ کے پیر دادا شیخ مہنگو میاںؒ ابن شیخ بختیار میاںؒ اپنے تینوں بیٹوں شیخ فقیر علی، شیخ تیغ علی اور شیخ پود علی اور خاندان کے دوسرے احباب کو لے کر قاضی پورہ بلیا میں آگئے۔ وہاں پر مسلم زمینداروں نے ان حضرات کی تمام روداد سن کر ان کے حسب منشاء زمینیں دیں اور یہ حضرات نہایت اطمینان اور سکون سے وہاں رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد ان لوگوں نے سوت اور کپڑے کی تجارت شروع کی اور بفضل الٰہی تھوڑے ہی مدت میں مال دولت کی اس قدر فراوانی ہوئی کہ یہ لوگ بلیا کے سب سے بڑے مالدار ہوگئے۔ خاص طور سے شیخ فقیر علیؒ اور ان کے دونوں لڑکے شیخ خادم علیؒ اور شیخ واجد علیؒ کا بلیا کے ممتاز رئیسوں میں شمار ہونے لگا۔ چونکہ قاضی پورہ ساحل گنگا پر واقع تھا سیلاب اور موجوں کے مستقل تھپیڑوں کی وجہ سے ویران اور دھیرے دھیرے دریائے گنگا کی نذر ہوگیا۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا اسحاق صاحبؒ کے بزرگوں نے نیا قاضی پورہ کے نام سے بلیا ریلوے اسٹیشن کے بغل میں ایک نئے محلہ کی بنیاد رکھی اور مکان کی تعمیر کا کام شروع ہوا اور ۱۹۲۲ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ مولاناؒ اور ان کے بزرگ نئے قاضی پورہ میں منتقل ہوگئے۔ علامہ بلیاویؒ کا خاندان اور دوسرے لوگ بھی پرانے قاضی پورہ سے نئے قاضی پورہ میں آکر آباد ہوگئے۔ ۱۹۲۸ء میں تقریباً (۲ ۲/۱) لاکھ کا ایک تعلقہ سیر با کا خرید اگیا اور مولانا اسحاق صاحب بلیاویؒ اور ان کے چچا شیخ واجد علی سیر با کے تعلقہ دار ہوگئے۔ (۱)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت

مولانا اسحاق صاحبؒ نے درس نظامی کی تقریباً تمام کتابیں درالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ آپ کی سند فراغت میں دارالعلوم میں داخلہ کی تاریخ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ درج ہے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تقریباً پانچ سالہ قیام فرمایا اور تمام علوم وفنون کی تحصیل فرمائی آپ کے اساتذہ میں اس وقت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ۔ مولانا محمد حسن صاحبؒ، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، مولانا غلام رسول صاحبؒ، مولانا سہول صاحبؒ اور مولانا عبدالصمد صاحبؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے

---

(۱) یہ تمام حالات مولانا اسحاق صاحب بلیاویؒ کے خاندان کے بزرگوں سے دریافت کرنے کے بعد لکھے گئے ہیں

فارغ ہوئے۔ سند میں فراغت کی تاریخ چہار شنبہ ۲۵/ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ درج ہے۔ اس سند میں آپ کے اساتذہ نے آپ کو ان الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔

وهو عندنا ذوفهم سليم مرضى الطريقه حسن الاخلاق وذواستعداد قادر على التدريس والتعليم رضى الاساتذه مرة قيامه(۲)

دستار فضیلت

۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں عظیم الشان جلسہ دستار بندی منعقد ہوا۔ جس میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور بلیا کے دونوں بزرگ ہم وطن اور رشتہ دار محی السنہ مولانا محمد اسحاق صاحب بلیاویؒ اور امام المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ بھی دستار فضیلت سے مشرف ہوئے۔ اس سند فضیلت پر ۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ درج ہے۔

مولانا اسحاق صاحبؒ بلیاوی حضرت علامہ ابراہیم صاحبؒ سے عمر میں بڑے تھے اور دارالعلوم دیوبند سے علامہؒ سے پہلے فارغ ہوئے تھے۔

طب کی تحصیل

مولانا اسحاق صاحبؒ نے اکابر دیوبند مثلاً مولانا یعقوب صاحبؒ نانوتوی (م ۱۸۸۴ء) مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (م ۱۹۰۵ء) مولانا محمود حسن صاحبؒ (م ۱۹۲۰ء) مولانا انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۹۳۲ء) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ (م ۱۹۳۶ء) کی طرح طب کی تحصیل ذریعہ معاش کے طور پر نہیں بلکہ خالص خدمت خلق کے جذبہ سے حاصل کیا۔ حکیم اجمل خاں مرحوم کے استاذ حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ سے آپ نے اس فن شریف کی تکمیل فرمائی۔

حکیم جمیل الدین صاحبؒ نگینہ بجنور کے رہنے والے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۸ھ و ۱۲۹۹ھ میں تحصیل علوم کی۔ حکیم عبدالحمید خاں صاحب مرحوم سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ ہوئے ایک عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ مطب کے

(۲) تمام سندیں مولانا کے پوتوں کے پاس محفوظ ہیں۔

مشغلہ کے ساتھ اوراد و وظائف کے بڑے پابند اور ذاکر شاغل بزرگ تھے۔ علم نہایت راسخ اور پختہ تھا ابتداء میں بلیا پھر غازی پور اور آخر میں دہلی میں قیام فرمایا۔

بلیا آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حشمت اللہ خاں کلکٹر بلیا نے حکیم عبدالمجید خاں کو لکھا کہ میں بیمار ہوں اور رخصت نہیں مل سکتی اس لئے کسی ماہر طبیب کو یہاں بھیج دیجئے۔ چنانچہ آپ استاذ کے حکم سے بلیا آگئے۔ بلیا آنے کے بعد حکیم جمیل الدین صاحبؒ نے علاج معالجہ کے ساتھ درس و تدریس اصلاح و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ کے والد ماجد مولانا عبدالرحیم صاحب جو کہ مولانا اسحاق صاحبؒ کے والد شیخ خادم علیؒ کے حقیقی ماموں اور قاضی پورہ کے ہی رہنے والے تھے، حکیم صاحبؒ سے خصوصی تعلقات تھے۔ اس لئے قاضی پورہ میں آپ کے گھر اور مولانا اسحاق صاحب کے یہاں آپ کی برابر آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔ مولانا عبدالرحیم صاحبؒ، حکیم صاحبؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جس کا دل صحابہؓ کو دیکھنے کے لئے چاہے حکیم صاحب ان کا نمونہ موجود ہیں ان کو دیکھ لے۔ علامہ ابراہیم بلیاویؒ نے آپ سے فارسی کی تمام کتابیں اور ابتدائی عربی شرح مأتہ تک پڑھی ہے(۱)

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مولانا اسحاق صاحبؒ نے ایک سال کی مدت میں طب کی تکمیل کرلی۔ آپ کو حکیم صاحبؒ نے اپنے دست خاص سے لکھ کر جو سند عنایت فرمائی ہے اس پر پنجشنبہ ۲۰ر شوال درج ہے۔ حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ اس سند میں خطبہ مسنونہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

اما بعد فیقول العبد المفتقر الی الله القوة المتین جمیل الدین البجنوری موطناً والحنفی مذهباً والصدیقی محتداً والچشتی مشرباً ان الاخ الصالح المولوی الحکیم محمد اسحاق ابن الشیخ خادم علی البلیاوی قد قرأ علی من مهمات کتب الطب القانون، حمیاته ونبذاً من کلیاته وتشریحه للاعضاء الحضرة للشیخ الرئیسی والنفیسی وشرح الاسباب والعلامات للعلامة النفیس والاقتوای الی مبحث النبض

(۱) دارالعلوم (دیوبند) مارچ ۱۹۶۸ء ص: ۱۸۔

للشیخ جمال الدین المتطبب بعد ان فرغ من قبل عن تحصیل العلوم النقلیة والعقلیة بامعان النظر والتقاتقان الفکر وجلس عندی فی المطلب برهةً من الزمان ناظرا فی کیفیة العلاج وراعیاً اسالیب تبدیل المزاج المطب باختنا عن دقائقه لمکنو الخ۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

اجیزہ کا اجاز نی بہ استاذی العلامہ الحکیم محمد عبد المجید خان الرحوم الدهلوی المخاطب بحاذق الملك ان یدرس الکتب المتداولة المقبولة ویعالج المرضی علی الطریقة الشریفة المعمولة واحسبه اهلاً لهذ الامر الفخیم۔

مولانا اسحاق صاحبؒ مطب بلا معاوضہ کرتے تھے صرف خدمت خلق کا جذبہ کار فرما تھا غریب مریضوں کو دوائیں اپنے پاس سے عنایت فرماتے تھے اس طرح کثیر مخلوق آپ سے فیض یاب وشفایاب ہوئی۔

نکاح اور مولاناؒ کے خسر شاہ ابراہیم صاحب نقشبندی

مولانا اسحاق صاحبؒ کا نکاح موضع بیریا ضلع بلیا کے نقشبندی بزرگ شاہ ابراہیم صاحبؒ کی بیٹی سے ہوا تھا۔ جو نہایت دین دار اور ذاکر شاغل خاتون تھیں۔ ان کے والد شاہ ابراہیم صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب کشف وکرامت اور مرتاض بزرگوں میں تھے علاقہ میں مرجع خلائق اور سیکڑوں کی تعداد میں ان کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ مولانا اسحاق صاحبؒ کی بیٹی کا بیان ہے کہ رمضان المبارک میں نانا صاحبؒ کی جب طبیعت خراب ہوئی تو میری والدہ ان کی عیادت کے لئے بلیا سے بیریا تشریف لے گئیں۔ جب واپس ہونے کا ارادہ فرمایا تو نانا مرحوم نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ میرا شوال کی ۱۳ یا ۱۴ تاریخ میں فلاں وقت انتقال ہوگا مجھے رخصت کرکے جانا چنانچہ وہ وہاں رک گئیں جب شوال کا مہینہ آیا اور جو تاریخ اور وقت نانا صاحبؒ نے بتایا تھا اس سے پہلے غسل کیا عمدہ کپڑے پہنے پھر مریدین میں سے کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھنے کو کہا جب نعت پڑھی جانے لگی تو ایک خاص شعر پر انہوں نے کلمہ کی انگلی سے آسمان کی طرح اشارہ کیا اور

روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ(۱)

درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور امامت

مولانا اسحاق صاحبؒ گورنمنٹ کالج بلیا میں فارسی کے استاذ تھے۔ خارج اوقات میں گھر پر درس نظامی کی کتابوں کی تعلیم دیا کرتے تھے جن میں بہت سے طلباء شریک ہوتے تھے انہیں کچھ عرصہ تک پڑھانے کے بعد تکمیل کی غرض سے دیوبند بھیج دیا کرتے تھے آپ کے شاگردوں میں مولانا ادریس صاحب مرحومؒ اور علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی کے بھتیجے مولانا مہدی حسن صاحب مرحوم خاص طور سے قابل ذکر ہیں مولانا مہدی حسن صاحبؒ بعد میں کلکتہ میں طبابت کرنے لگے تھے غالباً انہوں نے طب بھی مولانا اسحاق صاحبؒ سے ہی پڑھی ہے جامع مسجد بستی پور (بلیا) میں آپ نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین کی امامت بھی کرتے تھے جمعہ کے بعد وعظ کہنے کا بھی معمول تھا۔ مولانا حاجی خلیل صاحب مدظلہ (فاضل دیوبند) جو مولاناؒ کے وعظ میں برابر شریک ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ مولاناؒ کی تقریر نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی۔ مولاناؒ چونکہ عالم ربانی تھے اس لئے آپ کا وعظ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہوا کرتا تھا۔ عقائد حقہ اور شعائر اسلام کی آپ کی ذات سے بہت زیادہ تبلیغ ہوئی۔ مرجع علماء اور عوام تھے دینی مسائل میں لوگ آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے آپ کا فیض نہ صرف بلیا اور اس کے اطراف میں بلکہ غازی پور تک پھیلا ہوا تھا۔

باقی آئندہ

(۱) یہ واقعہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ کے واقعہ سے ملتا جلتا ہے آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے اجمیر میں محفل سماع میں تشریف رکھتے تھے جب قوال نے یہ شعر پڑھا۔

خشک تار و خشک چنگ و خشک پوست
از کجا می آید ایں آواز دوست

تو حالت غیر ہوگئی اس کے بعد چشتیہ صاحب کے مشہور بزرگ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی غزل شروع ہوئی۔ جب قوال نے غزل کا آخری شعر پڑھا۔

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

تو آپ سجدہ میں گر گئے اور روح عالم فنا سے ناطہ توڑ کر دارالبقاء کو تشریف لے گئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تعارف وتبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے ضروری ہیں ورنہ ادارہ تبصرہ سے معذور ہوگا۔

حبیب الرحمن قاسمی

نام کتاب: فہرست تالیفات شیخ
تالیف: مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری
ضخامت: ہر سہ جلد تیرہ سو چوہتر (۱۳۷۴) صفحات
طباعت وکتابت: عمدہ وبہتر
تاریخ طباعت بار اول: رمضان ۱۴۱۷ھ - جنوری ۱۹۹۷ء
ناشر: مکتبہ یادگار شیخ محلہ مفتی سہارنپور پن ۲۴۷۰۰۱ یو۔پی۔انڈیا۔
قیمت: درج نہیں

برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ عصر جدید کے ان علماء و مشائخ میں سے ہیں جن کے علمی و دینی احسانات سے امت کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ درس و تدریس اصلاح و تبلیغ تصنیف و تالیف وغیرہ دینی و عملی شعبوں میں ان کی خدمات کی وسعت اور گیرائی و گہرائی نے اس تن آسانی و سہل پسندی اور ذہنی و فکری جمود کے دور میں علم ودین کے سلسلے میں سلف صالحین اور فقہاء محدثین کے مجاہدوں اور کارناموں کی یاد تازہ کردی۔ اور بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کتاب الٰہی قرآن مجید کے بعد اب عالم اسلام میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابیں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ ہی کی مرتب کردہ ہیں حضرت شیخ قدس سرہ نے علوم دینیہ کے تقریباً ہر فن میں اپنی تصنیفی یادگار چھوڑی ہیں ایک عرصہ سے علمی حلقے اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ حضرت کی جملہ تصانیف کی فہرست شائع ہوجائے تو ان سے استفادہ آسان ہوجائے گا خدا بھلا کرے مولانا محمد شاہد سہارنپوری کا انہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور بڑی ژرف نگاہی سے ایک جامع و مکمل

فہرست تین جلدوں میں مرتب کر کے شائع کردی۔ مرتب موصوف نے اس جمع وترتیب اور کتاب کے مختلف ایڈیشنوں کے تعارف میں اپنے جس کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا پورا پورا اندازہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے بلاشبہ فاضل مرتب اپنی اس دقیع علمی خدمت پر علم وعلماء کی جانب سے جزائے خیر کے مستحق ہیں۔

نام کتاب: سیرت سلطان ٹیپو شہید
تالیف: مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی
ضخامت: چھ سو صفحات (٦٠٠)
کتابت: کمپیوٹر
طباعت: آفسیٹ بار اول شعبان ۱۴۱۷ھ - دسمبر ۱۹۹۶ء
طابع وناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء ۱۱۹ لکھنؤ
قیمت: یک صد روپے (۱۰۰)
ملنے کے پتے: مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ مکتبہ الحسنات ۲۲۴۱ کوچہ چیلان دریا گنج دہلی دار العلم ۱۳۱ محمد علی روڈ بھٹکل (کرناٹک)

ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں سلطان ٹیپو شہید کا نام جلی حروف سے لکھا جائے گا اس مرد مجاہد کا یہ تاریخی مقولہ "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی حیات بہتر ہے" آج بھی جرأت وحمیت کی رگوں میں خون دوڑا دیتا اور دلوں میں عزم وہمت کے چراغ روشن کردیتا ہے ملک وملت کے اس غیور سپوت نے دین کی سربلندی اور وطن کی آزادی کے لئے نہ صرف تخت وتاج کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا بلکہ اپنی متاع زندگی تک کو قربان کردیا اور اپنے خون کے قطروں سے خاک وطن کے صفحات پر شجاعت وقربانی کی ایک ایسی تابناک وحوصلہ آفریں داستان ثبت کرگیا جس سے ارباب عزیمت عزم وحوصلہ کی روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

سلطان ٹیپو کی شخصیت اور ان کے مختلف النوع کارناموں پر ہندوستان میں رائج متعدد زبان میں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بعض کتابیں اپنے تحقیقی معیار کے لحاظ سے خاصی اہمیت کی حامل ہیں لیکن بایں ہمہ ایک ایسی جامع ترین کتاب کی ہنوز ضرورت باقی تھی جس

میں جدید اسلوب نگارش کی رعایت رکھتے ہوئے منصفانہ و محققانہ طور پر سلطان کی شخصی زندگی اور ان کے مختلف النوع کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔

یہ سعادت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک نوجوان فاضل مولانا محمد الیاس بھٹکلی کے حصہ میں آئی جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور شب وروز کی انتھک محنتوں کو بروئے کار لاکر سلطان ٹیپو شہید کی سیرت پر ایسی کتاب مرتب کردی جسے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا شاہکار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا پوری کتاب کو پچیس ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے اور اس بات کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ سلطان کی زندگی کا کوئی گوشہ تشنۂ بیان نہ رہ جائے۔ زبان وبیان اور ترتیب وتہذیب کے لحاظ سے بھی ایک عمدہ نمونہ ہے مراجع ومصادر کی فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کے تحقیقی معیار کو بلند سے بلند تر بنانے میں بھی فاضل گرامی نے پوری توجہ کی ہے ابتداء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا وقیع مقدمہ اور پروفیسر خلیق نظامی کا پیش لفظ ہے کسی تاریخی کتاب کے مستند ہونے کے لئے شاید ہندوستان میں اس سے بڑی ضمانت نہیں پیش کی جاسکتی۔

٭

نام کتاب: آسان نحو

ترتیب: مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ضخامت: حصہ اول ۳۲ صفحات حصہ دوم ۱۰۴ صفحات

کتابت: جلی وخوش خط

طباعت: بہتر وعمدہ

تاریخ طباعت: درج نہیں

قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ وحیدیہ دیوبند سہارنپور۔ یو۔پی۔ انڈیا

گرامر ہر زبان کی جان ہوتی ہے معانی ومفہوم کا صحیح طور پر مخاطب تک پہنچانا بڑی حد تک اسی پر موقوف ہوتا ہے اس لئے ہر زبان میں اس کے گرامر اور قواعد واصول پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے عربی جو قرآن وحدیث کی زبان ہونے کے ساتھ ایک زندہ اور وسیع الذیل زبان ہے جس کے گرامر یعنی نحو وصرف کی رعایت خصوصیت کے ساتھ نہایت ضروری

ہے اسی اہمیت کے پیش نظر علماء وقت نے اپنے زمانوں میں اس فن پر مبسوط، متوسط اور مختصر ہر نوع کی کتابیں تصنیف کی ہیں پھر یہ بات بھی تقریبا مسلمات میں سے ہے کہ مبتدی طلبہ کے لئے جس قدر آسان اور سہل الحصول کتابیں مفید ہوئی ہیں اس کے برعکس اوق اور مغلق کتابیں بسا اوقات ان کی فہم وذکاوت میں جمود پیدا کر دیتی ہیں اسی لئے آج کل ساری دنیا میں ابتدائی فنون کی کتابیں طلبہ کی مادری زبان میں پڑھانے کا رواج عام ہو رہا ہے طلبہ عربی کی اسی ضرورت کے تحت زیر نظر کتاب مرتب کی گئی ہے کتاب کے مرتب مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دار العلوم دیوبند میں درجہ علیاء کے کامیاب استاذ ہیں اپنی بات کو آسان سے آسان تر بنا کر پیش کرنے میں موصوف کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ٹھوس علمی وتدریسی صلاحیتوں کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی صاف وستھرا اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ جس کا زندہ ثبوت مولانا موصوف کی جدید کتاب ہے جو اسم بامسمّٰی کا ایک صحیح ترین نمونہ ہے اور بجا طور پر توقع کی جاتی ہے مبتدی طلبہ اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب: النحو المیسر (ترجمہ وتسہیل "نحو میر" بالعربیۃ)

مرتب: ازقلم مولانا شفیق احمد خاں قاسمی بستوی استاذ الجامعۃ خدیجۃ الکبریٰ کراچی پاکستان

ضخامت: اٹھاسی صفحات (۸۸)

کتابت وطباعت: اعلیٰ درجہ مع دیدہ زیب کور

سن طباعت: ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء

ناشر: جامعہ خدیجۃ الکبریٰ کراچی

قیمت: درج نہیں۔

یہ کتاب بھی جیسا کہ نام سے واضح ہے فن نحو میں ہے اور علامہ جرجانی کی مشہور ومتند اول فارسی تصنیف نحو میر کا عربی ایڈیشن ہے جسے فاضل ترجمہ نگار نے نہایت آسان عربی زبان واسلوب میں ڈھال دیا ہے طلبہ کے مزید فائدے کے لئے کتاب کی ہر بحث کے اختتام پر تمرینات کا اضافہ بھی کر دیا ہے یہ کتاب بھی "آسان نحو" کی طرح ابتدائی طلبہ کے لئے نہایت مفید اور خاصے کی چیز ہے۔